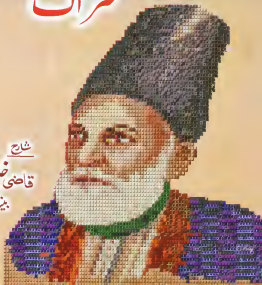


حضرت اسد اللہ غالب کی اردو غزلیات کی مکمل تشریح

شرح
دیوان غالب
المجموع
فترک

شرح
قاضی خلیل الرحمن
بینا بجنوری



حضرت اسد اللہ خاں غالب کی اردو عزیمات کی مکمل تشریح

شرح
دیوان غالب
المعجم
فترک

شاح

قاضی خلیل الرحمن بیجاپوری

عبد اللہ اکبر

الکتاب پرائیویٹ اردو پبلشرز

مادی کتابیں معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر:
عبد اللہ جہانگیر

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب — شرح دیوان غالب (العرف) فتراک
شارح — قاضی خلیل الرحمن پٹنہا بجنوری
مطبع — اسد نیوز پرنٹرز لاہور
ڈیزائن — عاطف بیٹ
قیمت — 250 روپے

مشاق بک کارنر // علم و عرفان پبلشرز
انکریمنڈریٹ اردو بازار لاہور

ملے کے ہیں

عَبْدُ اللَّهِ كَلَامُ
انکریمنڈریٹ اردو بازار لاہور

اقتساب

حضرت مولانا حسرت موہانی مرحوم کے نام جنھوں نے
شرح لکھنے کی تحریک عطاء فرمائی۔

﴿ فہرست ﴾

نمبر شمار	فہرست	صفحہ
۱	تکلیف	۱۳
۲	تاثرات حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب ختم دار العلوم دہلی	۲۱
۳	تاثرات حضرت علامہ سید ذکریہ العین حیدر صاحب	۲۳
۴	تاثرات محترم جناب ڈاکٹر آفتخدا مومن صاحب بحر قنوی	۲۳
۵	تاثرات عثمان کاملہ حضرت ابراہیم کرچوری	۲۳
۶	تاثرات حضرت مریض الرحمن صاحب سابق امپیکیشن فیسر۔ بی	۲۵
۷	تاثرات حضرت مفتی سکندر آبادی	۲۶
۸	تاثرات حضرت مفتی سرفراز صاحب	۲۷
۹	تاثرات محترم حضرت دایب گرانوی	۲۹
	غزلیات	
۱	عقل لڑائی ہے کسی شاعری تحریر کا	۳۰
۲	دل پر سوز تھاں سے بے جا پہنچ گیا	۳۲
۳	جرو قیص اور کوئی نہ آتا پردے کا۔	۳۵
۴	کہتے ہیں نہ جگہ مہول اگر چاہا	۳۷
۵	دھمکی شکر کیا جنت اسبیر ہوا	۴۱
۶	شوق ہر رنگہ قیہ ہر سماں نکلا	۴۳
۷	بھارتیہ سر غوث بہت مشکل پہنچا	۴۶

صفحہ	فہرست	نمبر شمار
۴۷	دہر میں اللہ کا قدر و ثمن کی تمجید	۸
۵۱	عمر نہیں ہے تو ہی تو ہمارے راز کا	۹
۵۴	سناٹا مگر ہے وہ اعجاز اس قدر جس پر باغ و خواں کا	۱۰
۵۹	یہ شہنشاہ میں ماسخدار کا دفتر کھلا	۱۱
۶۴	شب نماز شوق ساقی رستخیز اعجاز تھا	۱۲
۶۵	بار و دل میں شب اعجاز اثر آداب تھا	۱۳
۶۸	ایک ایک قطرے کا مجھے دریا چاہا حساب	۱۴
۷۰	شب کو رقی سوز دل سے سحر ہوا آج تھا	۱۵
۷۳	یہ چمکی ہواری قسمت کہ وہ سال یاد ہوتا	۱۶
۷۷	بہی کہ خواہ ہے ہر کام کا آسان ہوتا	۱۷
۸۱	دوست غم ظہاری میں میری سحر مارتے کیا	۱۸
۸۳	ہوئی کہ چٹا لاکر کیا کیا کیا	۱۹
۸۸	در غم و فراق غیب کوئی ہمساز ہوا	۲۰
۹۲	چاند نور کرم حق ہے شرم ہار ساقی کا	۲۱
۹۴	کہنا عجز و شب لگتے ہیں وہ چاہیے	۲۲
۹۷	جب چتر بے سطر پارے غزل باعجاز	۲۳
۹۹	نماز و رزم سے بے یوں بکنے کا کام آگیا	۲۴
۱۰۰	کمر کا راز نہ دے گئے بھی تو یہاں سے	۲۵
۱۰۲	محب ہے شوق کو دل میں بھی بھیجی ہوا	۲۶
۱۰۳	یک دروازہ میں نہیں ہے یہاں باغ کا	۲۷

صفحہ	فہرست	نمبر شمار
۱۰۷	دروقت کش روانہ ہوا	۲۸
۱۱۰	نقا بکھڑوہ اٹھا بکھڑوہ ہوا تو بھڑوہ	۲۹
۱۱۱	وہری بھگن پچھیں سے ٹم پچیاں بکھا	۳۰
۱۱۳	ہولی تاخیر ہو کر پاسید تاخیر ہی تھا	۳۱
۱۱۸	پھر مجھے دعا تو یاد آیا	۳۲
۱۲۲	تو دوست کی کاٹھی سگورن ہوا تھا	۳۳
۱۲۶	دھک بکھا ہے کہ نہ کاغیر سے اخلاص حیف	۳۴
۱۲۸	غافل ہوا ہم ہار ٹھوٹا مارا ہے در نہ یوں	۳۵
۱۳۰	مرضی یاد عشق کے قاتل نہیں رہا	۳۶
۱۳۳	ذکر اس پر یقین کا اور بھر بیاں بچ	۳۷
۱۳۶	نہر سے بازار آئے پر بازار کی کیا	۳۸
۱۳۸	شب کو ہوا ٹکس فرور زطلوت ہوا سوں تھا	۳۹
۱۳۹	عشرت قنبر ہے دریا میں ناکا ہو جانا	۴۰
۱۴۳	پھر ہوا وقت کہ وہ ہل ٹکھا سوج شراب	۴۱
۱۴۸	روبا کر کوئی تا قیامت سلامت	۴۲
۱۴۹	آہ نہ سے آہا ہے روجر ہوا اور دست	۴۳
۱۵۳	انہوں کو بچاں کا کیا رزق ملک نے	۴۴
۱۵۴	بھگن میں بندو سے بک کر بچا ج	۴۵
۱۵۵	کس کو سکی کٹا کٹ سے بکھا میرے ہوا	۴۶
۱۵۸	ٹکس نہا بچن آرزو سے پھر کچھ	۴۷

صفحہ	فہرست	نمبر شمار
۱۶۱	نکاح سے ہیں جو پیش نظر ۱۸۷۱ء	۴۸
۱۶۴	گروہ بنایا تو سے پر کیے بغیر	۴۹
۱۶۷	کیوں مل گیا کتاب درخشاں کو	۵۰
۱۷۱	لڑتا ہے مراد دل و صحت جو در دشمنی	۵۱
۱۷۴	کیوں کر اس بات سے رکھوں ہاں مزاج	۵۲
۱۷۵	لازم تھا کہ تھوڑے وقت کوئی دن اور	۵۳
۱۷۸	جنوں کی دشمنی کیس سے ہو کہ نہ مریانی	۵۴
۱۸۰	ہے جس کہ ہر ایک کیجئے اشارے میں نشان اور	۵۵
۱۸۳	دیکھ لیں ہوں نہ پھر دھار	۵۶
۱۷۸	حریف مطلب مشکل نہیں ہونے پڑ	۵۷
۱۹۰	قادران مجھے نہ جان کہ بوجہ کبر	۵۸
۱۹۱	خود را سے ملو تو بامیری کی نظر آتا ہے	۵۹
۱۹۳	زیر کار سے ہے جو نہ ہوا ملتی شمع	۶۰
۱۹۶	دھم پر چڑھیں کہاں مظالم بے پناہ	۶۱
۱۹۹	نہیں ہوئے ہے آزاد کو پیش از یک صں	۶۲
۲۰۱	کیا قائم نہ تو ظہیر اس کو جانتے ہیں	۶۳
۲۰۴	مشرق تا مغرب سے ہو میں نہیں	۶۴
۲۰۶	سویاں اور کے بار مجھے چاہو کسی وقت	۶۵
۲۰۸	جہاں تیرا نقش قدم پہنچتے ہیں	۶۶
۲۱۰	ذکر میرا یہ وہی مکی اسے حضور نہیں	۶۷

نمبر شمار	عبرست	صفحہ
۶۸	خیراں ہوں دل کہہ دے کہ بھلاں بھر کو میں	۲۱۲
۶۹	آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں	۱۱۷
۷۰	ہم سے کل ہاؤ توجہ سے پر حق ایک دن	۲۲۲
۷۱	عہد سے سدا رہنا کے باہر آتا سنا	۲۲۳
۷۲	ہے کہ قدر پاک فریب دہائے گل	۲۲۴
۷۳	وہ فراق اور وہ وسال کہاں	۲۲۸
۷۴	آکر چاہتے راگ مرا اثر ہوئے تک	۲۳۱
۷۵	ہم پر جہاں سے ترک دینا کا گلاس نہیں	۲۳۲
۷۶	باز وشت نوری کوئی تیر نہیں	۲۳۹
۷۷	مطلق ہے غم سے پار سے ہر انتخاب میں	۲۴۱
۷۸	دلوں جہاں سے کہہ دیجئے یہ خوش رہا	۲۴۶
۷۹	نہیں ہے غم کوئی جی کے اور غم دے تن میں	۲۴۸
۸۰	کل کے لئے کراہ نہ سخت شراب میں	۲۵۲
۸۱	دیوانگی سے روش پلکار بھی نہیں	۲۵۷
۸۲	کعب میں چار ہاتھ نہ ملے کیا نہیں	۲۶۰
۸۳	خند سے دل اکاسرہ ہے گرم ہاتھ ہو	۲۶۲
۸۴	محبوبہ گفتہ کہہ دے بہت دکھا کر یوں	۲۶۳
۸۵	سب کہاں یا بیکہاں دہلی میں لہا پاں ہو گئیں	۲۶۶
۸۶	مڑے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں	۲۷۲
۸۷	دل و قوت ہے نہ سنگ و شستہ درد سے مہر نہ آئے کیوں؟	۲۷۵

صفحہ	فہرست	نمبر شد
۲۷۸	تاج رحمتی طلبہ کے تمام ایجنٹس	۸۸
۲۸۲	حیرتوں کو مہیا ہوتے ہیں	۸۹
۲۸۵	دائم چہرہ ہاجیر سے ہر شخص ہوں میں	۹۰
۲۷۸	رکھتے ہو تم قدر ہماری آنکھوں سے کیوں دریغ؟	۹۱
۲۸۸	دارت اس سے ہیں کہ محبت حق کیوں نہ ہو	۹۲
۲۹۲	قصص میں ہوں کہ تھا بھی نہ پائیں میرے شیون کو	۹۳
۲۹۶	رہے سب کی جگہ بل کر جہاں کوئی نہ ہو	۹۴
۲۹۷	وہاں پہنچ کر جو فضا آتا ہے ہم ہے ہم کو	۹۵
۳۰۰	لم جاؤ گلو میرے جہر میں رہو	۹۶
۳۰۲	مرد ملو زورو ہے جوڑ کاں اٹھائے	۹۷
۳۰۵	سر جھٹکی میں عالم آستی سے پاس ہے	۹۸
۳۰۷	کرنا موشی سے فائدہ اٹھانے والی ہے	۹۹
۳۱۰	دھڑکا ہوں میں جب بچے کو اس بچہ من کے پاس	۱۰۰
۳۱۳	گلی روایات کو جو منگتو کیوں کریں	۱۰۱
۳۱۷	ذرد سے میرے ہے قہقہہ ہزاروں ہائے	۱۰۲
۳۲۱	کسی کو اس کے دل کوئی کو اپنے نگاہاں کیوں ہو	۱۰۳
۳۲۵	مجھ کے لئے سایہ غمراہات کا ہے	۱۰۴
۳۲۸	ہمارے ہر میں خدا کی ایک ایک فکر و غور ہوگی	۱۰۵
۳۳۱	ایک جا غمراہوں کو ایک تھا سو گئی مت گیا	۱۰۶
۳۳۳	سری آستی لٹھائے حیرت آ پاؤں سے	۱۰۷

۳۲۵	ہے ہم تان میں غنم آئندہ دلوں سے	۱۰۸
۳۲۶	رات کو قلعہ رہا خطر اب ہے	۱۰۹
۳۲۷	دل سے تری گا جگر تک آؤ گی	۱۱۰
۳۲۸	کوئی دن گزرے گا کی اور ہے	۱۱۱
۳۲۹	کار کا دستی میں داغ داغ سلاں ہے	۱۱۲
۳۳۰	تکسیر کو ہم نہ دیکھیں جھڑتی نظر ملے	۱۱۳
۳۳۱	مشق ہو کہ نہیں دھست ہی سہی	۱۱۴
۳۳۲	ہے آرمی کی میں کھاتل بھاگے	۱۱۵
۳۳۳	گرم ہزار کا کل پہاڑ نے مجھے	۱۱۶
۳۳۴	سادگی ہوا کی سر جانے کی حسرت دل میں ہے	۱۱۷
۳۳۵	خیر خواہ غامضی میں بھی نوا بہار ہے	۱۱۸
۳۳۶	لمبے نغے سے گرا پائی میں فرستے رانخانے کی	۱۱۹
۳۳۷	کیا تک ہم زرد گاس کا مکاں ہے	۱۲۰
۳۳۸	کہتے تو ہو گم سب کہ نہایت عالی مرتبت	۱۲۱
۳۳۹	پھر کیا کہ دل کو متروا دی ہے	۱۲۲
۳۴۰	جوز شکرہ مارا دل کی کرے شکر پاسبانی	۱۲۳
۳۴۱	ہوئی نصرت کئی تکسیر نہ ہو کر شکر دانی کی	۱۲۴
۳۴۲	نکھڑی ہے سزا فریادی بیجا اور لبر کی	۱۲۵
۳۴۳	چاندنیوں سے سب سے ہم ہوئے	۱۲۶
۳۴۴	تکسیر کو ہم نہ دیکھیں جھڑتی نظر ملے	۱۲۷

۱۲۸	پانچ ماہی اور پانچوں میں کہ میں امرالود	۳۸۸
۱۲۹	آکر مری جان کو تو نہیں ہے	۳۸۹
۱۳۰	نورم ٹم سے ہاں تک ہر گونی بھر کو ماسل ہے	۳۹۲
۱۳۱	جس بزم میں تو ناز سے گنگار میں آوے	۳۹۳
۱۳۲	نہیں رہ کر چہ بہ نام کمال اچھا ہے	۳۹۷
۱۳۳	نہ ہوتی کر رہے ہر نے سے تسلی نہ کی	۴۰۱
۱۳۴	جب نکلا تو سے علاؤ کے چلے ہیں ہم آگے	۴۰۳
۱۳۵	لکھو کے ہم سے، پھر خفا ہوتا ہے	۴۰۵
۱۳۶	نار ہا تھا قہار سے فرش سے میرا ادواب	۴۰۷
۱۳۷	میر نہیں گھل میں رہے ہام کے	۴۱۰
۱۳۸	ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟	۴۱۳
۱۳۹	میں نہیں بیخودوں اور بکھڑا نہیں	۴۱۶
۱۴۰	نقش ناز سے لٹکا رہا غور پر قیہ	۴۱۷
۱۴۱	جس دلم کی ہو سکتی ہو تو ہر دلی	۴۱۹
۱۴۲	کہہ دیکھتا ہے کہانی میری	۴۲۱
۱۴۳	بکر اس اعجاز سے بہار آئی	۴۲۲
۱۴۴	چاہئے انتہوں کو جتنا چاہئے	۴۲۵
۱۴۵	ہر قدم زور دلی منزل پہ لگا ہوا ہے	۴۲۸
۱۴۶	کھڑکیں ہیں، خیمہ زل اس کو شائے نہ بنے	۴۲۲
۱۴۷	چاک کی خواہش اگر دھشت پہ پڑ جائے کرے	۴۲۵

صفحہ	فہرست	نمبر شمار
۴۴۷	وہ آ کے خواب میں تمکین اضطراب تو ہے	۱۴۸
۴۴۹	عیش سے میری اور قہر میں کش میرا دامن ہے	۱۴۹
۴۴۹	فریاد کی کوئی نے نہیں ہے	۱۵۰
۴۴۴	دیکھ کر وہ پردہ کرم داس کا لٹانی مجھے	۱۵۱
۴۴۷	کرے ہے بارہوے لب سے کب رنگ لروا	۱۵۲
۴۴۸	یار ہے شادی میں بھی ہنگامہ چاہ مجھے	۱۵۳
۴۵۰	دیا ہے دل کا گراس کوہ بثر ہے کیا کہیے	۱۵۴
۴۵۲	حضور شاہ میں پہلِ حق کی آواز ہے	۱۵۵
۴۵۸	زبک مقلد کا شاہنوں کا مات ہے	۱۵۶
۴۶۰	لاخرا تاہوں کو گرفتارم میں جا رہے مجھے	۱۵۷
۴۶۱	بازوچہ اخطار ہے دینا میرے آگے	۱۵۸
۴۶۷	عزنی بازو شرمی دھماں مراے خندا ہے	۱۵۹
۴۶۸	کہوں جو حال تو کہتے ہوئے ما کہیے	۱۶۰
۴۷۲	ابنِ مریم ہوا کرے کوئی	۱۶۱
۴۷۵	بگلی بگلی بھی اس کے پی میں لگا جاتے ہے مجھ سے	۱۶۲
۴۷۸	روانے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے	۱۶۳
۴۸۱	بب تک دہانِ دُغم نہ پیدا کرے کوئی	۱۶۴
۴۸۶	باغِ پاکِ عشقانی سپہ زار ہے مجھے	۱۶۵
۴۸۸	بڑا دلی خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پدم لگے	۱۶۶
۴۹۲	بھم ناں اجرت ماچو عرض یکہ انھوں ہے	۱۶۷

صفحہ	فہرست	نمبر شمار
۴۹۴	جس جاہنم شانہ نہیں زلیب پار ہے	۴۹۸
۴۹۷	مذت ہوئی ہے، یاد کو کہاں کے ہوئے	۴۹۹
۵۰۳	نہداسن ہے، چاند دوست جاں کے لئے	۵۰۰
۵۰۸	خشم پہ چل ادا رفتاری نہلا ہے	۵۰۱
۵۱۲	کے تو شب کہیں، گائے تو سانپ کھارے	۵۰۲
۵۱۳	حضور تجی یہ شکل تجلی کو نور کی	۵۰۳
۵۱۷	غم کھانے میں ہوا دلی تا کام بہت ہے	۵۰۴
۵۲۰	دلہن تیار وہ کا گلہ دم نکل آئے	۵۰۵
۵۲۲	شب رسال میں، مونس کیا ہے بن بگیر	۵۰۶
۵۲۷	آئینہ کیوں نہ ڈوں، کر قاتل کہیں جسے	۵۰۷
۵۳۰	دیکھنے میں ہیں گر چہ وہ، پر چوں یہ دلوں پر ایک	۵۰۸
۵۳۳	آپ نے عشقی مانگڑ کیا ہے تہہ کبھی	۵۰۹
۵۳۶	اپنا احوال بدل دیا کیوں بیان کیوں؟	۵۱۰
۵۳۶	میں ہوں مشتاق جہاں تجھ پہ جھگڑا کر	۵۱۱
۵۳۹	عین نہیں، کہ بھول کے گئی آرمید وہوں	۵۱۲
۵۴۳	تجسب شمع تراویں میں جہاں چاند ہوں	۵۱۳

”تلخابہ“

۲۸ فروری ۲۰۰۳ء کا واقعہ ہے میں فرصت کے عالم میں شیطان اردو ڈائجسٹ کے نائب مدیر ۱۹۶۹ء کا مطالعہ کر رہا تھا کہ میری نظر ایک مضمون (شرح کلام نائب) پر پڑی اور جب یہ معلوم ہوا کہ شرح مولانا مسرت موہانی مرحوم نے کی ہے تو پوری دلچسپی کے ساتھ بطور مطالعہ کیا۔ اس میں مختلف نوزوں کے چند اشعار اور دو پان کی پہلی غزل جس کا مطلع ہے۔

فعل فریادی ہے کس کی شوقی تحریر کا

کافذی ہے ہر کہن ہر چکر تصویر کا

کی مکمل تخریج کی گئی ہے۔ مطلع کی جو شرح انہوں نے فرمائی ہے میں اس کو چھ کروڑ حیرت میں چ گیا کہ بلاغہ اسلانا حضرت جیسے مستتر ہیں الاقرای سا کھ شہرت کا عالم ادیب اور شاعر جنگ آزادی کا عظیم سلاہنگی مہام و خواص کو دھمکے سے سکھا ہے اور گرا کر مسکا ہے تو ہر شمس شمارہ قصہ میں ہیں۔ انہوں نے جو اس کی شرح فرمائی ہے سلاحدہ کریں:

فعلش — یہ معنی: تصویر، تصویر چونکہ کافذی ہوتی ہے اسلئے فریادی کہا ہے، کیونکہ

ولایت میں فریادی کافذی ہر کہن کہن کردالت میں جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی چونکہ

سو جب مال و آزار ہے اسلئے تصویر بھی اپنے صنایع کی زبان حال شکایت کرتی ہے کہ کچھ کو بہت

کر کے کیوں پھلانے دے بیٹھی کیا۔

(ماغولان: غوربندی)

مقصود شاعر یہ ہے کہ جتنی تصاویر یا قصہ ہر شخص ہو موجب آزار ہے۔“

میری باتیں رائے میں یہ شرح قطعی طور سے مکمل اور خلاف واقعہ ہے، کیونکہ کافذی ایجاد اس کی بہت پرانی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مہاوہک میں کافذ نہیں تھا اور جملہ تحریریں درختوں کی چھانوں اور جانوروں کی کھانوں پر

لکھی جاتی تھیں۔ اور حضور کے زمانے کو سوا چودہ سو سال گزرے ہیں۔ اس مختصر باخشی کی تمام دنیا کی تاریخ روز روشن کی

ماخذ ہے، اندھیرے میں نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس ولایت اور کس حاکم یا بادشاہ کا یہ واقعہ ہے جہاں فریادی

کافذی ہر کہن کہن کر فرما دے لئے جاتا تھا۔ مولانا کو اس کی وضاحت کرنا چاہئے تھی، دنیا کے کسی ملک کی تاریخ سے یہ

بات ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ انہوں نے کافذی ایجاد کی اور حضور کے زمانے کے بہت بعد کی۔ خاقان یگن میں کوئی ایسا حاکم

بادشاہ نہیں گزرا جس کے حضور فریادی کافذی ہر کہن کہن کر لیا ہو جاتا ہو۔ اور پھر یہ کہ ایجاد چچ کی اس قدر بیجا ہے

کہاں ہوگی کہ فریادی اس حکم کی تعمیل آسانی سے کر پاتا ہوگا۔ عقل کسی بھی طرح اس مفروضہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔
 دوسرے یہ کہ تصویر کاغذ پر ہی کیوں ہوتی ہے؟ حشر پر بھی ہوتی ہے اور حشر کی بنی ہوئی بھی ہوتی ہے۔ کپڑے اور دیوار پر بھی
 ہو سکتی ہے۔ یہ کہاں کہ تصویر چرک کاغذ پر ہوتی ہے اس لئے فریادی کہا ہے، کوئی عقلی نہیں رکھتی۔ اس کے علاوہ بے حس و
 حرکت ساکت و جامد عقلی بلا کسی وجہ معقول کے کیوں فریاد کرے گی اسے کیا رنج و ملال ہے؟

ایک یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ فریادی معلوم ہوتا ہے اس کو پابند نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کاغذ کے لباس ہی میں فریاد کر سکا
 ہے۔ عقلی بات ہے۔ معلوم پر جب ضرب پڑتی ہے تو وہ چیخ پکار کرتا ہے اور وہ بے اختیار کرتا ہے، اس میں کسی تصنع کا
 سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک غزل میں غالب خود فرماتے ہیں:

نار پابند نے نہیں ہے فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

اس کے باوجود ان کے بعد جو شاعر اور گزرے انھوں نے بھی سولانا موصوف کے خیالی کی پیروی کی اور بیکار کی بلائی
 کر کے ہمارے کو طویل ضرور دیا، لیکن مطلب شعر بوجہ ہی رہا۔ موجودہ دور کے ایک شاعر پر، فیروز اکبر یوسف سلیم چشتی
 نے اپنی شرح میں اتنے منافذ ضرور کیا کہ فریادی کے کاغذی حیران کا واقعہ ایمان سے منسوب کر دیا، جو عقلی طور پر ممکن محض
 ہے، کیونکہ ایمان حضرت فاروقی اعظم کے دور میں فتح ہوا اس وقت وہاں کا بادشاہ بنو دگر تھا، آتش پرست ضرور تھا مگر اس
 دور جاہلیت میں بھی عادل اور مذہب مشہور تھا اس کے یہاں بھی کاغذی حیران کی کوئی روایت نہیں ملتی، اس کے بعد مسلم
 دور آ جاتا ہے اور خلافت راشدہ کے بعد خلفائے ثلاثین، ابو عباس اور ابو حامد نے حکومت کی، ان کے یہاں اس قسم کی
 روایات دم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بنو دگر سے پہلے کاغذ تھا ہی نہیں تو یہ کاغذی حیران کہاں سے آ گیا؟

واقعہ یہ ہے کہ شعر کا مطلب یہ ہے ہی نہیں جو ان حضرات نے بیان کیا۔ میری ناقص رائے میں شعر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ:

”شاعر بے ثباتی عالم کا تذکرہ کر رہا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز کاغذی، مٹا پا کھار اور فانی ہے۔ اور یہ عقل و دنیا فریاد
 کر رہا ہے کہ میرا صانع کون ہے؟ جس نے یہ حسین عناق کیا ہے۔ اصل نکتہ لفظ شوقی تحریر میں چھپا ہوا ہے، وہ یہ کہ شرف
 انکسارات ظلیہ اللہ فی الارض یہ جاننے کے باوجود کہ ہر شے کاغذی، مٹا پا کھار اور فانی ہے، ہر بھی اس کے حصول میں دیوانہ
 وار مشغول و مصروف ہے اور مقصد حیات کو بھول گیا ہے۔ جس طرح طفل دیوانہ کسی حسین عناق کو بکڑنے میں دینا چھٹی وقت
 ضائع کرتا ہے اور یہ عقلی جب اس کے اتھا آ جاتی ہے تو چند ساعت ہی اس سے دل بہت پاتا ہے۔ بالآخر بزرگ عقلی مر جاتی
 ہے اور بچہ کھانسیوں ملتا رہ جاتا ہے۔“

شعر بلا واکا جو بہ ساقیہ میانوی نے بھی ازانے کی کوشش کی ہے۔ جس میں بجز گستاخی کے کوئی بات قابل
 داد و تحسین نہیں ہے۔

شعر اچھا کریں:

خلیق کائنات کے دلچسپ جرم ۛ
جنتا تو ہو گا آپ بھی جنہاں بھی بھی

اسی فنون کا دوسرا شعر:

جب ۛے اختیار شوق دیکھا چاہے
جیتے شیر سے باہر ہے دم شیر کا

اس کا مفہوم بلا سلا تا مسرت مرحوم نے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ کریں۔ لا آکثر یوسف سلیم نے ہیثم سلا تا کی تائید فرمائی۔
(مضامین) ”یعنی عاشق کے شوق شہادت کی کشش کا اثر یہ ہے کہ دم شیر جیتے شیر سے باہر نکلا جاتا ہے۔“

اس مفہوم کو قبول کرنے میں یہ قیاحت ہے کہ شعر کے الفاظ میں لفظ شہادت کہیں نہیں ملتا، اس لئے شوق کوئی
دیگر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ہم شوق شہادت میں کر لیں تو پہلے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شعر تشبیہ منقول کا ذکر ہے اور شاعر نے خوش
گمانی کا پہلو اپنایا ہے، جو واقعہ کے خلاف ہے۔ ہمیں اس شعر کو سمجھنے کے لئے شاعر کی ذات خاص کا احاطہ کرنا چاہیے گا کہ
شاعر کا مزاج کیا ہے؟ اور کس حد تک وہیں دار عاشق صادق ہے؟ یا بالکل کس حد تک عاشق طبعی اور نہ شرب ہے؟ کیونکہ شعر
شاعر کے جذبات و اندوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔

اس مطالعہ کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور بلا تکلف بیان کرنا ضرور ہے انصاف اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ شاعر سنی کے عالم میں فنون گوئی کی آخری سیلاب حد کو عبور کر گیا ہے۔ اور نیکس جاتی ہمارا آیا ہے۔ اسی
مضمون کو قریب قریب انہی الفاظ میں سلا تا مسرت خود بیان فرما رہے ہیں۔ بلکہ سلا تا بالکل مرزاں ہو گئے ہیں عاقل
کریں:

شوق کی چٹایاں ۛ سے گزر جانے لگیں
وہل کی شب و آج جو دو جہ تبا ہوئے گا

اکثر دیکھتے ہیں آیا ہے کہ جب جب شاعر نے لفظ شوق کا تمنا استعمال کیا ہے تو اس سے مراد شاعر کی
محبوب سے اشتہا ملنا ہی (نیکس) ہی ہے۔ کبھی کبھی اس لفظ کا استعمال دوسرے مفہوم میں بھی کیا گیا ہے مگر تمنا نہیں جیسے:
شوق نکل ہوئی میں میں نے رکھ لئے کانٹوں پہ
کس قدر رنج گستاخاں نے دیا دھوکہ مجھے

(محمود جینوی)

قادی صاحب نے بحث اور بھی کی ہے جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا ہوں۔ اخیر میں فرماتے ہیں کہ میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ مردہ جو شجر نباتات کے مقابلے میں ہمیری پہلی اور دوسری شرح شعر کے تمام الفاظ کا احاطہ بہتر طریقے سے کرتی ہیں۔

فاسکد نے ان کی پوری بحث کو بخیر و حال اور اس نتیجے پر پہنچا کہ قادی صاحب خود بھی اچھے محقق اور اپنے کارہائیں کو بھی اچھا کر دکھایا۔ جب کہ شعر میری رائے میں نہایت معاف اور سادہ ہے صرف اجمالاً بیان فرماتا ہے۔

ماثقی اپنے مشوق سے صاحب ہو کر کہتا ہے تم میرے بہر حال کہہ سکتے ہو کہ تم ہمارے دل میں نہیں ہیں نہ کیا یہ ایک اگلی بات ہے مگر یہ تاؤ کہ تم ہمارے دل میں کیوں ہو؟ اور اس طرح ہو کہ جس قسم تم ہو تمہارے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے ماثقی قربت پر حیرت کی بات یہ ہے کہ تم ہماری آنکھوں سے پوشیدہ کیوں ہو؟ مثلاً ماثقی کے بعد تو جواب یہ سنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہمارے پاس آ جانا چاہئے۔ خدا شاعر اس قسم کی خوشدلانہ منگھو سے محب کو اپنی ہوس کے ہال میں لانا چاہتا ہے۔ چنانچہ مطلع میں اس کا مکمل ثبوت بھی فراہم کر رہے ہیں:

کلا چاہتا ہے کام کیا مثنویوں سے تو غائب

ترے ہے ہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرماں کیوں ہوں

شاعر کہیں مثنویوں سے کام نہ لانا چاہتا ہے، کہیں خوشدل سے اور یہ ماثقی کا مکر و لرب ہے اس کے لئے وہ خود اقرار ہی ہیں۔ کہتے ہیں:

ماثقی ہوں پہ مشوق فریبی ہے میرا کام

بھوں کو بھانکتی ہے لپکا میرے آگے

میرے خیال میں شعر کی وضاحت قلمی بحث ہوگی۔ میں نے مطلب کی دلیل میں خود بیان کیا ہے اشعار پیش کئے ہیں تاکہ چمن و چمن کی گھاٹیں بند ہے۔

شاعر حضرات خصوصاً مولا حسنرت سہانی مرحوم سے خدا فرماتے کوئی عداوت نہیں اور نہ ہی "خاک بدین" ان کی حقیر منظر ہے۔ برخلاف اس کے تنقید و تشریح کے بارہودا کی بزرگی مسلم ہے اور ہر لحاظ سے قابل احترام ہیں مگر لڑل مذکور کی شرح میں جو قطعی حضرت نے فرمائی ہے وہ ہرگز نظر انداز کر کے قابل نہیں ہے، کیونکہ اس سے ہر تین کو طبعی و ادبی خسار اٹھانا چاہئے جس کی طاقی ممکن نہیں ہوتی:

"خطائے بزرگماں کو فریق خطاست"

کے منظر میں ہرگز یہ جرات نہ کرنا تاہم میں ناگوار ہر مقدس سے معافی کا خواستگار ہوں اور ان کا شکر گزار ہوں کہ

انہوں نے اچھے فقیر کو فرمایا۔ غالب کی شرح کہنے کی فکر یہی تھا۔ فرمائی۔ اٹھ پاگ انکی قبر کو اور سے مسعود خود فرمائے۔
آمین آمین آمین !!

معاذ اللہ! میں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو شرح میں نے کی ہے وہ تمام وہ کامل سچ و درست ہے۔ میں ایک بہت کم پایہ انسان ہوں مگر الحمد للہ بصیرت رکھتا ہوں، تاہم عقلی کا امکان اپنی جگہ ہے۔ اگر کوئی صاحب فکر کسی شعری وضاحت میں کوئی کمی پائیں تو براہ کرم سچے شرح سے مطلع فرمائیں۔ مگر اسکا مدخل اور قریں محل ہونا ضروری ہے۔ میں انشاء اللہ انکا شعر گزرا ہوں گا۔ اور دوسرے پانچ بیٹن میں صحت کی کوشش کروں گا۔ میں نے اس شرح کو لکھنا میں بھی ضروری سمجھا کہ اکثر جامع اردو اور انگریزی کے طلباء کو غالب نہیں کے لئے میرے پاس آتے رہتے ہیں، انکے لئے کلام غالب کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اور میرے پاس آنے کی ذمت بھی نہ ہوگی۔ اور میں کب تک بیٹھا ہوں گا اور کتنوں کو سمجھا سکوں گا۔ اس وقت میری عمر ۸۸ سال ہے پابند کتاب ہوں میرے بعد یہ کتاب چکا نام میں نے "فقیر ایک" رکھا ہے رہنمائی کرے گی۔ انشاء اللہ

اردو فرمایا۔ غالب کی شرح اردو دفاتر میں موجود ہیں مگر یا پٹی نو صیت کا اعتبار سے الگ اور ذخیرہ ہوگی خاتمِ جاہن اس میں میں نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ مشکل الفاظ کے معانی شرح کی پیشانی پر لکھ دیئے ہیں تاکہ تارخین کو خصوصاً طلباء کو فائدہ نہ تلاش کرنا چاہئے انکی ذمت دیگر شاعر حضرات نے نہیں فرمائی۔

میں خود بھی الحمد للہ شعر کہتا ہوں اور سچا سمجھتا ہوں اس وقت میرے دو مجموعہ کلام طبعاً موجود ہیں جن کو میں نے ایک کو "معترب" اور دوسرے کو "عقل کا گزرا" کا نام دیا ہے۔ میں نے ان کی اشاعت کو مؤخر کر دیا اور شرح کی اشاعت کو مقدم کر دیا، کیونکہ اس سے لوگوں کو استفادے کا موقع ملے گا اور وہ اس کے مقابلے میں بے سود ہیں۔ میں اٹھ پاگ کے حضور دست بدلا ہوں کہ وہ اردو کے سلسلے میں میری اس حقیر خدمت کو قبولیت کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین!

خلیل الرحمن پٹا بجنوری

”تأثرات“

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اسد خانی

مرزا غالب کو مضمون آفرینی اور پرداز نگاری میں کمال حاصل ہے اور پاکمال شعرا کی صف میں ان کا مقام سب سے ممتاز ہے۔

جناب محترم قاضی عکرمی علیہ الرحمہ جتنا ایک کہنہ مشفق شاعر ادیب ہیں۔ دیجات وادیات میں وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ موصوف نے کام غالب کی اپنے ذوق کے مطابق شریعت فرمائی ہے۔ میرا کیونکہ یہ موضوع نہیں ہے اسلئے اس شریعت کے تسبیح کے بارے میں بیکانہ غالب کے بارہ خوار اور خرمین غالب کے خوش بختی نظام ادیب حضرات ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں۔

ماتم الغرور محترم قاضی صاحب موصوف کو ان کے ادبی ذوق پر خراج تحسین پیش کرتا ہے اور کام غالب کی شریعت میں موصوف نے جو مت دکھائی کی ہے اسکو آرزو ادیب کی قابل قدر خدمت قرار دیتا ہے۔

نما ہے کہ خداوند عالم جتنا صاحب کی اس ادبی خدمت کو قبول عام نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

محترم علی سید وکڑا العین حیدر صاحب

عظیم الرحمن چچا بھنور کی کتاب "فتنہ امی" جس میں انہوں نے غالب کی اردو نظریات کی فکریاں ساجھ
 شامیں سے بہت کر لی ہے۔ صبرِ حاضر میں ایک محبوب کی شہیت دکھتی ہے۔

غالبیات کے سلسلے میں در پر نظر کتاب ایک نیشن بھانڈا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اہل نظر بہت ذوقِ شوق
 سے اس کا مطالعہ کریں گے۔

مرزا غالب فلسفہ کی طرح ان نادر روزگار ہستیوں میں سے تھے کہ ان کے مطلق جتنا لکھا جائے کم ہے۔ وہ ہر
 زمانے اور ہر دور کے شاعر ہیں مستقبل میں بھی وہی اہمیت رہے گی جہاں آج ہے۔

محترم علی سید وکڑا العین حیدر صاحب

محترم جناب ڈاکٹر آنند سونہن صاحب گلزار دہلوی ابن
علامہ ارد دہلوی، یادگار داغ دہلوی، تلمیذ: علامہ تاتاریہ کیفی دہلوی، یادگار حالی پانی پتی

عظیم المرحوم صاحب چٹا بھٹوری کی شرح غالب موسوم بہ "فتراک" "پایک فوری تاثر"

میں نے حضرت عظیم المرحوم صاحب دہلی کی سچی منظور یعنی شرح دیوانی غالب موسوم بہ "فتراک" جتنے جتنے سرسری طور پر
چھی، جو محض نظر ثبات ہوئی۔ ان کے چند اشعار کا مفہوم مع دلائل کے کچھ کر مخطوطات میں اضافہ ہوا اور قدیم ذوق مطالعہ
کو اسے تجویز مطالعہ تحقیق و تمہار و سند کی طرف راہ فرمادہ کیا۔

ماشا اللہ جو گوشے اور پہلو، اہل افغان میں رہ گئے ان کی تقریر و ترجمہ سے معلوم ہوئے، نئے پہلو سے تکلف ہو رہے ہیں۔
انگلاف، رائے رکھنے کا حق اور کسی استاد شاعر کے کام کو کھٹنے کے زاویہ نظر مختلف اور مختلف ہو سکتے ہیں مگر کسی قلمبر میں اگر
نئے پہلو اُجاگر ہوتے ہوں تو اس کو مطالعہ اور محفل و تالان بجا سے بغور چھیننے پر خود کو راضی ہوا یاد رکھنا چاہئے۔ محفل
روایتی انداز میں غزل اور ایک ہی پہلو سے کبھی پرکھی مارنے کی صداقت صرف قدیم شریعت پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔

ادراک کے دروازے سے دیئے غنم اور فیضانِ علم و فن کے لئے ہمیشہ کھلے ہیں۔

اسی لئے مع موصوفی شرح یعنی "فتراک" کی رعایت سے اپنے زاویہ نظر و تحقیق سے کام لینے پر جناب دہلی صاحب کی اس
کوشش پر میں امن کو مبارکباد دیتا ہوں۔

فیضانِ غنم سے ہے ہاتھ

دیا نہیں کارِ بد ساتی

گلزار دہلوی

MUHAMMAD IQBAL

Ph.D. Urdu, F.N.S.S., PH.D. FLS, FIS, F.A.S.S.

Professor & Head

Department of Biology

Deen

Faculty of Science

Date _____

فتراک

محترم طلیل الرحمن چٹا بھنوری کی کاوش 'فتراک' میری نظر میں کسی مدد سے کسی چیلن اقل کی محتاج نہیں کیوں کہ اس کے مشمولات اپنی اہمیت و افادیت کا پورا پورا بلند خود اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ ضرورت ہے محض ایک جٹم چٹا کی جو حسن متن سے مخلوط ہو سکے۔ اور ایک صالح ذہن کی جو بائیں نظر تشریح کے توسط سے کلام غالب کی معنوی گہرائیوں کو پا کر اس کی عظمت کا اعتراف کر سکے۔

غالب کے مذہب احوں اور شیدائیوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ غالب فہمی کا دعویٰ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ لیکن چٹا صاحب نے اس تشریح کے ذریعہ کلام غالب کے مطالب و معانی کو یقیناً نیا مقام عطا کیا ہے۔ متحدہ اشعار کی تشریح نوچونکھانے والی ہے۔ محکمہ مضامین کے بکر چکر اس میں غوطہ زن ہو کر ایسے نادر و نایاب موتیوں کو نکال لائے جو محض انسانی کے کھانوں کو پورا کرتے ہوئے وحشی آدمی کا سامان فراہم کرے۔ جمعی ممکن ہے جب شارع اسلام قرآن عظیم اور سائنس سے بڑی حد تک واقفیت رکھتا ہو۔

کارساز تحقیق اس کاوش کو فہم مایہ کو عظمت و شہرت و مقبولیت کی نئی رفعتوں سے آشنا کرے۔

ڈاکٹر محمد اقبال

مکتبائے الہند حضرت ابراہیم رحمتی شرح دیوان غالب

نوروز بان کے شعرا میں مرزا غالب کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی شاعری کی ضخیم مسلسل جہاد ہے۔ غالب شاعری ایسا موضوع ہے جس کا باب آج تک ڈاٹ ہے۔ غالب پر مختلف طریقوں سے مختلف موضوعات کو لے کر ان پر کام ہو رہا ہے۔ ملیر، غالبیات، حضرات نے اپنی اپنی فہم کے مطابق غالب کے بارے میں اظہار خیال کیا اور یہ سلسلہ قدم بہ قدم نظر نہیں آتا۔ کام غالب کی مختلف شرحیں لکھی گئیں جن میں مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر عزیز سلیم، عاشق، علم طبع مہاشی، جوش ملیح آبادی اور شمس الرحمن فاروقی کی شرحیں کتابی شکل میں موجود ہیں۔ یہ شرحیں غالب شاعری کا دریہ ہیں۔ شاعری جب صحت اظہار خیال ہے اس کے بہت سے اشعار میں ابہام پایا جاتا ہے اور مختلف حضرات نے ان کی شرحیں اپنی اپنی فہم کے مطابق کی ہیں۔ سام خورشید، شاعرین نے دوسرے شاعرین کی شرح کی اعتبار پر اکتفا کر لیا ہے، جس سے بعض اشعار سمجھنے اور اظہار دیکھنے ہیں۔ مثلاً غالب کے دیوان کے پہلے شعر۔

عقل فرمادی ہے کہ کی شوقی قریر کا کاغذی ہے جو میں پر کھنکھرتا

کی شرح عجیب طریقہ سے کی گئی ہے۔ پاکستان میں اس سلسلے میں طویل بحث چلی ہے اور بہت سے ادباء شعراء نے اس شعر کو کلام شاعر کہنے والوں کی تحلیلی افلاطون میں رد کیا ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد الرحمن بجنوری کے بعد جناب ظلیل الرحمن جٹا بجنوری نے دیوان غالب کی ایک سوتری فریاد کی شرح موسوم پر "نثر اک" لکھ کر اپنی غالب فہمی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ انھوں نے کسی شاعر یا شاعر کی تقلید نہیں کی بلکہ ضخیم غالب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے پہلے کی گئی شرحوں میں بہت سے اشعار کی شرحوں کو رد کر کے نیا طریقہ سے نئی اور معترضہ شرحیں پیش کی ہیں جو حقیقہً غالب شاعری اور غالب فہمی میں نئے باب کا اضافہ ثابت ہوئی۔ ہمارے محققین اور دانشور حضرات کو چاہئے کہ ایسے کام کرنے والوں کو سراہیں۔

جناب ظلیل الرحمن جٹا بجنوری نے اسد اللہ خان غالب کی ایک سوتری فریاد کی شرح لکھ کر ایک ضخیم کام کیا ہے۔ یہ کام ضخیم غالب سے حقیقی ادب میں پیش ہوا اضافہ ہے۔ یہ کام جب طبع ہو کر غالب شاعری کو ان کی جگہ پر لے گا تو اس سے صرف سادہ شروں کا رد و فاش ہو گا بلکہ ضخیم غالب کے نئے باب نکلیں گے۔

چنانچہ صاحب کی خدمت میں اس ضخیم کام کے لئے جذبات حسین اور مبارک دعا پیش ہے۔

احقر: ابراہیم رحمتی قادیان، ۱۷/۶/۱۴۰۱ھ

ذکر نمبر ۳۰۰۵ ج ۲۰۰۵ھ

حضرت عزیز الرحمن صاحب سابق اریکیشن فیسٹیو۔ پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شاعری زندگی کی حقیقتوں کا اس قدر لطیف اور واضح بیان ہے کہ اندرونِ قلب پر وہ دھاری کر دیتا ہے اور سامعِ ادب اس لطیف انداز ہوتا ہے۔ غالب کے کام کا کمال اس کا واضح انسانی نفسیات کو نیچے اُس سے ہم آہنگ اور ناز و زبان کے علم سے واقف قرار۔

ظلیلِ مازن صاحب حکلمیں بہت جانتے بطور مطالعہ کیا ہے اور ان کے مختلف پہلوؤں پر نظر کی ہے۔ اور غالب کی تمام غزلوں کی واضح تشریح کی ہے، جو بلاشبہ غالب کے ہر غالب علم کے لئے معلومات کا نیا سرمایہ ہے۔

جیسا صاحب خود شاعر ہیں، میں موصوف کے عائلی سلسلے سے واقف ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاعری ان کی فطرت کا پھارج ہے اور ان کا کام خود بول رہا ہے کہ غالب سے بھی دراصل یہ نسبت ہے کہ جگہ جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غالب کے کلامِ زبان سے اس حد تک متاثر ہے کہ نیکلے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ غالب ہی کا طریقہ نگاہ ہے۔ روایت "مانگے ہے" کی غزل ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ میرا تاثر کہاں تک صحیح ہے۔

عزیز الرحمن

محترم نظمیں سکندر آبادی

بسم الله الرحمن الرحيم

وہابی نائب کے شاعرین میں، علمدہائی، مولانا اظاف حسین حالی، مولانا مسرت موہانی، محمد باقر اور بخنوار دہلوی کے نام سے کرائی جگہ مشہور ہیں۔ صاحب علمی کے دوران میں نے بھی انھیں سے استفادہ کیا ہے۔ تاہم محترم طویل اور غرض جتنا بخنواری نے اپنا تقریر کردہ جو قلمی نسخہ موسوم پر "فزاک" مجھے دکھایا ہے اسے چھ کر مجھے محسوس ہوا کہ نائب جنکی کے میدان میں جتنا بخنواری صاحب کی کاوش کا شہرہ کراس قدر اضافہ ہے۔ جتنا صاحب نے نائب کے بیشتر اشعار میں تنقید کے لئے پہلو تلاش کئے ہیں اور قابل فہم استدلال کے ساتھ انکی وضاحت بھی کی ہے۔ کیونکہ جتنا صاحب خود بھی ایک اچھے شاعر ہیں اور براہ پیمائش شاعر خاص اشعار بھی ہوتا ہے، اس لئے نائب کے اشعار کی گہرائیوں اور تنقید کی تہہ داروں تک یہ سوچ کر انکی نظر نے جو کام کیا ہے وہ عام آدمی کے لئے ممکن نہ تھا۔

میں انھیں انکی اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ انکی علمدہائی کی بہت جلد ہی فرمائیں گے۔

احقر

نظمیں سکندر آبادی، نارتھ کولڈ دہلی

تاریخ کے دفتر دہلی ۲۰۰۰ء

حضرت رفعت سروش صاحب

”حرفِ تہنیت“

”اے گلِ بہارِ خورشیدِ حقوے کے داداری“

دہ سرزمینِ دہلی کو بے ۱۰۰ سال، دہ رمانہ دار صاحب جن کی یاد ہمیشہ آتی ہے چاہے لڑوں اہلاد میں ہو یا نائبِ دہن و بھنگ کی دلی۔ آج، ایک گہرے بیٹھے بیٹھے ایک لوت غیر متزلزل کی۔ ایک بزرگ میرے ہم عمر نہایت شائستگی لیکن بے تکلفی سے بکھریاے ہیں، جن کی گفتگو اور نشست و برخاست پر میرے دہن گھیز کا رنگ ہے۔ ہاتھ کر کے میں چپاس سال پرانے ماضی میں پہنچ گیا اور کیا کیا یاد آئے۔ قاضی مسعود صاحب، مولوی ظلیل صاحب، بھائی عبدالسلام صاحب اور ہم سب کے بزرگ حافظ محمد ابراہیم صاحب اور قاضی شفاعت حسین صاحب یہ بزرگ ان سب کی یاد میں اپنے ساتھ لے آئے۔

ظلیل الرحمن جہان سے ہاتھ کر کے ایسا محسوس ہوا کہ میں قاضی میراے گھیز پہنچ گیا ہوں۔ برادر عزیز نہ صرف یہ کہ شاعر ہیں بلکہ شارح کام نائب بھی۔

نائب نے اپنے کلام میں ایسا ایسے نکات پوشیدہ رکھے ہیں جو کہ قبول نہیں کے:

تہنیتِ معنی کا حضم ان کو کھچے

جو لفظ کی غالبِ سرے اشعار میں آوے

اس اس حضم کی کئی کئی نہیں ملتی چاہئے۔ طلبِ بھائی ہوں، جوشِ ملیحاتی ہوں یا ہمارے دور کے طبعِ راضی فاروقی۔

یہاں صاحب کے ہاتھ میں ان کی کتاب ”فراک“ کا مسودہ دیکھا تو بے اختیار نائب کا قول یاد آیا:

”میں عذریہ گفتن آفریدہ ہوں“

یہاں صاحب نے غالب کی تمام اردو غزلوں کی شرح تصنیف کی ہے مگر ان کے ایک شعر

آگہی دامِ شہین جس قدر چاہے بھائے

وہاں عقاب ہے اپنے عالمِ حقیر کا

سے استفادہ کر کے ایک شعری مرزا کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

شاعر سورتی پہ کیا عقل نے عطا کا نثار

میرے خزاں میں ہے طائر قوسِ گلچیر

مسودہ کی ادنیٰ گزرائی کی، اسے مستفید ہو نہیں سکتے، تاہم ایک عموماً کتاب کی زیارت ضرور ہو گی، جس میں غالب کے کلام پران کے مزاج مان کے الفاظ اور ان کے نکات کی جھلکیاں کھیں نمایاں کھیں، مگر اور کبھی غیر محسوس ہیں۔

میں راجا صاحب کو اس کوشش پر مبارکباد دیتا ہوں اور اس فکر کا اظہار کر رہا ہوں کہ بخودی کے بعد ہر بخود سے ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے غالب کو حرف بہ حرف چڑھا دیا ہے ذہن میں جاں گزری کیا اور ہر اپنے اثرات شعریہ شعریہ رقم کئے۔

اب انتظار ہے اس لو کا کہ جب یہ کتاب مطلوب عقل میں میرے ہاتھ میں آئے۔

بے حد شکر یہ کے ساتھ

رفعت شروش

۲۸ / فروری ۲۰۰۶ء

تاثرات منظوم حضرت راغب ککرالوی

ہیں جنگے اللہ ہا قریب یہی ہیں وہ اسم ہاسلی ☆ ہیں جنگے ہاوش ہام دیتا یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 جو کس رکھتے نہیں ہیں کینہ یہی ہیں وہ اسم ہاسلی ☆ ہے قابل داد جنگا مینا یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 ہے جنگا مینا میں حرمت جنمیں ہے برہنگی کی جماعت ☆ کہیں کہیں کو جو کینہ یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 جو اپنی گردن فکر کے تل پر لگائے ہیں پار فرق ہو کر ☆ میق سلیم کا سفید یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 ہے جنگے شعراں میں وہ رہائی افق کی لالی ہو پانی پانی ☆ جہیں پہ سورج کے ہو پینہ یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 جو رنجراں میں ہیں گل تر جو کینہ کا سوں ہیں مستدر ☆ جو حالی ہاتھوں کا ہیں خزینہ یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 ہے طبع صورت تراش جنگی، گواہ تر ہے عواش جنگی ☆ تا دیں جگر کو جو عینہ یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 ہاتھوں نے غائب کی شاعری کی ہر ایک ترخا ہانگی کری ☆ یہی وہ بکھور کے ہیں دیتا یہی ہیں وہ اسم ہاسلی
 ظلیل رٹیں نام جنگا ہے غور فرمانا کام جنگا
 ہے جنگا راغب ککرا و سید یہی ہیں وہ اسم ہاسلی

راغب ککرالوی (ہمایوں)

غزل (۱)

عقل لڑائی ہے کس کی شونی قریر کا کاغذی ہے جڑیں ہر پیکر تصویر کا -
 کاغذ خفت جانی ہائے تنہائی نہ بوجھ صبح کرنا شام کا لاٹا ہے جڑے شیر کا
 جڑے ہے اختیار شوق دیکھا جائے سینہ ششیر سے باہر ہے دم ششیر کا
 آگئی دام غمیدان جس قدر چاہے بچائے عود ما عطاء ہے اپنے عالم فقر کا
 بس کہ ہوں غالب امیری میں بھی آتش زہر پا
 سوئے آتش دیدہ ہے ملت مری رنجہ کا



عقل لڑائی ہے کسکی شونی قریر کا
 کاغذی ہے جڑیں ہر پیکر تصویر کا

عقل = تصویر، جزو لڑائی = آزمائی کر کے مدد مانگے والا، جڑیں = گڑھاں، پیکر = بدن، اڑھانچہ
 شترتاج = لڑائی جیسا کہ عقل کو دنیا فریاد کر رہا ہے کہ میرا ساخ کون ہے کس نے یہ زمین مذاق کیا ہے کہ میری ہر شہابی
 جگہ نہایت خوبصورت اور لاشن ہے گرسب کاغذی نا پائیدار اور قاتی ہے۔

اس میں ایک نکتہ غلط شونی میں پہچا ہوا ہے یہ ہے کہ یہ صرف الحکومات انسان علیحدہ عقل فی اللہ نہیں جانتے
 کے باوجود کہ دنیا دہ کے کوئی ہے اور یہاں کی ہر جتنی سے جتنی شے عقل قرآن کریم حاکم مزار ہے (دھوکہ ہے) اس
 کے حصول میں درانداز مشغول و مصروف ہے اور مقصد حیات کو بھول گیا ہے جس طرح ایک بچہ ملت رنگ خوبصورت چل
 کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہ اس کے ہاتھ بھی آجائے تو بھی چند ساعت دل بہانے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں
 آتا پھر نتیجہ اوقات کے اور جب وہ ناک کھڑو چل اس کے ہاتھ میں آکر مر جاتی ہے تو بچہ کب اسوس ستارہ جاتا ہے۔ یہ
 ہے وہ زمین مذاق جو شونی قریر میں غمنا ہوا ہے شعر خدا کا چرہ ستر لہ صوفی نے بھی آواز لے کی کوشش کی ہے جس میں عواد
 شگنائی کے کوئی ہاتھ بھی قابل ملاحظہ نہیں۔ شعراء غفلت لڑائیں۔

عقل کا نکات کے لیے دل چاہ بزم پر ہوتا تو ہو گا آپ بھی بزم کی مجلس



کار کا وقت جانی اے نہائی نہی چو

مہاج کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

کار کا کوہ = تجسس، کوشش، جتن، لہجہ جی جی جوئے شیر لانا = دور و دور کی خبر لال لانا ایک حکا کار، دانا لکھن کو لکھن کر دکھانا

تشریح :- کہتے ہیں کہ شب فراق میں میری پریشانی کا عالم مت ہی چو کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے محبوب کی عہدائی میں ایک تجسس اور ہے یعنی کہ مجھ جیسا سخت جان ہی برداشت کرتا ہے کہ شام کا کچا کر اور و دور کی خبر لال لالنے کے حوصلہ ہے۔



جذبہ ہے اختیارِ شوق دیکھا چاہئے

بیڑہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

ڈم = روح، جان، غول، سانس شمشیر = سکوار، تیغ

تشریح :- شعر ہذا شاعر کی روحانہ غرضی کا مظہر ہے۔ غزل کا ہر شعر کہیں نہ کہیں اپنی قسمت دہلی کا ثبوت فراہم کرتا ہے دوسری زبان میں اسی کو یکس کہتے ہیں خصوصاً شعرا نے حدیث یکس پہلی کو غزل کی روح دیکھتے ہیں اور غزویہ بیان کرتے ہیں شعرا و ہنرمندانی فرماتے ہیں۔

سیت کر میرے اندر کالے گیا سب کچھ

گرفت چھوڑی جو آئے مجھے بکڑتے ہوئے

عاقب کے یہاں کمال یہ ہے کہ وہاں مضمون کا استدلال کی آڑ میں مشکل الفاظ کے ہرے میں بیان کرتے ہیں اور پاکے جو چین اور فتنہ کی وہ لیل ہے جو دوسروں کے یہاں غلامت ہے چتا نچا اسی مضمون کو مولانا حسرت نے اپنی اس طرح فرماتے ہیں اور اس درجہ گریں ہو گئے کہ لکھتے ہوئے شرم آتی ہے مجددِ اقویٰ کرنا چہ دردا ہے کیونکہ ان کا یہ شعر عاقب کے اس شعر کا کج ترجمان ہے۔ ملاحظہ کریں۔

شوق کی چلتیاں حد سے گزر جائے لگیں ☆ دہل کی حبیب دا جو وند بجا ہونے کا

کچھ حضرات نے عاقب کے شعر میں شہادت کی طرف تاویل فرمائی ہے جو بلا لحاظ واقعہ غلط ہے صرف خوش گمانی پر منحصر ہے جس کا بڑے مطلب کی وہ لیل میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جب جب کسی شاعر نے لفظ شوق کا اہم استعمال کیا ہے وہاں وہاں ہر اداس کی یکس پہلی ہے جیسا کہ مولانا حسرت کے شعر سے ثابت ہوتا ہے۔



آگہی دام کھنڈن جس قدر چاہے بچائے

مدعا ملتا ہے اپنے عالمِ حقیر کا

آگہی = سلو ماہ علم = دام = ہال = شہیدان = مدعا = مطلب = حلقہ = ایک فرضی پردہ

تشریح :- اس شعر میں غائب نامی مشکل پسندی پر غور فرماتے ہیں۔ دراصل ملتا ایک ایسا پردہ ہے جس کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے کبھی ہو اور اب انکی نسل ختم ہو گئی ہو۔ فرماتے ہیں کہ میرا بیان حلقہ کی مانند ہے جس کو سامع کی محسوسات کے ہال بچائے ہو سکتا ہے جس کو سختی یعنی سمجھنا آسان نہیں ہے۔



بس کہ ہوں غائب امیری میں بھی آتشِ زیر پا

نورے آتشِ دیدہ ہے حلقہ مریِ ذخیر کا

امیری = تہ = آتشِ زیر پا = ایک عمارت جو بجلی کا منظر ہے نورے آتشِ دیدہ = ملتا ہو ہال حلقہ = کوری

تشریح :- مطلع میں حضرت فرماتے ہیں کہ میں امیرِ عشق ہوں اور آتشِ عشق اس قدر جود بجلی ہے کہ میرے پاؤں کی ذخیر کا ہر حلقہ (کوری) انکی کوری سے بجلی لگی ہے اور کیفیت یہ ہے کہ ذخیر کا ہر حلقہ اس ہال کی مانند ہے جو آگ کو چھو کر آگ ہو گیا ہو مطلب یہ ہے کہ میرے عشق کے سامنے ذخیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

غزل (۲)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے تاباں مل گیا	آتشِ خاموش کی مانند گویا مل گیا
دل میں ذوقِ اصل و یارِ پار تک باقی نہیں	آگ اس گھر میں گئی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں دردِ ناخنِ ہار	میری آہِ آنکھیں سے ہالِ حلقہ جل گیا
عرضِ بیکتنہ جو ہر اندیش کی گری کہاں	بکہ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صرا جمل گیا
دل نہیں تھو کو دکھا تا دردِ داغی ہمار	اس چٹائوں کا کدوں کیا کار فرماں مل گیا
میں ہوں دردِ افسردگی کی آرزو غائب کو دل	دیکھ کر طرزِ چاکِ کلِ دنیا جمل گیا



دل مرا سوزِ نہاں سے بے تاباں مل گیا

آتشِ خاموش کی مانند گویا مل گیا

سوز نہاں = دل میں بھی پھنسنی دامن بے کاہا = بے اختیار
 تشریح :- کہتے ہیں کہ ہر اول آتشِ عشق سے بے اختیار جل گیا وہ دل جل گیا جو نہایت شوق اور بولہ بالا دل تھا۔ عشق کی
 بے ادراک نے ہرے بختے ہوئے دل کو غما کھڑ کر کے رکھ دیا۔



دل میں ذوقِ وصل دیا وہ بار تک باقی نہیں
 آگ اس گھر میں گی اسی کو جو تھا جل گیا

تشریح :- کہتے ہیں کہ اب ہرے دل میں محبوب سے ملنے کا خیال بھی نہیں آتا اور محبوب سے ملکر جو راحت ملتی ہے مجھے
 اب اس راحت کا سرا بھی یاد نہیں محبوب کی بھی یاد بھی نہیں آتی آتشِ عشق نے اس گھر میں جو کچھ تھا بھلا کر رکھ دیا۔
 تبصرہ :- یہ محض شاعری ہے ورنہ عاشقِ ذوقِ وصل اور محبوب کی یاد کو بھی یاد کر کے ملے بھی فراموشی نہیں کرتا چنانچہ ہر
 مراد آبادی فرماتے ہیں۔

قدم اٹھ کھینچے نہیں منزل جاہں کے خلاف
 اور اگر ہوش کی پہچو تو مجھے ہوش نہیں

ایسا لگا ہے شعرِ نیا حضرت غالبؒ نے اپنی عمر کے آخری دور میں کہا ہے - صاحب نے کتابوں نے شاعر کو اس قدر
 بڑا اور بدحواس کر دیا ہے کہ نہ عاشق و معشوق کا تعلق آخری سانس تک باقی رہتا ہے بلکہ وقتی محنت کو عمر کے ساتھ ساتھ حریف
 جنگل حاصل کرتا ہے۔



میں عدم سے بھی بڑے ہوں ورنہ غالبؒ بڑا
 میری آواز اٹھیں سے ہاں عقابِ جل گیا

عدم = بھگت باہوہا آواز اٹھیں = آؤ گرم ہاں عقاب = عقاب کا پر
 تشریح :- کہ اسے نااہل میر تو مروے سے بھی بدتر ہوں ورنہ بھی آتشِ عشق کا یہ عالم تھا کہ میر سے منہ سے بڑا بھگت باہوہا
 اس سے عقاب جیسے پر سے بھی بڑا ہوتا ہے یہ محض نفس اور مبالغہ آرائی ہے ورنہ جب کسی نے عقاب کا گھنٹا دیکھا تو
 اس کے بچے ہونے پر کس نے دیکھے ہوئے شعر برائے شعر ہے کوئی خاص غلو نہیں رکھتا۔

مرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گری کہاں
 بلکہ خیال آتا تھا وحشت کا کہ میرا جل گیا

چہرہ، دراصل اندیشہ، فکر، خیال و شہت = دیوانگی = سحر = جمل

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کیا مرض کیا جائے اب فکر و خیال میں وہ کئی کہاں رہ گئی ہے اور نہ کبھی عشق میں تھاری
دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ انہیں کابھی خیال آ گیا ہے تو سحر میں آگ لگ گئی ہے۔ شاعر نے انہیں ٹھٹھکی اور ناممکنات
کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا صرف انہیں ترکیب سے قاری کو حیران کرتا ہے اور یہ ان کی شاعری کے کمالات سے ایک
کمال ہے۔



دل نہیں سمجھو دکھاتا دورہ داناؤں کی بہار

اس چمنوں کا کہوں کیا کار فرما جمل گیا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اب دل ہی نہیں رہا سب کچھ مل کر خاک ہو گیا اور میں بھی کر رہ گیا اگر دل ہوتا تو میں تجھ کو
داناؤں کی بہار دکھاتا کیا کہوں میرا محبوب ہی نہیں رہتا میرے دل میں امیدوں کے چمن روشن کئے تھے اور اپنی جہان کا
ریاں اور کج انا میں نے اس کو لالہ زہر بنا دیا تھا۔

تجربہ :- محبوب کے لئے جمل گیا کا استعمال قطعی نامناسب ہے۔ دلیلی کی بنیاد پر نے شعر کو غیر فصیح بنا دیا ہے۔

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل

دیکھ کر ہلڑ تپاک تپل دنیا جمل گیا

افسردگی = سردی سے ہم جانا طرز = طور طریقہ تپاک = گرمی داناؤں کی آرزو = سحر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اسے غالب دنیا داناؤں کے چٹولوں سے آواز سے میرا دل جمل رہا ہے اور اب افسردگی کی یعنی سردی
جانے کی تمنا کر رہا ہے۔ شاعر نے یہاں تپاک کا لفظ طرز استعمال کیا ہے جو چٹولوں کے معنوں میں مستعمل ہے مگر چونکہ لفظ
تپاک بخش سے ماخوذ ہے اور بخش میں جلانے کی خاصیت ہے اس لئے یہاں طرز موقع نہایت موزوں ہے عیب لطف دے رہا
ہے شاعر کمال اس تپاک سے جمل رہا ہے۔

تجربہ :- واقعہ یہ ہے کہ دنیا داناؤں کی عموماً یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر فنکار اور ہر کمال شخصیت سے اللہ واسطے کا عہدہ
دیکھتے ہیں مگر جب وہ عہدہ دیتے ہیں تو تعریف کرتے ہیں اس معافانہ رویہ سے حضرت غالب سخت غصہ ہوا ہے اور
موت کی تمنا کر رہے ہیں۔



غزل (۳)

جزو قس اور کوئی نہ آیا ہونے کار صرا عمر پہ چلی چشم نمود حق
 آشفتگی نے نقش سوچا کیا درست ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
 قہ خواب میں طیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ گھل گئی تو زیاں تو نہ نہ تھا
 لیتا ہوں ملکِ طم دل نہیں سچے ہنوز لیکن بھی کہ رفت گیا اور ہو تھا
 صاحبِ کفن نے داغِ مہتاب پر بجلی میں دور ہر لباس میں جب وجود تھا
 تجھے بغیر مرنے کا کہیں اند برگشتہ قرار دہم و قدور تھا



جزو قس اور کوئی نہ آیا ہونے کار
 صرا عمر پہ چلی چشم نمود حق

تشریح :- فرماتے ہیں کہ قس ماری (بھوں) کے علاوہ کوئی دوسرا عاشق صرا خودی کی طرف مائل نہیں ہوا اور نہ ہوا
 بھی ہو تو اسے کوئی شہرت نہیں پائی، لہذا یہ کہ ماری مادی آنکھوں کی مانند گھبراہٹ سے غلوں میں عشق کے لئے ناکافی
 قافض کم درجہ کا جنون رکھتا تھا اس لئے صرا اساتذت کر گیا۔ غالب صاحب اپنے عشق کے مقابلے میں کسی کو ذیت نہیں
 دیتے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

کون ہوتا ہے حجب سے مرد لکھنِ جفت
 ہے کرد لب ساقی پہ صلا میرے بند

یہاں غالب صاحب خود کو پیدا عاشق قرار ہے جس کا پھر ہے بعد ساقی دوسری بار اعلان کر رہا ہے کہ کوئی
 ہے جس بار عشق کا تحمل ہو سکے۔



آشفتگی نے نقش سوچا کیا درست
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

آشفتگی = پریشانی سوچا = سیاہ داغ جو عاشق کے دل میں ملنے سے ہو جاتا ہے سرمایہ = خزانہ دود = زحمات
 تشریح :- کہتے ہیں کہ میرے دل میں جو عشق کی سوزش سے داغ ہو گیا ہے اس کو پریشانوں نے مزید بکھار دیا۔ ثابت ہوا

کس دماغ کا جو سراپا ہے وہی بھانپاں ہیں۔ جس طرح دھواں جب مسلسل کئی جگہ گرگتا ہے تو دماغ چھوڑ جاتا ہے۔



تو خواب میں خیال کو تھ سے سنا

جب آنکھ کھل گئی تو زبان تھانہ سو رہا

زبان = نقصان نمودہ = ناکام

تشریح :- ایسا لگتا ہے کہ شاعر کا محبوب اللہ کو پیارا ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھاری محبت بھی تھ سے ایک خواب و خیال تھی جس طرح خواب سے بیدار ہو کر آدمی ہاتھ مٹا رہ جاتا ہے اور وہ کچھ نفع نقصان نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح تھ سے بیدار ہونے والا۔



لیتا ہوں کتب خیم دل میں سخی جنور

لکھن بجی کہ رفت گیا اور کود تھا

جنور = سب بک رفت = گیا کود = تھا

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں خیم دل کے مدرس میں سب بک بھی سخی لے رہا ہوں کہ یہاں ہر جگہ بھی سدا جانے والی کے لئے بے طول ہوتا بیکار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس عالم کی کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے جس سے محبت کی جاوے خواہ دولت کس دہلیب ہو یا سحر رزد مال میں امن کے جانے کا ظم آٹھا تار پاد اور آٹھا پادوں اور سخی ماحصل کر رہا ہوں۔ جس طرح کبھی عالم عقلی میں مدرس میں رفت مٹی گیا اور بوسہ مٹی تھا چڑھتا تھا جنور وہی سخی چڑھ رہا ہوں اور محبت حاصل کر رہا ہوں۔ کہ اس دنیا کی کوئی چیز قابل محروم نہیں ہے۔



دھانپا لکھن نے دارغ میوب برہنگی

میں دہن ہر لباس میں کج وجود تھا

میوب = جن میوب کی برہنگی = نریانی رنگ میں نکسہ وجود = قابل شرم وجود

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں اس قدر گناہگار اور میوب دار واقع ہوا تھا کہ میرا وجود پامٹ کر کوئی لباس میری گریبان کو نہ بھانپا لکھن نے میرے دماغ پائے میوب کی پردہ پوشی کی۔ یہاں نہایت خوبصورت انداز میں اعتراض گناہ دار لکھی دوستی کیا گیا ہے کہ خواہ دنیا کی عدالت ہو یا حکم الما کین کی عدالت بہر حال

حضرت نائب کرمستانی کا پروردگار ضرور دل جانے۔



تجلی بخیر مر نہ سنا کہ کی آمد

مر کھنڈ غبار رسوم دلتود تھا

پیشہ = حضور، ماسوا کو ممکن = پہاڑ کو دہنے والا، القب فرہاد کا سر گھٹتے = سر پھرا شمار = نثر

تشریح :- قصہ کو کہ میں شریں و فریاد کی چٹک چٹپٹ ہے اور یہ کہانی اس طرح ہے کہ شیریں شیشا دیوان پر دین کی بیگم تھی اور فرہاد ایک معمولی لڑکے جو چٹا تھا جو شیریں کا عاشق تھا اور دیوانہ شیریں کا نام لیکر اعجاز عشق کرتا پھر نا تھا جو شیریں دیر دین کی رسوائی کا سبب ہو رہا تھا پر دین ایک عادل بادشاہ تھا وہ فرہاد کو پاگل سمجھتا تھا دہندہ اسکو بہ یک جہش لب راستے سے ہٹا بھی سکتا تھا اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو ایک جلیسہ لگا دیا اور دھوکا دیا کہ تھیں پہاڑ کو کاٹ کر شیریں کو دے گا مگر تو نے یہ کام کر دیا تو شیریں خیرے حوالے کر دی جائیگی اور فرہاد پہاڑ کاٹنے میں مشغول ہو گیا اور بالآخر پہاڑ کو کاٹ کاٹ ڈالا کہ کامیابی کے قریب تھا بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ حیران و پریشان ہو گیا اور چونکہ اس کو اپنے دہندہ کے ہو جب شیریں کو اس کے حوالے کرنا چاہا تو اس لئے اس نے ایک بڑا صیلا کلہر پار کے پاس بھیجا کہ وہ شیریں کے سرے کی خبر دے۔ جو صیلا نے نہایت غمزہ اور پریشان حالی میں جا کر اس کو یہ اطلاع دی کہ بیٹے تو جس کے لئے اپنی محنت اور مشقت اٹھا رہا ہے اس کا اچانک انتقال ہو گیا۔ تاکہ بیٹی فرہاد نے اپنے سر میں حضور زاد لیا اور مر گیا اس طرح شیریں اور پر دین کو ایک دہانے سے نہایت ملی گئی۔

یہاں حضرت نائب صاحب فرہاد کے عشق کو ذکر ہے ہیں کہ اگر واقعی فرہاد شیریں کا عاشق تھا تو اس کو شیریں کے انتقال کی خبر پاتے ہی اس صدمے سے ہاں حق ہو جاتا تھا حضور زاد کہ خود کشتی کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ مرنا تو رسوم دنیا کے وقت ہے عشق کے وقت نہیں۔ بیاری سے مرنا خود کشتی سے مرنا کسی تصادم سے مرنا غیر سب موت کے بہانے اور رسوم ہیں عاشق کی موت کے لئے تو صرف عشق ہی بہانہ ہونا چاہئے فرہاد عشق میں دیوانہ نہیں تھا وہ تو رسوم دلتود اور اسباب دنیا کا پابند نہ ایک لہم پاگل ہی تھا۔

غزل (۳)

کہتے ہیں نہ دیکھے ہم دل آکر چہ پلا دل کہاں کہ کلم کہتے ہم نے سدا پلا
عشق سے طبع نے دوست کا حلالا صدمہ کی صدمہ پائی صدمہ ہے صدمہ پلا
دوست داد ملن ہے ادھر دل معلوم آہ ہے اڑ دیکھی تار تار پلا

سبکی نہ کہی ہے خودی و خیاوی
 جس کو تھیں میں برأت آرا ہوا
 مجھ پر ڈال کھلے آج ہم نے اپنا دل
 طعن کیا ہوا دیکھا ہم کیا ہوا ہوا
 حال دل نہیں معلوم تھیں اس قدر یعنی
 ہم نے ہار دھوا ہم نے ہار ہا ہوا
 خود پر نامج نے نظم ہے شک جہاز
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا حرا ہوا



کہتے ہیں نہ دیکھے ہم دل اگر چڑا ہوا

دل کہاں کر کلمہ کیجئے ہم لے دنا ہوا

تشریح:- یہاں عاتب صاحب کا محبوب کوئی کہیں کہو ہے جو کہہ رہا ہے کہ پائی بیچ پائی ہو جاتی ہے اگر ہم نے دل
 چڑھا ہوا چڑھا تو ہم آپ کو ہائیں نہیں دیکھے جواباً آپ فرماتے ہیں کہ دل دھارے پاس ہے ہی کہاں دھو تو تم نے پہلی نظر میں
 لے لیا اب تم اس کو نکھو۔ جس طرح کللوں کو نکھو دیا کرتے ہیں تم تمہارا مطلب سمجھ گئے کہ تم کو بھی ہم سے ہوا ہے۔ یہ شعر
 حب و محبت کا ہے یا عداوت کی دیگر شاعر نے پیش نہیں کیا اور اللہ یہ ہے کہ حقیقت کے بھی خلاف ہے ایسا نہیں ہوتا ہی
 نہیں یہ مضمون آخری کا کمال ہے۔ اگر مطلب اس کے علاوہ کیا اور ہے جواب یہ ہم نے بیان کیا تو وہ شعر کے الفاظ سے باہر
 ہے جسکو تفسیر عقلی کہتے ہیں اور وہ سب ہے۔ اللہ اعلم



مشق سے طبیعت نے زیست کا حرا ہوا

درد کی دوا پائی درد ہے دوا ہوا

زیست = زندگی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جینے کا درد (لطف زندگی) ہمیں مشق کی بدولت حاصل ہوا ہے محبت زندگی ہے ایک ہی جی کا درد
 اور جی ہم نے مشق کر کے اس درد کی دوا پائی مگر درد مشق ہے جو خود مستقل ایک مصدر ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں اس کی کوئی دوا
 نہیں۔ اللہ یہ ہے کہ مرض مشق دوا ہوا ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ سال بیمار مشق کی دوا ہے مگر یہ قطعی علاج فیصلہ ہے کہ تک دوا
 کا کام مرض کو ختم کر دینا ہے یہاں مرض مشق چا کر ختم ہوا تو زندگی بیکار ہو گئی اور یہ مشق کا علاج نہ ہوا بلکہ مشق کی سرت
 واقع ہو گئی اس لئے مرض مشق کا دوا کہا گیا ہے۔



دوست درد میں ہے احمد دل معلوم

آہ ہے اثر دیکھی ہمارا دوا ہوا

دوست دارو۔ دوستی رکھنے والا احکام۔ بکھرے۔ نالہ۔ فریاد۔ نارسا۔ نہ ہو گئے والا

تشریح :- شعر بڑا میں غالب صاحب اپنی قسمت کا ماتم کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں سلوم ہے کہ ہمارا دل ہمارے مخالف ہمارے دشمن کا ہمارے قریب کا فرقرار ہے اسکا ہر دور اور دوست ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس دل کی آہ میں اثر ہو چلا اور ہماری فریاد محبوب تک پہنچتی اور وہ ہمارے پاس پہنچا چلا آج انہوں نے ہماری آہ فریاد بھی ہماری ہوتے ہوئے دشمن کی دوست ہے۔ مفرد عشق کی کڑواہی بیان کرتا ہے۔



سادگی اور کاری ہے خودی و اختیار

مسن کو قائل میں محرومت آزا چلا

قائل۔ اے ہوا ہی محرومت آزا۔ عرصے کا زمانے والا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ سادگی اور خودی ہو یا اختیار ہو یہ سب مسن کی ادا نہیں ہیں جو حق کو مستتر کرنے کے لئے ہیں اور مسن قائل (اے ہوا ہی) کے ہونے میں اسکا مظاہرہ کر کے عشق کے عرصے کا امتحان لینا ہے کہ وہاں ہو اور نہ اختیار گستاخی پر آمادہ ہو چلا۔ اس کو محبت کے مطابق غالب صاحب کے یہاں بہ کثرت ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں۔

دول دغبا اس سراپا ہر کامی و نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش رفتی ایک دن



مجھ پر کھلے آج ہم نے اپنا دل

خون کیا ہوا دیکھا تم کیا ہوا چلا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ آج ہم نے اپنا دل جس کا خون ہو چکا تھا اور کھو گیا تھا پایا۔ ایسا لگا ہے غالب صاحب نے جب محبوب سے پہلی بار نظریں چار کیں جس اس وقت دل کا خون ہو گیا تھا دل کو بچے تھے اور ہر محبوب سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی اسکا آج ملاقات ہو گئی تو فرماتے ہیں کہ آج ہم نے اپنا کھو گیا ہوا دل پایا جو تھکا۔ اسے خون ہو چکا تھا کہ وہ کس کے پاس ہے ہم نے پایا۔ یہاں محبوب کو کچھ کہتے ہیں کہ وہ اس سے دیر ہو کر تسکین دہاں کر لیں۔



حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یقینی

ہم نے بارہا دھڑا تم نے بارہا پایا

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے ذہن کا جو حال معلوم نہیں وہ ہمارے پاس ہے ہی کہاں جو ہمیں اس کا حال معلوم ہو
تاہم جو معلومات اس بار سے میں ہے مگر تو صرف اتنی کہ ہم نے اس کو بارہا سنا کیا نہیں پایا مگر تم نے جب پایا اس
معلومے کا اپنے پاس پایا۔



خود پہ نامح نے دلم پر تھک چڑھا

آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا حرا پایا

پہرہ = طبیعت نامح = طبیعت کرنے والا (دانا)

تشریح :- فرماتے ہیں کہ حضرت نامح نے ہمیں کھانے میں اپنی پوری صلاحیتوں کا استعمال کیا جو سے زور دھڑ سے
طبیعت فرمائی اور سارے دشمنوں پر شک چڑھا اور ہمارے دور کو اور جو حرا یا ہم سے نہیں ہو گئے کاش کوئی آپ سے یہ پوچھے
کہ ہمیں سے نہیں کر کے آج کا کیا لطف آیا یہاں آپ کا استعمال کھڑا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نامح کی ایک ماضی کی
نظر میں کتنی عزت ہے اور ماضی معاد سے کس قدر عشق میں طبیعت کو کیا دھن سمجھتا ہے۔



ہے کہاں تھا کا دھڑا قدم بارہ

ہم نے دھبہ امکاں کو ایک نقش پایا

تھا = آرزو دھبہ امکاں = دنیا نقش پایا = پاؤں کا نشان

تشریح :- شعر بڑا زمانے شہتوں کے نائب نمبر میں (دیرینہ نائب) میں نہیں ہے مگر ایک صاحب نے یہ شعر تو دھڑ سے
کے ساتھ مجھے یاد دہرایا کہ یہ شعر نائب ہی کا ہے اور پوری فزل میں جو ہی طبیعت کا حال ہے ہر حال میں نے اسے گھرا رہا
شامل کتاب کر لیا۔

فرماتے ہیں کہ یہ دنیا تو خود سے ذہن تک میرا یہ قدم ہے میرے سبب میری قننا ہے کہ کوئی اور جہاں دیکھوں
مجھے دھڑے کہ میرا ہر قدم کہاں چلتا ہے اس جہاں کی تو خوب میری پوری دنیا کا اس حضرت انسان نے جہاں مارا گوش گوش
کی معلومات فراہم کر چکا ہے دنیا میرے لئے ایک نقش کف پاکی ہند ہے مختصر ہے گویا کار جہاں سے تو فراغت پا چکا کہ کسی
دھڑے جہاں مارا کھینچنے کی آواز دے۔

یہ شعر حضرت غالب نے سو سو برس پہلے کہا ہوگا آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ انسان دوسرا جہاں دیکھنے کا کتنا آرزو مند ہے چاند پر نہ تو تھا اور اب اس سے بھی اوپر دوسرے سیاروں پر کھنڈ بھگدیا ہے مگر دوسرا مسافر بنوڑا تو نہیں آیا یہاں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا تھمیدین ہنر میں چڑیا کا تھیرا تھمید ہشت میں چڑیا کی جہاں سے اس حضرت انسان نے سفر شروع کیا تھا اور وہی بد کا مسافر ہوگا۔ دانش عالم

کلکل جہاں فی نے بھی اس اعجاز کا شعر کہا تھا جس کو ایک مصرعہ ہی زمین میں رہا۔ کلاما حلقہ کریں۔

”وہی قہمی را سہل پائی منزل قدم آگھے تھے جہاں سے پہلے“

انسان کا یہ سفر حیات جنت سے جنت تک کا ہے خصوصاً سو سن کا جو فلسفہ حیات کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا اور جاننا ہے۔

غزل (۵)

دھکی میں سر گیا جو نہ باب نبرد تھا عشق نبرد پیشہ ظہار مرد تھا
تھا زندگی میں مرگ کا کھلا کھلا ہوا اڑنے چتر ہی مرا رنگ زرد تھا
تالیف نوحہ ہائے دانا کر رہا ہوں میں مجھ کو خیال ابھی فرد فرد تھا
دل تا جگر کہ ساحل دہائے غم ہے اب اس دیکھو میں جلوہ گل آگے گرد تھا
جاتی ہے کوئی شکستہ اندوہ عشق کی دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
احباب چادر سازی دھشت نہ کر سکے زماں میں ابھی خیال بیباں نورد تھا
یہ غم نہ کن لبہ ملتے جاں کی ہے

حق سطرے کرے جب آواز مرد تھا



دھکی میں سر گیا جو نہ باب نبرد تھا

عشق نبرد پیشہ ظہار مرد تھا

باب = دروازہ، لائق، درخور نبرد = جنگ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ عشق نبرد ہوتا ہے وہ مسلسل اپنے نفس اور ماحول سے مصروف جنگ رہتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ عاشق مضبوط قرار لے اور ماحول انسان ہو جو روانہ ہر اٹھ کا مقابلہ کر سکے جو کہ درد کو دل تھا وہ تو ماسی دھکی۔

ی میں سر گیا اور تاکام ہوا ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ عاشق اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتا اور ہر کام میں محبوب کی رضا کو ملحوظ رکھتا ہے ورنہ وہ سب کاموں میں عاشق نہیں ہوتا۔ سید عالم صاحب "اُس چاندِ مسلم پر خود مٹی ملی کر حجابِ قلعہ میں فرماتے ہیں۔

ہم شاید اسی کا ہے گفتِ نبی کسی کام کا خیال کیا
وہ اسے کس نظر سے دیکھیں گے دل نے پہلے ہی یہ سوال کیا
اور اس کی مرضی کے تحت زندگی گزارنا مشکل ترین کام ہے اس لئے اس کام کے لئے عروہ کی ضرورت ہے



تالیف نمونہ دیا کرتا ہوں میں
مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں دانشوروں کے خیال و اقوال مختلف رہے ہیں میں اس ڈیل میں ایک کتابچہ تالیف کر رہا ہوں۔ یعنی جملہ اقوال کو یکجا کر رہا ہوں ابھی تک یہ کام کسی نے نہیں کیا اور یہ مضمون فردِ فردِ عالم الگ الگ اور مختصر تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جذبہ و فاعلِ انسانیت کا جزا ناقص ہے انسان کے چہرہ کا نور ہے اس جذبہ کو جس قدر ابھارا جائے اس کا مظاہرہ کیا جائے وہ کم ہے کیونکہ معاشرہ میں اس کا جزا انتہائی اہم ہے مگر اس کو یہ جذبہ و فاعلِ انسانیت سے دور ہوتا جا رہا ہے اور انسان خود غرض ہوتا جا رہا ہے چنانچہ حضرت عاصم انشاء فرماتے ہیں۔

وفا سے بڑا ہو چکا ہوں کہ احرام و فاقہ میں ہے
اس آئینہ کو شکست کر دے آئینہ آئینہ نہیں ہے

حضرت غالب بتاتا ہے ہیں کہ وفا کیا چیز ہے اور انسانی زندگی کو اس کی کتنی ضرورت ہے۔



تو زندگی میں موت کا کلکا کا ہوا
اڑنے سے خوشتر بھی مرا رنگ درد تھا

تشریح:- فرماتے ہیں کہ زندگی بھر موت کا درد طاری رہا اور اس کا کلکا ہوا ثبوت یہ ہے کہ جب میں نے اس دنیا سے دوسرے جہان کے لئے اذان پڑھی یعنی موت آئی تو اس سے پہلے ہی مارے خوف کے میرا رنگ زرد ہو گیا۔

وسائلِ انسان اپنے کردار سے مطمئن نہیں ہوتا اس لئے ابھام سے گھبراتا ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا مشر ہو یا عیش اس کا خون خشک کر دیتا ہے اور رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کہ حضرت غالب خود بہت گورے چہرے آدمی

تھے اسے سر میں دنگ کا درد ہو گا لازمی ہے کیونکہ جوانی کی سرخی تو رخصت ہو جاتی ہے خون بننا بند ہو جاتا ہے زندگی سرخی کی
بکدے لے لیتی ہے۔ شعر ذرا عین نقیض سے آراستہ ہے۔



دل کا جگر کہ سدا مل دور پائے خوں ہے اب

اس روگزہ میں جلوہ گل آگے کر رہا تھا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ دل سے جگر تک اب خون کے دور کا سدا مل ہے یعنی کتنے مسروروں کی میرا سینہ آنا چکا ہے اس
راستہ میں کوئی حسین جلوہ فرما ہوا بھی تو اس کی کیا منت تھی میں کیا اس کو گناہ میں لایا تھا تو اس روگزہ میں انمول کی مانند تھا
آیا اور آزا چلا گیا۔ یہاں جلوہ گل محبوب کے لئے بلوراستہ دار استعمال ہوا ہے۔



جاتی ہے کوئی مکتل اندوہ عشق کی

دل بھی اتر گیا تو وہی دل کا درد تھا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ عشق کی پہ پہلی بھی جاتی نہیں مرتے ہم تک ساتھ رہتی ہے۔ جب ہم مرتے تو دل بھی
مر گیا اور عشق بھی اس کے ساتھ رخصت ہو گیا کیونکہ دل کا درد بھی وہی تھا۔

مطلب یہ ہے کہ مرض عشق ایسا علاج مرض ہے جو مر کر ہی بچھا بھڑتا ہے



احباب چارہ سازنی دشت نہ کر سکے

زخماں میں بھی خیال جہاں نورد تھا

احباب = دوست، حلقہیں چارہ = علاج، دشت = دیہاتی جاگن بہن زخماں = قید خانہ

بیاباں = جنگل ہے اب دیکھا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مجھ کو کئے عشق کی دیہاتی کا علاج میرے حلقہیں دوست احباب بھی نہ کر سکے اور انہوں
نے کسی خوف کیونکہ سے مجھے قید میں بھی داخل دیا تو میرا خیال تو آزاد اور بدستور دشت اثر رہا اور آنکلی آباد کی اور
صحرانوردی کو قید نہ کیا جاسکا۔



یہ نعلی ہے کفن سید خستہ جاں کی ہے

حق سقرت کرے جب آزاد نورد تھا

خفت جاں۔ لڑا ہوا غمزدہ۔ مغفرت۔ بھپانا، بخشش

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مزے کے بعد لوگ بھینٹا آکر یہ کہیں گے کہ یہ نعلیٰ بربد اسداٹھ خاں غالب کی ہے جو عشق زدہ آدمی تھا اسے پاک آنکھی پر دلائی فرمائے تھا بہت عجب قسم کا انسان۔

جنونی عشق میں ہائی دنیا سے اس دور جہ قطع ہو گیا تھا کہ اس کی لاش کو کھکانے لگانے والا بھی کوئی نہیں ہے اور لاش اور لاش چڑی ہوئی ہے جو خاتم صبرت ہے۔

غزل (۶)

شوق بر رنگ رقیب سرد سماں نکلا قیس تصویر کے پردے میں بھی مریاں نکلا
دل نے داد نہ دی تھگی دل کی یا رب تیر بھی چہرے نکل سے نہ فٹاں نکلا
بوسے گل، جلتے دل، دودھ پیمانہ محفل جو تری بزم سے نکلا سو پرچاں نکلا
دل، صبرت زدہ تھا باکوبہ لذت درد کام یاراں کا جھوٹا لب و دماغ نکلا
ہے تو آسمان کھینچ ڈھار پہنچ سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
دل میں پھر کر یہ نے اک شود اٹھا یا غالب آہ جو تھرا نہ نکلا تھا سو طوعاں نکلا



شوق بر رنگ رقیب سرد سماں نکلا

قیس تصویر کے پردے میں بھی مریاں نکلا

رقیب = اپنے محبوب کا کوئی دوسرا چاہنے والا دشمن مریاں = بہت بے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ شوق کیا بھی ہو کسی چیز سے ہو آدمی کو بے سرد سماں داد دیتا ہے۔ غفلت کر دیتا ہے۔ شوق نکل سلمان ذلیلت کا دشمن ثابت ہوا ہے اس دم سے کے ثبوت میں جناب غالب قیس (بھنوں) کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہ لیا کے شوق میں دیوانہ ہو گیا تھا سرد سماں تو کیا جسم پر لباس بھی نہیں رہا تھا۔ متبور نے بھی جب آنکھی تصویر بھائی تو اس کو بربد ہی دکھایا۔



دل نے داد نہ دی تھگی دل کی یا رب

تیر بھی چہرے نکل سے نہ فٹاں نکلا

داد۔ سرل، مطابہ بخش بھل = پہنکے انساں = بکھر چکا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ باطن میں میرے دلم نے مٹی میرے پریشان اور کم مایہ دل کی مدد کی انکی کچھ طرف روائی تھی میرے مظلوم ہونے کا ثبوت فرما دیا۔ میرے مظلوم دل سے جب حق کھینچا گیا تو خون کا دھارہ داخل چاغیر گچھے وقت دلم دل کو ہائے قہار، غم کو کتا ٹھک کر لینا کہ خون باہر نہ لکھ اور میری کم مائیگی کی لالچ نہ دہاتی کہ میرے جسم میں خون ہے ہی نہیں اور میں واقعی مظلوم ہوں اور کامل دم ہوں۔



ہوئے گل بخت دل دور ہمارا مصل

جو تری بزم سے رنگا سو پریشاں رنگا

نالہ فریاد دور = دھواں بزم = بھٹل

تشریح :- کہتے ہیں کہ تری بھٹل نے گل کر کسی کو سکون نہیں ملا تیری بزم ہی دراصل بہترین جگہ سکون تھی۔ پھول کی خوشبو جو پادل سے لگی ہوئی تھی، فریاد ہوا مصل کے ہمارا کا دھواں ہو مرض جو مٹی تیری بزم سے لگا اور پریشان حال رہا اور اسکا جود ہی ختم ہو گیا۔

ہوئے گل بخت دل دور ہمارا مصل تو بطور مثال پیش کئے گئے ہیں دراصل تمام انسان ہی سے ہے اور تیری بزم سے شاعر محبوب کی بھٹل سے ہے غم اور محبہ ملائی ہوئی حقیقی قول دونوں پر برابر صادق آتا ہے۔



دل صرت درد تھا ماکہ لذت درد

کام یادوں کا بھرد لب و دغاں رنگا

صرت درد = کتا کتا مارا ماکہ = بہترین غذا لب = ہونٹ دغاں = دانت پتھر = کے برابر تشریح :- فرات پر میں جلا جلا درد ملی ہے دنیا کی کوئی شے اتنی اچھی نہیں گئی ہم انکو اپنا بہترین دوست سمجھتے ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ اس دوست کی بہترین غذا درد اور کتا کتا ہوتا ہے اور اب بالآخر ہم لب گور آ گئے۔ لذت ہوا کہ دوستوں کی دوستی کھانے پہانے تک ہی محدود تھی پتھر چلا کہ اس راہ میں کوئی شخص نہیں ہے۔



ہے تو آواز کا بہت زخورد پند

خفت نشتکل ہے کہ یہ کام بھی آساں رنگا

نوراً موزلاً چاٹا گر، چا آئندہ لائی = موت جسے دشوار پسند = مشکل پسند حوصلہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہمارا مشکل پسندی کا حوصلہ اپنا کی شاکر دلی میں داخل ہوتا ہمارا ہے مطلب یہ ہے کہ مشکل شاعر کیا نہیں چاہتا طبیعتاً آسان پسندی کی طرف مائل ہوتی ہادی ہے۔

واحد یہ ہے کہ کام سامعین کو حضرت غالب سے یہ شکایت تھی کہ ان کا کام بہت بھل کی حد تک دفعتاً ہوتا ہے جو کچھ میں مشکل سے آتا ہے۔ چنانچہ اس دلیل میں خود فرماتے ہیں کہ

نہ سنا نقش کی حماء نہ صیغے کی پرواہ

نہ سہی گر سرے اشعار بھی معنی نہ سہی

اور کہیں فرمایا۔ گویم مشکل و گمراہ گویم مشکل

نکند فرمایا آج بھی رام سہیدان صدور جا ہے بچائے دنا معلقا ہے اپنے عالم تقریر کا

کہتے ہیں کہ مشکل پسندی ہماری عادت ہے اور میں آسان کہہ ہی نہیں سکتا لیکن اب چونکہ ضعیفی کے سبب ہر جہجہ کمزور ہوتی ہادی ہے چنانچہ مشکل پسندی کا حوصلہ بھی کمزور ہوتا ہمارا ہے اور ہم آسان کہنے لگ گئے ہیں جو ہمارے لئے سخت مشکل کام تھا وہ بھی آسان ہو گیا اور بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ ہماری مشکل پسند طبیعت کو یہ بات بھی نا پسند ہے۔



دل میں بھر کر یہ لے اک شور اٹھا یا غالب

آہ جو نظر نہ لگا تھا سو طوفان لگا

گر یہ = روئے

تشریح :- کہتے ہیں کہ ماں فرات پار میں گر یہ وادری کرتے ہیں چنانچہ حضرت غالب خود کو ایک عظیم عاشق ثابت کرتے ہیں ایسا عاشق ہو سکتا ہے مگر گر یہ وادری میں گمراہی کہتے ہیں کہ وہ نظر کا شک جو ٹٹنے سے دو گلیا قباب طوفان بکھر لگا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ گریہ کا بدوفا ہے تو طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو ہمارے کئے کا نام ہی نہیں لیتا۔

غزل (۷)

شہر بچے مرغوب نہ مشکل پسند آیا قاتلے بیک کلمہ دین صمد دل پسند آیا

ہ نہیں بیدل تو میدانی ہادی آسان ہے کشاکش کو اٹھا صدقہ مشکل پسند آیا

ہوائے سیر بھل آئینہ ہے صوری قاتل کہ اماندہ پہ طوفان غلطیوں بھل پسند آیا

نہ نہ مرغوب نہ مشکل پسند آیا

نہ نہ ایک کھ نہ دلی صدمہ دل پسند آیا

نہ نہ = نہ مرغوب = پسند نہ = مشکل پسند = محبوب کف = بھلی نمرؤن = بھلا
تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہمارا محبوب بھی کھ نہ مشکل پسند ہے کہ اس کو شادی کا نسل پسند آیا جو نہایت مشکل کام ہے۔
اور سنگڑوں دلوں کو ایک منہ میں شریک کی طرح کر دیا ایک قضا ہے کہ بچوں دلی سحر کے ہوئے ہے اور شریک کی
طرح ہر دلی کا اپنی بچی سے دل رہا ہے اور یہ قضا اس کو کتنا پسند ہے۔



بے فانی بیدی نو میدی جاوے آسان ہے

کٹا گل کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا

بیدی = بھری نو میدی = آسیدی جاوے = بھگی کٹا گلش = کوٹنے کی صلاحیت عقدہ = گرہ
تشریح :- فرماتے ہیں کہ بیدی کے سبب بھٹ کے لئے نا اہل ہو جانا بہت آسان ہے جو بے قوتوں اور جاسانوں کا
کام ہے۔ گل مند اور عقدہ بھلا طبیعتوں کو سحر مل کرنے میں اہل آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے شاعرانہ نفس کو پسند آتے ہیں جو عقدہ بھلائی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔



ہوئے سیر گل آئینہ ہے سہری قاتل

کہ انداز بہ خون ظلمت دیا نسل پسند آیا

ہوا = حرم ہے سہری = بے رحمی ظلمت دیا = آلودہ نسل = دشمنی بڑھانا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہمارا محبوب کس قدر عالمہ چارہ ہے کہ اس کو ظلمت دیا کی سیر بھی اس لئے پسند ہے کہ جن کے
لالہ گل ایک غری مہر عشق کرتے ہیں جو اسکی طبیعت کا آئینہ دار ہے کیونکہ اسکا بچے عثمان کو خاک و خون میں آلودہ کرنا ہے
دیکھنا بہت پسند ہے۔

غزل (۸)

دہر میں تھیں دانا و دہر تھیں نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا
سہرا خط سے ترا کا گل سرخش نہ دیا یہ زحر بھی حرج دم الغی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ احمد دقا سے بھڑوں وہ جگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہو
 دل گزار کاو خیال سے دھانری کسی کر قس جاو سر منزل تقویٰ نہ ہوا
 ہوں ترے بعد مرنے یہ بھی راضی کر کہی گوشِ منجہ کش گما یک قسلی نہ ہوا
 کس سے عروائی قسمت کی شکایت کیجئے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدہ یک بھینس ب سے قاب

اترلی سے حجب دم یعنی نہ ہوا



دہر میں عشق دقا دہر قسلی نہ ہوا

ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ طعنی نہ ہوا

نوٹ :- نزل ہذا میں حضرت نے، معنی، اپنی، راضی، قسلی، دہری کی کا قافیہ استعمال کیا ہے اسی میں مضمون نہیں۔
 تقویٰ، اور یعنی، کو کیسے قافیہ بنالیا جبکہ صوتی اعتبار سے قسلی قلا ہے اما کے اعتبار سے بھی (ی)، کو قصر نہیں کیا جاتا
 ہے الف کی آواز بولی جاتی ہے اسکو اگر کسی نے استعمال نہیں کیا اور نہ دروازہ میں بولا جاتا ہے۔ بہر حال
 بات استاد کی ہے کہ بولنے کی گھاٹل نہیں

تخریج :- فرماتے ہیں کہ جس، دقا غنائیں مکی یا مدح تھیں نہ قسلی نہ قسلی (دقا) مکی اپنے مضمون پر پھر نہیں اُترا۔

واقعہ یہ ہے کہ اکثر مستحق کا اپنے محبوب سے یہ شکایت ہی ہے کہ فنا مانگتا ہے چاہتا اس میں فنا فرماتے ہیں۔

دقا سے بڑا اور چکاہوں کہ احترام دقا نہیں ہے

اس آئینہ کو گلت کہو یہ آئینہ آئینہ نہیں ہے

خواص صافی کو محبوب کا قائل رہا شاعری میں دقا اور لفظ نہ جذبات میں دقا سے بڑا ہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور نہ قسلی طور
 سے یہ کہنا کہ دقا کوئی درجو نہیں ہے بالکل غلط ہے معنی بات ہے کہ کون ہم ضروری بھرت کے موقع پر مصدق اکبر کی
 وقادری سے ہر دگر صاحب کرام کی وقادری جو مسلم ہے کیسے اللہ کر سکتے ہیں خود حضرت قاتب ی دہری کہہ فرماتے
 ہیں جس سے اور بے خیال کی قصد حق ہوتی ہے۔ ملاحظہ کریں۔

وقادری بشرط استواری اصل ایسا ہے

مرے حقانے میں تو کہے میں گا ز اور میں کو



بیزو خط سے ترا کا گل سرخی نہ دیا

یہ دُعا بھی حجبِ دم اُٹھ نہ سکا

بیزو خط = چہرہ پر لبّ کی نمود، نگاہ = سر کے بالوں کی اُٹ جھک جاتے ہیں، سرخی = ہائی رز = بیزو

حجاب = دشمن، دم = سانس پھکار، طون = اُٹھی = سانپ

تشریح :- شعر بے اُشعار کے ایمانی اُوق کی غمخیزی کر رہا ہے جو شایہ واقعہ کے قطعی خلاف ہے حضرت غائب کے
دعا شرب ہونے سے انکار نہیں مگر اس غیبیت کو اُد کے وہ بھی سرعکب نہیں ہونے اُطلب گمان یہ ہے کہ یہ مذاق ماحول کی
کوہوت سے نکلا ہو کر کہا گیا ہے۔ ہاں ظلم میر تقی میر نے یہ مذاق لڑایا ہے کہتے ہیں۔

میر تیار ہوئے تھے سب

اسی مہار کے لفظ سے دوا لینے ہیں

بہر حال شعر کا طہوم بیان کرنا نہایت میں اصیقا مار گئے حروف ہے اس لئے شعر کا بابا پراکتفا کرنا ہوں۔



میں نے چاہا تھا کہ اُعدا دوا سے مہل ہوں

وہ حتم کر سرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

اُعدا دوا = دُعا داری کا حتم

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں محبوب کی جھکا کاریوں کے باوجود خواہ مخواہ دُعا داری پر قائم ہوں کیوں نہ میں بھی اس بار دوا
سے ہیکر دُعا اختیار کر لوں اور اس سے نہایت اسی صورت سے نکلیں ہے کہ میں خود کو موت کے حوالے کر دوں مگر وہ انکے لئے
بھی چارہ نہ ہوا۔



دل گذر کاو خیال سے و ساغر ہی سی

گر شمس ہا وہ سر منزلِ تقویٰ نہ ہوا

گذر گاہ = راستہ، شمس = سانس، چاند = اُٹھا، تقویٰ = طرفہ داری

کہتے ہیں کہ میرا سلسلہ شمس یعنی زندگی پر بیڑ مکاری اور خدا ترسی کی منزل کا راستہ نہیں۔ کاغذی دل یا گل پہ تقویٰ نہیں ہوا
تو چلو نہ سی خیال سے و ساغر ہی کا راستہ سی۔

تشریح :- شعر بے اُشعار با حقہ منہدم غایت درجہ پست اور گھٹیا ہے خیال سے و ساغر پراکتفا اور خدا ترسی سے گریز کرنا

ہمدردی کی دلیل ہے، چونکہ پرہیز گاری ایک مشکل کام ہے اور شاعر مشکل پسندی کا ہمدردی ہے اور یہاں اس مشکل پسندی کی آگاہی ہمدردی ہے۔ جبکہ خود ہی یوں پہچان فرماتے ہیں

کون ہوتا ہے عجب سے مردانگی عشق

ہے کردار ساقی پہ صاف میرے بعد

ایک شاعر کی طبیعت کا یہ قصداً اچھائی کر دہ اور کامل ملامت ہے خاتمہ دین



ہوں ترے وعدہ کرنے پہ بھی راضی کر بھی

کوش جنس کشن مگلا تک تسلی نہ ہوا

کوش = کان منس کش = احسان مند گل ہانگ = خوش آواز

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں اس پر بھی راضی ہوں کوڑے لگوانے سے بھی کوئی مہین وعدہ نہیں کیا اور اس لئے خوش ہوں کہ میرے کانوں نے تسلی کے طور پر وعدہ اور خوش آواز کا لفظ سننے کا احسان تو نہیں اٹھایا۔



کس سے عمر کی قسمت کی شکایت کیجئے

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہم اپنی بد قسمتی کی کس سے شکایت کریں جبکہ ہماری مرضی کے مطابق بھی کچھ ہوا ہی نہیں اس سے زیادہ اور عمر دی کیا ہو سکتی ہے کہ ہم نے موت بھی بھیا تک چیز کی تمنا کی تو وہ بھی نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں حضرت راضی برضا سے عجیب نظر آتے ہیں مگر یہ بخود ہی۔



مر کیا وعدہ یک جنس لب سے غالب

تا قرانی سے حریف دم یعنی نہ ہوا

جنس لب = بگلی یا مادہ، اشارہ لب حریف = دشمن، دم پوش = دم پھنی = حضرت پھنی کی بدھوک جو نودے کو زندہ کرتی تھی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں وعدہ چاہا کہ مر کر ہوا کہ بگلی ہی آواز اور زما سے اشارے پر جان دیدی۔ نہیں بلکہ میں کھڑی ہی اس قدر تھا کہ زما ہی جنس لب بھی برداشت نہ کر سکا اور مر گیا جبکہ یہ آواز مجھ باتوں کے لئے زندگی بخش ہوا

ہا ہے چنی مکر کردی اپنی چنی کر سید کی آواز کے سامنے نہر نہ کی اور اس کے مقابل ہونے کی تاب نہ لا سکی۔ حاصل نمسی
نے ایسے وقت کر سیمائی کی جب ہر بیض موت کے حصار میں آچکا تھا۔ ہات پکٹیں صرف مضمون کا غریبی کا کمال ہے۔

غزل (۹)

عزم نہیں ہے تو ہی تو ہائے راز کا یاں در نہ ہر جواب ہے ہمد ہے ساز کا
رنگ شلب سج بہار نکارا ہے یہ وقت ہے فلقین گل ہائے تار کا
تو اور مونس غیر نظر ہائے تجر تجر میں اور ذکھ قری بشر ہائے دراز کا
سرف ہے ضحہ، آہ میں میرا دگر نہ میں طوط ہوں ایک ہی نقشب ہانگوار کا
ہیں بک جوش باد سے ساغر اچھل رہے ہر گوشہ بہلا ہے سریشہ ہار کا
کارش کا دل کرے ہے تھک کر ہے دیوار تائن پ قرض، اس گم نیم ہار کا
تاراج کارش تم نکراں ہوا آمد

سجد کہ تھا دینہ گمراہے ہار کا



عزم نہیں ہے تو ہی تو ہائے راز کا

یاں در نہ ہر جواب ہے ہمد ہے ساز کا

عزم = جائے والا قوا = آواز جواب = ہمد ساز = ہاج

تحریر: فرماتے ہیں کہ اسے انسان تو ہی اس درجہ نائل اور ایمان ہے کہ رازداری کی کسی آواز کو نہیں سمجھا پاتا اور نہ اسے
یہ ہے کہ اس دنیا کا روز و رعب الٹی کا آئینہ دار ہے ہر دے سے جوا دار ٹپٹی ہے وہ مالک عقل کے اور دکا پتوے
دی ہے۔ مضمون بہت پرانا ہے کسی خارجی شاعر کا شعر ہے۔

رنگ درخشاں ہزار قطر ہوشیار ہر اسے دفتر لیسہ سرفہ کردگار



رنگ شلت سج بہار نکارا ہے

یہ وقت ہے فلقین گل ہائے تار کا

فلک = نورانیا فکھن = کھلا گل ہائے ناز = مراد مہمانی جہاں

تشریح :- کہتے ہیں کتاب برخطار ہے دو سج بہاراں کے رنگ شک کا ہے جس سج کارنگ پیکا ہو گیا ہے سج صادق کے قدم سج کا ذب میں داخل ہو چکے ہیں اور سورج آفتی کی بلندی کو چھو رہا ہے بدقت ہے مہمانی جہاں کی ایواری کا یہ سج باز دگرے کے ہو کسارتے ہوئے آخو رہے ہیں ان گلوں کے کھلنے کا بدقت ہے۔

تہجرف = دراصل خدا سے ڈرنے والے اننگی لوگ سج صادق میں آخو جاتے ہیں اور سج بہاراں کا لطف اٹھاتے ہیں اور عبادت آفتی کا ثواب بھی برعکاف اس کے ہم دگر دینا دار لوگ خصوصاً گل ذخانی زمانہ غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں اننگے کھلنے کا بدقت جب ہوتا ہے جب سج بہاراں کارنگ پیکا چڑھتا ہے۔



ق اور نونے غیر نظر ہائے تیز

میں اور دکھ تری بشرہ ہائے دراز کا

عز = پلک دراز = لمبی

تشریح :- محبوب سے غائب ہو کر حضرت غائب طبع یا عدا میں گھر رہا ہے جس کا ایک تو ہے کہ جی تیز تیز بہت بھری نظروں سے فیروں کی طرف حوجہ ہے اور ایک میں ہوں کرتی لمبی لمبی پلوں والی مسین آنکھوں کی قرین کرتے تھے تھکا ہار ہوں میں شاید اسی دکھا اٹھانے کے لئے پیو ہوا تھا کہ بہت تو ہم کریں اور لطف اٹھا رہا تھا میں اور تو ایواری کی طرف مائل اور حوجہ ہے۔



صرف ہے ضبط آء میں میرا دگرت میں

طور ہوں ایک ہی قبرس جاگداز کا

میر صرف ہے = میرا ہی ہے طور = غیر قبرس = سانس جاگداز = جان کو کھو دینے والا
تشریح :- لہراتے ہیں کہ مجھے ضبط آء پر قدرت حاصل ہے یہاں صرف اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے جو انجمن صاحب محترم کاخ ہے اور اس طرح اس کی کہہ سکتے تھے۔ (قدرت ہے ضبط آء میری دگرت میں) اس طرح شعر طبعی ہو جاتا جاگی شان کے عکاف ہے۔

کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ قدرت حاصل نہ ہوتی تو میں اپنی ہی جان کا سانس کا (آء) کا ایک قطر تھا۔ یہاں حضرت عیسیٰ خلیا آء پر قدرت اور قبرس جاگداز پر یاد کر رہے ہیں عقلی اور مہالذرائی کا طرہ صورت اعجاز و اکمال ہے جو اور اس کے یہاں نایاب ہے۔



ہیں بلکہ جوشِ باد سے ساغرا بھل رہے

ہر گوشہ بھلا ہے سریشلا باز کا

جوشِ باد = شراب کی تیزی گوشہ = کونا بھلا = فرش شیشہ باز = عادی۔

نصر = نگر و خیالِ مذہب و تہ سے مرداری قدم

تشریح :- یہاں حضرت میکہ سے کی بد اسکا کی کو خوبصورت انداز میں بیان فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ کھدنی شراب کا یہ عالم ہے کہ بیشِ شوق سے بے قابو ہو کر پھینا گھٹنی پر اتر آتے ہیں اور پانے اُچھل رہے ہیں شراب سے فرش کا کونہ کنہ تر تر ہے اور شرابیوں میں جوشِ باد و مکار ہے وہ اپنے فریب سے شراب حاصل کر رہا ہے اور مرداری بنا ہوا ہے، گوشہ بھلا سے مراد ہر اس آدمی سے ہے جو اس بھلا پر سوچ رہے اور فرش سے بھی جو درنگا مستی سے شراب سے تر تر ہے۔ شعر پتہ انسانی زندگی پر ایک استعارہ ہے کہ ہر آدمی دولت و نیا کمانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ بظہر شراب خانے میں شرابیوں کا ہجوم۔



کاوش کا دل کرے ہے قند کہ ہے جنور

بائیں پہ قرض اس گروہِ نیم باز کا

کاوش = سخت کوشش جنور = ایک گروہ = گاندھ نیم باز = ادھ لٹلی

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس ادھ لٹلی گروہ کو کھولنے کی کوشش کروں کیونکہ میرے بائیں عقدہ کشا پر ابھی تک کھولنے کا گویا قرض واجب ہے۔ یعنی میری ذمہ داری ہے۔

لیکن اس گروہ کا پتہ نہیں چلا کہ کوئی گروہ ہے جس کو کھولنے کی حضرت پر ذمہ داری ہے یا لگتا ہے کہ محبوب کو حاصل کرنے ہی کا وعدہ ہو سکتا ہے جس میں ابھی تک حضرت ناکام ہیں و اشلالم



تاراج کاوش غم جہراں ہوا آئندہ

سینہ کہ تھا دھیند کمر ہائے راز کا

تاراج = برباد کاوش = کوشش غم جہراں = جدائی کا غم دھیند = دفن کیا ہوا خزانہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اس آئندہ غم جہراں کی تاراج کاریوں سے وہ راز کے سوتیلے کا خزانہ جو میرے سینہ میں دفن تھا،

دردِ بد ہو گیا داشت ہے کہ محبوب کی جدائی کا فربہ انسان کی نفس کا کامٹ ہوتا ہے کبھی فربہ ایک ایسا فہم ہے جو دنیا کی ہر چیز سے
بیزار کر دیتا ہے نہانگی یا داشت باقی رہتی ہے نہ فربہ اس کو فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ فربہ
جاتی ہے۔

غزل (۱۰)

سناکت کر ہے داشت استعد جس بارغِ رضواں کا
وہ اک مگدست ہے ہم بخود گئے طاقِ لیاں کا
یہیں کیا کیجئے بیجا کادش دئے شرگاں کا
کہ ہر اک قطرہِ خوبیِ دانہ ہے فصیحِ مرہاں کا
ذاتی طوطے کا تلی بھی مانعِ مرے ہاں کا
لہا دانوں میں جوٹکا ہوا ریشہِ نیچاں کا
دکھا دکھا دی اگر فرصتِ زمانے نے
مرا سرِ داغِ دل اک ٹھم ہے سرِ چھان کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشِ قرے جلے نے
کسے جو پر تو خورشیدِ عالمِ شہباز کا
مری خیر میں نظر ہے اک صحتِ لہائی کی
خیالی بہتِ جرمِ کاسے کا ہے خوبیِ گرمِ دہان کا
اگا ہے مگر میں ہر نہ ہیز و ہیزانی کشاکش
وہ اب کھولنے پر گھاس کے ہے مرے وہاں کا
فوشی میں نہیں خوش گشتہ لاکھوں آرزوئیں تھی
چراغِ مردہ میں ہے وہاں گودِ غریباں کا
جنور اک پر تو نقشِ خیالِ یارِ باقی ہے
دلِ خسرو گویا مجروح ہے یوسف کے دہان کا
بغل میں فیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں دانہ

سب کیا خواب میں آکر ختم ہائے پہاں کا
 نہیں معلوم کس کس کا لبو پانی ہوا ہوگا
 قیامت ہے سرخک اوردہ ہوتا تیری مڑکوں کا
 نظر میں ہے ہماری جاوہ نام کا تاب

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشاں کا
 ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

سناٹش کر ہے واسطہ اسقدر جس بارغِ رضواں کا
 وہ اک گھومت ہے ہم جنود کے حلق لسیاں کا

سناٹش کر = تعریف کرنے والا زادہ = بزرگارسوئی رضواں = داروغہ جسے لیسیاں = بھول
 تشریح :- شاعر چونکہ سنے لوش ہے اور اپنی ٹکٹھی پر فخر کرنے والا ہے ہر شرابی نوش کے عالم میں شہیت بھارتا ہے یہ شراب
 کی خاصیت ہے یہ بھی واقف ہے کہ شرابی جب نوش سے بخود ہو جاتا ہے تو خطاات میں اسی کیجئے مقامات کی سر کرتے ہیں خطاات
 کو کہیں جانے کے لئے نکت ٹرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے باسانی تمام کائنات کی بزم خود میر کر لیتا ہے۔ ان
 حالات میں شاعر کا یہ کہنا کہ زادہ جس بارغِ رضواں کی تعریف کرتا ہے وہ ہم جنود کی بھول کے حلق میں رکھا ہوا ایک
 ایک چھوٹا سا گھومت ہے کچھ ٹکٹھ نہیں ہے۔ ان مناظر کی ہم میر کرتے ہیں ان کے مقابلے میں سخت بہت حقیر اور بھولی کی چیز
 ہے اور وہ ہمارے ہونے سے ہمارے گھر کے ایک گھومت کے اندر ہے جو بھول کے حلق کی لذت چاہتا ہے۔ مواظط



یہاں کیا کیجئے پیدا کاوش ہائے شرگاں کا
 کہ ہر اک فقرہ خون دانہ ہے تسبیحِ سراہاں کا

پیدا = نظم کاوش = کوشش مڑگاں = پلک سراہاں = سراپا پیر

تشریح :- یہاں حضرت غالب ایک عاشق صادق کی شکل میں اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب کی بار
 میں ہماری جگہیں بجائے آنسوؤں کے خونِ دردی ہیں اور ہر فقرہ خون اپنے تسلسل میں سراہاں پیر کے دلوں کی تسبیح
 سراپا کی مانند ہو رہا ہے۔ یہ صرف کمال شاعری ہے حقیقت سے اسکا کوئی واسطہ نہیں ہے خون رونا ایک علامہ ہے جو
 فطرتِ نظم کا اظہار کر رہا ہے۔



تہ آئی سلوٹ کا قتل بھی بالغ سرے ہاں کا

لیا ہاتھوں میں جوتکا ہوا ریشہ۔ جسمیں کا

سلوٹ = قہر و غضب = دبدبہ ریشہ = ہار یک کتا نیستائیں = ہانسون کا جنگل

تشریح :- کہتے ہیں کہ قاتل کا قہر و غضب بھی مجھے ہاں دزدی سے بندوک کا اور میں ہمارے ہاتھ، چار ہاتھ کا قاتل کے قہر و غضب کے آگے میرے ہاں کا جو شر ہوا انکی مثال لگی ہے جیسے ہاتھوں کے دو میان رہا ہوا کتا جو نرم ہو جاتا ہے اور کچھ کام نہیں کرتا میرے ہاتھ لگی قاتل کے قہر و غضب کے سامنے بکا رہو گئے۔



دکھاؤ کتا کتا دی اگر فرصت زمانے نے

سرا ہر داغ دل اک ٹھم ہے سرا چھان کا

ٹھم = غم سرا چھان کاں = سرور کے درخت پر چھتوں کی بہار

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر کار جہاں سے فراغت ملی اور زمانے نے فرصت دی تو ایک ایسی بہار کا کتا دکھاؤ گا جو جسکی رحمت میں ڈال دیا۔ میں نے اس دنیا کے ہاتھوں اور غم اٹھائے ہیں کہ دل دشمنوں سے بھرا چاہے ہر دماغ دل سرور چھان کا سحر پٹیل کرے گا اور ہر داغ کی صورت ایک کتا کی سی سے جس سے کتنے ہی درخت لکل کھڑے ہو گئے اور ہر درخت غم طور کی اس (سرور چھان کاں کا سحر رکھا گا۔



لیا آئینہ خانے کا وہ نقش میرے جلوے نے

کرے جو ہے تو خورشید عالم شمعوں کا

پرتو = شمس خورشید = سورج عالم = مال شمعوں = اسی بھرا جنگل

تشریح :- حضرت عائشہ اپنے محبوب کے شمس کی تحریف میں کہاں آسانی کا کمال دکھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تری جلوہ رانی نے میرے گھر کو آئینہ خانہ کی طرح بھگا کے رکھا ہے جس طرح سورج اپنے شمس لال کو اسی بھرے جنگل کو بھگا دیتا ہے۔ شعر غیاث حضرت اور ہزاروں پر ہمارے صادق آتا ہے۔



میری حقیر میں نصیر ہے اک صورتِ خرابی کی

بجلی کی برقِ جرمین کا ہے خونِ گرم دھماں کا

نصیر = پوشیدہ۔ بجلی = روح۔ جوہر سب۔ برق = بجلی۔ غرض = اتباع کا سہرا۔ دھماں = کسان۔ دیہاتی۔

تشریح :- شعر نہایت معنی خیز ہے فرماتے ہیں کہ میری تخلیق ہی میں اک خرابی کی صورت لیجھیں ہوئی ہے یعنی ایک عیب پیدا ہوئی ہے جو میرے ہی نامور نہیں بلکہ ہر انسان کے دل میں پیدا ہوا ہے اور وہ خرابی یہ ہے کہ جب انسان اپنے کرم سے ترقی کر کے بلندی حاصل کر لیتا ہے تو وہ مغرور ہو جاتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے بجائے اُس کا شکر ادا کر کے اس ترقی کو اپنی منت کا ثمرہ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرے کھد کی کمائی ہے کہ سب میرے خونِ گرم کی بدولت ہے اور آخر آخر ہی کی بجلی اسکو جانا کھتر کا کے رکھ دیتی ہے یہاں بجلی سب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔



اُکا ہے گھر میں ہر سو ہنر و ایرانی کاشا کر

دار اب کھودنے پر گھاس کے ہے سرے درہاں کا

دار = نصیر۔ منتری = ملازم بہرہ ور۔ درہاں = سختی، بلا۔

تشریح :- یہاں حضرت کا اعجازِ بیاں مزہ سے رہا ہے۔ گھر کی ایرانی کاشا گلاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے ایرانی میری منطی اور بادی کا اور مظاہرہ کہ خوب دیکھو کاشا کا۔ شلخت دروہا را میں گن میں دالان میں فرض پورے گھر میں گھاس ہی گھاس دکھائی دے رہی ہے۔ میرے گھر کا ملازم جو گھر کے جمل کام کرتا تھا اب صرف گھاس سے گھر کی صفائی میں مصروف ہے اب اسے اور کوئی کام نہیں کرنا چاہی تو کرسی کا انحصار ہی گھاس کھودنے پر ہے۔

تبصرہ :- اس شعر میں ایک نمونہ خاص پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت اپنی منطی اور مجبوری کا مظاہرہ بھی کر رہے ہیں ساتھ ہی امیرانہ شان بھی درہاں کا ذکر کر کے قائم رکھتے ہیں۔



خوشی میں تھاں خونِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں

چراغِ مردہ ہوں میں ہے زبانِ گورِ خرابیاں کا

نہاں = پوشیدہ۔ خونِ گشتہ = خونِ آلودہ ملت ہت۔ آرزوئیں = تمنائیں۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کھجور جتنا نہیں جو میرے خونِ دل میں ملت ہت ہیں میری اس خاموشی کے پردے میں بھیجی ہوئی ہیں اور میں گورِ خرابیاں (قبرستان) کے نیچے ہوئے چراغ کی مانند ہوں جو بے بجلی اور بددلی کو کسی

سے کہ بھی نہیں سکا۔



خود اک پر تو نقشِ طلال بار ہائی ہے
دلِ افسردہ گویا نغمہ ہے حسن کے دغاں کا

خود = ایک ہوتو = کس افسردہ = سر ہمایا ہوا نغمہ = مہارت خانہ موسیقی دغاں = قید خانہ
تشریح :- فرما رہی ہیں کہ ایک میرے دل میں محبوب کی یاد کا دھندلا سا عکس باقی ہے اور میرا سر ہمایا ہوا دل
حضرت حسن کے اس مجروحی مانند ہے جو قید خانے میں انکو مہارتِ انجمنی کے لئے لایا ہوا تھا اور قید سے رہائی کے
بعد بے نور ہو گیا تھا۔



بغل میں غیر کی آج آپ رہتے ہیں کہیں اوتھ
سب کیا خواب میں آکر قہم ہائے پنہاں کا

پنہاں = پوشیدہ قہم = سکرانہ

تشریح :- شعر بے لطف سے لڑ ہے۔ منہم غلطی ہے اور قطعی واضح ہے کہ تشریح کا محتاج نہیں۔



نہیں معلوم کس کس کا لبو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرکش آلودہ ہوا میری مڑگاں کا

سرکش آلودہ = آلودہاں سے تر مڑگاں = پلک

یہاں حضرت کا محبوب انکا ہر دل عزیز ہے کہ اسے دل نہ پرکتے ہی لوگ بے یمن ہوا جتنے ہو گئے شرابہ امیں
بھی معلوم صاف ہے جویہ کی وضاحت کا محتاج نہیں۔



نظر میں ہے چادری چادرِ داؤ کا غائب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشان کا

چادر = تنگ دانت نہیلی داؤ = کھو داؤ قات = موت شیرازہ = ڈھیر داؤس

قطع میں حضرت فرماتے ہیں کہ ہم ان کے اصول سے واقف ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز لالی ہے پس قطعاً ایک روز فنا ہو جاتا ہے ہر ہر چیز جو اس جہاں میں گھری پڑی ہیں انکو ہر حال میں فنا کی راہ سے گذرنا ہے واصل موت ہی ہر چیز کا شیرازہ یعنی فنا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم موت و حیات کے قطلے سے واقف ہیں۔

غزل (۱۱)

بزم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	دیکھو یارب یہ وہ گنجینہ گوہر کھلا
شب ہوئی بحر انجم رخشہ کا منظر کھلا	اس خلف سے کہ گویا میکدے کا در کھلا
گرچہ میں دیکھ کر کھل صحت کا کھانا قرب	آتش میں دشن پیناں ہاتھ میں بجز کھلا
گوند نہ بھرا اگل باغی گوند پاؤں اس کا بید	پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری دیکھ کھلا
بے خیال عین میں عین فعل کا سا خیال	غلط کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
موند نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کو دیکھا ہی نہیں	ذائق سے چکر کتاب اس شوق کے منہ پر کھلا
وہ چہ رہے کو کہا اور کہہ کے ایسا بحر کیا	چتنے عرصے میں میرا پنا ہوا بہتر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب فم ہے ہلاؤں کا انجم	آج اندھیری کو رہے گا دینا اختر کھلا
کیا میں غربت میں حق حب ہو صحت کا یہ جل	نارہ لانا ہے دل سے نارہ پر اکثر کھلا

اگل امت میں ہوں میں میرے ہیں کیوں کام بند
واسطے جس ش کے قالب گند ہے در کھلا



بزم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
دیکھو یارب یہ وہ گنجینہ گوہر کھلا

شہنشاہ شاہوں کا شاہ (نور او بہادر شاہ قہر ہے) گنجینہ غزل گوہر موتی

تخریج۔ ہندوستان کے انگریز ملٹری بادشاہ بہادر شاہ قہر جو خود بھی عظیم شاعر تھا اپنے دربار میں اکثر مفضل شعر سخن گرم رکھتے تھے حضرت غالب اسی بزم کا ذکر کر رہے ہیں کہ شہنشاہ کی بزم میں اشعار کا دفتر کھل گیا یا یارب العالمین اس ادبی نوازے کی اس طرح کھلا دیکھو۔



شب ہوئی بھرا انجم دھند کا سحر کھا

اس کلف سے کہ گویا نیکہ سے کا در کھا

شب = رات انجم = ستارے دھند = روشن کلف = انجام

تشریح:- کہتے ہیں کہ رات ہوئی اور دیگر روشن ستاروں کا سحر کھل گیا یعنی کھرا نے کہا اپنے اپنے مقام پر جلوہ فرما ہو گئے
بالکل اس طرح جیسے رات کے اور ستارے کھل گیا ہر قسم کی ایک خاموشی اور اب ستاروں کی طرح جلوہ کلف دینا ہے۔



گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب

آئینہ میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں گھڑ کھا

دشنہ = گھڑ بھرا پنہاں = پوشیدہ گھڑ = غمرا فریب = دھماکا

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں دیوانہ ہی ہوں مگر ایسے دوست سے کیا ہو کہ کھانا جسکے ہاتھ میں کھا ہوا گھڑ اور آئینہ میں
بٹھا ہوا بھرا صاف نظر آ رہا ہے۔

تجربہ روز = شعر پڑا میں شمار دہشتوں کے کہ درخشاں اور دلانا تھا نہ وہ سے بڑھ کر ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ فی زمانہ کوئی کسی کا
فعلی دوست نہیں ہے اگر کوئی کسی کی ذاتی کامیابی کے لئے ضرور اس میں کوئی آنکھ لٹھکتی ہوئی ہے۔ شعرا کی جگہ ایک شعر
ہے جس کی تردید ممکن نہیں۔

شاعر خود کو ایک عظیم دانشور کو بہکا دیکھتے ہیں اور نہایت صاف سے کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں
جو ایسے دوستوں کا فریب کھا جاؤں گا۔



گنہ گہروں بانگی بانگی گنہ پاؤں اس کا بھید

یہ کیا کم ہے کہ لہ سے وہ پری بیکر کھا

پری بیکر = پری جو ماسکین جسم کا بھید = مار

تشریح:- کہتے ہیں کہ بھلی ہی میں بانگ لگیں جان کہ وہ کس طبیعت کس حلاج کا ہے اور نہ ہی انکے کسی راز سے واقف
ہوں وہ فعلی مرے لئے ناپا ہے یعنی ہے اس سب کے باوجود وہ لہ سے بے کلف ہو گیا یہ کم بات نہیں ہے۔



ہے خیال حسن میں حسن مل کا سا خیال

قلد کا اک در ہے بھری گود کے اندر

حسن = خوبی عمل = کام قلد = جنت گود = قبر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حسن مل کا ستارہ دکھائی دے گا ہے جیسے واقعی میں بہت اچھے اعمال کا نرنگہ ہوں اور ان کے صلہ میں جنت کا دروازہ بھری قبر میں کھول دیا گیا ہے۔



معد نہ کھلتے پر ہے وہ عالم کہ دیکھائی نہیں

زلف سے چمکے نقاب اس شمع کے منہ پر کھلا

عالم = حال کیفیت = زلف = سر کے بال نقاب = چہرے کا پردہ شوخ = چٹیل

تشریح :- انکلیمنوں کا یہ انداز نہ ستور رہا ہے کہ وہ خود کو اس انداز سے پہچانتے ہیں کہ بھانپنے کے باوجود سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ مگر زلف چہرے کو احاطہ لیتی ہے مگر چہرہ دکھائی ہی نہیں دیتا بلکہ اور زیادہ حسین دکھائی دیتا ہے۔ یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ نقاب میں وہ بگھتے ہیں کہ ہمیں کچھ دکھائی نہیں دے گا ہے یہ تو زلف کے نقاب سے بھی زیادہ گہرائی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔



روپ رہے کو کہا اور کہ کے ایسا بھر گیا

چنے مے میں میرا لینا ہوا ہنر کھلا

تشریح :- مجھے دروازے پر ٹھہرنے کو کہا اور آپ احمد چلے گئے کہ ابھی آتا ہوں کافی دیر گزر جانے کے بعد خود ہی کسی کام سے پہنچ آئے تو میں نے شکایت کی کہ وہ درک کر بھی نہیں آئے اور بھول گئے تو فرمایا کہ میں نے کب وعدہ کیا تھا کہ جلدی وعدے سے کمر لگے کہ اتنی دیر میں تو اپنا لینا ہوا ہنر کھلائے میں بھی نہیں آتی۔ شعر بیان شعر ہے کوئی خاص مطلب نہیں صرف مستثنیٰ کی پہچان ہی اور عاشق کا شوق کسا کسا دیتی ہے۔



کیوں اندھیری ہے وہ فم ہے نکاؤں کا ہجوم

آج اندھیری کو رہے گا دیدار آخر کھلا

فم = بھری دانت نکل = گرا دیدار = آکر آخر = سہرا ایک فرشتے کا نام جو ماہر پائین کہتا ہے

تشریح :- محبوب سے پہلی کی رات ہمیشہ نکلتی ہے اس میں نیکو کاروں کی دعا بھی ہو جاوے گی رات بے غمی میں گذرتی ہے طرح طرح کے خیالات قلمبلاؤں کی شکل میں ہازل ہوتے رہتے ہیں اور اسی لئے شام شب فم کو اندھیری کہا گیا ہے۔ ان حالات میں انسان اپنے معبود سے دعا کریں مانگا رہتا ہے اور آخر ایک فرشتہ دعا پڑھ کر آئیں کہجہ رہتا ہے جو اسی کام پر مصروف ہے۔ حضرت عاقب اس شب فم کے حکم سے فرماتے ہیں کہ آج ساری رات آخر میری طرف توجہ دے گا۔



کیا رہوں آخرت میں خوشی تب ہو جاوے گا یہ حال

ہم آتا ہے دہن سے ہمارے اکثر کھلا

آخرت :- پہلیس، طلسم، حواصت :- میں عادتوں کی نامہ :- خط

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں پہلیس میں کہتے خوش رہ سکا ہوں لیکن عادتوں کا یہ حال ہے کہ محبوب کا خط ہی اکثر و بیشتر ہمارے ہاتھوں پہ لکھ کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگلے خط میں راز و نیاز کی گفتگو نہیں کی جا سکتی ہوائے اس کے کہ غریبانیت قریب کر دے اور یہ حضرت کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے اور اس بات سے خوش ہیں۔ پھر ہاتھوں ہمارے دلدار کھولتا ہواں نذر دل فرج عنوان کے ہوتے۔ وہ محبوب سے بے غفلت کی گفتگو چاہتے ہیں اور خط کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ انکی راز داری کی گفتگو کوئی میرج حد پار نہ جائے لے حادثہ سے کسی طرح کم نہیں۔



انکی آہٹ میں ہوں میں میرے ہیں کیوں کام بند

واسطے جس ش کے قابہ کہہ دے وہ کھلا

ش :- پادشاہ اور مولے سے گنبد بے درد :- نر آستان سے ہے

تشریح :- مقلع میں حضرت نعت پاک بیان فرماتے ہیں کہ میں اس طبیعت کی آہٹ میں ہوں جسکے لئے آستان کو چراگ بغیر دروازے کا گنبد ہے صراج کے سورج پر کھول دیا گیا تھا۔ پھر میرے کام کیے بندہ کئے ہیں۔

غزل (۱۲)

شب غار شوق ساقی رنجور اندازہ تھا دل میل باد صورت غایت غیاور تھا

یک قدم وحشت سے در پی دگر امکان کھلا ہوا اجڑائے دہ عالم دشت کا شیرازہ تھا

بلخ، دشت خرمی ہائے لیلیٰ کون ہے خانہ بھون صرا گردے دروازہ تھا
 بچہ مت رسولی اعجاز استقامتِ نفس دست مہربانِ حا کوشاوردی ہزارہ تھا
 بنے دل نے دئے ابدائی لہجہ دل پہ بار یادگار تار اک دیوانی ہے شیرازہ تھا



شب خار شوق ساقی رنخیز اعجازہ تھا

دل بھید بادہ صورت خانہ طیارہ تھا

شمار = نونا ہوائیں رنخیز = قیامت بھید = ٹھہرے ہوئے بادہ = شراب۔

خانہ طیارہ = آرزوی کا کمر

تشریح :- یہاں حضرت خود بچہ کو شراب کے دیا تھے چنانچہ اسی کیفیت کا ذکر فرماتے ہیں جو اکثر شرابی پر جاری ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مات ساقی کی کمر فرمائی اور میت کی بدولت میرا شوق بھی قیامت جیڑ تو دل شراب کے نشہ سے بھر تو اٹکے باوجود خواہش اس حد پہنچی ہوئی تھی کہ دل آرزوی کا کمر بٹا ہوا تھا۔



یک قدم دشت سے دوری دفتر امکان کھو

جادہ اجرائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

دشت = جنون دوری = سختی دفتر امکان = معلومات کا دفتر جادہ = بٹھا بٹھنی راستہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ جب میں بنے تجسس کے میدان میں دو عالم دار قدم برعجا با تو پہلے قدم ہی پر معلومات کا دفتر کھل گیا۔ معلوم ہوا کہ اجرائے دو عالم یعنی دنیا اور عقبہ کے راستہ میں جو کچھ بھی ہے (سوجھ بوجھ دو عالم) سرعہ تپتی آگ کی جگہ کا شیوہ ہے یعنی خزانہ ہے۔ روزِ ازل باری تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم طے کر کے فرمایا تھا کہ میں نے آدم کو علمِ اشیاء سے نوازا ہے اور یہاں یہ علم بغیر تلاش و تجسس کے حاصل نہیں ہوتا اور تلاش بھی اس طرح کہ جملہ خطرات کو انگیز کرتے ہوئے دو عالم دار کرے تو یہی ہے ہال پر انسان ستاروں پر آؤں بھرتا ہے سوچو دور میں سائنس کی ترقی شعر کی صداقت پر دال ہے۔



بلخ، دشت خرمی ہائے لیلیٰ کون ہے

خانہ بھون صرا گردے دروازہ تھا

دشت خرمی = دوج انداز رنگ و بو خانہ = کمر صرا گردے = جنگل کی خاک چھانے والا (بھون)

تشریح :- یہاں حضرت معنی لیا کہ یہ حکمران فرما رہے ہیں کہ ان کو کونوں سے محبت ہوتی تو وہ بھی انہی حالت میں بدچاند ہوں کی طرح گمراہ ہو کر کھڑے ہوتے ہوں گا مگر تو جنگل تھا جس میں کوئی دروازہ تھا جس میں جو لپکا کو تک دینی چلتی ہو اور وہ بکھڑا کھڑا کسی کو لپکا چٹائی تھی ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر لپکا کو کس چیز نے دھت خرابی سے روک رکھا تھا۔ مطلب یہ ہے لپکا اس سے محبت تھی ہی نہیں

تبصرہ :- واقعہ یہ ہے کہ حضرت غالب اپنے عشق کے مقابلے میں کسی کے عشق کو نکال دینے میں نہیں دانتے اور دلیل کے ساتھ دوسرے کے عشق کو روک دیتے ہیں۔ چنانچہ لپکا کہتے ہیں

کون ہوتا ہے رجب نے مرد بگن عشق

ہے کرد لب ساقی پہ صلا میرے بعد

اس میں حضرت خود کو پیلا اور شاید آخری عاشق تصور کرتے ہیں کہ اب میرے بعد ساقی کو دوبارہ اطلاع کرنا چرہا ہے کہ کوئی ہے جو اس شراب عشق کا مقابلہ کر سکے جو مرد کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ شاہ عظیم آبادی بھی بھوں کے عشق کو فرما رہے ہیں یہ بھی ایک نئی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ہیں معشوق مرنا عشق کی توہین کرنا ہے

خدا بھوں کو بخنے مر گیا اور ہم کو مرنا ہے



بچہ مت رسوائی اعجاز استغنائے نفس

دست مرہون تا زخماور کفن نازہ خدا

رسوائی = بدنامی شہرت استغناء = لاپرواہی یا کتنا دست = ہاتھ نازہ = بازار مرہون = رہن یہ کہا جا۔

چتا = سہنی زخماور = گال گردیں = رہن بدلے کی چیز

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم سے مت بچو نفس کی ہے یہاں (سہنی) کی جگہا کی بات ہم خوب جانتے ہیں یہ مسجد راہ ہے اور سہنی ہے اور اپنے نفس کی تلاش کر کے شہرت کا طالب نہیں ہے اور یہ کہ نفس کسی قصص کا محتاج نہیں مگر اس میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو اسے اتنی سہنی اور گال نازہ کے محتاج نہ ہوتے۔ خادم نے بھی ایک شعر اس دلیل میں کہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

عشق تھا جا رہا ہے اپنی منزل کی طرف

نفس کے ہمراہ آئیے بھی ہے شانہ بھی ہے



ہائے دل نے دئے اوراقی کجے دل پہ باد

یادگار جاں ایک دیوان ہے شیرازہ قفا

نالیہ = فریاد اور اراق = بیخ و بوم کی کھنٹ = کھنکھاہٹ = ہوا = باد = شیرازہ = ذخیرہ ہر قسم کے لذت

تشریح :- فرماتے ہیں کہ دل نے فریاد و آواز کی کھنکھاہٹ میں ہنر کے ٹکڑے اور اراق کی صورت میں ہوا کے سہل و گدے سے جو ایک مجموعہ (دیوان) بنائے گئے مطلب یہ ہے کہ ہر شعری طرز و ہنر سے آبیاری کی گئی تب تک جاں کا ایک دیوان مرتب ہوا جو میرے خیال میں کوئی پیشیت نہیں رکھتا بلکہ محض میرے حال و خیراد کی یادگار ہے۔

غزل (۱۳)

ہائے دل میں شب اعجاز اثر نایاب قفا بھید بزم وصل غیر کو چاہ قفا

مقدم سیلاب سے کیا دل نکلا آہنگ ہے غایت عاشق مگر سزا صد دے آپ قفا

نازشی انجام خاکستر نشینی کیا کہوں پہلوئے اندیشہ و تپ بسج نایاب قفا

بکونہ کی اپنے ٹھون ٹھون بازمانے روتے ہیں زور زور زو کہیں خورشید نایاب قفا

آج کیوں پڑا نہیں اپنے امیروں کی تجھے کل شک تیرا بھی دل مردود کا باب قفا

یاد کرو دن کہ ہر یک علقہ تیرے دام کا انتظار صید میں اک ایدہ بیخواب قفا

میں نے رات رات غائب کو اُگرتے دیکھتے

انکے سہلی گرہ میں گردوں تک سیلاب قفا



ہائے دل میں شب اعجاز اثر نایاب قفا

قفا بھید بزم وصل غیر کو چاہ قفا

نالیہ = فریاد شب = رات اعجاز = قدرت نایاب = ناپید نہ ہونے والے محبوب بھید = ایک پھاڑ کا نام

بزم = مجلس وصل غیر = دشمن سے میل چاہ = بے یمن

تشریح :- فرماتے ہیں کہ رات میرے دل سے جو ہوا و ہرید و نکل رہا قفا اسکا اثر کچھ عجیب تھا اور وہ ہے کہ میری فریاد و آواز کا شہر بزم و رقیب کے درمیان ایک پھاڑ نکل رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا حال فریاد و رقیب اور محبوب کے درمیان

میں پہاڑ بن گیا تھا اور وہ انگوٹھ سے روکے ہوئے تھا۔



مقدم سلاب سے کیا دل نکلا آہنگ ہے

خانہ عاشق مگر سارے صدمے آپ تھا

مقدم = سامنے آئینہ والا۔ سلاب = اپنی کاربلا۔ نکلا آہنگ = خوشی کا حال۔ سارے = اچھے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ میری کہنے والی سے ایک سلاب منظر چاہا اور مجیب بات یہ ہے کہ میرا دل اس سے ایک خوشی محسوس کر رہا ہے۔ میرا گھر ایک باغ کی صورت اختیار کر گیا ہے سلاب خشک کی روایتی میں سوچوں کے گمراہ سے جو آواز آ رہی تھی وہ ایک مسکیناہے کی شکل میں تھی اور میرا گھر جسم سارا ہی کیا تھا۔



نازش لیام خاکستر نشینی کیا کہوں

پہلوئے اندیشہ وقت بہتر سلاب تھا

نازش = ناز کے قابل۔ لیام = ہم کی طرح مستحقِ دان۔ خاکستر = راکھ۔ سلاب = جتنی رہی تھی کھڑا

تشریح: فرماتے ہیں کہ کیا کہوں میرے ہاں ہم قابلِ ناز تھے جب میں خاک نشین ایک دویش تھا یعنی ملائقی دنیا سے بے نیاز تھا اور اس طرح کا کوئی فرد دوسرے نہیں تھا بلکہ میں کہنے کے اندیشہ تو ان دنوں گیا اور سلاب پر کہیں غمزدہ تھا مطلب یہ ہے کہ کوئی ناز کوئی تم تعاقب نہیں اور سلاب سے نرا اور سادہ کی خراب گاہ میں آرام فرما تھا مطلب یہ ہے کہ غم دوسرے صرف دیکھوں کا خضہ ہے۔ خاک نشینوں سے اس کا دور کا واسطہ لگی نہیں۔



بیکہ دلی اپنے جنوں نارسا نے ورنہ ہاں

دور دور زو کیش خورشید عالماب تھا

جنوں = دیوانگی۔ نارسا = بچاؤ۔ زو کیش = کسی جانب متوجہ ہونا۔ خورشید = سورج

عالماب = دنیا کو روشن کرنے والا

تشریح: شعر پڑھ کر یہ بات اچھی کاغذ پر ہے کہ دورہ کی ذرا کی آفتاب سے ہے وہ اسی کی روشنی سے چمک رہا ہے اور نہ پہلورے دیوانگی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ ہمیشہ اپنی اصل کی طرف سکل رہتا ہے جو دورے لئے ایک درس ہے مالکِ عقل کی طرف رجوع کی نصیحت دیتا ہے مگر طعنے ہم نے اس سے بھی سختی نہیں لیا اور اسارا جنوں قلعی بیکہ ثابت ہوا

کراتے ہیں سے بھی سختی حاصل نہیں کیا اور تمام عمر یہ صلب میں گزار دی۔



آج کیوں پردہ انہیں اپنے اسیروں کی تھے

کل تک تیرا بھی دل سرور و قاف کا باب تھا

اسیر = قیدی صبر = کرم باب = دروازہ مضمون

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم حیرتی محبت کے قیدی آج کیوں وقت اور سوالی میں مبتلا ہیں اور تھے قطعی مٹکی پردہ انہیں کل تک تو ہمارے ساتھ تیرا میرا آنکھایت اورچہ خصلتوں تھا گو کچھ ہمارے لئے کرم لہر مائیں کا دروازہ کھولا ہوا تھا۔ طائفہ اقبال کا شکوہ اسی مضمون کا مستطبر ہے۔



یاد کردہ دن کہ ہر یک ملتہ تیرے دام کا

انتظار صید میں اک دیدہ بیخواب تھا

ملتہ = پھندہ دام = جال صید = شکار دیدہ = آنکھ بیخواب = بیدار

تشریح :- فرماتے ہیں کہ وہ دن یاد کر کہ جب حیرتی چاہت کا یہ عالم تھا کہ صمیم اپنی محبت میں گرفتار کرنے کے لئے اپنانے کے لئے تیرے جال کا ہر ملتہ ہر پھندہ جاگتی ہوئی آنکھ کی طرح ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ہر وقت بے یمن و مضطر اور کھلا رہتا تھا۔ اب تھے کہا ہو گیا کہ ہماری کوئی پردہ انہیں اور ہم زمانے میں انہیں و خواہ ہو رہے ہیں۔



میں نے روکامات غالب کو ارگرد بھیجے

آنکھیں سلی گریہ میں گروں کب سلاب تھا

سلی گریہ = انگلی باری کا سلاب گروں = آسمان کف سلاب = سلاب کے جھاگ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں نے مات غالب کو بھیجا تھا کہ قطعی دیکھو روئے سے روک دیا اور نہ آپ دیکھتے کہ آنکھوں نے سے ایک سلاب سمیٹ لیا تھا پھر سلاب بھی ان کا دوست ہر تمام عالم کو فرقی کر دے اور آسمان اس سلاب کا جھاگ بن جاتا۔ مصعب مہاشی کی ابتلا اور شاعری کا کمال ہے مضمون اہم نہیں۔



غزل (۱۴)

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا چڑا صاحب خوں بھر دلیت مڑگان یار تھا
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو توڑا جو تو نے آئینہ قشال دار تھا
 گھٹوں میں میری عشق کو کھینچے بھرو کہ میں جاں نانو ہوائے سیر رنگوار تھا
 سوج سراج دھب دقا کا نہ بچہ مال ہر ذرہ مثل جہر چکا آبدار تھا
 کم چاہتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر آب دیکھا تو کم ہونے پہ غم روزگار تھا



ایک ایک قطرے کا مجھے دینا چڑا صاحب
 خوں بھر دلیت مڑگان یار تھا

دلیت = مظاہر، بخشش، انعام مڑگان = پاک

تشریح: نہ لڑاتے ہیں کہ خوں بھرے محبوب کی بخشش تھی اور اس کی خواہش تھی کہ میں اس خوں کا کچھ استعمال کروں جو
 میں نہیں کر سکتا جسکے باعث میں تمام عمر صاحبِ داکم میں گمراہ اگر یا ایک ایک قطرہ خون کا حساب چکانا چاہتا تھا۔ پاک
 فرما چکا تھا۔ وما خلقت الجنۃ ولا النۃ لعلہ یغۡتۡوۡن بہ ترہ میں نے جن و انسان کو صرف اپنی مہارت کے
 لئے پیدا کیا، عافانکے میں نے کام عمر لب لباب میں گزار دی اب جو کچھ مجھے بچھڑ چکا اور میرے اعمال بد کی سزا تھی۔
 تبصرہ:- یہاں مڑگان کا استعمال بہت سلی فخر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں سینوں کی بہت مانگتی تھی تو اس کی آنکھ کا
 جراثیم کی مڑگان سے چکا ہوا خون تھا میری رنگدگ میں وہاں تھا یہ بھی ایک طرح متعارف گناہ ہے جو گنہگار کے لئے
 آدمی سزا ہی سمجھا جاتا ہے۔



اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
 توڑا جو تو نے آئینہ قشال دار تھا

ماتم = گرہ داری شہر آرزو = دل کے لئے استعارہ آئینہ: دل کے لئے اشارہ قشال = مائل دار = مگر
 تشریح:- کہتے ہیں کہ نے میرا دل توڑ دیا یہ تو ایک آئینہ تھا جس میں میری تصویر تھی ہوئی تھی۔ بلکہ یہ تو ایک گر
 تھا جس میں صرف تو رہتا تھا اب میں ہوں کہ مصروف ماتم ہوں۔ یہ دل نہیں تھا آرزوؤں کا ایک شہر تھا جس کو



گلیں میں میری فٹن کو پھیلے پھار کے میں

جہاں دواؤں کے جانے پر دنگور تھا

جہاں دواؤں = جان دینے والا سر دنگور = راستے کے کنارے پر چڑھتے ہیں (آوارہ)

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میری لاش کو گلی کوچوں میں پھیلے پھار خوب دھوا کہ فقیر کو کیونکہ مجھے راستوں میں گھومنے پھرنے کا شوق ہے کہ بہت شوق تھا۔ میری آوارگی کی یہی سزا ہے۔



سوچ سراب دشت و قاتل پر چو مال

پر ذرہ مٹی جو ہر حق آباد تھا

سراب = پانی کا دھوکہ دشت = جنگل جو ہر شے = کھوکھری جڑی آباد = چھلکا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ دھوکے جنگل میں کتنا قریب ہے کہ قاتل دھوکہ ہے مجھ سے مت پرچو اس دھوکے کے سوا میں سراب ہی سراب ہے اور انکی ہر سوچ ایک دھوکہ ہے اس کے سراب کا ذرہ ذرہ چھلکا اور کھوکھری کا تھ ہے جو بھلا تو معلوم ہوتا ہے لیکن ہماری فکر و تماش کا طوفان میں نہ ہے۔ حضرت نے جو ہے تجربات کے بعد وہاں سے بڑھ کر ہی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس مضمون کا احسان دانش نے اس طرح بیان کیا ہے۔

وفا سے بڑھ کر ہر چکاہوں کا احترام وفا نہیں ہے

اس آئینہ کو شکست کر دو یہ آئینہ نہیں ہے



کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر آب

دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

غم عشق = غم کا غم یعنی محبوب سے محبت کا غم غم روزگار = زمانے کا غم

تشریح :- کہتے ہیں کہ غم عشق کی اندر سے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی جب اس کا غم کم ہوا تو ہم نے دیکھا کہ غم روزگار سامنے تھا جو نہایت بڑھ چکا تھا۔ غم عشق کی کم غم عشق کو کم سمجھا اندر سے تو دوسری بہت کافی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ غم عشق صرف محب کا غم تھا اور غم زمانہ میں تو ہزاروں غم ہیچے ہوئے ہیں۔

غزل (۱۵)

شب کہ برقی سوز دل سے زہرہ ابرآپ تو قطعہ ۳۳۱ ہر یک قطعہ گرداب تو
 دہں کرم کو نذر ہارن تو مٹاں گئے خرام مگر یہ سے یاں نہج ہالیں کب سیلاب تو
 دہں خود آدلی کو تھا موتی پہننے کا خیال یاں جہوم انگ میں تار گئے نایاب تو
 جلوہ گل نے کیا تو دہں چہاں آہ جہ یاں دہں مڑ گئی جہم تر سے خون تاب تو
 یاں سر پہ شور بخوانی سے تو دیوار نہ دہں وہ فرق تار عجب ہالیں گرداب تو
 یاں مٹس کرتا تو روشن شمع بزم بے خودی جلوہ گل دہں یہاں صبیح احباب تو
 فرس سے تا عرش دہں طبع تھا سوچ رنگ کا یاں دہں سے آسمان تک سوتلن کا باب تو

تا کہاں اس رنگ سے خون تاب پکانے کا

دل کہ ذوق کاوش ہائیں سے لالت باب تو



شب کہ برقی سوز دل سے زہرہ ابرآپ تو

شطر ۳۳۱ ہر یک قطعہ گرداب تو

شب = رات برق = بجلی سوز دل = دل کی جلن زہرہ = پتھر یا گجر آب = پانی

شطر ۳۳۱ = انجمنی پنگاری قطعہ گرداب = بہنور کا گھیرا

تشریح :- کہتے ہیں کہ فراق یا دہں رات بہا عجیب عالم فعل کی جلن کی کیفیت بجلی کی صورت اختیار کر گئی تھی جس سے غم کا ہل اپنی شکل کو چکا تھا یعنی بہا ہل پانی بن چکا تھا اور ہل بھی کھلے ہوئے پانی کی مانند تھا اور اشکوں کے اس سیلاب میں جاکر بہنور بن رہے تھے اور بہنور کے ہر گھیرے میں ہاتھ دھانی کا عالم تھا آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اسی کیفیت فراق کا ایک شاعر اس طرح بیان کرتے ہیں۔

شب فراق میں بھیجیں نصیحت کیا کیا

کدو گئی میرے دل پر قیامت کیا کیا



وہاں لڑم کوٹھڑ ہارٹن تھا مٹاں لیر نھام
 کر یہ سے ہاں نہہ ہاٹن سبب سیلاب تھا
 کر یہ= روتا غٹاں کیر= کلام بکارتے والا خرام= چتا بچہ= دولی ہاٹن= بکیر کف= بھاگ
 سیلاب= ہائی کارہ

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ادر محبوب کو ہم تک آنے کے لئے ہارٹن کا خور تھا یعنی اُنکے خرام ہارٹن کا کلام ہارٹن کے خور نے
 خرام دہی تھی ادر اُنکی عبادتی کے غم میں ہمارے سدونے کا یہ عالم تھا کہ انھوں کا سیلاب اُسٹو چا تھا جس سے ہمارے بکیر کی
 دولی بیک کر سیلاب کے بھاگوں کی محل اختیار کر گئی تھی یہاں کہئے کہ بکیر میں دولی نہ تھی بلکہ سیلاب کے بھاگ تھے۔



وہاں خور تائی کو تھا سوتی ہونے کا خیال

ہاں بھوم انک میں تار نک ٹایاب تھا

خور آرائی= خور سوار تہا بھوم= بھیر ماژو دام انک= آنسو ٹایاب= ٹایب

تشریح:- کہتے ہیں کہ ادر محبوب کو کوٹھڑے سوار نے میں مصروف تھے زلف میں چندا سوتی ہونے کا فضل مل رہا
 تھا انکے لئے ذرا وقت درکار ہے مٹو نہیں کتا وقت لگے ادر اُنکی عبادتی اس قدر شاق ہو رہی تھی کہ ٹھیکاری نے ہماری نھر
 کوڑ مٹوا کے رکھ دیا تھا کوٹھڑا چٹائی تک جواب دے گی تھی اس میں ایک صحن پیلو پہنا ہوا ہے کہ جب چٹائی مٹا دے گی
 تو محبوب کو آراستہ ہر اسٹو کنیا نگھوں سے دیکھوں گا۔



جلوہ مگل نے کیا تھا ہاں چاٹاں آب جو

ہاں رواں موگاں خیم ترے خون تاب تھا

جلوہ مگل= پھولوں کا نگارہ آب جو= شیر کا پانی رواں= جاری مڑگاں= پک بسم تر= بھگی ہوئی آنکھ

خون تاب= بہترین خون

تشریح:- یہاں حضرت استاد سے میں محبوب کو گل کہہ رہے ہیں کہ وہاں محبوب ہاں تھا وہ مگل جس طرف جاتا تھا اپنے
 نصن کی ہنک سے اپنے گرد و پیش کو نورانی بنا جاتا تھا سیر سے گزرتا تھا تو پانی پر چاٹاں کا سطر پیش کر دیتا تھا۔ ادر غم
 عبادتی میں ہمارے سدونے کا یہ عالم تھا کہ بہانے انکے آنکھوں سے خون جاری تھا۔



یاں سر پر شور پھوٹی سے تھا دھوا کر

واں وہ فرق تار جو ہائیں کھوپ تہ

نہ شور = جھنڈا سے گرا بے خوابی = نیند نہ آتا جز = تلاش فرق = سوز ہائیں = بچے کھوپ = جیتی رہی تھیں کھرا
تشریح :- فرماتے ہیں کہ اور بھاری گھنٹی کا یہ عالم تھا کہ سر جھنڈا سے گھبرا ہوا تھا اور اس تلاش میں تھا کہ کبھی دھوا کر
جائے تو اس سے پھوڑ ڈالوں اور سکون کا یہ عالم تھا کہ وہ سوز کھوپ کے خوبصورت بچے پر کھٹکے سزاوت تھا۔ شعر پڑا
میں بے خوابی اور کھوپ کا استعمال بہت فصیح و سلیس رہا ہے رعایت لفظی کی محنت کا مظاہرہ کرنا ہے۔



یاں شمس کرتا تھا روشنی طبع بزم بے طوی

جلوہ نگل واں بساط صحبت و نہاب تہ

بزم = محل بیٹھوی = بیٹھائی جلوہ نگل = جلوہ محبوب کے لئے استعارہ

اتہاب = صبح صیپ کی محبت کرنے والے

تشریح :- لڑائی یار میں اور بھاری حالت چھٹی کہ جھار سانس بیٹھوی کی طبع جھار تھا یعنی ہم بیٹھ چکے ہوئے آگے
سیدھے سانس لے رہے تھے اور انداز نگار نگری کی یہ کیفیت تھی کہ دوستوں کے ساتھ محبوب مصروف بحث تھا۔



فرش سے تا فرش ہاں طوقاں تھا سوچ رنگ کا

یاں زمیں سے آہیں تک سوختن کا باب تھا

سوچ رنگ = پیشہ دستی سوختن = جلنا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہاں سوچ سستی کا ایک طوقاں پر تھا فرش سے لیکر فرش تک پوری اندامیں سستی چھائی ہوئی تھی۔
اور سوز و غم سے بھاری حالت یہ تھی کہ زمیں سے آہیں تک گویا ختم زلزلہ تھا۔



ناگہاں ہاں رنگ سے خون تاپ پکانے کا

دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت باب تھا

ناگہاں = اچانک خون تاپ = خون پانی ملا ہوا ذوق = ذائقہ کاوش = گریہ کوشش لذت باب = مزہ و لہذا
تشریح :- محبوب کی جگے مسلسل سے حاضر ہو کر صحت فرماتے ہیں کہ میرا دل جو پہلے ہی محبوب کی کج ادائیگی

اور بدسلوکی اور آنکھ چپے ہوئے محبوب کی کھوج اور پھر اس تکلیف سے کلفت انداز ہونے کا عادی تھا۔ اچانک
آج محبوب کے اس رویے سے بخار ہو کر دل خون رونے لگا۔ ٹھٹھکی اٹھار سے محبوب کی اس درجہ داہنگی ایک
ماضی کیسے برداشت کر سکتا تھا۔

تبصرہ:- حضرت ذوق نے بھی ایک قطعوں ۱۰-۱۲ اشعار پر نیشیٹل غائب طرب طراق کے عنوان سے کہا ہے جو کہ
آخری شعر ہے۔

نواں حرم ہمارا وقت ہوا تری آواز آئے اور دینے

اس میں بھی خاموشی نکلا تہ کا پھر یہ مظاہر انہوں نے کیا ہے۔ دونوں استادوں نے مضمون کو آراستہ کرنے
اور بیان کرنے میں کمر نہیں چھوڑی، لیکن ذوق صاحب کے قطعوں نے زیادہ اثر حاصل کی۔

غزل (۱۶)

<p>یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال پار ہوتا بحرے دھوے پر بیٹا ہم تو یہ جان بھوت ہوتا تری ہار کی سے ہانا کہ بدھا تھا عہد ہوتا کوئی بحرے دل سے پوچھے ترے جو یلم کش کو یہ کہاں کی دوستی ہے کہ جتن ہیں دوست ناسخ دک سنگ سے لپکا وہ لہو کہ ہمار نہ تھا غم اگر چہ چاہی کھل ہے یہ کہاں بھیجی کہ دل ہے کہیں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم ندی بلا ہے ہوئے ہم جو م کے زخا ہوئے کہیں نہ فرقی دیا اسے کون دیکھ سکا کہ چاند ہے وہ یکسا یہ مساکں صوف یہ حیرا جان غالب</p>	<p>اگر اور چیتے رچے بھی انتظار ہوتا کہ طوٹی سے مرند ہاتھ اگر اعتبار ہوتا کبھی تو نہ توڑ سکا اگر انتظار ہوتا یہ ظن کہاں سے ہوتی جو پھر کے پار ہوتا کوئی چادر سار ہوتا کوئی ٹکڑ ہوتا مے غم کچھ رہے ہو وہ اگر شراب ہوتا غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک پار ہوتا نہ کہیں بتاؤ اکتا نہ کہیں حذر ہوتا جو دلی کی کو بھی ہوتی تو کہیں وہ پار ہوتا تجے ہم دلی کھتے جو نہ پار ہوتا</p>
---	--



یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال پار ہوتا

اگر اور چیتے رچے بھی انتظار ہوتا

تشریح :- شعر بذاہبت سادہ سلیقہ ہے جسکی وضاحت کی ضرورت نہیں شعر بذاہبت حضرت اپنی عمر کی کاظم فرما رہے ہیں کہ عمر کی اکتاہٹ رہی تھی۔ یہاں سادگی میں ایک کارکنی یہ لٹی ہے کہ مرنے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ اگر اور جیتے رہتے تو یہی انتظار ہوتا۔ کا مطلب ظاہر ہے کہ قاسم عمر انتظار میں گزار گئی۔ اس دل مردے کا انسان شاید ہی کوئی دوسرا ہو گا۔ اس سادگی میں اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔



حیرے دھڑے پہ بنے ہم تو یہ جان بھوت جانا

کہ خوشی سے مرنا جاتے اگر انتظار ہوتا

تشریح :- شعر بذاہبت سلیقہ کی طرح بالکل صاف اور سادہ ہے مگر اس میں خطر اور داسوشت کا مضمون اور حسن پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ ہر عاشق محبوب کے دھڑے پہ بہت خوش اور مست رہتا ہے مگر حضرت انکے خلاف یہ فرماتے ہیں کہ تو نے اگر یہ کہا کہ ہم حیرے دھڑے پہ غموار ہے تو غلط کہا اگر انیس کہو گی صداقت ہوتی تو ہمیں اس وجہ خوش ہوتی کہ ہم حیرت قلب بند ہو جانے سے مر جاتے۔ اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حیرے دھڑے کی پہلے ہی ہماری نظر میں کوئی حیثیت نہیں تھی ہمیں معلوم تو کہ دھڑا کرنا جانا ہے اظہار کرنا نہیں جانا۔



تری باز کی سے جانا کہ بندھا تھا مہم دور

بھی تو نہ توڑ سکا اگر استوار ہوتا

پورہ = کزور استوار = مضبوط

تشریح :- فرماتے ہیں کہ تری باز کی حیرانی سے ہم نے اس راز کو کھول دیا کہ جو مہم کر کے توڑ دیتا ہے انکی وجہ یہی ہے کہ مہم ہی بہت کزور ہوتا ہے جسکو توہینا باز کی توڑ دیتا ہے اگر وہ مضبوط ہوتا تو توہرگز نہ توڑ پاتا۔ شعر بذاہبت مضمون آفرینی کا کمال ہے۔



کوئی میرے دل سے ہاتھ نہ لے حیر غم گل کو

یہ غلط کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

حیر غم گل = اور کچھ باتیں جلیش = جلیں

تشریح :- یہاں حضرت نے محبوب کی اپنی ہوتی نظر کو حیر غم گل کا استعارہ دیا ہے جو انتہائی مسکین استعارہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ حیرتی اور جتنی بھی نظر کرنے لگے دلی کر دیا اور میں مطلب جراثیم اٹھا رہا ہوں انکی اہمیت کو میں ہی
 خوب جانتا ہوں مگر یہ جو نظر پڑی قوت کے ساتھ سامنے آیا ہوتا تو ہماری سمجھ ہی واقع ہو جاتی اور وہ اہمیت کہاں نصب
 ہوتا جواب حاصل ہو رہا ہے۔



یہ کہاں کی دوستی ہے کہ جے ہیں دوست تاج

کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی ٹھکسار ہوتا

تاج = واسطہ چارہ ساز = سماج ٹھکسار = غم کھانے والا

تشریح: فرماتے ہیں کہ یہ دوستی کوئی دوستی ہے کہ دوست نہیں کہانے پر لگے ہیں خصوصاً سمیت کے معاملے میں مگر کوئی
 سمیت ہے تو سخت ناگوار ہوتا ہے اس ناگوار کی کے عالم میں حضرت فرماتے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ ان دوستوں میں سے
 کوئی معقول سماج کی بات کرتا مطلب یہ ہے کہ ہمیں محبوب سے ملانے کی کوئی شکل ملے اور کوئی ادارے غم کو بھرنے کی جگہ
 کر کم کرنے کی کوشش کرتا دوستوں کا مصحت کرنا نہیں ہوتا یہ صرف بزرگوں کا کام ہوتا ہے اور سمیت کے معاملات میں تو
 بزرگوں کی مصحت اہل کار نہیں ہوتی اور مصحت کرنے والا دشمن ہی معصوم ہوتا ہے۔



دک سنگ سے چٹکا دو لو کہ ہمارے قصدا

میں غم کھ رہے ہو اور اگر شرار ہوتا

کہو = خون۔ شرار = چنگاری۔

تشریح: شرابہ بلانا زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے مگر بلانا مضمون بے انتہا پیچیدہ اور عقیدہ معنوی کے نمونے سے
 آزماتے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غم میں ایک خاص قسم کی جھلن اور خودش ہوا کرتی ہے اور چونکہ جھلن کا تعلق آگ سے ہے اس
 نسبت سے غم کو شرار بھی کہا گیا ہے۔ یہاں حضرت اس قول کی مخالفت کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ غم اگر شرار ہوتا تو پھر سے نہ
 لگتا کیونکہ پھر کوئی غم سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا اور اتنا کم طرف ہوتا ہے کہ دھماکا جوت کھا کر چنگاری (شرار) پھوڑنے
 لگتا ہے مگر ہر گز نہیں غم کا بار ڈال دیا جاتا تو پھر شرار کے خون جاری ہو جاتا اور ایسا جاری ہوتا کہ قیامت تک نہ ختمتا۔
 ہادی خانی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر ہم اس بار غم (بارخلافہ) کو پہاڑ پر ڈال دیتے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ
 انسان ہی کا عجز ہے کہ اس غم کو اگیزہ کر گیا۔ چونکہ غم کو انسان نے بخوشی قبول کیا ہے اسی بنا پر ہادی خانی نے اسکو
 ظلوما جہولہا کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔

تجربہ: اور تم اے غم کھ رہے ہو یہ تو انسان کے لئے ایک اضافہ ایک عطا ہے اگر لازمی سند سے اور اسکی عظمت کی

دیکھ لیں ہے۔ انکی اس غزل کا مطلع انکے جان کی صداقت کی گواہی دیکھ لیں ہے۔

یہ مسکن تصوف یہ قریبوں کا

تجے ہم دل رکھتے جو نہ پارہ خود ہوا



غم اگرچہ ہیں غمگین ہے پہاں بھی کہہ لیں

غم عشق اگر نہ ہوا غم روزگار ہوا

جان غمگین = جان کو صلا دیے والا غم روزگار = غم زمانہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ غم جان کو کھلا دینے والی چیز ہے مگر ہم اس سے بچنے کی کوئی صورت بھی تو اس دنیا میں نہیں پاتے کیونکہ ہم دل حساس رکھتے ہیں اگر غم عشق کو ہم نہا پاتے تو دنیا کے چڑھوں غم ہماری جان کے درد ہے ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں غم سے فرار ممکن نہیں۔



کہیں کہ سے میں کہ کیا ہے غم غم نہی ہوا

مجھے کیا نما تھا مرنا اگر ایک بار ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہس۔ یہ کہیں کون اسکا یقینی کرے کہ شب غم فرقت کی رات نہی اور بے یگانہ ہوتی ہے جسکے بار سے میں ایک جگہ فرما چکے ہیں کہ

"صبح کرتا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا"

ہر رات کا گنا کرنا اور ہر روز کی پانچے ہمارے ہے۔ اس طرح ہر بار مرنا جتنا ایک مصیبت دائمی ہر اس وقت رہو گی ہے۔ انکی زندگی سے تو مجھے ایک بار مرنا جانا کہنے نہیں تھا کیونکہ ایک بار تو ہر حال مرنا ہے ہی۔



ہوئے ہم جوہر کے زخما ہوئے کہیں نہ فرق ہوا

نہ کہیں ہوا نہ اکتا نہ کہیں حذر ہوا

فرق = ڈرنا جواز = حجت حذر = تہر

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم یوں ہی عاصیانہ صفت سر کے بدنامی اور رسوائی کا شکار ہوئے واقعہ یہ ہے جسکی تمام سرخطات میں گذری ہر ایک لوگ مرنے کے بعد اس قسم کے اکتاؤں میں پارہ کر چکے کہ آج اور بد خطرات مر گیا جو ہر وقت خوشی

پھر فرستیں اس میں جھار پتا قلم سے سارا حل قلاب کر رکھا قلاب کبھی قلم نہ کی تو لوگ اُسکو پتہ نہ کرانیں اچھا اس
 یاد کر لیں اس سے تو بھڑپتا قلم ہم کبھی رہا میں داب کر مر جاتے تو یہیٹ کر سوالی سے تو کہہ کر کچا ہی جاتے۔



اسے کون دیکھ سکا کہ پکانہ ہے وہ دیکھا
 جو وہی کی ناگھی ہوتی تو کبھی وہ چار ہوتا

پکانہ = دیکھا دیکھا = کچا

تشریح :- واسطہ الہی پر حضرت ایک دلیل قائم کرتے ہیں کہ اسے کون دیکھ سکا ہے وہ تو یہ مثال ہے اور دیکھا ہے الہی
 مثال بھی نہیں دی جا سکتی کوئی جسم نہیں رکھتا جس کو ہماری نظریات سے وہ تو ہے جسکو تقسیم بھی نہیں کیا جا سکا کہ ایک سے وہ
 اور وہ سے چار کر لیا جاوے اس واسطہ گرامی میں تو وہی کا ثانی تک نہیں آکرایا ہوتا تو وہ کبھی تو ہم سے وہ چار ہوتا مطلب
 آتا سامنا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ وہ چار ہو ایک ہو اور وہ ہے جو آتا سامنا یعنی آسمیں اُلجھ چلے، جنگ کرنے کے معنی میں
 بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر خدا ایک ہو کہ وہ چار ہو لے تو کبھی تو ہمیں تو آپس میں لڑتے بڑے نظر آتے۔



یہ مسائل تصوف یہ تھو جان قلاب
 تجھے ہم وہی سمجھتے جوتہ بارہ غور ہوتا

مسائل = مع مسئلہ تصوف = خالص لہٰذا کی گفتگو وہی = ناب بارہ خواہ = شرابی

تشریح :- حقیق کو حضرت نے عقل کی صنعت سے آراء کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسے قلاب یہ شریعت کے مسائل
 اور معرفت الہی کے رموز جان کرنا سیرے عالم ہونے اور صوفی ہونے کی دلیل ہے اگر واقعی تو شرابی نہ ہوتا تو ہم عقلی طور
 سے تجھے وہی سمجھتے۔

غزل (۱۷)

بلکہ دھوا ہے ہر کام کا آسمان ہوتا آہی کو بھی سیر نہیں ہنس ہوتا
 مگر یہ چاہے ہے خوابی مرے کاشنہ کی اور دوار سے لپے ہے جاپاں ہوتا
 دانے دیہاتی شوق کہ ہر دم بھگو آپ جانا دھوا اور آپ ہی جواں ہوتا
 جوتا اربابکے قحطانے مگر کرتا ہے جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے مڑگاں ہوتا

بھرت گل کی ہل لٹاؤ مت ہوجے یہ عطا ہے شہر کا مریاں ہوتا
 جیسے خاک میں ہم داغ جھانے نکلا تو ہو اور آپ ہمد رنگ گنتاں ہوتا
 بھرت پاد، دل رنج جھانے کھانا لڑتے دیں جگر فرقی کھانا ہوتا
 کی میرے گل کے بعد آنے جاتے توپ ہوتے اس درد پیمان کا پھان ہوتا
 جہاں اس پاد کو کپڑے کی قیمت غائب
 جسکی قسمت میں ہو باطن کا مریاں ہوتا



بلکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہوتا
 آدمی کو بھی سہرا نہیں انساں ہوتا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں حلیم ہے کہ ہر کام ایسا نہیں ہوتا جتنا آسانی سے ہو جائے بہت سے کام ایسے ہیں جو سخت
 محنت کے باوجود نہیں ہو پاتے ایسا ہی ایک کام آدمی کا انسان بنا ہے جو آج تک نہیں ہو سکا جبکہ اس سفر کو آدمی کو ہادی
 تعالیٰ نے ظہر و غل اور سخت کے زور سے آسان کر کے اپنی مخلوق کے لئے اس زمین پر بھیجا ہے اور یہاں پہنچے انبیاء کے
 ذریعہ تعلیم دیا اور انکے بار جو دیا آدم زاد میں حقیقی انقوش انسان میں ہے تاکہ فساد کی طرف راہ نہ لگ رہا۔



گر یہ چاہے ہے لڑائی سرے کا شانے کی
 اور دیر سے لپکے ہے بیاباں ہوتا

گر یہ = دودھ کا شانہ = پھوسا شیخ گل گھونٹا بیاباں = جہاں پانی نہ ہو یہاں

تشریح :- کہتے ہیں کہ میرے دونے کی بھی حد نہیں لڑائی پاد میں گر یہ دزدی نے میرے گھر کو دیرانے میں بدل دیا ہے
 اور یہ بات میرے گھر کے حدود دیر سے ثابت ہے کہ کہیں سے شہوت ہوا چاہے تو کہیں کہاں پھوس نے اپنا سکن بنا رکھا
 ہے مجھے دونے سے فرصت نہیں جو اس طرف تو چھوڑ دی رہائی ہے کہ جو حق چلی جا رہی ہے۔ دواصل یہ گر یہ دزدی ہی
 میرے گھر کو غائب کرنا چاہتے ہیں۔



وہاںے دیہاگی شوق کہ ہر دم جھکو
 آپ جانا اُدھر اور آپ ہی جہاں ہوتا

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے شوق کی دلیاگی قابلِ ہنس ہے کہ میں ہر وقت اس فعل میں مشغول و مصروف رہتا ہوں کہ غرض اس کی گل میں جاتا ہوں اور غرض اس کی حد تو بھی پر نہیں پہنچتا ہوں۔



جلوہ ازبک تھنائے نگہ کرتا ہے

جو میر آئینہ بھی چاہے ہے حراں ہونا

جو میر = روحِ حاصلِ ہر شے کی حراں ہونا = ایک دلو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ شخص کی جلوہ بازی خود نظر کو دولت دکھلا دیتی ہے اور دیکھنے پر مجبور کرتی ہے اس لئے کہ جو اس آئینہ دنیا کا جوہر یعنی یہ حضرت انسان کی اشتیاقی دلیا بازی میں استعدادِ دیوانہ ہے کہ شخص آئینہ بکرا سکو دیکھنے کا خواہش مند ہے۔



حضرت گلِ کبر اہل تماشا سے پاچہ

میرے تھارے ہے شمشیر کا سراپا ہونا

حضرت = میر = دانش۔ اہل تماشا = تماشا دہائے شمشیر = کھوار۔ سراپاں = مرد۔

تشریح:- کہتے ہیں لوگ میرے گل سے اس درجہ خوش ہیں کہ قاتل کی تھوار برید کو دیکھ کر کہ اب چند ساعت میں ہی اس درجہ خیرات کا کام تمام ہو جائے گا اور تاج کو ایک دم سے نہات ل جائے گی۔ حاشا! یہ تو ایک جھوم میر کا سا نظریں کر رہا ہے۔



چمے خاک میں ہم داراغ مٹائے نکلا

تو ہو اور آپ ہمد رنگ گستاں ہونا

خاک = آرزو نکلا = خوشی ہمد رنگ = ہوا رنگ سے

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم تو خاک سے ملے کا داراغ صرت دل میں لئے ہوئے قبر میں بیوٹا کیے اب ہماری بات تو نیکو دل رنگ سے جلوہ بازی اور آپ ہی آپ شمس کو تیار اور خوش ہو تم میرا دیکھنے والا تو وہاں نہیں ملے گا۔



حضرت پادہ دل زخم صحت کھاتا

لاستہ رہیں بھر فرق شکلاں ہوتا

حضرت = میں آرام پارہ = کھوا ریش = ہل فرق = ڈرنا شکلاں = شک کا رشتہ

تشریح :- آرزوئیں کے دلم کھاتا دل کو بھلا لگتا ہے آرزو جب تک دل میں رہتی ہے ایک خاص قسم کی تکلیف دہتی ہے اور دل کو مصروف اس آرزو کو پورا کرنے کی جستجو ہوا کرتی ہے جس سے دل راحت محسوس کرتا ہے حضرت علیؑ کی امید دل کو خوش رکھتی ہے۔ جیسے بھڑکی خواہش شکلاں میں فرق رہتا ہے اس کو اس میں راحت محسوس ہوتی ہے بھڑکے اندر عاقل پارہ ہوتے ہیں جو خدا کو گراں دیتے رہتے ہیں اور کھاتا جلد بھسم ہو جاتا ہے اور یہ نظام قدرت ہے ان پر دل کو ریش بھر کیا گیا ہے ان کو تکلیف کی خواہش رہتی ہے کیونکہ تکلیف کا درد رگہ رگہ اور سناں ہوتا ہے اس لئے بھڑکے اس سے فطری لگاؤ ہوتا ہے یہاں لفظ پارہ کا استعمال غیر ضروری ہے صرف دل سے کام لیں اور تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے اور شعر کو حسبِ عادت و قیاسانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ دوسرے مصرع میں بھڑکے کا تصور ریش کا استعمال بھی اسی مقصد سے کیا گیا جو شعر کو قوت دیتا ہے مگر کوئی خاص لفظ یہ نہیں کر پا۔ حاکم بہمن۔



کی سہرے قل کے بھڑکنے جہا سے توبہ

ہائے اس دور بچیوں کا بچیوں ہوتا

جہا = عظم مذراہی۔ ذور = زیادہ۔ بچیوں = شرمندہ ہوا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ آٹے بھڑکنے کے بعد اپنی عقلی کا احساس کیا اور شرمندگی کا اظہار کیا آٹھ کے لئے عظم سے توبہ کر لی جس سے بھڑکنے کا درد نہیں پہنچا بلکہ حال کے حق میں بھی اچھا نہیں ہوا۔ کیونکہ میرا خواب تاقیۃ الہیات سے دل میں کانٹنے کی طرح کلکتا رہے گا جیسے بھی ہنسوں۔ رنگ



جہا اس پارہ کیزے کی قیمت ثابت

جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہوتا

تشریح :- حضرت اس پارہ کیزے کی قیمت ہاتھوں کا اظہار کر رہے ہیں جو عاشق کے گریبان میں استعمال ہوا کرتا تھا کم قیمت ہے تو قیر ہے کیونکہ عاشق خود اس کو دھانگی کے عالم میں پاک پاک کر دیتا ہے اور کچھ دوسرے عوامی لوگ بھی اس کے گریبان کو کھینچے بھرتے ہیں۔ اس کیزے کی قسمت کبھی دلی ہے جو عاشق کا گریبان بن گیا۔



غزل (۱۸)

دوست غم غماری میں میری سی فرماگے کیا
 دلم کے بھرنے تک ٹخن نہ بڑھ جائیگے کیا
 بے نیازی مد سے گزری بندہ پر کب تک
 ہم کھینکے حال دل اور آپ فرماگے کیا
 حضرت تاج گرویں دیدار دل فرسوا
 کوئی جین یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیگے کیا
 آج ماں تلخ کنھن ہاتھ سے ہاتھ ہوں میں
 نذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیگے کیا
 گر کیا تاج نے ہم کو قید اچھا یوں سی
 یہ جوں عشق کے انداز بھٹ جائیگے کیا
 خانہ زاد زلف ہیں دلچیز سے بھاگیں کے کیوں
 ہیں گرفتار دعا دکان سے گھبرا جائیگے کیا
 ہے اب ہن سموں میں لقا غم غمت آمد

ہم نے یہ ما دیں وہاں میں پر کھائیگے کیا



دوست غم غماری میں میری سی فرماگے کیا

دلم کے بھرنے تک ٹخن نہ بڑھ جائیگے کیا

غماری = ہمدردی۔ مسی = کوشش۔

تشریح :- دوست احباب میری ہمدردی میں کیا کوشش کر چکے مرض عشق تو اطلاع ہے کہ کچھ تسلی آگئی سی لا حاصل سے
 لی بھی تو وہ جوش جنوں کو نہ روک سکے گی۔ دلم بہت کم احباب کی ہمدردی سے کچھ سکون تو ضرور ملے گا لیکن وہ ماضی ہو گا اثر
 اسے عرصے میں جنوں رکھنے کے بعد لاوائے کی طرح بھوت بنے گا اور وہاں کی تمام کوششوں کو بیکار کر دے گا۔ صبر و جاتی بطور
 عبادہ و تشنہ استعمال ہوا جو لطف و سدا ہے۔ احباب کی ہمدردی مرحوم کا کام کر گئی مگر اسے دلم بھر کر آنے کا ٹخن سب
 عادت دلم کو کرے کرے کہ بھریرا کر دینگے۔ مطلب یہ کہ مرض عشق لا اطلاع ہے اور جنوں شاعر و دیگر

مریض عشق پر لعنت خدا کی مرض بڑھتا گیا جنوں جنوں ہو گیا



بے نیازی مد سے گزری بندہ پر کب تک

ہم کھینکے حال دل اور آپ فرماگے کیا

بے نیازی = بلا پرواہی۔ بندہ پرور = سہراں، مکر فرما۔

تشریح :- مونا جے لوگوں کی یہ بات کہتی ہے کہ: اگر ماریوں کی روٹیہ اور جڑی اویہ دھبی سے سنا کرتے ہیں اور لڑیا
 دی داسیوں فلم سنانے کے بعد وہ کہنے لگے انکی طرف دیکھتا ہے تو وہ اچانک چمک جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں آپ
 نے کیا کہا ۱۲ کلیدیہ یہ نہایت تکلیف دہ بات ہے۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی کرد و عادت پر تنقید فرما رہے ہیں اور جڑی لہجہ سے
 اس روئے پر تکرار کرنے کی درخواست کر رہے ہیں کہ یہ نیازی کا یہی عالمہ اور ہم جاو رہا ہو جائینگے۔



حضرت تاج کرلوں دیداد دل فرش راہ
 کوئی نہیں یہ تو بھادو کہ بھائیجے کیا

تاج :- راجہ، صحبت کرنے والا دیداد دل فرش راہ سے تاج کہ خیر مقدم

تشریح :- کہتے ہیں کہ حضرت تاج اگر مجھے بھانے کے لئے تشریف لارہے ہیں تو ضرور تشریف لائیں میں اس کا خیر
 مقدم کروں گا انکی راہ میں دیداد دل بھادو میرے لئے وہ نہایت معزز اور محرم ہیں لیکن کوئی مجھے یہ تو بھادو کہ بھائیجے کیا
 بھادو بھائیجے کیا واقعی ہر انسان مشق باگی صحبت قبول کرے گا اندازہاں قابل راہ ہے۔



آج اس چٹا گھنہ ہرے سے ملے جاتا ہوں میں
 بلا دھیرے گل کرنے میں وہ اب لائیجے کیا

تشریح :- شعر یہ اہم سا اور دلچسپ ہے اور کسی تشریح کا بھی خاص نام ایک خاص بات یہ ہے کہ اس سورت کیلئے
 انا خواہش مند ہے کہ اپنے گل کے لئے چٹا گھنہ ساتھ لے کر گل کے پاس جا رہا ہے کہ انہیں کسی چیز کی حاشہ دلازمت نہ
 آسانی چہ ہر دھیرے گل میں کوئی غور نہ ہے یہ صرف اسلئے ہے کہ مشق ایک عاشق ہے اور گل مشق عاشق اپنے
 مشق کی بے نیازی سے اس وجہ پر بیان ہے کہ غزلیہ کی پرست کو ترجیح دے رہا ہے۔



کہ کیا تاج نے ہم کو تہہ اچھائیوں میں
 یہ ہوا مشق کے اندر بہت جائینگے کیا

شعربند امیر شاعر ایک غلطی بیان کرتا ہے کہ ہوا مشق کو تہہ اندر نصیب توں سے وہ کانٹوں جاسکتا۔



خانہ زاد ذائقہ ہیں زنجیر سے بھاگیں کے کیوں

ہیں کرشمہ دہا زمان سے گھبرا چکے کیا

خانہ زاد = کلام۔ گرفتار دہا = ماضی زمانے محبوب۔ زمان = قید خانہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم تو محبوب کی ذائقہ میں بندھے ہوئے تھے کلام ہیں ہم کسی اور زنجیر سے کیوں کر جوڑ چکے۔ ہم تو اسکی رضا میں ماضی ہیں مگر ہمیں قید خانے میں ڈالنا ہوا ہے تو ازل وے عمارے کے گھبرائے کا کوئی موقع نہیں۔



ہے اب اس معصورے میں قید غم الفت آمد

م نے یہ ملا رہیں وہی میں پر کھا چکے کیا

معصورہ = دنیا۔ قید = کمال۔ غم الفت = محبت کا غم۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اے آمد اس دنیا میں غم محبت کا قید ہے یہ جس اب غلاب ہے خصوصاً اس دہلی میں تو کوئی محبت کرنے والا نہیں رہا تھا چاہتا ہے کہ اس دہلی کو چھوڑ دیں اور کہیں اس جہنم کی تلاش کریں۔ اس میں شک نہیں کہ دہلی میں بہت محبوب ہے اور اُسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا مگر کیا کریں مجبور ہیں کیونکہ اللہ کی تقدیر محبت ہے اور وہ یہاں غلاب ہے۔ بلکہ سوچتے ہیں کہ زنجیر ہٹنے کے لئے محبت کے علاوہ کچھ اور کیا کئے کو چاہئے وہ کہیں اور ملنا مشکل ہے یہی مشکل ہے جو ہمیں جانے بند کے ہونے ہے۔

غزل (۱۹)

ہوں کہ ہے نکاح کار کیا کیا تیرا تو چہنے کا حرا کیا
تہلیل جنگی سے جدا کیا کہاں تک اے سراپا تار کیا
نوازش دے سب جا دیکھا ہوں نکاح دے رنگیں کا بگا کیا
نگاہ ہے آگیا چاہتا ہوں تھک دے جھینم آگیا کیا
فرداغ شعلہ شمس یک شمس ہے ہوں کو پاس پاسی دہا کیا
شمس سوز سیمہ ہے خوری ہے غافل دے ساتی کا گدا کیا
دماغ خطر جی وہیں نہیں ہے غم توہمگی دے مہا کیا
دل ہر قلہ ہے ساز تا لہر ہم اُنکے جی اللہ پوچھا کیا

کایا کیا ہے میں غصہ اور دیکھ شہیدانی وہ کاموں بہا کیا
 نس اے عادت مگر جنس وہا نس شہید قہجہ دل کی صدا کیا
 کیا کس نے جگر ہادی کا دھڑی ٹھیک غلغلہ ماضی بہلا کیا
 یہ قابل وعدہ میر آرا کیوں یہ کافر قہجہ طاق زبا کیا
 ہائے ہاں ہے غائب آگے برہت

مہارت کیا اہلقت کیا ادا کیا



ہوں کہ ہے نکلا کھر کیا کیا

نہر مرنا تو بیچنے کا حرا کیا

ہوں = طواغیات کی لذت نکلا = غرضی کار = کام

تشریح :- انسان کی فطرت ہے کہ اس دنیا میں سامان پیش اور امت فراہم کرنا کرہ میں ہے اور ہر وقت ایسے مواقع
 کی تلاش میں رہتا ہے جس سے خوشی حاصل ہو جبکہ اس دنیا میں انکی زندگی چند روزہ ہے دائمی نہیں۔ اگر پیشگی کی زندگی
 ہوتی تو اس میں کچھ کھٹ نہ ہوتا۔ اس قول کی صداقت میں یہ مصرعہ کافی ہے۔

”باترہ ہے پیش کش کہ عالم دوبارہ نصرت“



تہاہل پیشی سے مدعا کیا

کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

تہاہل = جاگزا نہاں ہوتا مدعا = مطلب سراپا = سر سے پاؤں تک ناز = ٹکڑا ہوا

تشریح :- ابھی محبوب سے نہ نظریں دوچار ہوئیں ہیں نہ کوئی رابطہ قائم ہوا ہے صرف گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن اس
 طرح پوری مادہ ناز کے ساتھ اور مکمل مادہ سگار کر کے بے نیازی سے گزرنے کا مطلب ہے اے سراپا ناز آخر تک یہ
 اعجاز بند ہے جو نمی چلا رہا ہے اور میں کہاں تک بے چارن کیا جاؤں گا۔



نوازش ہائے بے جا دیکھا ہوں

نصرت ہائے رقیب کا بھلا کیا

دلہا مگر وہاں نہیں ہے

خیم آباد کی دے مہا کیا

یہاں = گڑا لباس = بے قصہ گھوڑا بھرنا = بے پرواہی ہونا

تشریح :- کہتے ہیں کہ مہا کا لباس مسٹر نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ پردہ لٹی ہوا کا دلہا خوشبو نے زلیب پار سے مسٹر نہیں چاہا وہ کہیں بھی گھوڑا چلے نہیں کوئی غلط نہیں چاہا کہ وہ اس سے مسٹر ہوتی تو زمانہ اس سے فیض یاب نہ ہوتا جس میں گڑا لباس تھا شعر پڑا میں خوشبو نے زلیب پار کا ذکر نہیں یہ تعقید فکری ہے مگر یہ تعقید چونکہ ہم پر اتر چکا ہے اس لئے جانے ہی نہیں بلکہ محسوس ہے۔ مگر تعقید فکری کا یہب اپنی جگہ ہے۔ شعر تو اس پر فک ہما حق کا مہا ہر ایک خاص محسوس رکھتا ہے۔



دل ہر قطرہ ہے سار کا بحر

ہم اُنکے ہیں تھلا پو پھٹا کیا

دل ہر قطرہ = سرور دل کے خون کے ہر قطرہ سے ہے سار = اچھ = میں مست رہوں

تشریح :- حضرت اچھائی فرمایا عمار میں اترتے ہیں کہ کم سے کیا پو پھٹا کہ کم کون ہیں تھلا سے ٹوپی دل کا ہر قطرہ مانی رہائی میں سار ہی کہ مراد سے رہا ہے کہ میں مست رہوں کیونکہ اس قطرہ کا تعلق اس شعر ہے کہ وہ سے ہے (خدا) سے ہے جو غنائی کائنات ہے اور ہم زمین پر اُنکے غلیل ہیں۔ مگر ہماری حیثیت اُنکے مقابلے میں ایک قطرہ سے کسی طرح زیادہ نہیں اُنکے پار میں اُنکے ہے۔



کھانا کیا ہے میں خاص ہر رو کی

شہیدانِ وفا کا خون بہا کیا

کھانا = خوف دار، جنگ۔ خاص = قندار۔ خون بہا = خون کی قیمت۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ جے کیا خوف ہے بے جھک بری طرف دیکھا کہ میں صاب نظر نہ کر رہا بھی کیا تو میں قندار ہوں میں خاص ہوں کہ کوئی تم سے قندار نہیں کر چکا کوئی میرے خون کی قیمت لہجہ سے طلب نہیں کر چکا کیونکہ میں شہیدِ وفا ہوں اور شہیدِ وفا کا کوئی ملوث نہیں ہوتا۔ کیا جے قندار کے قند ہے۔



غزل (۲۰)

دردِ غم و فتنہ جب کوئی مہمان نہ ہوا
بہشتی میں بھی وہ آزاد و خودی ہیں کہ ہم
سب کو قبول ہے دعویٰ تیری یکسانی کا
کم نہیں تازہ ہم جانی چشمِ نواں
بیتے کا داغ ہے وہ ہمارے لب تک نہ گیا
کام کا پھرے ہے وہ دکھ کہ کسیک نہ ہوا
ہرگز نہ سوئے دم ذکر نہ لے غمِ تاب
فقرے میں و چلے دکھائی عہدے اور جزا میں گل

سلاطین میں رہا کرتے کیا اور کیا درجہ درستی کی خوراک بن گیا۔



کام کا میرے ہے وہ ذکہ کہ نہیں نہ ہوا

کام میں میرے ہے وہ ہفتہ کہ ہر پانچ ہوا

کام = خلق ہفتہ = ہفتہ ہر پانچ = ہفتہ ہوا

تشریح :- کہتے ہیں کہ ۱۰۰ کے آخر کی کسی کے ہفتہ میں نہیں آبادہ خصوصیت سے مجھے دیا گیا تھی مگر اس ال کما ال کما کیا پانچاٹھ دیکھو میرے ہی کام کا ہفتہ ۱۰۰ کی کوئی نہیں ۱۰۰ کوئی اسکو آٹھ پانچ ال نہیں تھا ہفتہ میں آٹھ عظیم المرتبت انسان ہوں کہ اس ذکہ کہ اس بار کو اس فکر کو گھیر کر گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ برائی بھی میرے اندر موجود ہے کہ خزاوں تھے اپنے اندر چھپائے پھرنا ہوں کہ زار زبان کو لوں تو خدا کا طوفان کھڑا ہو جائے۔ مگر یہ میری شان کے شانیں نہیں ہے۔



ہر نئے نئے دم ذکر نہ لپکے غلوں تاب

عزہ کا قصہ ہوا عشق کا چہ چاند ہوا

ہر نئے = ہر نئے غلوں تاب = ہر نئے غلوں عزہ کا قصہ = ایک کہانی

تشریح :- فرماتے ہیں کہ دراصل عشق ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو ذکر و کھوج سے گویا عشق علم و اسلام کی بنیاد ہے۔ حضرت یوں فرماتے ہیں کہ اسکا ذکر بھی کیا جاوے تو نشتہ والے اور خالے والے کے جسم کے ہر ہال کی جڑ سے خون ہادی ہو جائے اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ اسکا عشق نہیں بلکہ اسکا تپا ہر عزہ ہے جو تفریق طبع کے لئے کی گئی تھی ہالی ہے۔ ایک دوسرے شعرے میں حضرت عشق کی لذت کماں طریقیان فرماتے ہیں۔

کون ہے حریف کے مراد گلی عشق

ہے مکر وہ ب ساقی یہ مسئلہ میرے بعد



قلعے میں دجلہ کوئی نہ دے اور جزو میں گل

تخیل لڑکوں کا ہوا دیوہ دینا نہ ہوا

دجلہ = ملک عراق میں ایک دریا ہے دیوہ دینا = سمیرت رکھنے والی آنکھ

تشریح :- ایک حدیث ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا کہ حضور کا اخلاق کیسا تھا حضرت یوں

فرامی قزاقوں نے بدست فرمایا کہ کیا تو نے قرآن نہیں چھا جواب میں آئے کہا کہ چھا ہے مگر ایسا تو میرے بھنے کی کیا ضرورت ہے اگلا اخلاق قرآن کے عین مطابق تھا۔ یہی کیفیت کم و بیش اصحاب کرام کی قحی کر ایک فرد کا کردار مکمل اسلام کا آئینہ دار تھا۔

اس بات کہ حضرت یہاں بیان فرماتے ہیں کہ انسان کو کردار کا شمار سے آئینہ ہونا چاہئے، جسکو دیکھ کر شی کچھ لیا ہوا ہے کہ یہ شخص کسی عظیم شخصیت یا کسی مذہب و ملت سے واسطہ ہے یہی کیفیت فقرے میں ابد و کھائی دینے کے حروف ہے۔ اگر ایسا کردار نہیں ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ایسی زندگی گزارنا تو لوگوں کا عیال سے کوئی ذوق نہیں۔ یہ کوئی صاحب بصیرت لوگوں کے لئے پسند ہے نہیں ہے۔



قحی خبر کرم کہ غالب کے نزدیک پڑے

دیکھنے ہم ہی گئے تھے یہ قماش نہ ہوا

تشریح :- شعر سادہ ہے کسی حرکت کا عیاں نہیں۔

تجربہ :- مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب (اب حیات) کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات غالب و ادوق میں چلتے پلتے رہتی قحی ادوق بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے اور انکو دربار شاہی میں ایک مقام بلند حاصل تھا جو غالب کو شاق نہ تھا اسلئے اشارے کنائے میں ان پر نظر کرتے رہتے تھے شعر بذات اس ہیذیہ صمد کا مکیاں ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ غالب صاحب کسی جگہ شاد نام پر نظر پڑا دیکھتے تھے اتفاق سے اگلے قریب سے ادوق صاحب کا گزر ہوا انکو دیکھ کر غالب صاحب نے فرمایا۔

ہنہ ہے شکا صاحب ہر سے ہے اترا تا

ادوق صاحب کو سخت ناگوار ہوئی اور انھوں نے شاد سے شکایت کی انھوں نے غالب کو طلب فرمایا اور جواب طلب کیا۔ غالب صاحب نے کہا کہ حضور میری تو یہ مکمل نزل ہے چکا یہ مصرعہ ہے میں تو اپنی نزل انگنار ہا تھا اور وہ نزل شاد کو سنائی قطع میں دوسرے مصرعہ میں کہا

ڈرتہ شہر میں غالب کی آہ کیا ہے

یہ سن کر بہادر شاہ ظفر مسکرا دئے اور غالب کو بلا کسی سر و تش کے بدعت ملگنی، شاید اس نزل کے قطع میں اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔ ہاذا علم



غزل (۲۱)

ہے نذر کرم تھو ہے شرم ہارسائی کا بنوں غلطیوں صد رنگ دھوئی پارسائی کا
 نہو کسین قنات دوست دوسا ہے دھائی کا بہ ہر صد نظر ثابت ہے دھوئی پارسائی کا
 زکاء نصیب دے اے جلوہ بخش کر میر آسا چراغ قنات آرویش ہوگا سر گدائی کا
 تھنائے زبان مجھ پاسب ہے زبانی ہے بجا جس سے قنات گھوٹا ہے دست دھائی کا
 نہ مارا جا کر ہے برم غافل تیری گردن پر رہا ہجو خون ہے غم حق آشنائی کا
 وہی ک بات جہاں نصیب ہے وہاں کہت گل ہے بہن کا جلوہ باعث ہے میری دیکھیں نوائی کا
 اپنی ہر نوبت بظاہر جو زنجیر دھوائی عدم تک یہ فنا چچا ہے تیری جھٹائی کا

نئے نئے کو اتنا طول غالب نصیر گھدے

کر حسرت بچ ہوں عرض ختم ہائے جہاں کا



ہے نذر کرم تھو ہے شرم ہارسائی کا

بنوں غلطیوں صد رنگ دھوئی پارسائی کا

ہے نذر کرم ہاکرم کی جینٹ کے سلیے۔ ہارسائی = پتلی نہوا غلطیوں = آلودہ۔ صد رنگ = پتنگوں کا رنگ سے
 تشریح :- پتنگوں کا کشت و طوفان اور طرح طرح کے گناہوں سے آلودہ انسان کا پارسائی کا دھوئی دھوئی نہیں بلکہ اپنی ناکامی
 اور شرمندگی کی طرف سے ایک نذر ہے جو مالک حقیقی کے حضور کا کرم و بخشش حاصل کرنے کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔



نہو کسین قنات دوست دوسا ہے دھائی کا

بہ ہر صد نظر ثابت ہے دھوئی پارسائی کا

تشریح :- ہمارے محبوب کا کسین جو ایک قابل و پتلا ہے وہ دھائی کے محبوب سے جہاں نہیں ہو سکا بھلے ہی اس میں یہ
 محبوب ہو کیونکہ اس پر پتنگوں کی محبت بھری نکالیں چلی ہیں اور محبت بھری نکالوں کا چننا یہ بات کر رہا ہے کہ وہ ہر محبوب سے
 پاک و صاف ہے اور اس کا پارسائی کا دھوئی جہاں ہے اور اس کا یہ محبوب اس میں ہوتا تو کوئی اس کو ابھی نظر سے ہرگز نہ دیکھتا۔



ذکا: نخس دے اے چلا، کشن کر مہر آسا

چارچ خانہ دودلٹر ہوگا سر گمان کا

جلوہ پیش = جلوہ دکھانے والے مہر آسا = سورج آنسو دودلٹر = فقیر کاسہ = چال

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے جلوہ دکھانے والے تو بھی اپنے نخس کی ذکا نکال تاکہ حیری حیران نخس میں مزے اضافہ ہو اور اس ذکا سے تجھے فقیر کا چال بھی سورج کی مانند روشن میرے گھر کا چارچان بن جاوے۔



فنائے زبان محو پاسی ہے زبانی ہے

بہ دست سے خاف شکوہ ہے دست دپائی کا

پاس = ساتھ نکل محو = منہک شکوہ = شکایت دست دپا = ہاتھ پاؤں

تشریح:- بہ دست دپائی بطور نگارہ و مجبور دی دلا دپاری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ میری زبان کی آرزو تھی کہ غرض تمہا کرے سرور میری بہ زبانی (خاموشی) کی تحریف میں مشغول و منہک ہو گئی۔ اس واقعہ سے میری مجبوری (خاموشی) کو جو مجھ سے شکایت تھی اور اس کا جو خاف تھا وہ دور ہو گیا۔



نہ مارا جا کر ہے غم مائل حیری کہن ہے

رو بہ خون ہے غم حق آستان کا

تشریح:- اے بے خبر نہ بچے بگنا، کچھ قتل نہیں کیا۔ تمہارے پھر آستان کا خاف بھی تھا کہ تو مجھے مار ڈالا اب چونکہ نے آستان کا حق اور انہیں کیا جو آستان کا قتل کرنے کے عزائم ہے اب حیری کہن پر اس قتل کرنے کا گناہ آجیج۔ مجھے قتل کرے یا نہ کرے قتل کے غم کا سر عجب بہر حال دیکھ۔



وہی اک بات ہے جہاں نخس وہاں کھبت گل ہے

بہن کا جلوہ باعث ہے میری رتیں نوائی کا

نخس = سانس کھبت گل = پھول کی خوشبو باعث = وجہ بہ رتیں نوائی = خوش المانی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا نخس ہو (میرا وجود) بہر پھولوں کا نخس اور ان کی خوشبو ہو سب ایک چیز فرض اس میں دنیا

کی بہادران نے میرا داغ خراب کر دیا اور مجھے گھسیٹا دیا۔



دہان پر نہت بظاہر جو زنجیر رسوائی
ہم تک پہنچا چکا ہے تیری بیوقوفی کا

دہان = منہ بظاہر = ظاہر پہلوانی کھو = تلاش رسوائی = بدنامی عہد = بھتی

تشریح :- ہر طعن ذہن زد اور حسرت کا انداز انکی رسوائی کی زنجیر ہے۔ زنجیر ایک عادت ہے جس طرح ہم کسی شخص کو زنجیر میں بندھا دیتے ہیں تو کبھی جاتے ہیں کہ یہ کوئی دیوانہ ہے یا غم ہے تو یہ زنجیر انکی بچکان ہے اسی طرح طعن جو حسرت کی بچکان انکی زنجیر آئندہ ہے کہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ وہ کوئی کمالات اور مقابلہ کروں اور یہ بدکاروں کی فحشیت ہوتی ہے جبکہ مرد زندگی بھر انکی تازہ برادری کرتا ہے اور اپنی کمالات ہے۔ حسرت کا یہ سلوک انکی بیوقوفی کا گھلا ٹھوس ہے۔ انکی یہ عادت مرتے دم تک نہیں جاتی۔



مے نامے کو انا طلی عابِ حسرت کھدے
کہ حسرت کا ہوں مرضِ ختم ہائے بدلی کا

نامہ = خط طول = درازی لمبائی حسرت = سچ = آرزو مرض = غرض = گزارش

تشریح :- لڑاتے ہیں کہ اسے عابِ خدا کاں وہ خط طول مستعدے بلکہ مختصر انگہ کے کہ میں تیرے اُفاق کی تکلیف بیان کرنے کا بھتی ہوں۔

غزل (۲۲)

کہنے اعدا شبِ گرفتِ بیاں ہو جائیگا	بے تکلف داغِ سرِ نیرِ دہاں ہو جائیگا
زہرہ کر ایسا ہی شامِ ہر میں ہوتا ہے اب	آج سحابِ سبلیِ خانماں ہو جائیگا
بے لوں سوتے میں بوسے کے پاؤں کا گر	ایسی باتوں سے وہ کارِ بزمِ گماں ہو جائیگا
دل کو ہم صرف دتا کبھی تھے کیا معلوم تھا	یعنی یہ پہلے ہی زہرِ امتحان ہو جائیگا
کچھ دل میں ہے جسکے تیری جو تو راضی ہوا	مجھ پہ گویا اک زمانہ صبرِ ماں ہو جائیگا
کرتا، گرمِ فرمائی دلیِ تعلیمِ خفا.....	شطِ شمس میں جیسے خوںِ رنگ میں نہاں ہو جائیگا

باغ میں بھگو نہ بگا دونہ میرے حال پر ہر گل تر ایک چشم غولِ شاں ہو جانچ
 دانے گر حیرا مرا انصافِ محشر میں نہ ہو اب تک تو پہ تو فوج ہے کہ داں ہو جانچ
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اند

دقتی جہاں کی ہے جہاں کا نہیں ہو جانچ



مگر اندوہ شبِ فرقت جہاں ہو جانچ

بے تکلف دارا رہ نہر وہاں ہو جانچ

اندوہ = غم شبِ فرقت = ہمدانی کی رات وہاں = اند

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر ہم دل ہی دل میں سمجھنے لگتے اور غمِ ہمدانی کو کسی سے جان نہیں کر چکے یعنی دل کی ہر اس
 نہیں نکالیں گے تو اپنے جانے کی ہمدانی کا داغ ہمارے اندر کی نہر خاموشی میں جانچ اور غمِ بیست کے لئے خاموشی ہو جانچ



زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے اب

پرتوِ مہتابِ بکلی خانوں ہو جانچ

زہرہ = بکلی ہجر = ہمدانی آپ = پانی پرتو = بکلی مہتاب = چاند بکلی = رطل خانقا = خانقاہ
 تشریح :- پتہ پانی ہو تا ایک کھورو ہے جبکہ استعمالِ محبتِ شوق یا خدمتِ آلام کے موقع پر ہوتا ہے کہ اس قدر غم اٹھائے کہ
 بکلی پانی ہو گیا۔

فرماتے ہیں کہ شبِ غم کے آلام کی خدمت سے جب ہمارا پتہ پانی ہو گیا تو اگر اس جانکا بکلی چڑ گیا یعنی محبوب
 کا زہرہ مارا چار ہو گیا تو ہمارا خانقاہ میں ہی سلا سب غم میں بہہ جانچ چاہو برہنہ ہو جانچ۔



لے آؤ لوں سوتے میں بوسے آنکھ پائے باز کا

انکی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جانچ

تشریح :- شعر نہایت سادہ مگر متحول اور خوب اخلاق ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ شاعر نے سراج کے نورِ جانوں کے
 جذبات کی عکاسی فرمائی ہے جب بھی مضمون اپنی ہمد گنیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ شبِ غم کے آلام کی خدمت اس درجہ ہے کہ محبوب کو سوتے دیکھ کر چاہ ہو جاتے ہیں کہتے ہیں

کہی تو یہ چاہتا ہے کہ اس عالم میں اس کے پاؤں کو جہلموں میں نہ چڑھے کہ اس کی آنکھ کھل گئی تو وہ مجھ سے بدگمان ہو جائیگا کہ یہ نہایت گنہگار اور مظلوم انسانیت کا انسان ہے اور میں اس حرکت سے ہمیشہ کے لئے ہمارا ہوجاؤں گا۔



دل کو ہم صرف دعا کہے تھے کیا معلوم تھا۔

یعنی یہ پہلے ہی غمِ امتحان ہو جائیگا

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم تو دل کو دعا داری اور محبوب کی فرما داری میں صرف کرنے کی چیز سمجھتے تھے کہ تا حیات اس کی دعا داری میں اس کو صرف کرینگے مگر یہ تو پہلی نظر ہی میں بیکار ہو گیا اور امتحانِ دنیا کی غم ہو گیا اب دعا داری میں کیا صرف کرینگے۔



کچھ دل میں ہے مگر تیری جو تو راضی ہوا

مجھ پہ گویا ایک زمانہ میراں ہو جائیگا

تشریح :- شعر بڑا نہایت سادہ و سلیس ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ پاک کے لئے سب کے دل میں جگہ ہے اور اس کی عظمت کو سب تسلیم کرتے ہیں مگر وہ ہم سے راضی ہو جائے تو دنیا کے اکثر و بیشتر لوگ اللہ کی عظمت میں چلیں بھاریچکے اور ایک زمانہ ملنا ہو جائیگا۔



مگر وہ کرم فرماتی رہی تعلیمِ حبیب۔۔

شعلہ خورشید میں جیسے ٹوں رگ میں نہیں ہو جائیگا

تشریح :- محبوب کی ناکرم کا خلاف ہوا مگر حبیب کی تعلیم و دعا و عمل میں ناکرم تو شعلہ کی مانند ہے جو عاشق کے دل میں محبت کی آگ بکھڑکتی ہے اور دوسل کے لئے بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت میں حبیب کی تعلیم نفسی بہتر ہے جو شعلے کو تنگ گھاس پھوس میں رکھنے کے مترادف ہے مگر محبوب چاہتا ہے کہ میں اس طرح میرے حبیب کو اس طرح غولِ رگ میں بکھیر دیتا ہوں اور پھٹکا نہیں میرے لئے ہاتھن ہے۔



باغ میں جھنڈے مچا دے نہرے حال پہ

ہر گل زہیں چشمِ خوں نشاں ہو جائیگا

گل تر = ہزار بھول چشم خوں لٹاں = خون روئے جالی آنکھ
تشریح :- شعر بہت سادہ ہے کہتے ہیں مجھے ہارغ مت لے مجھ میں ایک عاشقیت حالت حال ہوں مجھے دیکھ کر ہزار ہ
بھول خوں پیکان میں چاہیگا، مطلب یہ ہے کہ ماحول خستہ و خرد ہو جائیگا۔ جو مناسب نہیں ہے۔



وائے تیرا میرا اگر انصاف محشر میں نہ ہو
اب تک تو یہ تو فتح ہے کہ وایں ہو چاہیگا
تشریح :- کہتے ہیں کہ سخت انفس کی بات ہے کہ ہمارے چہرے درمیان، محشر سے کار و قیامت میں بھی انصاف نہ ہو
اب کہتے مجھے قوی امید ہے کہ ہاں ضرور انصاف ہو گا اور تو یقیناً مقدر ہار چکا اور میں جیت کر تجھے حاصل کر لوں گا۔



فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی راتا ہے آند
دوستی نادان کی ہے جان کا زیاں ہو چاہیگا

نادان = عقول زیاں = نقصان نادان = نادان
تشریح :- ماحشر بہت سادہ ہے یہاں میر تقی میر کا انداز پیش کیا ہے ایک محاورہ ہے کہ (نادان کی دوستی کی کا
زیاں) جسکو جوں کا تو استعمال کر لیا ہے۔ محبوب کو مودا کہیں نادان کہتے ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
نقصان کو پیشانی بنا دیا گیا ہے۔

غزل (۲۳)

جب یہ تقریب سطر پار سے ٹھٹھل ہاندا
تجش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل ہاندا
جلب تجش نے یہ حیرت کدہ شوقی باز
جو ہر آئینہ کو عطری بسمل ہاندا
پاس و امید نے یک کر بدھ میاں مانگا
میر ہمت نے بیجم دل ساگی ہاندا
نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون چاہے
مگر چہ دل کھول کے دھا کو بھی ساگی ہاندا



جب بہ تخریب سزا نے عمل ہامدا

نہش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل ہامدا

محل = پردہ غم سا جو آواز ہے ہامدا جاتا ہے۔ پیش شوق = شوق کی گرمی۔

تشریح :- کہتے ہیں جب اورے محبوب نے سفر کی تجاری کی اور اپنی سدا کی پردے کی غرض سے محل ہامدا تو ہمارے شوق کی گرمی نے سفر کی راہ میں ہر ذرہ کو کراہتا ہوا بدل دیا کہ یا کہ محبوب کو کسی طرح کا خطرہ نہ پورا کہ ہوتا ہوا دل دلا سکے تو اس کے لئے ہر وقت تیار ہے۔



اصل پیش نے بہ حیرت کدہ شوقی باز

جو ہر آئینہ کا طوطی ہاسل ہامدا

اصل پیش = دیکھنے والے کدہ = مگر شوقی باز = بھلا ہیں جو ہر آئینہ = آئینہ کی روح ما آپ چمک طوطی ہاسل = زخمی ہوتی ہوئی طوطی

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہمارے محبوب کو دیکھنے والوں نے آئینہ کے مقابلہ دیکھ کر اس کے بھل پن سے حائر ہو کر حیرت زدہ آئینہ کو جو سادہ و پلندہ ج ہے کہ ہا طوطی کہہ یا کہ کدہ واقعہ یہ ہے کہ وہ پردے آئینہ جب کوئی صحن آتا ہے تو طرح طرح سے اپنے چہرہ کو دیکھا ہے اور آئینہ کا رخسار سے سب کی ایک ایک آرائش کرتا ہے اس میں اس کی کیفیت ہے لیکن انسان کی ہوتی ہے جو کس طوطی کا رخسار ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے آئینہ کی طوطی ہاسل ہا ہوا ہے۔



یاس و امید نے یک سرہہ میدان ہاک

مگر ہمت نے علم دل ساک ہامدا

یاس = ناامیدی۔ عزت = بد رفتاری یا بھگوانی۔ مگر = مگر وہی۔ ظلم = ہمارا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ امید اور ناامید کا تلوار ایک دوسرے میدان رکھتا ہے جو لوگ مضبوط اور رکھتے ہیں وہ اس جنگ میں کچھ فیصلہ لیتے ہیں اور امید کے ہمارے پر زنی کہ کامیاب بنالیتے ہیں برخلاف اسکے جو کہ وہ امید رکھتے ہیں اس کمروری کے بار میں بھٹک کر گرا کسی کے شرماک چہرہ پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔



نہ بدھے تنگنکی فلوں کے غصوں غائب

گرچہ ہر کھیل کے حیا کو بھی ساحل پارہا

تفکیک = پاس لڑائی = ڈاکو، لچھی ساحل = کنارہ

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ذوق کی پیاس بجھانے کے لئے سینکڑوں بھرنے والے واقعات اور خلاف مطلب واقعات ہزاروں مضامین طرح طرح سے لکھے ہیں مگر ہماری ذہنی توجہ نہیں ہوتی اور ہم اپنے مطلب کے مضامین جان کر لکھتے ہیں تاکہ کام ہو۔

غزل (۲۴)

میں اور بزمِ سخن سے ہیں تھکے کامِ آہاں مگر میں نے کی قسمی تو چہ ساقی کو کیا ہوا تھا

جہاں تک تیر ختمی میں دونوں چھوٹے جڑے ہیں " وہاں مجھے نہ اپنا دل سے مگر بھرا تھا

سورج کی عی غائب نہ ہوئے

جب رشتہ ہے کہ کہہ سکتے ہیں کہ



میں اور ہم نے یہ ہیں تھو کام آئی

میرے لئے کی تھی تو یہ ساقی کو کیا تھا؟

بزم = مجلس مخ = شراب قشنگام = پیاسا

تشریح :- حضرت کی شراب کس اس قدر دیا جا رہا ہے کہ لینے کے بعد بھی ساقی سے یہ شکایت ہے کہ سنے نجد کیوں نہیں کی اس کو کیا ہو گیا تھا وہ کہہ کر کہ حضرت کو بہانہ مل جاتا اور ذوق کو تسکین مل جاتی اور سنے پہ سے پہلے ہم خود اسے دیا کہ تھے کہ وہ بھی کہتا ہے تاہم اس سے چار سو آٹھ سو سال پہلے نہیں تھا۔



ہر ایک تحریر میں نئی باتوں کا پتہ ملے گا

وہ وہی محلے کے لڑکا رہا ہے جس کا نام تھا

شعر ہذا میں شاعر نے دل و جگر کو بطور استعارہ اپنے اور محبوب کے لئے استعمال کیا ہے اور وہ سحر جیسی دواؤں
تھوڑے سے جتنے جی محبت کا حیر ہے اور نہ یہاں کہہ سکتا کہ وہ ان گنے گنا اپنا دل سے جگر نوا اترتا ہے جسے بات ہے کیونکہ دل

دیگر دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں جگر کا کام غذا کو انجم کر کے خون بنانا اور دل کے حوالے کرنا ہے دل کا کام ہرے جسم کو خون پہنچانی کرنا ہے اور دونوں ملتی جلتی ہیں اس کے جدا ہونے کا سوال ہی نہیں اسی لئے ایسے دونوں کے نام اور کام الگ الگ ہیں جو ہمیشہ سے جڑوا رہی ہیں انہیں ہوتا کا ایک ٹکڑے کے لئے بھی انکار ہوا ٹوٹ جانے والے سنے یہ کہنا کہ "دونوں ملنے کا ہمارا سے جگر ہوا" ناقص لفظ اور بے حقیقت بات ہے۔

کو دل جگر ہوا الگ الگ چیز میں محبت کے حیر نے دونوں میں جو سلا ہو کر ایک کر دیا ہے اب یہ کہنے کی بات نہیں کہ دل اور جگر دونوں الگ الگ چیز ہیں۔ یعنی میں اور محبوب دونوں ایک ہیں الگ الگ نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے دونوں تیر محبت کے نگار ہیں۔



دعا کی میں تائب ہو گیا چلے تو جانوں

جب رشتہ ہے کہ تھا ناخن گرہ کٹا تھا

دو دعا کی = پھاری رشتہ = دعا کا تعلق گرہ کٹھا = کرہ کوٹنے والا

تشریح :- کہتے ہیں کہ اس پھاری اور کزوری کے عالم میں اگر بھوکوں تو جانوں کو دعا کی میں کسی لائق ہوں مگر دعا یہ ہے کہ جب دعا کے میں کہ نہیں تھی جان میں کہہ کوٹنے کی صلاحیت پھری پھری تھی اب جب کہہ کوٹنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تو دعا کے میں اگر ایک کہہ بھی ہے تو کھولنا جس کی بات نہیں۔ مثال مشہور ہے کہ جب دانت تھے تو چنے میسر نہیں تھے اور اب چنے میسر ہوئے تو دانت نہیں رہے، مطلب یہ ہے کہ کار کا عالم میں کوئی کام ہماری خوشی کے مطابق نہیں ہو رہا یہاں انسان مجبور محسوس ہے۔

غزل (۲۵)

مگر ادا جو نہ دے گی تو دیاں ہوتا بگر اگر بگر نہ ہوتا تو دیاں ہوتا

سچی دل کا گھر کیا یہ وہ کا فر دل ہے کہ اگر تک نہیں تو پرچیاں ہوتا

بہد ایک سر دلا ہار تو دتا ہارے

کاش دھواں ہی در پار کا دیاں نہ ہوتا



مگر ادا جو نہ دے گی تو دیاں ہوتا

بگر اگر بگر نہ ہوتا تو دیاں ہوتا

دیراں = اُچار، برادر، بحر = سمندر بیابان = وہ جگہ جہاں پانی نہ ہو

تشریح :- لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دور دور کرنا کچھ کرنا شروع کر دیا۔ یہ قول نخلین علیہ ہے کہ روئے خواست لانا ہے مگر شاعر کے نزدیک یہ درست نہیں ہے اُن کا کہنا ہے کہ اگر ہم نہ بھی روئے تو برادر تو بھر حال ہو ہی جاتے برادر ہی ہمارا سمندر ہو چکی تھی اس مسئلے میں ایک دلیل نہایت پختہ دیتے ہیں کہ اگر سمندر، سمندر نہ ہوتا تو اس کی جگہ جنگ بیابان ہوتا جو لازمی صورت ہے۔



جنگی دل کا گھر کیا یہ دل کا فرار ہے۔

کہ مگر جنگ نہ ہوتا تو پرچاس ہوتا

گھر = عمارت کافر = اٹھاری

تشریح :- کہتے ہیں جنگی دل کی عمارت گھر بنا دیا ہے کیونکہ یہ سرکش اور ہائی ہے یہ کسی حال میں خوش نہیں رہتا اب اسکو جنگی کی عمارت ہے اسکو گھر بنائی دل جاتے تو پاس سے بھی پریشان ہوگا ایک حال میں رہتا اسکو پسند ہی نہیں ہے۔



بعد ایک عمر دریا بار تو رہتا ہمارے

کاش رضوان ہی دریا کا دریاں ہوتا

دریا = ذرہ بار = بچہ کاش = کیا اچھا ہوتا رضوان = درود، جنت

تشریح :- یہاں حضرت نے دریا کو حافظہ کے معنی میں استعمال کیا ہے ایک عمر کے بعد دولت شباب بھگن جاتی ہے اور مگر حافظہ کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ ذرہ ایک بار بن جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ کیا اچھا ہوتا کہ دروازہ جنت محبوب کے دروازہ بان ہوتا کیونکہ وہ کسی وقت بھی محبوب پر ہرگز ہوتا کیونکہ دروازہ جنت ایک فرشتہ ہے نہ وہ کچھ کہتا ہے نہ کوئی گڑبگڑ لائی مسودت میں اس کے بار بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مفہوم کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ کاش، رضوان جنت محبوب کا دروازہ ہوتا تو کسی وقت تو جنت محبوب میں داخلہ کی اجازت مل جاتی غما ہوں کی سزا جھٹکتے کے بعد ہی کسی ایک عمر کے بعد تو ضرور راجہ تہ مل ہی جاتی جو اس دریاں کی موجودگی میں کسی وقت بھی ممکن نہیں۔



غزل (۲۶)

گد ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا کمر میں عمر ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پا رہا مکتوب مگر ستم زدہ ہوں ذوقی خاند فرسا کا
جہاں پاسے غزاں ہے بہار اگر ہے بھی وہاں کھنکھٹ خاطر ہے بیش ڈنڈا کا
نیم فراق میں تکلیف سیر داغ نہ د مجھے دماغ نہیں لٹوہ ہائے ہے جا کا
ہنوز عمری نفس کو ترستا ہوں کرے ہے ہر وہن نو کام چٹم بٹا کا
دل انکو پہلے ہی ہزارا سے دے بیٹھے ہمیں دماغ کہاں نفس کے تقاضا کا
نہ کہہ کہ کر یہ بھڑا عسرت دل ہے مری نگاہ میں ہے حق و خرق ڈنڈا کا

تک کو کچھ کے کہتا ہوں انکو یاد آسہ

جہاں میں آنکلی ہے انداز کا لڑکا



گد ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

کمر میں عمر ہوا اضطراب دریا کا

گد = شکایت کمر = سوتی حق = معرہاں اضطراب = عجنتی

تشریح :- کہتے ہیں کہ شوق اس درجہ چکا ہے کہ اب وہ دل میں محسوس کر رہا ہے کہ پاؤں لائے لگے ہو گیا ہے اور شوق پر سے جسم کی گڑی اور تڑپ اپنے اندر سمیٹ چکا ہے اور اب نکلنے کے لئے بے چین ہے جس طرح سوتی دریا کا اضطراب اپنے اندر سمو لیتا ہے اور مکمل ہو جاتا ہے تو دریا سے باہر نکلنے کے لئے منتظر ہو جاتا ہے۔



یہ جانتا ہوں کہ تو اور پا رہا مکتوب

مگر ستم زدہ ہوں ذوقی خاند فرسا کا

پہنچ = جواب مکتوب = خط ذوق = سر خاند فرسا = علم کبسا ستم زدہ = علم کا مارا ہوا

تشریح :- کہتے ہیں کہ مجھے چونکہ خطا گنہگار کے کلفت نے اور کھا چاٹنے آئے تھے تھا گھبراہٹ میں چاہتا ہوں کہ تیرے اور خطا کا جواب دو اختیار پائیں ہیں مطلب یہ ہے مجھے یقین ہے کہ تیرا جواب قطعی نہیں دیکھا ہم حسبِ مارت گھبراہٹ میں۔



جناہ پائے نرہاں ہے بہارا کر ہے مگی

ورام کلفت خاطر ہے میں زلیا کا

جنا = مہندی ورام = ہیٹھ کلفت خاطر = اپنے لئے تکلیف

تشریح :- فرماتے ہیں کہ زلیا کا بیٹھ آرام نہ تھی کی زندگی کے لئے یعنی آخرت کی زندگی کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے کیونکہ یہاں کی بہار کوئی بہار نہیں اسکی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ یہ چند روزہ ہے اور کبھی ہے بھی فراقی کمذات کے لئے کہ بس دھست ہو تھو تھو چار چاٹے پاؤں میں مہندی لگے جگی ہے اور لہجوں کی طرزِ شخصی کی ایک دو ساعت ہوتی ہیں۔



غم فراق میں تکلیف یر دانا نہ

مجھے دانا نہیں خندہ دانا ہے ہا کا

غم فراق = مہدائی کا غم خندہ = خنسی

تشریح :- کہتے ہیں مجھے یر دانا کے لئے دست مست میں محبوب کی مہدائی کے غم کا درد ہوا ہوں مجھے کوئی خوشی یا بھی نہیں لگتی وہاں ہونا تو چھتے لٹکتے تھے ہولہ کیونکہ تیرا گداری ہوئی میں کھونٹا کر یہ مجھے خندہ چہرہ ہے ہیں وہاں کا غم غری ہداشت سے باہر ہے۔



خیز عری حسن کو ترستا ہوں

کرے ہے ہر نین نو کام چشم جانا کا

خیز = ایک عری = شامائی نین سو = بال کی چڑ چشم جانا = روشن باہر سے آنے والا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں حسن کو ہر حق آنکھ بند کر دیکھ رہا ہوں اسکے باوجود حسن کی شامائی کو دس رہا ہوں یعنی اسکی دلائی سے محروم ہوں۔



دل اسکو پہلے ہی تارلا سے دے بیٹھے

میں رنایا کہاں کس کے قضا کا

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں اکثر بدداشت کہاں تھی کہ ہم پر کس کا قضا تھا اور ہم اس پر دل تار کرتے ہم تو کبھی
نظر میں دل اسکو دے چکے ہیں کبھی کا قضا کب گوارا تھا۔



نہ کہہ کر گریہ بقدر حسرت دل ہے

مری نگاہ میں ہے مع و طرح دنیا کا

گریہ بہرہ بقدر حسرت دل = دل کے رنج کے مطابق

تشریح :- کہتے ہیں کہ یہ نہ کہنے کو دنیا دل کی حسرت اور رنج کے مطابق ہے یعنی جتنا رنج اور حسرت ہے اتنا کلام آتا
ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نہ کہنے گریہ میں کتنا پانی ہے اسی حساب سے ہم اس کو رنج کرتے ہیں مع و طرح کے حساب سے
ہم غریب واقف ہیں۔ یہ بھی ہماری نگاہ میں ہے کہ دنیا والے اس گریہ کو کس کس روپ میں رنج کرتے ہیں بہت ایسے بھی
ہیں جو حقیقت کا رونا بھی داتے ہیں جسکا حسرت دل سے کوئی علاج نہیں ہوتا۔



ملک کو رنج کے کرتا ہوں اسکو یاد آئے

جنا میں آنکی ہے انداز کا ڈرنا

ملک = آسمان جنان = ستم اعزاز = اعلیٰ طریقہ کار فرما = کام کرنے والا (خدا)

تشریح :- کہتے ہیں کہ جب محبوب کو یاد کرتا ہوں پہلے آسمان کی طرف دیکھتا ہوں کیونکہ آنکی جنان میں یاد کر کے خدا یاد
آجاتا ہے۔ ”جب یاد رنج تیرا تو خدا یاد آیا۔“ اس میں یہ نظارہ بھی پوشیدہ ہے کہ یا اللہ تمہیں سے راہ خواہ ہوں کہ آنکھ
ظلم کا اندازہ کچھ حیرانہ طور طریقہ سے ملتا چلا ہے کہ تو اپنے بندوں سے محبت بھی کرتا ہے اور اپنی رضا اور مصیبت کے تحت
ان پر سختی بھی کرتا ہے۔

غزل (۲۷)

یک ذرہ زخم نہیں بیکار بارگاہ
یاں چاہو بھی فیکہ ہے لالہ کے چہرہ کا
بے حے کے ہے جانتا آشوب آگاہی
کبھی بے حے حوصلہ نے غلہ آیارگاہ کا

نخل کے کاردار یہ ہیں خدا ہائے گل کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا
 چارہ نہیں ہے نہ فکر کھن کھن جو پاکی قدیم ہوں دور ہواغ کا
 سہارہ ہو عشق سے آزاد ہم ہوئے پر کیا کریں کہ دل ہی خدا ہے تراغ کا
 بلے خون دل ہے چشم میں سوچ نقد ہمار یہ منکد غراب ہے سنے کے سراغ کا

ہاغ قلقت حیرا بملہ فکلا دل

اور بہار لم کہہ کس کے دماغ کا



یک درہ زمیں نہیں بیکر ہاغ کا

یاں جاوہ بھی فیلہ ہے لالہ کے دماغ کا

جاوہ = نگارہ = ایک خزاں کو راستہ بھانجوں کی اصطلاح میں (بیا) فیلہ = دلم پر لپٹنے کی پٹی

لالہ = ایک سرخ پھول جس میں سیاہ دماغ ہوتا ہے

تشریح :- کہتے ہیں اس ہاغ جہاں کا ایک درہ بھی بیک نہیں یہاں جو جنگلی نگارہ ایک راستہ بھی ہے وہ بھی گریا لے
 کے دماغ (دلم) پر پٹی کا کام کر رہا ہے۔

تجسرو :- یہاں انے کا دماغ بھی فرض ہے اسلئے اس پر بندھنے والی پٹی بھی فرض ہے نہ لالے کے دلم ہوتا ہے نہ جاوہ
 مٹی کا کام کرتا ہے یہ سب بطور استعارہ ہیں۔ غلط کہنے کا یہ ہے کہ یہاں کوئی چیز بیکریہ نہیں کی گئی۔



ہے سنے کے ہے طاقت آشوب آگہی

بھگپا ہے بجز حوصلہ نے خط فیاغ کا

سنے = شراب آشوب = خلی، ذہن آگہی = معلومات بکر = کزوری ایماغ = پیاد

تشریح :- کہتے ہیں کہ کم ہمت لوگوں نے پیانے پر غلو کیجئے ہیں جہاں پتل کر شراب پیتے ہیں انکا خیال ہے کہ کہیں
 شراب کی فیاغی حمل کو شراب نہ کر دے یہاں تو شراب کے بغیر حمل آگہی کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی جنسی پیتے جاتے ہیں
 اسلئے ہی حمل کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عالم لرزہ لگی میں تو دنیا کے جڑوں میں اور لذت دار جاں پریشان
 مگن ہیں انکا مقابلہ بقول شاعر بغیر شراب ممکن نہیں ہے۔



نخل کے کاودہار یہ ہیں خدا ہائے گل

کہتے ہیں جسکو عشق ظلل ہے دماغ کا

خندہ ہائے گل = پھولوں کی ٹہنی . خلل = خرابی

تشریح :- نخل واریہ کا نام لوگوں سے عشق کرنا ہی نخل کے کاودہار ہے اس پر پھول نکھسکر کر بننے ہیں کہ نخل کی یہ کرپہ وزاری آنکھ دماغ کا ظلل ہے اس کو ہم سے عشق و عشق نہیں اور صرف ہمارا دس چوڑے کی خواہش میں رہتی ہے اسی ذہن میں دیوانہ اور گمراہی بھرتی ہے۔

تبصرہ :- یہاں حضرت گل نخل کا ذکر اصطلاحاً فرما رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ عشق حقیقتاً کوئی چیز نہیں ہے اس بارے میں جراثیمات نئے نئے مٹاتے ہیں اور سب خندہ کہنا ہاں ہیں اور اگر وہ گج بھی ہیں تو وہ عشق نہیں دماغ کا ظلل ہے واقعہ یہ ہے کہ جہاں عشق و محبت کا تعلق ہے وہ اندازب العالین سے انبیا کو ہوتا ہے مگر وہ عشق عقل و فہم کی حدود میں رہتا ہے ورنہ ہواگی کا اس میں شائبہ تک نہیں ہوتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس عشق کا یہاں ذکر ہے وہ عقل دماغ کا ظلل ہے۔



تارہ نہیں ہے نظر فکر سخن مجھے

جڑیا کی قدیم ہیں دور چراغ کا

نفس = سیوشی فکر سخن = شاعری جڑیا کی = انھوں نے کہا تھا کہ تریاق رکھنے والا۔ قدیم = پرانا۔ دور = دھواں تشریح :- کہتے ہیں کہ میں کوئی نیا شاعر نہیں ہوں مجھے شعر و سخن میں کھلم حاصل ہے۔ میری شاعری کا نقشہ بہت پرانا ہے اس معاملے میں میری حیثیت ایک اچھی کی سی ہے جو چراغ کے دھوئیں کے ساتھ انھوں کا استعمال کرتا ہے۔ تاکہ نقشہ جزو تر ہو جائے۔



سوار جو عشق سے آلودہ ہم ہوئے

پر کیا کریں کہ دل ہی لدا ہے فراغ کا

بہر عشق = محبت کا حال لدا = دشمن فراغ = بھات

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم سوار عشق کے پہلوئے میں پسے اور غلے ٹھکر دل سے مجبور ہیں کہ یہ اس افسوس میں پسنا رہتا ہی پسند کرتا ہے۔ ہمارا دل اصل فراغت کا دشمن ہے۔ فراغت سے بیعتنا اسکو قطعی پسند نہیں۔



بہ غولیاں دل ہے چتر میں سورج نکل رہا

یہ میکدہ خراب ہے جس کے سراپ کا

چتر = غبار = خاک میکدہ = شراب خانہ سراپ = پتہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ ہمیں طویل آئی نہیں یعنی حقیقت و تجسس خصوصاً معربہ آئی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی
انگلی کی کھرپا، وہ بے اندھی ہے جسے کچھ کھائی نہیں رہا اور وہ بچا رکھا ہے جو اسکی آنکھ دکھتا ہے اس کے دل کا میکدہ
نویا خراب ہے جس میں شراب خاص کا نہیں پتہ نہیں جو زندگی کو ہمارا بھار رہا ہے۔



بارغ غفلت حیرا بہارِ شبابِ دل

یہ بہارِ غم کدہ کس کے دماغ کا

بارغ غفلت = سرسبز شبابِ بارغ بہار = فرشِ سرسبز غفلت = خوشی میکدہ = شراب گھر

تشریح :- کہتے ہیں کہ دل کی خوشی کا جو سرمایہ ہے وہ حیرے بارغِ غم کی شادابی ہے اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں۔
لیکن یہ بہارِ غم کی آمد کا کیا مطلب ہے۔ یہ کس کے دماغ کو فرحت بخشنے آیا ہے اس میکدے کا کیا قانا ہے یہ ہمیں
دوست سے خوشی دے رہا ہے اور۔

غزل (۲۸)

دورِ منتِ بکشتِ روا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا نہ بُرا نہ ہوا

تج کرتے ہو کہیں رقیبوں کو اک قاتلِ ہوا بگھ نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں تو ہی جب نچر آؤنا نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں حیرے لبِ کر دلب گالیاں کھا کے یہ حیرہ نہ ہوا

یہ ظہرِ گرمِ فتن کے آنے کی آج ہی گھر میں بھرنا نہ ہوا

کیا وہ نرود کی تھائی تھی بزدلی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کی حق ادا نہ ہوا

دلم گدب کیا ہو نہ حیا کام گدب کیا روا نہ ہوا
 ریزنی ہے کہ دل سچنی ہے لیے دل رستاں روا نہ ہوا
 بکھڑے کئے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غائب غزل سرا نہ ہوا



دور منت کش روا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا نہ برا نہ ہوا

بخت کش = خوشامدی، احسان اُٹھانے والا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہر اور دوا کا احسان صدق نہیں ہوا بھلی اگر میں اچھا نہیں ہوا تو کچھ برائی کی بات نہیں کسی کا
 احسان اُٹھانا ایک خود بار آدمی کے لئے تو ہیں ہے۔



بچ کرتے ہو کیوں رہیں گے

اک قاشا ہوا بکھا نہ ہوا

رقیب = دشمن خصوصاً = وہ دشمن جو تمہارے محبوب پر نگاہ رکھتا ہو

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کسی صورت میں جبکہ میں بیمار عشق موت و حیات کی لٹکھٹ میں مبتلا ہوں مجھے اوجھڑی
 سے میرے قریبوں کو میری حالت زار پر غور ہی ہو رہی ہے اب لوگوں نے تو ایک قاشا دیا ہے یہ کیسی بیمار رہی ہے۔



ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں

تو ہی جب طہر آزما نہ ہوا

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم بیمار عشق اپنی زندگی سے بڑھ کر میرے سامنے آئے مگر اسکے باوجود کہ ہم سے بھڑ ہے ہر گلی
 ہمیں آگ نہیں کہ اب ہم کہاں اپنی قسمت آزمائے جائیں کون ہمارے قلب کی دھت کرے گا۔



کتنے شیریں ہیں میرے لب کہ رقیب

گالیاں کھا کے بے حرا نہ ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اللہ نے محبوب کے لب کھتے شریں ہیں کہ اس سے اگر بری بات بھی نکلتی ہے تو اس میں ناکہاری نہیں ہوتی اور سب قیوب کاٹے گا اس دس مگر نکلتے کو طہی ناکہاری اور بدعتی نہیں ہوتی۔



ہے خبر گرم امن کے آنے کی

آج ہی گھر میں بھرنا نہ ہوا

تشریح :- ایک فقیر کے گھر میں خوردے کے علاوہ کوئی بھی کیا ہے ناکہاری بدعتی دیکھیں کہ آج اُنکے آنے کی خبر ہے تو گھر میں بھرنا بھی نہیں کیا تو چھپنے کے لئے بھی کہہ سکیں۔



کیا وہ نرود کی عداوتی تھی

ہندگی میں مرا ہوا نہ ہوا

تشریح :- نرود۔ کب عراق میں ایک ظالم بادشاہ گزارا ہے جو خود کو خدا کہا کرتا تھا جسے سید عالم کو صرف اس لئے دیکھی آگ میں پھنکوا دیا تھا کہ وہ بت پرستی کی مخالفت کرتے اور اللہ وحدہ لا شریک کے پرستار تھے۔ ایسے ظالم کی ہندگی میں کسی کا کیا بھلا ہو سکتا تھا۔ یہاں حضرت ایسے ہی کسی ظالم کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں بلکہ اپنے محبوب سے اسکو تنبیہ دے رہے ہیں کہ میں نے زندگی بھر اسکی ہندگی کی شکر و میراث ہو سکا۔



جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کی حق ادا نہ ہوا

تشریح :- شعر تو بہت صاف اور طہیں ہے فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دی تو یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہ تو اسی کی دی ہوئی چیز تھی اسی کے سپرد کر دی تو ہمارا اُس پر کیا احسان ہوا یا ہم نے ایسا کوئی سا بڑا کارنامہ انجام دے دیا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی قربانی ہو جان سے بڑی تو کوئی لئے نہیں اسکی بھی کوئی قیمت نہیں کیونکہ ہمارے ہر جانے کا علیہ ہے اس لئے ہمیں کسی قربانی سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔



دلم کہد گیا ہو نہ تھا

کام کردک کیا روانہ ہوا

تشریح:- شعر پندرہویں کوئی غامض بات نہیں اعجازِ بیانِ امجد ہے دُغمِ افغانیہ لب جانے سے طوقِ جاری ہو جاتا ہے اور دُغم تازہ ہو جاتا ہے اور وہ کامِ جزک کیا دُغم کا رو بہ صحت ہونا قاصدِ میل ہونا تھوہ کوئی دُغمی بات نہ ہوئی کہ کامِ مرک کیا۔



رہزنی ہے کہ دل سُختی ہے

لجے دل دلتاں روانہ ہوا

رہزنی = ذکتن دلتانی = دلبری دل دلتاں = دلبر، معشوق

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمارے محبوب کا رو یہ بھی محبوب ہے کہ دلبری کے بہانے ہمارا دل ہی لکھ روانہ ہو گیا۔ یہ تو کھلی ہوئی ذکتن ہو گئی۔ محبت کی کوئی بات نہ ہوئی۔



یہ کہ تو کہنے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غائبِ غزلِ سرا نہ ہوا

شعرِ نایتِ سارہ ہے کسی شریخ کا مٹی جی نہیں ہے نہ

غزل (۲۹)

نہ تھا کہ تو تھا نہ تھا کہ نہ تھا تو تھا ہوا

ڈھیرا بھو ہوئے نے نہ تھا میں تو کیا ہوا

ہا جب ظم سے ہوں بے ہوش تو کیا ظم سر کے کھٹے کا

نہ تھا مگر ہوا تن سے تو زانو پہ دھرا ہوا

ہوئی حدت کہ چاہتِ مر گیا پر یار آتا ہے

وہ ہر ایک بات پر کہتا کہ ہوں ہوا تو کیا ہوا



نہ تھا کہ تو تھا نہ تھا کہ نہ تھا تو تھا ہوا

ڈھیرا بھو ہوئے نے نہ تھا میں تو کیا ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ جب تک کہ تم قرآن کا کلمات و جملے نہیں آتی تھی تو خدا تو ہر حال اس وقت بھی قوی کیونکہ وہ
دوست گرامی تو ازلی ہیں وہ ہر راہی بھی انہوں کو بھی پیدا کرنا تو جب بھی خدا ہی، بچاؤ بھی خدا ہی میں کسی طرح کی کمی نہیں
آسکتی تھی مگر ہر معاملہ ایسا ہے کہ مجھے تو ہونے نے ڈیوایا کہ میں اس شراب میں انہیں خراجوں میں مہنگا ہو گیا اگر میں دیکھتا
ہوں تو کیا فرق چاہتا۔



ہو جب سے یوں ہے حسن تو کیا ظہر کے کہنے کا
نہ ہوتا کر بھدا حق سے تو راؤ پر دھرا ہوتا

بے حس = بیکار نہ رہ سکو زانو = دان

تشریح :- کہتے ہیں کہ فخری فرادائی اور عذت نے مجھے اس درجہ حال کر دیا کہ میں بے حس ہو گیا اس بے حس کے عالم
میں تکلیف و راحت کا امتیازی ختم ہو گیا تو اب سر کے کہنے کا ظہر کیوں ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ سرتن سے بھدا ہوتا تو بھی پارالم سے زانو پر ہی رہ کر دکھاتا۔



ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر ایک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

تشریح :- قطع میں تعلق کا نہایت سادگی سے مظاہرہ کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ غالب کو مر۔ ہونے ایک عرصہ گزر گیا
مگر جب شخص تھا کہ بہت یاد آتا ہے خصوصاً انکی یہ عادت تو بہت سی یاد آتی ہے کہ ہر بات پر بحث کرنا ہر معاملہ کی گنجائش کرنا
اور غلامانہ ادب کا قبول دینا اس کا عہد یہ تھا۔

غزل (۳۰)

وہ مری جیوں جیوں سے غم پہناں سمجھا	راز مکتوب ہے بے رشتی نسوں سمجھا
یک لطف پیش نہیں مسئلہ آئینہ بنوڑ	چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ کریاں سمجھا
شرح اسباب گرفتاری خاطر مت لوچہ	اس قدر جھگ ہوا دل کہ میں دیمان سمجھا
بہ گمانی نے نہ چلا اُسے سر گرم غلام	دُش ہے ہر قطرہ عرق چہا جہراں سمجھا
بجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدلو ہو گا	جس طس سے تیش طعا : سوزاں سمجھا

طر مطلق میں کی غلطی نے راحت ملی ہر قدم سامنے کو میں اپنا شبتاں سمجھا
 قد گرہیں خڑا پار سے دل جاوم مرگ دلچ چکان قضا اس قدر آساں سمجھا
 دل دیباہوں کے کہیں اسکو وقار دلا
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا



وہ مری تھیں جہیں سے طم پنہاں سمجھا
 راز مکتوب چہ ب راہی سواں سمجھا

پنہاں = پوشانی کی خبر چاں پنہاں = پوشیدہ مکتوب = خط

تشریح: کہتے ہیں کہ وہ میری پوشانی کی غفلتوں سے مرے دل میں چھپے ہوئے عید کو بھوکھا کیا کہ کاٹھ لٹے بھرتا ہوں۔
 جس طرح خدا کی خبر یا اس کے موصوں (مخالف) کے بند بٹگے ہیں سے چہ عہد الہ یہ کجی کے کہ کاتب کس قدر پریشان وار
 روئیدہ ہے اور کیا چاہتا ہے۔



یک الف پیش نہیں مطلق آئینہ جزو
 چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گرہاں سمجھا

پیش = زیادہ مطلق = مطلقاً مطلقاً آئینہ = جزو = ایک

تشریح: مسرغ ثانی کو پڑھتے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اس آئینہ سکھاری کا جس میں ہم اپنا چہرہ دیکھتے ہیں کسی
 اور نئے آئینہ سے مقابلہ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی تک میں نے ایک الف بھر بھی اسکو اپنی مطلقاً اور مطلقاً میں اس سے
 زیادہ نہیں پایا۔ اگلے مصرعہ سے معلوم ہوا کہ شاعر اس آئینہ سکھاری کا مقابلہ آئینہ قلندر کی (گربان) سے کر رہا ہے کیونکہ
 یہ بھی تو اپنی صفات کے اعتبار سے آئینہ سے فرق کرتا ہے کہ وہ تارے چہرے کے محبوب کو دکھاتا ہے اور یہ آئینہ قلندر کی
 (گربان) اور سے ضمیر پڑانے خارج و حواس کی نشاندہی کرتا ہے۔

جب سے میں نے گربان کی اہمیت کو سمجھا ہے براہ راستی دلی میں گربان چاک کرتا ہوں حضرت غالب چنگ
 انکڑو کو فقیر کہتے رہے ہیں اس نسبت سے دلی پوشا اہمیت کر رہے ہیں دلی کی کیلیت یہ ہوتی ہے کہ فقیر لوگ ایک چادر
 میں اور میان ایک سوراخ کر لیتے ہیں جس میں سر آ جاوے اور چادر کا آدھا حصہ سامنے اور آدھا پیچھے کر رہا آ جاوے اور کر
 میں بٹکا لٹا لٹے ہیں اس میں گربان نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ میں نے جب سے گربان کی اہمیت کو سمجھا ہے براہ گربان

چاک کرنا ہوں تاکہ ہر وقت اپنے میوں کو بکتا رہوں اور دوسروں پر ہفت لٹائی سے بچا رہوں۔



شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھو

اس قدر تک ہوا دل کہ میں زمیں سمجھا

شرح = وضاحت اسباب = سبب کی تتبع گرفتاری خاطر = اپنی گرفتاری زمینان = قید خانہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اچھے سے یہ مت پوچھو کہ میں کیوں اور کس طرح خود گرفتار ہوا سوئیں اور مجید ہو کر رہ گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ گردشِ دواراں اور عشق کی مصروفیوں کے ہاتھوں اس قدر پریشان ہو گیا اور غم مچا اور اس غم کی تسکین دل ایک قید خانہ کی شکل اختیار کر گیا اور میں کو یہاں قید خانے میں تصور ہو کے بیٹھ گیا۔



بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام

زُخ سے ہر قطرہ مرق دینا حیراں سمجھا

سرگرم = مشغول مصروف خرام = چنا زُخ = چرہ مرق = مٹی پینہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میرے محبوب نے جب مجھ تک آجیا ارادہ کیا تو رہے نہ سے خیالات نے اُس کو گھیر لیا اور آنے سے روکے رکھا دوسرائی کے خوف سے چہرہ پر پینہ کا ہر قطرہ دینا حیراں مگر اسکو بھتکارہا اُنکے اس راز کو صرف اسی نے دیکھا اور سمجھا۔



مگر سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدگو ہو گا

ہنس خرم سے تپشِ شعلہ سوزاں سمجھا

مگر = کمزوری بدگو = زلی عادت خرم = تپش تپش = گرمی سوزاں = جلن ہوا خا = کستر = راکھ
تشریح :- کہتے ہیں کہ میری کمزوری تھی کہ میں نے اُسکو بدحواس سمجھا لیا اور غور و فکر کے رکھا اس بارے کہ معلوم نہیں وہ کس طرح تپش آؤ سے میری حیثیت اُنکے مٹا لے میں ایک نئے جھکی ہے اور اُنکا اپنی کمزوری کے باعث شعلہ شعلہ جس کے متعلق آنے سے ازار ہے کہ ایک ہل میں جلتا خا کستر ہو جاوے گا۔



سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحتِ طبع

ہر قدم سائے کو میں اپنا شہنشاہ سمجھا

ضعف = کمزوری راحت = آرام طلب = مانگ شہنشاہ = سونے کا کردار است کی آرام گاہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مجھے عشق کی مصیبتوں نے اس درجہ لاطرد و کمزور کر دیا کہ محبت کا سفر دشوار ہو گیا اور میں اس قدر تھک گیا کہ ہر قدم بیٹھتا اٹھتا چلا اور اپنے ہی سایہ کو اپنی خواب گاہ سمجھا۔ اس مضمون کو ایک نامعلوم شاعر نے یوں بھی بیان کیا ہے۔

کوچہ جاناں کو جب ہم پارل مضر ہے

وہ قدم چنگر کرے مگر کر ڈھلے اٹھ کر چلے



قاریاں مڑا پار سے دل تادم مرگ

دفع پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

گریزاں = بھانگنا، پنا مڑا = پلک تادم مرگ = مرتے دم تک پیکانِ قضا = موت کا تیر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مراد دل مرتے دم تک اٹکی گاؤ سے خود کو بھاتا رہا کہس قدر نادانِ قاضی تھا میرے حق جانا اتنا آسان سمجھتا تھا کہ بالآخر شکار ہو کر رہا۔

غزل (۳۱)

ہوئی تاثیر تو کچھ باہتِ تاخیر بھی تھا	آپ آتے تھے مگر کوئی مٹاں کیر بھی تھا
ٹم سے بچا ہے مجھے اپنی جاسی کا گد	اس میں کچھ شاید خوبیِ تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہر تو پہ بتاؤں	کبھی فزاک میں تیرے کوئی ٹھہر بھی تھا
قید میں ہے ترے دہلی کو وہی ڈاک کی یاد	ہاں کچھ اک رنجِ مگرں بدلی ذخیر بھی تھا
بھلی اک کندھی آنکھوں کے آگے تو کیا	بات کرتے کہ میں لب بکھڑے تقریر بھی تھا
بے حس اس کو کہیں اور کچھ نہ کہے خبر ہوئی	مگر بکھر بیٹھے تو میں راجیٰ قہور بھی تھا
دیکھ کر غیر کو ہو کہیں نہ بھیجی خطا	بار کرتا تھا دلے طلبِ تاخیر بھی تھا

بیٹھ میں صیب نہیں دیکھتے نہ فرہاد کو نام ہم علی آشتد سروں میں وہ جہاں میر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ کسی آخر اس شوخ کے ترش میں کوئی میر بھی تھا
 بکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے گھسے برساتی آدمی کوئی ہمارا دم تھمرے بھی تھا
 ریختہ کے قمری استہ نہیں ہو غالب

کہتے ہیں دیکھے زمانے میں کوئی میر بھی تھا



ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

آپ آئے تھے مگر کوئی ملاں میر بھی تھا

تاخیر = دیرنی . باعث = وجہ . ملاں کیر = ڈنڈہ، کام تمام کرانے کے چلنے والا

تشریح :- حضرت بہت عقلی حراج واقع ہوئے ہیں اپنے محبوب سے نہایت محو جذبہ میں غائب ہیں کہتے ہیں کہ آپ
 اپنے دم سے اور وقت معجز گذر جانے کے بعد بہت دیر سے تشریف لارہے ہیں آخر اس دیر کی کاسب کیا ہے آپ کوئی
 راستہ بتائے والا نہیں تھا طرہ کہتے ہیں کہ کوئی آپ کی ساری کی نگاہ بکڑے والا نہیں تھا۔ معلوم نہیں کہ کہاں کہاں گھوم پھر کر
 اب آ رہے ہو اور معلوم نہیں کیا کیا معاملہ گزارا اور کتنا سکھ چکا ہے۔



نم سے عیا ہے مجھے اپنی جانی کا گھر

اس میں کچھ شبابہ خوبی تھوڑی بھی تھا

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں جو گم سے اپنی چھل بہرہ داری کی شکایت کروں تو عیا ہے کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ میری قسمت
 کا بھی دخل ہے۔ محبوب کو بری الزمت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت قطع تعلق بھی نہیں چاہتے اس لئے تھا آپ کو
 نورالام بھی نہیں نصیرا تے، انھیں محبوب نہ نہ مان جائے۔



تو مجھے بھول گیا ہو تو یہ غلاموں

بھی خزاں میں حیرے کوئی تجھے بھی تھا

خزاں = درجہ جس میں غلامی پہنچا کر رکھا ہے تجھے = دشمنی کا

تشریح :- دیا لگتا ہے ہے کہ عرصہ دراز کے بعد محبوب سے ملاقات ہو رہی ہے۔ محبوب قبل مار قاز سے حضرت کو

بچپان میں رہا۔ اس پر حضرت فرماتے ہیں کہ اگر واقعی مجھے بھول گیا ہوتا میں کچھ اچھے بچے بتا دوں۔ سوچا کہ تیرے قبیلے میں تیری قوم میں کسی کوئی حکام تھا، مطلب یہ ہے کہ تیرے بچہ نظر کا کوئی حکام تھا۔



قد میں ہے ترے دوستی کو وہی ذائقہ کی چٹا

ہاں کچھ ایک رہنے کس پادری ذخیرہ بھی تھا

دوستی = وہاں کس پادری = بوجھ کی ناگواری

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تیرے بچے یا بچے کے قید خانے میں بھی وہی تیری ذائقہ گروہ گیری یا ذاتی دہی ساتھ ہی پاؤں میں چڑی ہوئی ذخیرہ کا بوجھ بھی ہر خاطر ہر امر وہ تیری مبین ذائقہ کے ساتھ ملے میں کوئی خاص نہیں تھا۔ ذخیرہ کا تذکرہ ذائقہ کی نسبت سے دعا ہے کہ نیک کامیابی سے اکر دے۔



کلی اک کونہ ملی آنکھوں کے آگے تو کیا

بات کرتے کہ میں ب کھڑے تقریر بھی تھا

لب کش = بات سے ہونے تقریر = منظر

تشریح:- کہتے ہیں کہ کلم نے جلوس فرمائی کی رسم کی بلاشبہ کچھ ہر احسان کیا میں اس دھار کا بھی خواہش مند تھا مگر اس سے تو میری آنکھوں کے سامنے ایک کجی کی کونہ لگی اور میں حیران و پریشان کھڑا رہ گیا آنکھوں سے کچھ بات بھی تو کرنا چاہتے تھے کہ میرے لب بھی منظر کے کش تھے کچھ میں بھی عرض کرتا اس طرح وہ لوگوں کو میری ہوجانی اور ملاقات کا کج لطف آجاتا۔



یوسف اُس کو کہیں اور کچھ نہ کہے خبر ہوئی

کہ کچھ بیٹے تو میں باقی قبول بھی تھا

یوسف = بطور خدا اور پانچا حسین آدمی تھے تقریر = سزا

تشریح:- حضرت یوسف سے کسی حسین کو سزا دینے کا مطلب اُس حسین پر طعنے کرنا اور اُس کا فراق ملنا ہے کیونکہ اُن جیسا کوئی بخیر پیدا ہی نہیں ہوا۔ حضور سے جب کسی نے معلوم کیا کہ حضور آپ زیادہ حسین ہیں یا حضرت یوسف زیادہ حسین تھے تو حضور نے فرمایا کہ وہ صحیح تھے میں طعنے ہوں۔

جو کسی مسین کو ان کے شل خزانہ اس کی مذاقی ہی مانا ہے اس پر اس کے محبوب کا بگڑنا بہرہ نہیں تھا میرت ہوئی کہ
مگر سے نہیں اگر بگڑ جائے تو بھیرے دلش کرتے اور یہ بھانہ ہوتا کیونکہ میں اس مرد کا اسحق تھا۔



دیکھ کر غیر کہ ہو کیوں نہ کیجیو طعنا

نال کرتا تھا والے طلب تاثیر بھی تھا

نال = نرپا طالب = مانگنے والا، چاہنے والا

تشریح :- کہتے ہیں کہ دلیب کہ نال فرما کرے دیکھ کر میرا کیجیو کیوں نہ طعنا ہو کہ اس کے بے تاثیر والے میرے محبوب
کو کھ سے نہیں بگڑا سکے اور وہ مارا نال فرما کے عذاب میں مبتلا ہے۔



چوٹ میں عیب نہیں رکھنے نہ فرما کہ نام

ہم ہی آٹھ سو روں میں وہ جوں میر بھی تھا

فرما = شریں کا عاشق جو شہنشاہ ایران پر راج کی تختی یعنی قسری اور فرما ایک فریب جو حلی کا دینا تھا۔

آٹھ سو رو = سر بھرا (دراچ)۔ جوں میر = جوں کا سرور

تشریح :- فرما چوٹ کے اعتبار سے ایک جو حلی کا دینا تھا اس لحاظ سے لوگ اس کو عکارت سے دیکھتے ہیں۔ حضرت
فرماتے ہیں کہ چوٹ میں کوئی عیب نہیں بہر حال وہ ایک انسان تھا اور ہم بیسیا ہی ایک سر بھرا عاشق تھا اور میں تو اس کو
جوں کا سرور کہتا ہوں کیونکہ وہ جو حاصل مثالی رکھتا تھا اس لئے لائق تعظیم تھا۔



ہم تھے سرنے کو کھڑے پاس نہ قیا نہ کسی

آخر اس خوراک کے دشمن میں کوئی تیر بھی تھا

خوراک = چمیل دشمن = نکاروں کے میر رکھے کا قہر

تشریح :- کہتے ہیں کہ میر تھوڑے سرنے کے لئے بیمار کھڑے تھے اور اسے قریب ہی نہیں آیا اور میں آیا تو نہ آئے ہمیں ابھی
ابھی کوئی شکایت نہیں۔ اس سے آتا بھی کیسے کیونکہ اسے پاس میں نکار کرنے کے لئے کوئی میر تو اس کے خیل میں تھا
یہ نہیں مطلب یہ ہے کہ جس مسین کے پاس لڑا لڑا نہ ہو نہ بگاڑا نہ ہو اور ہرگز اس کی نکال نہیں۔



پکڑے جاتے ہیں لڑختوں کے گھسے ہاتھ

آہی کوئی تارا دم تھڑے میں تھا

تشریح :- اسلامی غلو کی زد سے یہ مسلم ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دیر لڑختے ہر وقت رہتے ہیں جہاں تک کتا، اڑا ب کھیتے رہتے ہیں جھگڑا میں کاتھیں کہتے ہیں اور وہ دیر لڑختا اس حساب کتاب کو ہاری تعالیٰ کے حضور پیش کر دینگے اس احوال نامے کے مطابق تیجناخت اور ذرا کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اس مسئلے میں جناب لڑاتے ہیں کہ معلوم نہیں ان لڑختوں نے ہمارے بارے میں کیا حکم لکھا ہے لکھا ہے کہ اگر ہم خدا کے لئے ہاتھ پکڑے جائیں گے کیونکہ اُنکے ساتھ ہمارا ہوئی تھا کہ وہ حق ہی نہیں جو حکم لکھتے ہیں مگر ان کی کتاب یہ دیکھانی آسکتے ہے کہ ان لڑختوں ہی نے تو روز اول میری مخالفت کی تھی اور ہاری تعالیٰ سے کہا تھا کہ اسے کیوں ظیفہ دیا جا رہا ہے میری عبادت تو ہم کری رہے ہیں پتہ زمین پر لکھا ہے پا کر کیا جواب میں ہاری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے اس کا یہ حضرت جناب کافر لڑختوں سے بدگمان ہونا کچھ بجا بھی نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔



رشتہ کے تم ہی استہ نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

رشتہ = رشتہ زبان

تشریح :- اہل عقل حضرت لڑاتے ہیں کہ یہاں غالب نے دو شاعری کے یکو تم ہی استہ نہیں ہو کہتے ہیں کہ لڑختوں نے میں کوئی تیر بھی تیر بھی استہ شاعر تھا جسکو آج کے دانشوروں نے ہمارے غزل حلیم کیا ہے۔

غزل (۳۲)

میر مجھے دیکھا تر یاد آیا دل بھر بھڑا فریاد آیا
 دم لیا تھا نہ قیامت لے جہیز میر تر وقت سزا یاد آیا
 سادگی اپنے وقتا جھنسی میر وہ نیر جب نظر یاد آیا
 کدو دلائی اے حضرت دل ہار کتا تھا بھر یاد آیا
 دھکی لےں بھی مکرر ہی جاتی کیوں تر راہ گد یاد آیا
 کیا ہی دھپوں سے لڑائی ہوگی جلد میں مگر تر گھر یاد آیا

آہ وہ کراہت فریاد کہاں دل سے نکلتے آگے جگر یاد آیا
بھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال دل گم گشتِ عمر یاد آیا
کئی دہائی سی دہائی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے انہیں چھ لڑکیوں میں سے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ



اول مجھ سے فریاد آتا

تکبیر = پاسا وید = آنکھ فر = شان و شوکت

تشریح :- عوامی قسمت کا تذکرہ ہے کہتے ہیں کہ وہ کیا اور حجاب ہم محبوب کی یاد میں انگلیاں دے رہے تھے اور اگرچہ وزارت میں دن رات گزارتے تھے اور یہ طوائش رکھتے تھے کہ ہم بھی اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر مگی بنگرا بلے گا و ہاں کی سیر کرتے مگر اہلاری یہ صرے کھی پوڑی تھوئی ہم اور اہلے دل ابھر اس جگہ کے بڑے سے بڑے شان کھی بھرتے ہوئی روز روز صرے کو داتا گیا اور بار بار داتا گیا۔

تیسرا: شعر لدا میں کھڑک بکامیب ہے خاتم ہاں لوگ سرسری گزر جاتے ہیں یا کمر شاعر کے طوعے مرتب سے مرعوب ہو جاتے ہیں درود معروضاتی میں ذل بکھر کا استعمال ہوا ہے جو درود انگ بیچیں ہیں۔ کھنک شاعر نے رواف کی مجبوری کے باعث واحد استعمال کیا ہے جو غلط ہے کسی شاعر نے ایسا نہیں کیا۔ مثلاً ہم درود سزا دہیں بولتے ہیں کہ ہمارے جو ہاتھ پاؤں یوں لٹ گئے ہاتھ پاؤں لٹ گیا استعمال نہیں کرتے یہ مثال میں نے اس لئے دی کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ رول جگر کے درمیان دوا کی امتحانیت ہوتی یعنی دل دیکھ کر کہتے تو حق کا سیف ہوتا تھا درود واحد ہے جسے قطعی یا ایک خود ساختہ بات ہے اور خواہ تو خود استاد کی بھری منکھ ہے۔ البتہ عربی میں مذکور حق نہیں دانا گیا ہے اسی لئے دلخ کو شکیں کہتے ہیں اور دے لیا در کہ شعر اے اس کا سند کہتے ہوئے شاعر نے واحد کے لئے جواز کا پلہ دیا ہے۔

ایک دوسری بات یہ کہ کچھ شاعرین نے مصرعہ کافی میں قریاد مانا ہے اور کہا ہے کہ دل بھر قریاد کے مجھ رو گئے
 جبکہ یہ بات اصولی طور پر غلط ہے، قریاد تو صیغہ دیکار کا نام ہے یہ تو ضرب چڑ ہے جسے مظلوم کی زبان پر آتی ہے جس کو کوئی
 روک ہی نہیں سکتا، کچھ روئے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرح



دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز

پھر ترا جنت سزا یاد آیا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ جہنم سے رخصت ہو کر چلا جانا اور اس لئے کسی طرح قیامت سے کم نہیں تھا ابھی ہم اسکو
ہوئے ابھی نہیں تھے ابھی اس قیامت نے دم بھی نہیں لیا تھا نہ اس کو کم نہیں ہو پایا تھا کہ دھڑ بھڑا رہا گیا۔



سادگی ہائے قنات حسن

پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

نیرنگ = کمر لرب، ہلا، دکھانا، تصویر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ عادی تنہا کی سادگی قابل ملاحظہ ہے یعنی یہ کہ ہم انکی آرزو دل میں لئے پھرتے ہیں انکی ہلا
کئی نے چاہا رہا کہ کد کد یا انکی ہوا یا کمر لرب سے نہ تھی وہ پھر یاد آیا۔

تجربہ :- شعر یاد انکی ایک خاص پہلو ہے کہ شام کو چاہئے تو یہ تھا کہ غم کو داناں ہوا ملتا کہتا کہ ہم کس درد جہان تھے کہ
بار بار انکے لرب مٹاتے رہے مگر یہ کہتے ہیں ابھی انکی کاہساس تھا اس لئے اپنی تنہا کی سادگی کہ کر گزور گئے جو نہایت
میں اعجاز بیان ہے۔



لار داناںکی اس حسرت دل

نار کتا تھا جگر یاد آیا

داناںکی = چادری، مجھوری حسرت = آرزو

تشریح :- کہتے ہیں کہ عشق میں چادری یا کڑواہی کا لار کوئی ملتی نہیں رہتا، محبوب کی گھن اگر ہے تو دل دیکھ کر کی کڑواہی کا
خیال کر کے غم و زاری سے رک جاتا، عشق کا لار داناں ہے۔



دنگی کتاں بھی گزری جانی

نہیں ترا راہ گذر یاد آیا

تشریح :- گزری وہ کانی کی حالت میں فرماتے ہیں یہ دنگی تو بغیر تجھے محبت کے بھی گذر سکتی تھی، ہم نے یہ کیا کیا کہ
تیرے سات ساتھ گئے اور تجھ سے محبت کر بیٹھے، جہاں آج مجھ ۵۵ در ہے۔



کای روضاں سے لڑائی ہوئی
قلہ میں کر ترا کمر یاد آیا

روضان = دارون جنت قلعہ = جگہ جنگی۔

تکسیرج :- شعر پڑا میں ایک بات یہ خاص ہے کہ حضرت کو اپنے پیشانی ہونے پر کتنا یقین ہے رعنا نہ ہوئی گذارنے والے کے لئے ایسا یقین دیکھنا حیرت انگیز ہے روز شعر نہایت سادہ ہے کسی تکسیرج کا متاج نہیں۔



آہ وہ کرباص فریاد کہاں
دل سے نک آ کے جگر یاد آیا

تکسیرج :- ایسا لگتا ہے کہ غزل ہذا اخیر میں کہی گئی ہے جب حضرت کے اصحاب جواب دیتے گئے ہیں کھردری کا یہ عالم ہے کہ اب فریاد و زاری کا بھی حوصلہ نہیں رہا۔ جس کو حضرت افسوسناک لہجہ میں جان فرماتے ہیں کہ اس دل کے ہاتھوں اس قدر مصیبتیں آگئی ہیں کہ اب ایک ایک عضو بدن کی کھردری کا خیال متا رہا ہے مگر چونکہ ایک خاص مضبوطی ہے جس کا کام یہ ہے کہ طون، ٹائے، دل کو طاقت پہنچائے۔ دل سے نک آئے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے کھردری کے باعث نفس کا ساتھ چھوڑ دیا تو اب جگر یاد آیا کہ جگر کام نہیں کر رہا، پس اس کی طرف تو چڑھنا چاہئے، اس کا حصول علاج ہونا چاہئے تاکہ دل پھر اپنا کام شروع کر دے اور پھر جذبہ ہوس کا رویہ زخم ہو جائے کیونکہ حضرت کو تمنا کرنے کی ہوس بہت ہے چنانچہ ایک جگہ خود بول فرماتے ہیں۔

دو پائے معاضی تنگ ہوئی ہے ہوا تنگ

میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ایک اور غزل میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور اب

طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں



پھر ترے کوچہ کو ہاتا ہے خیال

دل گم گشتہ کمر یاد آیا

دل کم کشیدہ = کمزور دل

تشریح :- کہتے ہیں ہے میرے کو بچے کا خیال بھر ستارہ ہے کہ کمر واپس جاؤں گرتیوں جاسکتا سوچ یہ پہلوں کو دل تو پہلے ہی
انکھ کے میں کم کشادہ کیا نکھر جاؤں، دل ہی کی قدر اس کہے میں ضرورت ہے بے بدل ہے جان کوئی سچی نہیں رکھتا۔



کوئی دہائی سی دہائی ہے

دشت کو دیکھ کے کمر یاد آیا

دیرانی = بر باد، اناٹا دشت = جنگل

تشریح :- عشق کے ہاتھوں حضرت کس قدر پریشان رہے کہ وہاں دار کمر چھوڑ کر جنگل میں خاک اُڑاتے پھرے اب
جنگل میں آئے تو پھر کمر یاد آیا کہ ہاتھ لکھ کر دیرانی بھی اس جنگل سے کم نہیں ہے کیونکہ کمر ہی موت پائیس۔ واقعہ یہ ہے کہ
دشت عاشق کو کسی ایک جگہ تک نہیں رہتی۔



میں نے بھٹوں پہ لڑکھن میں آمد

سگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

بھٹوں = دیوانہ سگ = بجر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں نے لڑکھن میں ایک پہل کو مارنے کے لئے بجر اٹھایا تھا، مجھے چاٹا پٹا لپکا کہ سر تو بھی رکھتا
ہے تو بھی اٹکی مرنے دیوانہ ہو سکتا ہے سوچ یہ بجر میرے سر پر مارا ہمارے تو کیسا گنگے گا یہ بجر کمر میں ہی دھار دے سے ہوا گیا۔
شعر ہر امداد مارنے کے انسانوں کے لئے ایک سبق ہے جو انسان کو تنہی کی کیفیت میں دیتا ہے۔

غزل (۳۳)

تو دوست کسی کا بھی ہنسر نہ ہوا تھا لہروں پہ ہے وہ علم جو لمحہ پہ نہ ہوا تھا
چھوڑا یہ نقش کی طرح دھبہ تھا نے غور شد ہنوز آنکھ برابر نہ ہوا تھا
توفیق باخداست ہے اول سے آنکھوں میں سے وہ نظروں کو گھیر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا تو یاد کا عالم میں سجدہ تھوڑے عطر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزدگی یاد سے خوش ہوں یعنی سہی شرق نکو نہ ہوا تھا

اور اپنے ساتھی ننگ آبی سے ہوا ٹنگ میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسد رزم تھر سے مرے قبیل

آنکھوں جاگیر سمندر نہ ہوا تھا



تو دوست کسی کا بھی بستر نہ ہوا تھا

اوروں پہ ہے وہ علم جو مجھ پر نہ ہوا تھا

تشریح :- نہایت بڑاری کے عالم میں حضرت اپنے شرع اشرع محبوب سے مخاطب ہیں کہ تو کائنات کسی کا بھی دوست ثابت نہیں ہوا تیری بد فائی اور برہائی اپنی مشہور ہے اب اور دن پر تیری کرم لڑائی ہے جو کرم لڑائی نہیں لگم ہے کیونکہ یقیناً انہیں بھی ایک دن میری طرح چھوڑ دیا جائے۔ یہاں کرم لڑائی کا لفظ خطر استعمال کیا ہے۔

مصرعہ لڑائی میں بجائے ظلم کے کرم کا استعمال ہوا تھا تو چونکہ مصرعہ لڑائی میں حتم کر کہہ چکے ہیں اس لحاظ سے یہاں کرم لفظ ہو جاتا ہے کیونکہ ظالم کو کرم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور چونکہ اوپر لڑائی یقیناً ایک دین نہیں بھی چھوڑ دیا اس لئے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ساتھ ظلم ہی اور ہے کہ نہیں۔



چھوڑا یہ خلعت کی طرح سبھ فشانے

خوشید نواز اسکے برابر نہ ہوا تھا

سبھ خلعت = ترکستان کے شہر خلعت کے ساکن حکیم مطاعرف اپنی موقع نے ایک چادر لٹایا تھا ایک کوئی سے ملا ہوا تھا اور آدمی رات تک شہر خلعت کے لٹا پڑا تھا اور بار سے شہر کو دشمن کر دیا تھا آدمی رات کے بعد اسی رات سے واپس ہو چلا اور اسی کوئی میں جہاں سے چلا تھا غروب ہو چلا تھا جو شہر کی نسبت سے یہ خلعت مشہور ہوا۔

دوست قضاہ = نرادلہ کا ہاتھ (موت) جنوز = ایک

تشریح :- فرات کی اردنیف (ہوا تھا) تباری ہے کہ معاملہ گذشتہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت کا محبوب اللہ کو پارسا ہو چکا ہے اور وہ ان کا حسیں تھا کہ اس کا قاتل حضرت سورج سے کر ہے تھے اور سورج جنوز ان کی بھاری نہیں کر سکا تھا اس پر پانچواں تاسف فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے اس کو اس جہاں میں اسی طرح بھیجا تھا جس طرح میں موقع نے اپنا چاند چھوڑا تھا کہ وہ جہاں سے چلا تھا وہیں کو واپس ہو جاتا تھا یہ بھی جہاں سے آیا تھا وہیں کو واپس ہو گیا۔



توفیق ہمارا ہے ازل سے

آنکھوں میں سے وہ ظہور کو گہر نہ ہوا تھا

توفیق = عمل تک کی خواہش ازل = ابتداء کوہر = سوتلی

تشریح :- بلاشبہ عمل خیر کا حصول ہوا یا کسی چیز کا حاصل کرنا ہوا اللہ رب العالمین کی رضا کے بغیر ممکن نہیں لیکن اس دنیا کا قانون جو ہذا پاک نے نافذ کیا ہے یہی ہے کہ عمل تک کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کوشش اور عمل کرنا ہوگا اس لئے اس دنیا کو ہائے اسباب کہا گیا ہے تعجب ہر حال رب العالمین ہی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس مسئلے میں بزرگوں کا قول ہے کہ عیسائے دوسرے دنیا کا نوکریاں یہ قانون اس دنیا پر ازل سے نافذ ہے وہ فقرہ آپ جوامعی آنکھوں میں ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک وہ ایک عبادت کی شکل میں آنکھ سے باہر نہیں آجاتا گوہر نہیں بناتا گوہر بنانے کے لئے دل کو کتنا تر چاڑتا ہے کتنی جنت پہنچاتی چلتی ہے اہل دل و دہلیش ہی جانتے ہیں۔



جب تک کرت دیکھا تا تو یار کا عالم

میں معلقہ تیرے محض نہ ہوا تھا

معلقہ = اٹھ کر، اٹھ کر، فکرت = فکرت = محض = قیامت

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں نے جب تک اس شرف اطرار کو نہیں دیکھا تھا قیامت کا حال نہیں ہوا تھا۔ محبوب کو شاید قیامت کے لئے کہا گیا ہے کہ آؤں اس سے عشق کر کے خود کو لٹکاتا خطاب پاتا ہے اور قیامت کا خطاب مشہور ہے کہ سورج سا نیلے سے پرہیزگار کو پہنچا دیکھو اور اپنے دلی گری ہوگی کئی کو اپنے پرانے کا ہوش نہ ہوگا اس کیفیت کی بناء پر محبوب کو فکرت قیامت سے نسبت دی گئی ہے ہر حال نہایت حسین شعر ہے مگر مضمون بہت قدیم ہے۔ حضرت کا اعجاز جان البتہ اچھوتا ہے۔



میں سائے دل آزدگی یار سے خوش ہوں

یعنی سچے شوق منکر نہ ہوا تھا

تشریح :- شعر ہذا کی وضاحت کرتے ہوئے میراج شرم محسوس کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت نے اپنے پیس کا لٹکے منظر دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ محبوب کو پہلی محبت کے بعد ہی چھوڑ دو کیج رہا ہوں کہ میں کتنا بزدل دست مرد میدان ہوں کہ اس کو طحال کر دیا جبکہ دوسری بار کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میں اپنی اس کارگزاری پر بہت خوش ہوں۔ مگر یہ میری نادانی کی بات ہے کہ میں اس کو باصطفاً نظر کھنڈ رہا ہوں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس میدان میں کتنے نامرد میدان ملک کر ہر دغا کر ہو گئے۔

تیسرا :- یکہ شارع حضرات نے طوق کمانی کے طور پر ملبہ کی دیگر تائیل کی ہے جو خلاف محل اور خلاف واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

واقعہ یہ ہے کہ شارع ہر بات آپ جی ہی نہیں کہتا بلکہ واکٹر و بیشتر اپنے علاج اور ماحول کی مکاری بھی کرتا ہے اور یہ شعر مباحثوں کی طبیعت کی مکاری کر رہا ہے۔ تاہم مضمون نہایت متول اور کجرب خلاق ہے۔



درہائے معاصی تک آبی سے ہوا خشک

سیر و ہوا سن گئی وہی تر نہ ہوا تھا

درہائے معاصی = جوانی کے لئے استعارہ ہے خشک آبی = پانی کی کمی سیر و ہوا سن = دامن کا کھرا
تشریح :- درہائے معاصی جوانی کے لئے بطور استعارہ ہے۔ حضرت کو کناہ کرنے کی بہت ہوشی تھی فرماتے ہیں کہ جوانی کے دریا میں اتنا کم پانی تھا کہ بہت جلدی خشک ہو گیا ابھی تو میرے دامن کا کھرا بھی نہ نہیں ہو پایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ بہت کم کناہ کر پایا تھا کہ درہائے جوانی خشک ہو گیا اور نہ حیا آگیا۔



جہادی قہمی آئندہ دم جگر سے میرے جھل

آٹھلہ ہا کیر سمندر نہ ہوا تھا

تفصیل = صوفیانی آٹھلہ = آگ کا گہرا جھٹی یا تفل پرستوں کا عبود سمندر = ایک جانور جو بڑے کی برابر ہوتا ہے کہتے ہیں کہ آگ میں ہی ذرہ رہتا ہے۔ آگ ہی اسکی کراک ہے، ابیرا کر مر جاتا ہے واللہ اعلم
تشریح :- ایمان میں اسلام سے پہلے آتش پرستی کا روز تھا اور بڑے بڑے آٹھلے لوگوں نے ہمارے حق میں آگ کی پوجا کی جاتی تھی دستور یہ تھا کہ کوئی آٹھلہ دے اپنی ضرورت کے لئے آگ نہیں نکال سکا تھا ہر طرف اسکے پاس میں آگ نہ کہرا لیا اور روشن کرنا مہارت میں شامل تھا، ابھیں آٹھلہ دل میں سمندر رہتا تھا جو آگ ہی نکالتا اور اس میں رہتا تھا کہ یاد آٹھلہ داسی سمندر کی جاگیر تھی کیونکہ وہی اس سے ہر اتفاقہ اٹھاتا تھا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے دل کے آٹھلے سے تو لوگ بہت ہی سی بکھنہ بکھ حاصل کر رہے تھے۔ یہ کوئی سمندر کی جاگیر تو نہیں تھا۔ مجھے کیوں یاد آیا گیا۔



غزل (۲۳)

رنگ کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اظلاس حیف
 گل کہتی ہے کہ وہ ہے میرا رنگ آتشا
 ذرا ذرا سا فریاد نیرنگ ہے۔
 گردش بھٹوں پہ چٹک ہائے لیلی آتشا
 حلق ہے سماں طراز بازو اربابِ بحر
 ذرا سحر دست گاہِ دلفریب دریا آتشا
 میں اور ایک آنسو کا گھڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
 عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آتشا
 قصہ پنج رنگ ہم رنگ نہ رہنا چاہئے
 میرا زانو سوس اور آئینہ میرا آتشا
 کہ کن فاش یک مثال شیریں تھا آسہ
 رنگ سے سردار کہ ہوسے نہ پیدا آتشا



رنگ کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اظلاس حیف
 گل کہتی ہے کہ وہ ہے میرا رنگ آتشا
 رنگ = ملن اظلاس = بے فرضی حیف = ہوس آتشا = دوست
 تشریح:۔۔ کہتے ہیں کہ انکی غیر سے دوستی ہے جس کا مجھے خوفِ ہوس ہے کاش اس کا یہ حلق میرے ساتھ ہوتا لیکن
 گل کا فیصلہ اس کے برعکس ہے وہ کہتی ہے کہ وہ تو میرا ہے اس کی خواہش کرتا ہوں کہ وہ تو کسی کا بھی دوست نہیں ہوا۔



ذرا ذرا سا فریاد نیرنگ ہے۔
 گردش بھٹوں پہ چٹک ہائے لیلی آتشا

سافر = چار سٹاک نیزنگ = چار چاہت کی دنیا چٹک = آنکھ کا اشارہ

تقریباً: فرماتے ہیں کہ اس کائنات عالم اس ظہنی دنیا کا ایک ایک ذرہ ہمارے سیرت الہی کی حیثیت رکھتا ہے اگر وہ جیسے دیکھا جائے اور عقل سلیم ہماری رضائی کرے تو اس دنیا کا ذرہ و ذرہ خالق کائنات کے جلوہ کی شہادت دیتا نظر آجگا۔ جس طرح ہم بچوں کی دوا کی کوٹلی کی تخت بھری آنکھ کے اندر سے کی کار فرمائی سمجھتے ہیں بالکل اسی طرح معصوم عالم کے گرد و پیش لہذا مافی کی چٹک نظر آتی ہے۔



شوق ہے ساس طراز نازش اور باب بجز

ذرا صرا دنگا، دنگوہ دلی آشتا

تراز = زحمت و آسائش نازش = فر اور باب بجز = بکسر لوگ یا مجبور لوگ دنگا = کارخانہ

تقریباً: کہتے ہیں کہ فریب اور پناہ کد لوگوں کو اپنے گھر کا سامان جانے کا شوق ہوتا ہے اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ جس طرح ذرہ صرا کے خزانے پر فخر و دلی کے سرمایہ پر فخر کرتا ہے اور اس کا دوست ہوتا ہے۔



میں اور اک آفت کا گھوڑا دل دشنی کہ ہے

مانیت کا دشمن اور آدمی کا آشتا

آفت کا گھوڑا شہر دل دشنی = دل دیوانہ

تقریباً: کہتے ہیں کہ میری کیفیت یہ ہے کہ میں طورا بھائی شوق دشنی راقتہ ہوا ہوں اپر طریقہ کہ دل مجھ سے زیادہ آدمی اور شرافت کا دوست اور خیر و مانیت کا دشمن بنا ہے۔



گھوڑا رخ دنگ ہم دنگ نہ رہتا چاہئے

میرا زانووں میں اور آئینہ میرا آشتا

گھوڑا رخ = طاقت کرنے والا دنگ ہم دنگ = ایک دوسرے پر غلبے کا اظہار کرنا زانو = زانو

تقریباً: محبوب سے غلبہ ہو کر فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے پر غلبہ نہ ہو گا اور گھوڑا رخ طاقت کرنا درست نہیں ہے اور اور تمہارا دشمنیت کا دشمن ہے اس کے باوجود کہ دونوں ایک ہی عارف میں جھکا ہیں مگر نفرت نے کام دونوں کو الگ الگ کر دیا ہے میں غلوں سے بڑھ حال ہو گا پناہ زانووں میں رہتا ہوں مجھے اس میں راحت ملتی ہے اور میرے

زبانوں ہی میرے سونے اور خواب ہیں اور تمہیں آئینہ کے در پر دکھنا ہوا ہوا وقت آما نکل میں مصروف رہتا ہوں۔ کتا
 ہے اور آئینہ تھکا اور صحت ہے۔ قدرت نے سب کو الگ الگ کام دئے ہیں اس پر کسی کو کسی پر حسد یا رشک کرنا صحت ہے۔



کہہ کن فاش یک قتال شیریں قاتلہ

سنگ سے سر ہار کر ہلائے نہ بچا آفتا

کہہ کن = فرہاد شیریں کا دشمن فاش = سوار قتال = بیکر مسدود شیریں = فرہاد کی مشق و شہرہ پہونچ رہی تھی۔
 اہل ان کی ہجرت

تشریح :- کہتے ہیں کہ فرہاد شیریں کے مجھے ملتا تھا اور ان پر فاشی کرتا رہتا تھا اس سے کئی بہت کی تکمیل ہوتی ہے تمام
 چہرہ میں سر ہٹا کر محبوب کے دل میں گریں لاند کرنا۔ واقعہ یہ ہے کہ شیریں مست تھا اور فرہاد شہرہ پہونچ کی تکمیل ہوتی رہتا
 اس کو پاگل سمجھتی تھی۔ ان حالات میں فرہاد کی ایک طرف بہت کئی معنی نہیں رہتی۔

غزل (۳۵)

غافل بہ دم باز خود آما ہے دہنہ یوں ہے شاد مہا نہیں کڑہ گیاہ کا
 دم قریب سے پیش خزانہ رکھ کر رنگ صفا درام بخند ہے اس نام گاہ کا
 رحمت اگر قبول کرے کیا امید ہے شرمندگی سے لارہ کرنا گیاہ کا
 عقل کو کس نکلا سے نہاتا ہوں میں آندہ بڑگی خیال دلم سے دامن تار کا
 ہاں دہلائے یک کجہ گرم ہے آندہ

پہانہ ہے اکیلی ترے دار خواہ کا



غافل بہ دم باز خود آما ہے دہنہ یوں

ہے شاد مہا نہیں کڑہ گیاہ کا

خود آما = خود کو سوار لے والا شاد = کھٹکا صفا = بھائی ہوا کڑہ = کٹنی دھڑ گیاہ = گھاس
 بخند = اچھلا کر دیا

تشریح :- بہر ہے شاد و صفا ہے وہ شخص یا وہ زمین جو خود کو سوار لے اور نالے میں مصروف ہے اہل ہاتھوں سے زمین

ہیں ہاتھ صرف ایک دھم ہے ورنہ ناقص ہے کہ قدرت قصہ چاہتی ہے جسین پیدا کرتی ہے یا جسین ماتی جذب کماں کہ
دیکھ کر اگلے شخص کو خض پاک خود نہ دانی ہوا کے گلے سے سٹواری دار کھداتی ہے۔



دھم قحاح سے پیش تھانہ رکھ کر دھم

صوبہ دھام جت ہے اس دھام گاہ کا

دھم قحاح = محل شراب صید = دھام = ہال جت = اچھا کھانا گاہ = جگہ

تشریح :- فرماتے ہیں کہ محل شراب سے پیش آرام کی آرزو مت رکھ کر یہ دنیا پیش آرام کی جگہ ہے ہی نہیں یہاں تو
رنگ ہی کہہ دو ہے یہ دنیا تو ایک شکار گاہ کی مانند ہے اور جزا کی روح یہاں ہے وہ شکار کی طرح اس دنیا کے جال میں
پھنسا ہوا ہے اور اس سے نکل جانے کے لئے اچھل کر رہا ہے۔



دست آفر قبول کرے کیا ہمد ہے

شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

ہمد = داور عذر = یہاں معذوری

تشریح :- فرماتے ہیں کہ گناہ کر کے شرمندگی کی وجہ سے کوئی بہانہ کرنے یا کوئی معذوری ظاہر کرنے سے گناہ معاف کر
دیا جائے محض خام خیال ہے بلکہ اگر صرف شرمندگی کا اظہار کیا جائے تو ہمید نہیں کہ معاف کر دیا جائے۔



محل کوئیں نکلا سے پاتا ہوں میں آتہ

پنجل لیاں دلم سے دامن گاہ کا

محل = محل گاہ نکلا = خوشی پنجل = پھولوں سے لہرا ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں اپنے محل کو کس خوشی کے ساتھ چاہا ہوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ جہاں لیوا اور مہلک دلم
کہا کری لیں تو کوئی سب میری نگاہ میں ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میں اس غم پر جو خوشی غالب ہے جو مجھے محل کی طرف لے
چاہی ہے یہ ہے کہ میں گل کے پھول سے محبوب حق سے ہاتھ لگاؤں جس قدر جلد یہ کام ہو جائے بہتر ہے۔



ہاں دیکھو نے یک تجو گرم ہے اسد

پہاں ہے وکیل ترے داد خواہ کا

وکیل = سردار داد خواہ = داد چاہنے والا

تشریح: فرماتے ہیں کہ اسے آسمانوں کی جان کی حیثیت ہی کیا ہے انکی ایک دعا و کرم کی ہوا ایک پتہ موت کے گھاٹ
آجروہنے کے لئے کافی ہے اندر سے اس دعوے پر پہاں کی نکالت ہو رہی، گواہی اور تائید بہت کافی ہے اور درست
ہے۔ کہ دیش کی ایک پتہ سے قسم ہو جاتا ہے۔

غزل (۳۶)

مرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
ہاتا ہوں داریاں حسرت بستی لئے ہوئے ہوں طبع کشدہ درخور محفل نہیں رہا
مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں شلیاں دست وہاں تو قابل نہیں رہا
نزدوںے مشعلت وہ آئینہ باز ہے یاں اختیار باقیس و کامل نہیں رہا
داکر دے ہیں شوق نے بے غائب نصن غیر از نگاہ اب کوئی جاں نہیں رہا
مگوں رہا رہیں جہنم دے باز کا لیکن حیرے خیال سے ناخانی نہیں رہا
دل سے ہوائے کعبہ و قامت مگی کہ وہاں حاصل ہوائے حسرت حاصل نہیں رہا
نیاز عشق سے نہیں ادا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا



مرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

نیاز عشق = محبوب کی لڑائی بازی۔

تشریح: کہتے ہیں کہ ملاقات نے مجھے اس درجہ کمزور اور نا کار و مدار پایا ہے کہ اب میں اس قابل ہی نہیں رہا کہ محبوب کی
لڑائی بازی کا وہ بھانپ سکوں۔ مجھے جس دل پہ ناز تھا اب وہ دل ہی نہیں رہا۔ جس عشق کا حضرت ذکر فرما رہے ہیں وہ

واقعی کمزور آدمی کے بس کی بات تھیں بلکہ عشقِ حقیقی کے لئے ہنسائی کمزوری کوئی مصلیٰ نہیں رکھتی۔



جاتا ہوں دارِ صرستِ ہستی لئے ہوتے

ہوں شمعِ مٹنے درِ خورِ محفلِ نہیں ۱۰

شمعِ مٹنے = نہیں ہوئی شمع۔ درِ خور = اتنی۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں اپنی ہستی پر آرزو کا دارِ تلے اس عالمِ فانی سے رخصت ہو رہا ہوں اب میری شخصیت بھی ہوئی شمعِ محفل کی کی ہے جو محفل کے اُنک نہیں رہی۔



مرنے کی اسے دل اور ہی اندھ کر کر میں

شایانِ دستِ وہاں و کمالِ نہیں ۱۱

شایان = شان کے مطابق۔ دست = اتنا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں ان کے حسین ہونے اور دستِ ہزاروں کی شان کے شایان نہیں کیونکہ میں حدودِ کمزور اور اہلِ ہوسِ ہر آنِ ان کے لئے ہامہٴ درِ مانی تو ہو سکتا ہے ہامہٴ فخر نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ کو یہ کمزور ہونا کافورِ دل کی کے جرمِ کلاحتانِ ہوسِ ہرگز ان کی شان کے شایان نہیں اسے دلِ تجھ مرنے کا کئی دن گزرا کئی دن گزرا سویت جلاش کر رہا ہے۔



بروزے شمشیرِ درِ آئینہ باز ہے

ہاں امتیازِ ناقص و کمالِ نہیں ۱۲

بروزے شمشیرِ جہت = چھ سون کے سامنے اور ان کی بائیں آگے چھپے اوپر پیٹے۔ درِ آئینہ باز = کھلا ہوا آئینہ ہے۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ چھ سون میں مطلب تمام ہونا یا میں محرمِ بحر کہ یکہ کو کہ پایک کھلا ہوا آئینہ ہے کہ اب ہم اس کھلیا دور سے گفتگو ہے ہیں کہ لوگوں کو ناقص و کمال اچھے نمونے کی تیزی نہیں رہی۔

تجربہ :- درپردہ حضرتِ الہی یا خدائی اور ستاری کی مدد چاہے ہیں جو ہمیں نہیں ملے کہ یکہ علیٰ قودہ ان کے مرتبہ کے لاف سے کم مل جس کی انگریزیت ہے۔



داگر دے ہیں شوق نے جو غلابِ نہیں

غیر از کلامِ اب کوئی مائلِ نہیں ۱۳

وہ کہتا ہوں۔ یہ خواب محسن = محسن کے چہرے کی تباہی نہ ملے اور پردے۔ مائل = درمیان میں
 تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمارے مرقع عشق نے محسن کے خواب کے سارے بند کھول کر دکھائے ہیں اب کوئی جھجکاڑے
 اور اس کے درمیان مائل نہیں بچو ہماری نگاہ کے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی نگاہ اور بین اور عشق پر محسن نے قدرت کے
 تمام عہدوں کو پایا اور حقیقت کا نکتہ کا مطلب سمجھ لیا ہے اب کوئی جھجکاڑے ہمارے اور خالق کے درمیان مائل نہیں ہے۔
 تفسیر:- بات لہجہ صمیمیت استوار ہے میں کی گئی ہے جو حقیقت اور کھاتہ دونوں پہلوؤں پر برابر صادق آتی ہے۔ شعر
 ہے یاد میں ہے۔



کوئی رہا رہیں رحم دانی

لیکن حیرت خیال سے غافل نہیں رہا

وہ چہن چہن = غمزدہ کی گرفت میں۔ روزگار = زمانہ

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں تمام عمر زمانے کے غمزدہ رہا اور وہ اس نے مجھے فرحت نہیں دی مگر اس کے باوجود رہے
 خیال سے حیرت فراموش رہی سے غافل نہیں رہا یعنی میں نے غمزدہ رہا اور تمام روزگار کو حیرت یا دہش دہائی نہیں ہونے دیا۔



دل سے ہمارے کبوتہ اقامت کی کہیں

مائل سوائے حسرت مائل نہیں رہا

کبوتہ = کبوتہ بکری۔ حسرت = افسوس، غم

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں غلامی و غلامی کی بکری بن گیا اور وہی وہاں کا شائبہ کہیں رہا اب وہاں جانے سے بیکہ مائل
 نہیں ہوں غمزدہ حسرت افسوس کے۔



بیدار عشق سے نہیں ادا مگر اسد

جس دل پہ تازہ تازے وہ دل نہیں رہا

بیدار = بیدار، بیدار۔ تازہ = تازہ، تازہ

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں عشق کی مسرتوں سے قفسی نہیں ادا مگر مجھے بھی اپنے باعوض اور مضبوطی پر بیدار

قصاب وہ دل نہیں رہا۔ صنعت کم خلق نے بیکار کر دیا اور خلق کے لئے مضبوط اور باحصول دل کی ضرورت ہے۔
ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

کون ہوتا ہے حرف نے سر مالکین خلق ✽ ہے مگر دل ساقی پہ صلا میرے بعد

غزل (۳۷)

ذکر اس ہی دل کا اور پھر جاں اپنا ہو گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا
مے بہت وہ کیوں پیچے بزم فیر میں ڈارپ آج ہی ہوا منظور آنکو احسان اپنا
حشر اک بلندی پر اور ہم کا کچھ کاش کے پرے ہوتا عرش سے نکال اپنا
وے وہ بخود زلت ہم پہلی میں تالچے پارے آٹا بکوا، آٹا پاہاں اپنا
وہ دل نکھوں کب تک پاؤں انگو دکھا دوں انگلیاں بکار اپنی حشر خرچہاں اپنا
کھتے کھتے مٹ جاتا آپ نے مٹ بدلا تک جہد سے میرے سنگ آستیں اپنا
تاکرے نہ تھلازی کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شکایت میں ہم نے ہم نہاں اپنا

ہم کہاں کے ہوتے کسی سر میں بکنا تھے

بے سبب ہوا غائب دشمن آہیں اپنا



ذکر اس ہی دل کا اور پھر جاں اپنا

ہو گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

تکریب: حضرت نے کسی کو پادشاہاں کا ہوا کے سامنے پہنچو بہ محبوب کی تعریف میں احاطہ میں فرمایا۔

جب بزم میں تو باز سے گھٹار میں آوے جاں کلہ صودت دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھری سرد و سوز تو اس جد و گھل سے جو گھڑار میں آوے

تو اس رازداں کا رقیب ہی چاہا تازی قہاس میں کوئی شرمیں جان ان کا واقف سارے جہان سے نہلا ہے

ایک تو وہ دھنسی اپنی جگہ حسین اور پھر آپ نے مہا لڑائی کی مدد کو دینا چاہیہ وہ تو جد و گھل چار



تھے بہت دیکھاں چنے بزم فیروز میں وارپ

آج ہی ہوا حضور آگے احقان اپنا

تشریح :- یہاں لکھا ہے کہ حضرت سید محبوب کی پادری محمد مراد ہیں اور بہت خوش ہیں کہ آج ملت کی چنے کو ملے گی ہے صلب چنے کے مگر محبوب نے فیروز چکے کہتے ہوئے احتیاطاً اور تکلفاً بہت کم شراب پی اور مجھے بھی احقان میں دال دیا شاید اس خیال سے کہ پادری بدحواس کر دے گی اور بدحواسی میں تاریخی حرکات کا سرزد ہونا لازمی ہے حضرت کو اس احتیاط پر سخت افسوس ہے کہ پانی آج ہی دہلی نگر کے چنے کا موقع ملتا تھا اور آج ہی محبوب نے یہ تلف بہت کر مجھے بھی احتیاط پر مجبور کر دیا اور احقان میں دال دیا۔



حضر اک بلندی پر اور ہم جا سکتے

کاش کے پرے ہو تا عرض سے مکاں اچ

تشریح :- واقعہ یہ ہے کہ مرثیہ آدم کے بعد باری تعالیٰ نے آدم راہب کو بڑی عارضی کے عالم میں بہت سخت لہجہ میں علم فرمایا تھا کہ تم سب جگہ مرے کے لیے چلے جاؤ اور تم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ اس سلسلے میں یہ ہیں ﴿وَلَقَدْ أَفْضَلْنَا مِنْكُمْ لِبَنِي إِدْرِيسَ عِلْمًا وَزَكَوَاتٍ فِي الْمَدِينَةِ وَالْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ وَأَمْطَلْنَا عَنْهُمُ الْغَمَّ وَالْحُمْلَ وَالْجَنَّةَ وَالْجَنَّةَ﴾ یہ ہے ہمیں چنے کی طرف بہت گھمایا جگہ پر کا کیا تھا جس کو ہم زانا کہتے ہیں جو دینی سے غافل ہے جس کے سنی زورے کے ہیں اسی لیے اس کو فرما بھی کہتے ہیں اور اسفل النساء ہیں۔ اس قدر گھمایا اور نری جگہ ہم کو چنے کی طرف پھینکا گیا تھا جب تو ہم نے اس کو سدا انسانی محنت دے دیا تو اہل انبیا سے بعد نور ہوا یا کاش کے عرض سے ہمارے چنے کی طرف پھینکا جاتا تو ہم ہمارا ایک مسکین حشر بنا کر پیش کرتے جو دینی ہوتا۔

تبرہ :- شاعر کا قصہ مطلب آدم کا حق کرنا ہے کہ باری تعالیٰ نے ہر ی اپنا عیض نہیں بنا دیا بلکہ جملہ اوصاف اور صلاحیتوں سے آراستہ کر کے بھیجا ہے۔



دے دے اور حضور دولت ہم پہن میں ہا لپکے

مارے آٹھا بنگلہ اٹھا پاساں اپنا

آٹھا ہاں بچا۔ پاساں ہاں ہنری۔

تشریح :- حضرت محبوب سے ملاقات کے لئے ان کے دولت کو دے ہر خریف لیے مجھے وہاں پہنچے تو دروازے پر ایک دروازا کھلا ہوا تھا جس سے آگے چل کر پہچان کا آوی تھا اس کو دیکھ کر غصہ ہوئی کہ یہ شخص حکمت سے دیکھنے کا اور ذلیل

کر گیا۔ بے تحاشہ شوقِ ملاقات اپنی عزت پر غالب تھا اس لئے دل ہی دل میں خود سے غائب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اب آئی
کھئے تو اس کی بھی نیچے اور برداشت کر چکے تھی میں ناز و نیچے۔



دردِ دل کھوں کب تک ہاں اُنکو دکھلا دوں

انگلیاں بنگار اپنی خارِ خوشچکان اپنا

نگار = زلی۔ خار = گرم۔ خوشچکان = خون پنا تار۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ آخر کب تک اُن کو دردِ دل اور غمِ لڑکتی کی داستانِ غلط میں کھسے جاؤ انگلیاں پر کوئی ہتھی نہیں ہو رہا
کیوں نہ ان کو طردِ جا کر اپنی مہلتِ زار دکھا دوں کہ کھینچے انگلیاں زلی ہو گی، گرم سے خون جاری ہو گیا۔ قرآپ کی ہے
یازلی بدستِ راہی جگہ ہے یقیناً دیکھ کر سوچ ہو جائے گی۔



کھینچتے کھینچتے مٹ جاتا آپ نے مہلتِ بدلا

تک مجھ سے میرے سنگِ آستان اپنا

مہلت = بیمار۔ تک مجھ سے = مجھ سے غلطی جو ہر مہلتِ شرم ہے۔ آستان = دروازے کا حجر

تشریح :- کہتے ہیں کہ میرے بند بھگت اور بے غلطی جو میرے مہلتِ مہلت کے ذریعے میں بے قصور اور ہر مہلتِ شرم تھے مگر
ان کا تسلسل ہو رہا تھا آپ کے سبب۔ آستان کو گھس گھس کر ختم کر دیتا آپ نے فضول اس کو بدلتے کی درست لڑائی۔



تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو

دوست کی نکالت میں ہم نے ہم زباں اپنا

غمازی = بھلی۔ ہم زباں = ساتھی، ہم سنگ

تشریح :- اس خیال سے کہ بیمارے محبوب سے اتنی سیدھی نہ لگا دے اور بھلیاں کر کے ہم سے برکت نہ کر
دے ہم نے اپنے دشمن کو دوست اور ہم زبان نکال دیا ہے۔ اور یہ سب اپنے محبوب کی نکالت پر کیا ہے کہ وہ اس
بھلیواری باتوں سے بھگتا۔



ہم کہاں کے ہاتھ تھے کس ہاتھ میں پکارتے

ہے سب بھائی کاتبِ رُخسِ آسمان اچھا

ہاتھ = جلوہ خیر = کل نہیں پکارتے = بے مثال

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم ایسے کہاں کے ہر صدمہ ہاکیلِ خاطر تھے کہ ہماری کبھی مثال ہی نہیں ملتی تھی۔ جو وہ آسمان ہماری دشمنی پر اتنا ہراس میں تھا کہ ہمیں یاد رکھنا پڑا۔

غزل (۳۸)

جہ سے باز آئے، باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تھو کہ نہ دکلائیں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آہیں ہم روپے گا بکھ نہ بکھ گھبراؤں کیا
دلک ہو تو انکو ہم کہیں ۱۵ جب نہ ہو بکھ بھی تو دھکا کھائیں کیا
ہم نے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ داب اپنے علا کو ہم پہچانیں کیا
سوچ غول سر سے گزرنی کیوں نہ جائے آہیں باز سے اٹھ جائیں کیا
میرا دیکھا کے مرنے کی راہ مر گئے، دیکھے دکلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ کاتبِ کون ہے

کوئی تھا کہ ہم دکلائیں کیا



جہ سے باز آئے، باز آئیں کیا

کہتے ہیں ہم تھو کہ نہ دکلائیں کیا

خود = غم و غم

تشریح :- محبوب کے دل پہ ہے ہمیں یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم پر غم و غم سے باز تو آئے مگر یہ باز آنا کوئی باز آنا نہیں ہے
کیونکہ اب کو یہ شرمناک نہیں ہے کہ گند سے سات نکوں اس خیال نے روک رکھا ہے اور ے لئے انا غم و غم سے
باز آنا نہیں ہے کیونکہ ہمارے وہ بیان ہماری دشمنی پر اتنا ہراس میں تھا کہ ہمیں یاد رکھنا پڑا۔



دلت دن گردش میں ہیں سات آہاں

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا

تشریح :- جانوروں کا کہنا ہے کہ آسمانوں میں بارہویں اور سات-بارہے ہیں جو کھلم کائنات چلاتے ہیں ہکا بکا کرہ
لام فزعلی نے بھی اپنی ”کتاب کھیلے سعادت“ میں کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ان بارہویں کے درمیان کرسی سے اس پر
ایک قدم سیڑھی لڑھکیں سات ہے جو عرش سے اعلیٰ سات وصول کر کے کائنات پر نافذ کرتا ہے۔ ”الاعظام“

اس مندرجہ بالا نظریہ کے تحت شعراء آسمان کو کرتا دھرتا کہتے چلے آئے ہیں شعراء میں اسی مفروضے کے تحت
لڑھکتے ہیں کہ سات دن ساتویں آسمان گردش میں ہیں اور کچھ نہ کچھ کائنات چلاتے رہتے ہیں اور کرتے دھکتے اس
میں ہمارا کوئی دخل یا اختیار نہیں جو ہوتا ہے، دھرتا ہو کر بیگانہ ہیں گھبراہٹیں اور پریشان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔



اگ ہو تو آنسو ہم بھیں لگاؤ

جب نہ ہو کچھ بھی تو دھکا کھائیں کیا

تشریح :- کہتے ہیں کہ اگر فزعلی ہی تو ہے بھی ہم اس طرف سے دیکھیں تو ہم بھیں کر ان کو ضرور ہم سے لگاؤ ہے تو قدم
آگے بڑھائیں، اور جب قفل کوئی تو ہے نہ ہوتی تو آسمان کی طرف بڑھیں ایسی صورت میں اگر وہ کوئی تازی یا سلوک کر
ہیٹھنے یا اوچے تو ہیں گا سب ہو ان حالات میں ہمیں حکما مارنا پڑے گا۔ اور ہرگز دھکا نہیں کھانا پڑے گا۔



ہو لے کیوں تار کے ساتھ ساتھ

یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

تشریح :- شرقی مذاہب و مذاہب جہذات اور اہل سمر سے یہاں وہی لکھو ہو کر حضرت اہل سمر کے ساتھ ساتھ ہو گئے اور
محبوب کے بعد دولت پر پہنچ کر یہ خیال بتا رہا ہے کہ محبوب ہمارے اس دیتے پر ہماری مصافحت کی مذاق اڑانے کا جب دیا و بیخ
تھوں نے تو کہ اپنا دانا۔۔۔ کے بعد اقل اب خدا سے داد خواہ میں کہ پارہ تو ہی حالات کو ہمارے حق میں سازگار بنا سکتا
ہے ہم تو مصافحت کری گزرے۔



سویں غلوں سے گزری کیوں نہ جائے

آسمان بار سے آنسو جائیں کیا

آستانِ پیار = در محبوب۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ صواب و کام سے گھبرا کر آستان کو بھڑا دینا عشق کی قوت ہیں ہے ہم سے کوئی چوتھے اند کے ہم
آدابِ محبت سے واقف ہیں ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔



مر مرزِ دنیا کے مرنے کی تار

مر گئے ہ دیکھتے دکھائیں کیا

تشریح :- کہتے ہیں کہ حالات سے تنگ آ کر مر مرزات کا انتقاد کرتے رہے یا اخروست آگئی۔ اب جو مرنے کے بعد
ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اور جہاں کے ہو رہا ہے اس کو ہم کسی کو کیسے دکھائیں کہ یہ عارفِ قدرت سے باہر ہے۔



پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

تشریح :- شعر میں نیر ہے ایک بات تو یہ ہے کہ مشہور معروف شخصیت کے بارے میں اگر کوئی اس کے سامنے اُسی سے
پوچھتا ہے کہ آپ کون صاحب ہیں تو اس کو اپنی تنگی کا احساس ہوتا ہے اس لئے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ
آپ ہمارا تعارف کر لیں ہم اپنے بارے میں کیا بتائیں۔ بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کون غالب ہے اور کون مطلوب ہے،
یہ ہم کیا بتائیں چوتھے کی بات ہے کوئی دوسرا ہی یہ کام کرے۔

غزل (۳۹)

شب کہ وہ مجلسِ فردوسِ ناموس تھا رشخ ہر طبعِ خارِ کسوتِ فانوس تھا
نشد عاشق پہ کوسوں تک جہانگی ہے جا کس قدر یا رب ہلاکِ حسرتِ پاپس تھا
حاصلِ اُلت نہ دیکھا جزوِ غلبہ آرزو ول بدلِ بیست گویا یک لبِ انسوس تھا
کیا کہیں چارٹی غم کی فراغت کا جہاں
جو کہ کیا غولِ دل ہے صوبہ کبھی تھا



شب کہ وہ مجلسِ فردا غلطے ناموس تھا

روشنی پر طبعِ خار، کسوتِ فانوس تھا

مجلسِ فردا = رات کی مجلس ۔ غلٹ = تباہی ۔ ناموس = عزت، محبت، محنت ۔ روشن = دھماکہ، تعلق ۔
کسوت = ستر پوش لباس

تشریح :- جب سطر تھا کہ رات، دوسری مجلسِ تباہی میں ملو، ملو روز تھا، میرے مگر کے فانوس کی بر طبع کا نورانی اجالاس کے ستر پوش لباس پہ کاکلین کر لنگہ، پتھر لباس مینے اب کے لباس کو پہنہ پوٹی کے لئے دکا روئے ہوئے تھا یعنی لباس کے باجرو اس کو رہتا کہ کھاتا، شاید یہ سطر خواب کا بیان ہے۔



منشہد عاشق پہ کوسوں تک جھانگی ہے رجا

کس قدر یا رب ہلاکِ حسرتِ پاؤں تھا

منشہد = شہادت گاہ ۔ رجا = بہندی ۔ حسرت = آرزو ۔ پاؤں کی = قدم چومنا۔

تشریح :- عاشق کی شہادت گاہ کے ارد گرد کوسوں تک جرجا کی بیجا ارادہ وہ یہ عبادت کر رہی ہے کہ عاشق کو کعبہ کے رجا آلود پاؤں کو چومنے کی کس قدر حسرت تھی کہ خود کو اس سلسلے میں ہلاکت میں ڈالنے سے مٹی کر رہی تھی کیا۔

تبصرہ :- عاشق کی عقل گاہ کے ارد گرد کوسوں تک رجا کا آگنا واقع کے عقلی خلاف ہے ایسا کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، دینی ہے دلیل ہے معلوم نہیں حسرت نے یہ کہا کیوں جان بھرا، یہ کہا جاسکتا تھا کہ اگر ایسا ہو جاسے تو عاشق کی دریا گراحت کا باعث ہو گا۔ اللہ اعلم۔



ماہلِ انصاف نہ دیکھا جزوِ فکسبِ آرزو

دلِ بدلِ بختِ ماگوا یک لبِ انصاف تھا

ماہل = نتیجہ ابھام ۔ فکسب = آرزو = آرزو کا نونہل ۔ بخت = ایک دوسرے میں کو ہانا، فہم، جاننا ۔ لب = ہونٹ
تشریح :- فرماتے ہیں کہ محبت کا ابھام عموماً فکسبِ آرزو یعنی عہدِ حسرت و پشیمانی نہیں دیکھا، ہر چہ کہ دلِ بدل میں بختِ قلبِ انصاف کی مانند کہ دونوں لب جیسے پیچ کر ایک لب ہو گئے ہیں۔ مگر فردا تم سے خاموش تھے اس طرح دل کا دل سے ملتا ہے جزو تھا اور صرف فکسبِ آرزو کا عقیر تھا۔



کیا کہوں یہاںی غم کی فراغت کا یہاں

جو کہ کھایا غریب دل ہے صوبہ کیوں تھا

فراغت = فرمت، نہایت۔ بھقت = خوشامد۔ کیوں = جدا کا ہر چند انت

تشریح :- فرماتے ہیں کہ یہاںی غم سے بھگت نہایت توفیقاً لی گئی مگر کسی طرح لی اس مضمون کو کیسے یہاں کہوں میں اس
دوران اپنا غریب دل کھا کر غم و مہمراں ہذا کا کھ پر کوئی احسان نہیں رہا کیونکہ اس خدا سے بھگت کوئی فریبی لی ضرور کہ
تقویت کیونکہ یہ خدا ہی ہے کیوں ہے جو ہر قسمی ہمارا غم و مہمراں نے اس یہاںی غم سے نہایت دلائی۔

غزل (۴۰)

حضرت قنبر ہے دریا میں ڈکا ہوا ہوا
تھم سے نسبت میں مری صورت قفل اوجھ
قفا کھاتا بات کے چنے ہی بھرا ہوا ہوا
دل ہوا کھٹکھٹل چارہ کی دمت میں حرام
بست گیا کہیں میں اس مقدسے کا دا ہوا ہوا
اب جہا سے بھی ہیں محرم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن درباب دقا ہو جانا
صنف سے گر یہ مندل ہم سرد ہوا
ہار ایا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے بھتا تری ایک بھٹائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناشن کا بھرا ہوا ہوا
ہے مجھے وہ بہارو کا برس کر کھٹکا
روتے روتے غم فرقت میں ڈکا ہوا ہوا
گر نہیں کھج کھج گل کو زے کو ہے کی ہوں
کیوں ہے گرد رو جلالن مہا ہوا ہوا
تاکے تھم پر کھٹے اہار ہوائے میل
دیکھ برسات میں ہیز آئینہ کا ہوا ہوا

چنے سے جہاز گل ذوقی تاشہ غالب

چشم کو چاہے ہر رنگ میں داہر جانا



حضرت قنبر ہے دریا میں ڈکا ہوا ہوا

قفا کھاتا بات کے چنے ہی بھرا ہوا ہوا

تشریح :- کلام قدرت ہے کہ پانی بہا پ میں کہ سمندر سے الگ ہے اور قطرات کی شکل میں زمین پر رستا ہے۔ دنیا کی

کھینچیں کو کھور چاندروں کو سیراب کرتا ہے اور برعکس بلوائے گزرتا ہوا اس پانی کا ہر قطرہ دریا میں جا رہا ہے۔ اور دریا
 پھر اس کو سمندر تک پہنچا رہا ہے۔ قطرہ کا دریا بھی ہے کہ وہ احکام الہی کی تعمیل کرے، خواہ وہ اس کو کھینچے ہی خطرناک مراحل
 سے گزرنے کو تیار نہ ہے۔ جب قطرہ پانی کا کام پورا کر لیتا ہے اور اپنے وجود کو دریا میں داخل کر دیتا ہے تو راحت محسوس
 کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنا کام سرمن اُنہی کے میں مطابق کرنے میں کامیاب ہو گیا، اس کامیابی پر خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے اور
 نفی راہ ہے۔

یہی معاملہ اس دنیا میں انسان کا ہے مگر چونکہ یہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس کا کام اور ذمہ داری بھی سب
 سے زیادہ ہے۔ یہ بھی انسانی زندگی کو سرمن اُنہی کے تحت اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے سے گزرتا ہوا اپنے مقصد
 سے جا رہا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے۔ مالکِ حق تعالیٰ سے ملنے کا اور جب حد سے گزرتا ہے تو انسان اپنی جان تک دے رہا ہے۔
 اور مرتبہ شہادت حاصل کر لیتا ہے، اس مقام پر پہنچ کر وہ آپ اپنی دکان چاتا ہے، اس موقع پر مجھے اپنے والد مرحوم کی
 رہائی یاد آگئی جو حضرت کے شہر کی ترخان ہے:

خود کو اچھا کرتے ہو
 تیری سستی کی رنگ و بو ہے
 ہو میں راہِ رسال پیدا کر
 کہ بجز اہو کو غیر ہوند ہے



تو سے قسمت میں مری صورتِ نقلِ ادب

تو کھاتا ہے بنے ہی ہوا ہو جاتا

نقلِ ادب = تالے کی ایک قسم ہوتی ہے جو ان حرف کو لانے سے کھلتا ہے جو کھلنے کا نصیب لکھا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کھ
 معین طارقی ہے تو کھلا، اس وقت ملائے سے تالہ کھل جائیگا اور نہ کھلے گا نہیں ملائے سے تالہ کھل جائیگا کہتے ہیں۔

تشریح :- یہاں حضرت کی قسمت سے معاملہ یہ ہے کہ حضرت نے ایک خواہش سے معاشقہ فرمایا تو جس کا ذکر انہوں
 نے فرمایا ہے ایک عدا میں کیا ہے مگر اس میں کرم کا اکراہ کم کرنے کے لئے خواہش کی جگہ دینی کا استعمال کیا ہے حضرت کا
 اس سے تعلق ہوا ہی تھا۔ جو بھی صاحبِ سلامت تک ہی محدود تھا کہ وہ کھلا کر دیکھ دیتی ہوگی، جس کو آپ نے مرتے دم تک
 فراموش نہیں کیا، اور اسے غم سا تھو لے گئے۔ اس ذیل میں لکھتے ہیں کہ ہماری قسمت کا تالہ جو نقلِ ادب کی قسم سے تھا
 بالکل تمام کھل کر کھائی گئی اس سے نقلِ قلم ہو گیا، مگر اس تالے کے کھلنے پر وہ جو لڑائے تھے وہ ہاتھ نہ لگا اور وہ لڑائے تھے
 پاک نے ہم سے نہیں لیا۔



دل ہوا کھٹکشی چارہ کی رست میں قائم

بست گیا کبھی میں اس صف سے کاوا ہو جاتا

چارہ = علاج۔ زحمت = تکلیف۔ کھٹکشی = کچا خالی۔ صف = گرد۔ وا = کھلنا

تشریح :- اس شعر کو کہنے کے لئے اس سے پہلے شعر کے مضمون کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ قطعی طور سے اس سے منسلک ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارا دل اپنی تکلیف کے علاج کی کھٹکشی میں قائم ہو گیا کہ کیسے کریں؟ کیا کریں؟ کس سے ملیں؟ کیا صورت اختیار کریں؟ جو اس پر دل دوش سے رابطہ قائم ہو ہم اس گرد کو کھولنے میں مصروف تھے کہ اسی ماتھا کو مائی میں وہ صف ہی صاف ہو گیا جسے ہم کھانا چاہتے تھے جتنی دوسم سے بندہ ہو گیا اور پیشہ کے لئے بندہ ہو گیا۔



اب جہا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ

اس قدر دشمنی اور باب دقا ہو جاتا

جہا = غم۔ محروم = ہمارا۔ اور باب دقا = الی دقا (مشتاق)

تشریح :- کل تک کہہ رہا تھا کہ ہمارا دل کوئی ہی میں کسی ہوتا تھا ہمیں طرح طرح کے الزامات سے لگا اڑا جاتا تھا۔ نرا ہوا کہا جاتا تھا اب یہ غم بھی بند ہو گیا اور قطعی طور سے نظروں اندر کر دیا گیا اللہ اللہ بولی حیرت کی بات ہے کہ ہم جیسے دقا داروں کے ساتھ یہ سلوک۔



صفت سے گر یہ مہدل دم سزا ہوا

بار الہا ہمیں پانی کا ہوا ہو جاتا

صفت = کمزوری۔ گر یہ = سرد۔ مہدل = تہدیل۔ دم سزا = آہرد۔ بار = بھین

تشریح :- کہتے ہیں کہ کمزوری کی وجہ سے بار بار دقا پھٹا آہرد میں تہدیل ہو گیا ماب سوائے غصہ ہی آہ بھر بیک اتاری آنکھوں میں آنسو تک نہیں آتے اور یہ آنسو اب آہرد میں بدل گئے۔ اب ہمیں بھین آیا کہ پانی ہوا میں کر کسی طرح آڑ جاتا ہے۔



دل سے جتنا زری آنکھیں جلتی کا خیال

ہو گیا گوشت سے ہاتھ کا ہوا ہو جاتا

تشریح:- کہتے ہیں کہ تیری مہندی سے رہی انگلی کا خیال دل سے ملتا ہی نہیں اور یہ خیال دل سے ملتا اس قدر نا ممکن ہو گیا ہے۔ جس طرح گوشت سے ٹخن کو کاٹ کر نا ممکن ہے اور عین تکلیف کا سامن ہے۔



ہے مجھے اب بہاری کا برس کر نکلا

راتے راتے نیم فرقت میں ٹکا ہوا جا

اب بہاری = موسم بہار۔ نیم فرقت = بعد ازل کا ٹم۔ فاصلت جاتا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ تیری بعد ازل میں راتے راتے مر جانا آج پہنچے ہے جیسا موسم بہار کا دل برس کر نکھل گیا اور چہری طرح سکون حاصل ہو گیا۔



کر نہیں کھبت گل کو ترے کہنے کی ہوں

کیوں ہے گرد رو جوانی صبا ہوا جا

کھبت گل = بھول کی خوشبو۔ گرد رو = راتے کی دھول۔ جوانی صبا = بعد ازل کی انگلیاں

تشریح:- اگر ترے کہنے میں جانے کی بھولوں کی خوشبو کو ہوں نہیں ہے تو یہ پانی ہوا کی انگلیاں کرنے کا کیا مطلب ہے یہ بھی تو اس خواہش کی تکمیل میں صبا دن دو دو گار ہے اور نا کے چلنے کا اور دھول اڑانے کا کیا مطلب ہے۔



تا کے تھ پے کھلے اہار ہوائے میٹھل

دکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہوا جا

اہار = بخور۔ ہورے میٹھل = صاف کرنے والی ہوا

تشریح:- کہتے ہیں کہ برسات میں آئینہ کو کچھ کہہ کر دھواؤں کے سبز احوال سے لکھا ستر ہے کہ آئینہ کھسکے اپنے اندر لے کر وہ بھی سبز ہو جا تا ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تو اس سے متلی حاصل کرے اور ہوا کے اس بخور سے کو کھ لے کر وہ آئینہ کا اس درجہ صاف کر دیتی ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے سبز احوال کا کار لیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہماری آنکھ سر دھونے سے دل کے آئینہ کو صاف کیوں نہیں کیا میرے دل میں ہمارا دکھ درد کیوں نہیں آتا، مجھے تو برسات کے موسم میں پانی کے آئینہ کو کچھ کہہ کر اس راز کو پالنا تھا۔ اعلیٰ عالم



بھٹے ہے جلوہ گل ذوقِ تماشا غالب

چشم کو چاہے ہر رنگ میں دہاو جانا

جلوہ گل = پھولوں کا دیدار۔ ذوقِ تماشا = تماشا کی لذت۔ چشم = آنکھ۔ دہا = کھلنا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اسے غالب پھولوں کا نگارائیں خود دل بھی فراہم کر رہا ہے کہ ہم ان کو دیکھیں اور فرحت حاصل کریں۔ یہ نگارہائیں دوست نگار دے رہا ہے کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں۔ ہمیں چاہئے کہ قدرت کے ان نگاروں کو دیکھنے کے لئے ہر وقت ہر رنگ میں اپنی آنکھوں کو کھلا رکھیں۔

غزل (۴۱)

پھر ہوا دقت کہ ہو ہال مٹھا سوج شراب	دے دے مئے کو دل دوست ٹا سوج شراب
ہاچے مت ادب سے مستی ارباب ہمیں	سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا سوج شراب
جو ہوا فرقہ سے عجب دسا دکھتا ہے	سر سے گزروے یہ بھی ہے ہال ہٹا سوج شراب
ہے یہ برسات وہ موسم کہ جب کیا ہے اثر	سوج ہستی کو کرے لیٹیں ہوا سوج شراب
چار سون اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو	سوج گی، سوج شفق، سوج بہا، سوج شراب
جس قدر دودھ بھاتی ہے جگر کھنڈ تاز	دے ہے تنکسی بدم آہ ہوا سوج شراب
ہلکے دوڑے ہے رنگ تاک میں غوں ہو کر	شہر رنگ سے ہے ہال مٹھا سوج شراب
سوج گی سے چہانان ہے گزرا گوا خیال	ہے قصور میں رہیں جلوہ نما سوج شراب
نکے کے پردے میں ہے جو تماشائے دماغ	ہلکے رکھتی ہے ہر نشو و نما سوج شراب
ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل	سوج سبزا، سوج فوج ہے ہوا سوج شراب
شرح ہنگامہ ہستی ہے (ہے موسم گل	دیر فکرہ پہ دریا ہے غشا سوج شراب

ہوش اُٹاتے ہیں سرے جلوہ گل دیکھا سو

پھر ہوا دقت کہ ہو ہال مٹھا سوج شراب



پھر ہوا دلت کہ ہوا ہاں ٹھکا سوچ شراب

اے ہوا مجھے کو دل دوست ٹھاک سوچ شراب

ہاں ٹھکا = ہاں کوئے۔ ہوا مجھے = صراحتی شراب کی۔ دوست = ہاتھ۔ تشریف = اچھا ال کا بیان
تشریح :- کہتے ہیں کہ ہوا مجھے کئی کا دلت اٹھائے سوچ شراب تجھے خود ہوا ہے کہ سستی کے عالم میں ال کو دل کر دیا۔
اور اپنی ہوا (صراحتی) کو دل اور دوست دینے تاکہ وہ خود ہوا رہے نہ نہنگ آجائے۔ حیرتی تشریف اسی میں ہے۔



پوچھ مت وہ یہ مستی ارباب ہمیں

سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا سوچ شراب

یہ مستی = بدستی۔ ارباب ہمیں = دل میں۔ یاد دوست۔ سایہ تاک = انگوٹھا یہ
تشریح :- کہتے ہیں کہ ہاں ہمیں کی بدستی کا عالم ہے پوچھنا پر اٹھتے نہائی مت کر کیونکہ انگوٹھے کے سایہ میں ہی یہ مفت
ہوتی ہے کہ ہوا میں وہاں آکر شراب کی سوچ میں جاتی ہے یہی مستی لاتی ہے۔



جو ہوا غزل سے عجب دسا دکھتا ہے

سر سے گزرے یہ بھی ہے ہاں ہوا سوچ شراب

غزل گئے = شراب میں ڈا بہو۔ بخت دسا = خوش قسمت۔ ہاں ہوا = ہوا کا یہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہوا خوش نصیب ہے جو شراب میں غزل ہو گیا۔ اس کا اندر سے بھی گزرا گیا۔ یعنی مطلق بیوقوف ہو گیا تو
گیاں کی گئے کہ اس کے سر سے گزرا گیا۔ یہ ہوا ہوا ہو گیا۔ اس کا کئی سے کئی شکل میں اس سے سب سے زیادہ طاقتور ہے
ہوا ہے۔



ہے یہ رسومات اور موسم کہ جب کیا ہے اگر

سوچ ہستی کو کرے فیض ہوا سوچ شراب

تشریح :- کہتے ہیں کہ موسم رسومات بھی کتنا خوب اثر ہے موسم ہے کہ ٹھیکہ کی دعوت دیتا ہے اور کوئی خوب کی بات نہیں
کہ یہ موسم ہندی ہستی کو شراب کی سوچ ہستی کے ساتھ بکھڑا دے فیض پہنچا دے۔



چار سوچ افق ہے طوقی طرب سے ہر

سوچ گل، سوچ شفق، سوچ مہا، سوچ شراب

طوقی طرب = خوشی کا طوق۔ ہر سو = ہر سمت۔ سوچ = لہر۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اس موسم میں شراب کے سامنے آتے ہی ہر سمت سے خوشی کا ایک طوقان اسی طرح آتا ہے اور چار لہریں پہلوں کی زمین اور ہیک کی لہر دوسری افق پر شفق کی سرئی کی لہر، تیسری زلزلہ کی ہوا کی لہر، چوتھی شراب کی لہر، ان لہروں کے درمیان زندگی کا لہجہ آ جاتا ہے۔



جس قدر روح مانی ہے جگر کھنڈ باز

وہ ہے تسکین دہم آپ کا سوچ شراب

جگر کھنڈ باز = دل دیکھ کر کڑا نہیں کی ہوس۔ آپ کا = آپ جیات۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ روح جس قدر ہمیں باز نہیں کی محبت کے لئے بے یمن کرتی ہے شراب کی سوچ اور خوشی جذبہ تسکین بخشتا ہے اور آپ جیات جیات بخشتا ہے۔



ہلکے روزے ہے رنگ تاک میں غلوں ہو ہو کر

شجر رنگ سے ہے ہل مٹا سوچ شراب

تاک = لکڑی۔ شجر = رنگیں اور چراپ (پارہ)۔ ہل کٹا = ہل کھولے۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ گھوڑی رنگ رنگ میں شراب غلوں میں کھوڑتی ہے اور اپنی اس بلند پروازی اور کارگزاری پر غرور اعزاز میں ایک جین کی طرح ہل کھولے مست و مست ہو کر کھینچ دھکتی رہتی ہے۔



سوچ گل سے چھا مان ہے گذر گاہ خیال

ہے قصور میں زہیں جلو نما سوچ شراب

سوچ گل = گل کی سوچ، زہیں کے لئے فرحت بخش۔ گذر گاہ خیال = خیال کے راستے۔ جلو نما = نگار ہو کمانی۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ موسم گل کے باعث خیالات کی دنیا اور اس کے راستے روشن ہو جاتے ہیں اور اس لئے مضامین ذہن میں آتے ہیں اور اس پر شراب کا قصور جب اپنا جمال دکھاتا ہے تو شاعری کے حواریے کھل جاتے ہیں۔



نظر کے پردے میں ہے مجھ کشائے دماغ

بلکہ رکعتی ہے بر نشو و نما سوچ شراب

موج کشائے پوری دلچسپی سے دیکھتا۔ نشو و نما = آگیا بڑھتا۔ سر = خیال، فکر، ذہن، سرور، کھوار۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ نشو کے عالم میں دماغ عجائبات کی سر کرتا ہے۔ بس یوں لگنے کہ خیال کی نشو و نما اسی شراب کی سوچ میں پائیدہ ہے۔



ایک عالم پہ ہیں طوقانی کیفیت فصل

سوچ جزا توغیر ہے تا سوچ شراب

تشریح :- کہتے ہیں کہ ایک عالم پر طوقانی کیفیت پیداوار کی ہے اور اسے لے کر آتے ہوئے جزاوار کی سوچ سے لے کر شراب کی سوچ تک ایک عالم بہار دکھائی دیتا ہے۔



شراب رنگا مستی ہے لہے موسم گل

دہر قطرہ پہ دیا ہے خوشا سوچ شراب

شرح = وضاحت۔ رنگار = شور وغل۔ مستی = وجود ہونا۔ لہے = واسطے۔ دہر = راستہ بنانے والا۔ خوشا = خوش ہو جا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ موسم کے باعث ذہنی کے رنگوں کی وضاحت اور دل چلی ہو رہی ہے اور اسے سوچ شراب لے کر ہوا کہ تیرا قطرہ ہوا کی رحمت دکھاتا ہے اور ہوا کی رحمت لے کر آتا ہے۔



ہوش اڑاتے ہیں سرے جلوہ گل دیکھ آند

بھر ہوا وقت کہ ہو ہال مٹھا سوچ شراب

تشریح :- کہتے ہیں کہ اسے اسدا جلوہ گل دیکھ کر سرے ہوش اڑا دے جا رہے ہیں۔ موسم گل کے خاصوں سے بے اختیار ہو رہا ہوں۔ اسے سوچ شراب بھر جلوہ فرما ہوا اور اس اعجاز سے جس طرح کوئی حینہ ہال نکھرے مستی کے عالم میں آتی ہے۔



غزل (۴۴)

رہا کر کوئی تا قیامت سلامت
بہر ایک روز مرنا ہے حضرت سلامت
بہر کو سرے عشق فوٹا ہے شرب کئے ہے خدا جو نصرت سلامت
علی ارفم دشمن شہید وفا ہیں مہارک مہارک سلامت سلامت
نہیں کر ہر را رنگ اور اک سلی

قائمانے نوبت صورت سلامت



رہا کر کوئی تا قیامت سلامت

بہر ایک روز مرنا ہے حضرت سلامت

تشریح:- شعر نہایت سادہ ہے تشریح طلب نہیں ہے۔



بہر کو سرے عشق فوٹا ہے شرب

کئے ہے خدا جو نصرت سلامت

فوٹا ہے بہرین خون پانی ملاحون۔ شرب = پینے والا۔ خداوند = آقا، مالک۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ عشق جس کی خوراک ہوے بہر کا بہرین خون ہے اور اس بہر کو مالک نصرت کہتا ہے اور اس کی سلامتی کے لئے دعا کرتا ہے۔



علی ارفم دشمن شہید وفا ہیں

مہارک مہارک سلامت سلامت

علی ارفم = برخلاف، برعکس۔ شہید وفا = دشمن، وفا کا سہارا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ دشمن (ارقیب) کے برخلاف میرا دشمنی ہے کہ میں شہید وفا ہیں کوئی مجھے دھوکے یا تباہی سے نہیں خود
کو اس سلسلے میں مہارک مہارک دعا کرتا ہے اور سلامتی کی دعا کرتا ہے۔



نہیں کہ سرد رنگ اور اک معنی

قماشائے نیرنگ صورت سلامت

نسر = غریب، کھار، بدو، سردار۔ رنگ = پتہ۔ اور اک = اشیائے غیر محسوس کی مسطومات۔

نیرنگ = لاجبابت جاو۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میرے یہاں اشعار میں نگر، زور اور ساز و آواز کوئی نے کوئی سرگم اور معنی غیر مسطومات نہیں ہے۔ تو نہ کسی گمراہ قماشہ حیرت انگیز جاو کی شکل میں پوری سلامتی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

غزل (۳۳)

آد خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست دو طبع ٹکٹے تھا شاید خط زخمیار دوست
اے دل ثاقبیت اندیش طبع شوقی کر کون لا سکا ہے تاب جلوہ دیدار دوست
خانہ ایماں سازنی حیرت قماش بکٹے صورت نقشب قدم ہوں رفیع رفتار دوست
مشق میں پیداو رشک غیر نے مار تجھے کھنڈہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا پیار دوست
ہشیم بادوشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے دیدار پر خون اکارا، ساہو سرخار دوست
غیر یوں کرتا ہے پرسش میری آنکھ بھر میں بے تکلف دوست ہو چسے کوئی خواہار دوست
تا کے میں جانوں کہ ہے آنگھ رسائی دہن تلک بھو کو دیتا ہے پیام وعدہ دیدار دوست
جگہ میں کرتا ہوں اپنا ٹھکانہ صعب دماغ سر کرے ہے وہ مددیت ذلیف موز پار دوست
چپکے چپکے بھو کو روئے دیکھ پاتا ہے اگر فتن کے کرتا ہے یہاں شوقی مگھار دوست
سہرا ہانی دے دشمن کی شکایت بکٹے پایاں بکٹے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ

ہے روایف شعر میں غالب دہن عمرار دوست



آہ خط سے ہوا ہے سرد جو ہزار دوست

درد شمع مٹھو تھا شاپہ خط زخماں دوست

آہ خط = ریش آہانا درد = دوسراں شمع کشتہ = بجھی ہوئی شمع رخسار = کمال

تشریح :- شعر ہذا حضرت کے لکھی مزاج ہونے کی فطرتی کردار ہے، یا پھر اس زمانے کے ادب میں اس ہے اور یہی کہ
معاشرے میں بطور مذاق برداشت کیا جاتا ہو، بہر حال مصرعہ حاضر میں کوئی ادیب یا شاعر اس مذاق کو پسند نہیں کرتا، بلکہ
حضرت سے حد یکتا ہے۔ میر تقی میر نے بھی مصرعہ کے لوطے سے دوا لے کر اس ناپاک مذاق کا مظاہرہ کیا ہے۔

ایرانی ادب میں واقعہ یہ ہے کہ محبت کو اپنی مذاق کا محور بنا، محبوب اور شرم کی بات سمجھا جاتا تھا، اس لئے وہاں محبوب اور
معتوق چونکہ دونوں شخصیات قرار سے ذکر میں اس لئے مخاطب کے لئے ذکر کی کا اعجاز بیان اختیار کیا گیا تھا۔ یہاں کے
شعراء حضرات نے کچھ بد مذاق رسامہ کی خوشامد میں اس ناپاک مذاق کو گوجہ جواز مظہر ماری۔ واطلا عالم

بہر حال شعر کا مفہوم یہ ہے کہ شاعر کے محبوب کے رخساروں پر ریش آہانے سے اس کا ہزار صحن خنقاؤں کیا اور اس کی
چاہت کم ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمع لڑکچن بجھ گئی تو اس کا دھواں بالوں کی شکل میں رخساروں پر ابھرا یا اور اس کی
مباحثہ ادا مست لسانی ختم ہو گئی جو شاعر کو گوار ہے۔

ہمت یہ بھی ممکن ہے کہ معاشرے کے خنقہ سے ماحول کی تر جمانی حضور دور، بہر حال مضمون متبادل ہے۔



اے دل، ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر

کون اسکا ہے تاب جلوا دیدار دوست

ناعاقبت اندیش = جنکوئے کی پہچان کی گزرت ہو۔ ضبط شوق = سیر کرنا، جذبات پر قابو کرنا۔

تشریح :- قرآن کریم میں یہ ماسوی علیہ السلام کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ انھوں نے باری تعالیٰ سے سہارا کیا اور
کہا یا ہوزیب اونیہ (اے ادب دیدار فرما!) اے ادب سامنے آ جا۔ قرآن (جلل قواہین) (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔
چنانچہ حضرت موسیٰ کے سہارا پر ایک بجلی کی چمک ہوئی اور طور جل گیا۔ حضرت موسیٰ یہ روش ہو گئے۔ دیدار کی تاب نہ
لا سکے۔ غالباً اسی واقعہ سے حاشہ ہو کر حضرت اپنے دل کو بھرا ہے ہیں کہ اداں مست، میں اس کے انجام پر نظر کرادو میرے
کام لے لے کر اس میں طاقت ہے جو اس کے جلواؤ صحن کے دیدار کی تاب لا سکے۔



خانہ وہاں ساقی حیرت قاشق کھینچے

صور سے نقش قدم ہوں رفیقہ رنگہ دوست

تکریخ: فرماتے ہیں کہ اسے ختم حیرت عشق میں میرے گھر کی برہادی اور اس کے اسباب کو کچھ کہہ دینی کیلئے محبوب کے عشق پاکی مانو ہے کہ وہ آیا اور چلا گیا اور نقش قدم چھوڑ گیا جو اس کی عظمت و شان کا سراغ دے رہا ہے کہ کوئی اہم شخصیت اس سے گزری ہے۔ یہ ہم میرے گھر کی دہرائی اور اپنی جاہ حال شخصیت میری گزشتہ زندگی کا افسانہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ سب جانی ویر ہادی کسی کی چاہت کا نتیجہ ہے۔



عشق میں بیدار دھبہ غیر نے مار لیجے

کھنڈ دشمن ہوں آخر کہ چہ تھا بیمار دوست

بیدار = علم ہدایتی۔ دھبہ = حسد، ملن۔ کھنڈ = مرد۔

تکریخ: کہتے ہیں کہ مجھے تو عشق میں دھبہ کی رہا بہت کے علم نے جلا کر خاکستر کر دیا اور مار ڈالا، گویا میری موت دشمن کے ہاتھوں واقع ہوئی جب کہ مجھے بیماری عشق محبوب تھی اور مجھے اس کی اپنی بیماری میں نہ مانا جاتا تھا۔



چشم ماروشن کہ اس بیدار کا دل شاد ہے

دینا پر خون ہمارا، ساغر سرکار دوست

چشم ماروشن = ایک عمارت ہے، کہ ہماری آنکھ روشن ہے ہم خوش ہیں۔ ساغر = پیالہ۔ سرشار = لبریز۔

تکریخ: چشم ماروشن دلِ ماشاء ایک عمارت ہے، کہ ہماری آنکھ روشن ہے ہم خوش ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم بہت خوش ہیں کہ اس کا دل اس بات سے بہت خوش ہے کہ ہماری آنکھ میں شاد ہے ہم سے خون اتر آیا ہے جو اس کے لئے ایک ساغر لبریز کی مانند ہے۔



غیر میں کرتا ہے پریشی میری آنکھ بھر میں

بے تکلف دوست ہو مجھے کوئی غمخوار دوست

پریشی = درویش حال۔ بھر = ہدائی۔ غمخوار = غم سے غمناک ہونے والا۔

تکریخ: کہتے ہیں کہ رقیب غمناک سے اس طرح حلاج پڑی کرتا ہے جیسے وہ میرا رقیب نہیں بلکہ بہت غصہ اور ہے



تاکے میں ہانوں کہ ہے آنکھ رسائی داس تک

مجھ کو دیتا ہے پیام وعدہ دیدار دوست

رسائی = پہنچ۔ پیام = خبر۔ وعدہ دیدار = دیدار کا وعدہ۔

تشریح :- باتیار مضمون شعر بڑا پچھلے شعر سے منسلک ہے۔ کہتے ہیں کہ میرا قیام میرا دل خوش کرنے کے لئے مجھے محبوب سے ملانے کا وعدہ کر رہا ہے تاکہ میں بھیجوں کہ اس کی پہنچ میرے محبوب تک ہے تاکہ میں حریف کا شکار ہو جاؤں اور ہاتھ غمزدہ ہوں اور اس کا راستہ صاف ہو جاوے۔



بیکہ میں کرتا ہوں اپنا ٹھکانہ ضعف دماغ

سحر کرے ہے وہ حدیث زلف محو بار دوست

ٹھکانہ = ٹھکانہ۔ ضعف = کمزوری۔ حدیث = بات۔ زلف خیر مار = سطر زلف۔ سحر کی خوشبو بکھیرنے والی۔ سحر = سحر۔ خیال، مگر ظہور سردار ملنا اعلیٰ و اعلیٰ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ قیام کی عیاری کا یہ عالم ہے کہ میں جب انکے سامنے اپنے دماغ کی کمزوری سردی کی شکایت کرتا ہوں تو وہ محبوب کی زلف خیر مار کا ذکر بھڑکتا ہے کہ اس سحر کی گنج طالع محبوب کی خوشبو نے زلف کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اس قسم کی گفتگو مجھے صدمت پہنچانے کے لئے نہیں کرتا بلکہ مجھے حریف بھانے طراب کر کے خود زلف اٹھا رہا ہے۔



چکے چکے لہو کو روئے دیکھ پاتا ہے اگر

میں کے کرتا ہے جان خوشی گنگو دوست

خوشی = شراست۔ گنگو = گنگو۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میرا قیام اگر کہیں مجھے چکے چکے لہو کو دیکھ پاتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے اور میں اس کو محبوب کی دھن گنگو کا ذکر کرنے لگا ہوں اس سے اس کا مطلب میرے غموں پر تک اٹھ کرنا ہے صدمہ رسائی کے لئے نہیں۔



سہرا ہائی دے آئین کی شکایت کیجئے

یاہاں کیجئے سپاس لذتہ آزار دوست

سپاس = خاطر داری۔ آزار = تکلیف۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ میں حبشہ کی جنگ میں جاکا ہوں کہ قیام کی مہربانیوں کی جڑ دیکھنے اور محبوب کر کے جو مجھے لذت پہنچانے کی غرض سے کرتا ہے شکایت کروں یا اس لذت سے جو لطفِ آزار پہوں اس کا شکر یہ یا کروں۔



یہ غزل اپنی مجھے ہی سے پسند آئی ہے آپ

ہے روایف شعر میں غالب داس عکرم دوست

روایف = غزل میں کافیہ کے بعد کا جملہ۔ عکرم = یاد پار کہتا، جگڑا۔

تشریح:۔ مطلع میں فرماتے ہیں کہ یہ غزل مجھ سے پسند ہے کیونکہ اس میں لفظ دوست کی تکرار کی گئی ہے۔ غزل کی روایف ہی اتنے نکات پر مشتمل ہے۔

غزل (۴۴)

انہوں کو دیاں کا کیا ذوق شک نے جن لوگوں کی قہمی درخورد معہ کیرا نکشت

کافی ہے بھائی تری مٹنے کا نہ دینا خالی مجھے دیکھا کے بولت سزا نکشت

کھتا ہوں اسد شوہر دل سے نہیں گرم تا دکھ نہ سکے کوئی مرے یہ حرف پہ نکشت



انہوں کو دیاں کا کیا ذوق شک نے جن لوگوں کی قہمی درخورد معہ کیرا نکشت

جن لوگوں کی قہمی درخورد معہ کیرا نکشت

دیاں = کیرے کوڑے۔ درخورد = لائی۔ عہدہ = گھر۔ بہتی = انگشت۔ انگلی۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ عہدہ انہوں کا انتقام ہے کہ وہ مہینے انھیں جو سوچوں میں کوڑا لگانے کے قابل ذمہ دار کہ قہمی ہی کا لہا ہیں نے ان کو بھی بعد مرگ کیزوں کوڑوں کا ذوق یاد دیا۔



کالی ہے بھائی تری محلے کا نہ دیا

خالی مجھے دکھا کے ہوت سزا بھگت

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہوت رخصت بطور خالی کرتے تھے چھوڑا (گھڑی) نہیں دے۔ کاتو مجھے کوئی شکایت نہیں کوئی مال نہیں ہے منہ کی انگلی دہانے مجھے دکھا دی میرے لئے یہی بہت کچھ ہے۔



گھٹا ہوں آسہ شویش دل سے خن گرم

تا رکھ نہ سکے کوئی سرے حرف پہ بھگت

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں مشت زدہ شاعر ہوں دل کی باتوں سے گرم بات گھٹا ہوں تا کہ کوئی میرے کھسے پر انگلی نہ رکھ سکے اور کھتو جل جائے مطلب یہ ہے کہ میں جو بات کہتا ہوں وہ دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے جو قلم سے پاک اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ جس پر کسی کو تنقید کی مجال نہیں۔ اگر کسی نے میرے حرف پر انگلی رکھ دی تو جل جائے گی۔

غزل (۴۵)

گھٹس میں بندوبست بریکب در ہے آج قری کا طوق مٹا ہوا ہے آج

آج ہے ایک پارہ دل ہر غفلت کیماتو ہر نفس کسو شہر اثر ہے آج

اے غایت کنارہ کراے انتظام مل

سحاب گر یہ دہچے دوا اور ہے آج



گھٹس میں بندوبست بریکب در ہے آج

قری کا طوق مٹا ہوا ہے آج

قری = قافو۔ طوق = گلہ کار۔ مٹو = گھرو۔ بندوبست = ہار۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ آج گلشن میں جتنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ آج وہیں کچھ نیا ہی انتظام دیکھنے میں آ رہا ہے۔ قری کا اشتہال بطور استعارہ ہے، یہاں قری کے شہار کے لئے جان جانے سے مراد محبوب نے عداوت ہے۔ آج اس قری کے گلے کا پارہ بیاہ مٹا بطور چندہ اداری کر قاری کے لئے گلشن کے دروازے سے باہر ہی نکال دیا گیا ہے۔ یعنی اداری کر قاری کے پر سے انتظام ہونے لگے ہیں۔



آتا ہے ایک پارہ دل ہر لہاں کھاتا

تار غم کسے دکھ اڑ ہے آج

پارہ = کھوا۔ فغاں = فریاد۔ غم = سانس۔ کسے = پندہ

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہر پارہ کے ساتھ دل کا ٹکڑا ملے سے باہر آتا ہے۔ عشق کا اثر آج کچھ زیادہ ہی ظہور آتا ہے کہ ہر سانس دکھ کی کندہ ہوتا ہے جو ہر فریاد پر ایک ٹکڑا ہر پارہ ہے۔



اے عاقبت کنارہ کراۓ انتظامِ ہل

سیلاب گریہ درپے درپے ادا ہوا ہے آج

عاقبت = ختمیت۔ کنارہ = اگ۔ سیلاب گریہ = اشکوں سے رونے کا سیلاب۔

تشریح :- آندہ عشق میں ہمارے رونے کا جب عالم ہے ایک سیلاب ہے جو منتظر آتا ہے جو ہمارے مگر کے دروازے پر گراۓ گا۔ اے ختمیت تیری ختمیت اسی میں ہے کہ میرے مگر سے رخصت ہو جا، آج کوئی انتظام کوئی ہنر جان بچانے کا نہیں چلے گا۔

غزل (۳۶)

نفسِ فزے کی کشاکش ہے مجھ سے میرے بعد	بارے آرام سے ہیں اہلِ جنا میرے بعد
منصبِ فیضی کے کوئی قابل نہ رہا	ہوئی مسزودی اعزازِ دہا میرے بعد
طبعِ بھتی ہے تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے	حفظِ عشق یہ پاش ہوا میرے بعد
خوں ہے دل خاک میں احوالِ ہاں پر مینے	اُنکے ناخن ہونے محتاجِ حنا میرے بعد
دردِ مرض نہیں جو دردِ دوا کو جا	گدے باز ہے سرے سے غنا میرے بعد
ہے تنوں اہلِ جنوں کے لئے آغوشِ دانا	چاک ہوتا ہے گریباں سے عدا میرے بعد
کون ہوتا ہے حریفِ مئےِ نرہنگینِ عشق	ہے مکر لپ ساقی یہ عدا میرے بعد
ظلم سے مرنا ہوں کہ ادا نہیں دنیا میں کوئی	کر کے قہرِ پتِ مرادِ وفا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوال چاہے پر یعنی

لنگے ناخن ہوئے محتاجِ بد، میرے بعد

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا دل قبر میں خوں ہوا ہمارا ہے۔ بے چینی و اضطراب ہے کہ میرے بعد مسیتان جہاں کا حال بہت خراب ہے انہوں نے خود آدلی کو قلعی طور سے ترک کر دیا ہے۔ انتخاب ہے کہ ان کے ناخن تک حنا سے محروم ہو گئے۔ حضرت نے یہاں لفظ محتاج استعمال کیا ہے جو حسن کی یکسی کا مظاہرہ کر رہا ہے، جو ایک خاص لفظ یہاں آکر رہا ہے۔



درخورد عرض نہیں جوہر پیدا کو جا

نگہ باز ہے سر سے سے خفا میر بعد

درخورد = لاکڑ۔ جوہر = دراج۔ پیدا = ظم۔ جا = جگ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بات کہنے کی نہیں ہے کہ اب مینوں کے ظم و جرجی دراج کو اب اپنی کار فرمائی کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی نگہ باز کرے سے غارت ہوگی، میرے بعد مسیتان جہاں کا گویا کار واداری ظم ہو گیا۔



ہے خوں اہل خوں کے لئے آغوشِ دراج

جاگ رہا ہے گریباں سے ہدا میرے بعد

آغوش = بغل، پہلو، سلام کنیز۔۔۔ دراج = رخصت۔ جاگ = پھاڑا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب جہاں عشق و مشاق کے لئے گویا اس کنیز کی مانند ہے جو رخصت ہو گئی ہو جس کا واپس آنا ممکن نہیں۔ اور اب یہاں جہاں اپنے جرجن میں کہ ہاں دکھائی چھوڑ دی گئے کیونکہ اب کوئی میرے بعد گریباں کو میری طرح جاگ نہیں کرے گا۔



کون رہتا ہے حریف سے مرا گھن عشق

ہے کر رہ ساقی یہ صلا میرے بعد

حریف = حاکم۔ آگن = ڈالنا، کرنا۔۔۔ کمرہ = دباؤ۔ لب = ہونٹ۔ صلا = اطلاع نام۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اب میرے بعد ساقی دباؤ دلائے گا کہ رہا ہے کہ کوئی ہے جو شراب عشق کا مقابلہ کر سکے اس شراب عشق کا جوہر لاکڑ ذکر کھاتی ہے۔

شعر ہذا میں ایک خاص نکتہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ پہلا شخص دیا میں میں تھا جس نے اس شرابِ عشق کا سرمانہ وار مقابلہ کیا۔
اب میرے بعد ساقی کو دوسری بار اطمینان کرنا پڑا ہے کہ کوئی ہے جو اس مرد کی جگہ لے سکے۔ عشاق کے درمیان اپنی
انفرادیت قائم کرنا کمالِ فکاہی کی دلیل ہے۔



غم سے مراد ہوں کہ اتنا نہیں دیا میں کوئی
کہ کہے تو میرے مراد ہوں کتنا میرے بعد

تقریباً = پر سئل لم۔ میرا دوقا = دوقا، غلطی بہت۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ مجھے اس بات کا سخت رنج و مال ہے کہ اب میرے بعد کوئی ایسا بھی نہیں جو اس رسم و رنج، غلوں
و محبت کو جو میرے ساتھ ہو گئی تو میرے بھی کر سکے۔ اچھا دیکھو! میں جو اتنا ہی فریبنے سے اس کی دوا لگی کے لئے بھی تیار ہوں۔



آئے ہے چکی عشق پر دوا عاقبت
کس کے گھر جانے کا باب بنا میرے بعد

تشریح:۔ نہایت اسی کے اعزاز میں فرماتے ہیں کہ اے عاقبت مجھے عشق کی چکی پر دوا آئی ہے کہ اب میرے بعد یہ
کہا کہیں بھٹکا نہ پڑے گا، یہ کس کے گھر جانے کا اس کا کون سا باب بن گیا کہ وہ میرا ایک سخت جان انسان تھا جو
اس کی نگر سنجاہ رہا۔ حضرت! اس میری دیا میں کوئی ایسا نہیں اور نہ اس نے نظر نہیں آ رہا جو اس کا دوا عشق کا چلا سکے۔

غزل (۴۷)

گلشن نہ آج بھی نڈر سے باز کھنچا اگر شراب نہیں انتظار ساز کھنچا
کمال گری سزا، حلاش دینے پاچہ ایک خار مرے آئینہ سے جوہر کھنچا
تجے بہانہ راحت ہے انتظار اے دوست کیا ہے کس نے اٹھا کہ باز اس کھنچا
تیری طرف سے بہ حسرت نظارہ نہ کس کھوئی دل و جگر رقیب ساز کھنچا
بہ نیم فزا ادا کر حق و طبیعت باز نیام پہنچا دلم جگر سے جگر کھنچا

میرے قریب ہی ہے سہجائے آتشِ پیلاں
میرے سترہ کہابِ دل سجدہ کھنچا



میں نہ انگلی آزد سے ہار کھینچ

اگر شرب نہیں انتظار ساز کھینچ

تشریح:- کہتے ہیں کہ اس دنیا میں ایک سانس بھی ایسا مت کھینچ جو آزد سے نکلی ہو کیونکہ یہ دنیا ہے ہی قہاں کی جگہ۔
مصول آزد میں انسان تک اس کو کرتا ہے اور یہ تک وہ ہی زندگی کی دلیل ہے۔ کئی ہی آزد کے بنانے میں یہ ہو کر تجھے
اس سے باہر نہیں ہوتا چاہئے، جب تک آزد چھری وہ اس کا انتظار کرتا رہے۔ یہ بات حضرت نے استاد سے سیکھی ہے کہ
اگر شرب نہیں ہے تو انتظار ساز کھینچ۔



کمال کی سی عاش دینہ باج

ہر یک خار سے آئینہ سے جو ہر کھینچ

تشریح:- دینا محبوب کی عاش میں جس کمال و درجہ کی کہی کی ضرورت ہے اگر تو چاہے کہ اسے دیکھتے تو مجھ سے مت
بہتر میرے آئینہ سے کائنات کی طرح اس کا جو ہر کھینچ لے۔ میرا آئینہ اور اس کی بنیاد خدا نے واحد ہایمان ہے اور اس
کے دینا کا شوق اس ایمان کی دلیل ہے۔ بحیثیت ایک مومن اس کے دینا کا شوق اسی قدر ہونا چاہئے جس قدر سیدنا
موسیٰ کو تھا کہ انھوں نے طور پر باری تعالیٰ سے اسرار کیا کہ ﴿وَرَبِّ اُولٰٓئِیْنٰ﴾ (اے رب سامنے!) فرمایا گیا:
﴿اِنَّ نَزَّ اِیْنِیْ﴾ (تو مجھے نہیں دیکھ سکا)۔ بالآخر طور ہوا اور موسیٰ تاپ نہ لاکر بیعت ہو گئے کیونکہ آپ کا دینا اس دنیا
میں نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ مشر بہ مومن کے لئے دینا کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ دراصل دینا راہی میری روح کا اصل
مقصود اور جو ہر ہے اس کو میرے آئینہ سے میری شخصیت سے کھینچ کر دیکھ لے جس طرح جس آسمانی سے جسم سے کائنات
کھینچ لیتے ہیں۔



تجھے بہت رامت ہے انتظار اے دوست

کیا ہے کس نے انتظار کہ تیرا ہنس کھینچ

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہنس بڑا محبوب کا انتظار تجھے آرام کرنے کے لئے ایک بہانہ ہے۔ تیری اس کاری بخش پرستی
نے تجھے ہنس بڑا محبوب کا انتظار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ درد عشق کا قاضی یہ تھا کہ عاشق محبوب میں دھندلے کے عالم
میں انتظار نہ کرے کل ہا تھا۔



تیری طرف ہے بہ صرت ظلماً نرکس

کھوئی دل رچتم رقیب ساغر کھنچ

گوری = اندھا بن۔ چشم = آنکھ۔ رقیب = حالف دشمن۔ ساغر = پیار

تشریح :- کہتے ہیں کہ نرکس صرت ہماری نظروں سے تیری طرف دیکھ رہی ہے کہ تو اس کی توہم دہانی کرے اور اس کو اپنے لئے اور اس سے ناکوہ افلائے دشمن کے اندھے پن سے ناکوہ افلاہ اگر وہ اس کو اپنے لئے کا تو کو محروم رہ جائیگا۔ یہاں ساغر بطور مثال کے استعمال کیا ہے نہ رواں شاعر کی یہ ہے کہ اس دنیا میں اگر استعد چاہک دہتی نہ دیکھا تو محرومی حیرت انگیز رہی جائیگی۔

یہ بھانے ہے یاں کو تاہی میں ہے محرومی ☆ جو بہ مکر خود افلائے ہاتھ میں جتا اسی کا ہے



بہ نیم غمزہ ادا کر حق وادیت باز

نیام ہوتا دیم بگر سے بجز کھنچ

نیم غمزہ = نیم سا اٹکڑا ہر د کا وادیت = عیب۔ نیام = بیان

تشریح :- فرماتے ہیں کہ تجھے جو ہرادی تعالیٰ نے نغمہ عطا کیا ہے کہ تو زمین پر اس کا جیل ہے اس کا قاض ہے کہ تو اس کے نیم سے اشارہ اس کا حق ادا کرتا رہے۔ اور تجھے چاہئے کہ خداوند کے لئے بجز کہ بہ نیام کرے جو تونے بگر کے ہاتھ پر دے میں چھپا رکھا ہے یہاں بگر کی نیام سے مراد کھانے پینے کی دوس سے ہے کہ تو اس میں مشغول و مصروف ہے۔

فہرہ تاحیہ معنوی کے کفن سے آراستہ ہے اور لا حجاب بات کی گئی ہے جو حقیقی پر حقیقت ہے۔ بیان اللہ۔ پھر اللہ اسلام پاک ہی شعر میں نافذ ملے دیا ہے۔



مرے قدح میں ہے سہائے آتش پیناں

بدلے سزہ کباب دل سندر کھنچ

قدح = پیاز پال۔ سہا = شراب۔ آتش پیناں = بھیجی ہوئی آگ۔ سزہ = دھڑخان۔ سندر = آتش بڑا۔

تشریح :- سدا یک جانور ہے کہ کھل جو استعدہ میں رہتا ہے اور آگ ہی کھاتا ہے۔ واللہ اعلم

فرماتے ہیں کہ مرے ساغر دل میں آتش پیناں یعنی شراب مشق بھیجی ہے اس شراب کا قاض ہے کہ میرے دھڑخان پر سندر کے دل کے کباب کا کر کے جائیں کیونکہ آتش شراب کے لئے آتش کباب ہی مناسب ہو گئے۔

غزل (۴۸)

نکلا سے ہیں جو یہ پیش نظر دردِ دیار دکھا شوق کو ہیں بالِ دہِ دردِ دیار
 دُورِ رنگ نے کاشانے کا کیا یہ رنگ کہ ہو گئے میرے دیارِ دردِ دیار
 نہیں ہے سایہ کہ نس کر تو یہ مقدمِ یار مجھے ہیں چند قدمِ خوشِ دردِ دیار
 ہوئی ہے کس قدر ازلِ بے جلو کہ مست ہے ترے کوپے میں دردِ دیار
 جو ہے تجھے سر سوائے ابتکار تو آ کہ ہے دوکانِ ستارِ نظرِ دردِ دیار
 ہجومِ گرمی کا ساہن کب کیا میں نے کہ گر چے نہ مرے پاؤں پہ دردِ دیار
 نظر میں کھلے ہے یہ تیرے گھر کی آبادی بھٹ روتے ہیں ہم دیکھ کر دردِ دیار
 نہ بچھ بیخودی عشقِ مقدمِ سیلاب کہ ٹپچے ہیں چہرے سرِ بحرِ دردِ دیار
 وہ آہِ میرے ہم سایہ میں تو سائے سے ہوئے جدا دردِ دیار پہ دردِ دیار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں ڈالنے میں

حجبِ رازِ محبت نگر دردِ دیار



نکلا سے ہیں جو یہ پیش نظر دردِ دیار

دکھا شوق کو ہیں بالِ دہِ دردِ دیار

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہماری نظر کے سامنے محبوب کے گھر کے دردِ دیار اور دیار میں مائل ہیں تو ہوا کریں ہماری نظامِ شوق کے لئے تو یہ دردِ دیار بالِ دہِ محبت دیکھتے ہیں کیونکہ ہم دیارِ دیار کی آنکھ سے کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارے سامنے دردِ دیار کی رنگت کوئی سن نہیں دیتی۔



دُورِ رنگ نے کاشانے کا کیا یہ رنگ

کہ ہو گئے میرے دیارِ دردِ دیار

دُور = دیرانی۔ ایک = اُس۔ کاشانے = گھر، مکان۔

حجاز = اہل دولت، سرمایہ

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر باقی حیرے سر میں اس کے دیدہ باؤں سے طاقت کا سوا ہے تو پھر آئیں تجھے اس سے سزا
وہاں ان حدود پر سے مراد تمام شاہانے عالم سے ہے کہ اس مکان کا نام وہاں سے جو ہے چکی تجھے تلاش ہے جوتری نھری
دولت ہے۔ (سرمایہ ہے)

”ہر وقت ہر نصیبت سحر فیتہ کر دگا“



ہجوم گرہ کا سامان کب کیا میں نے

کہ کر چڑے نہ سرے پاؤں پر وہ وہاں

تشریح:- گرہ بزدلی کے لئے بھی اختتام کی ضرورت ہے جو میں بھی نہیں کر سکا، کبھی ایمان نہ کر سکا دے دے
مطلب آجائے اور میرے گھر کے وہ وہاں میرے ہی پاؤں پر آجائیں اس لئے خبیثہ گرہ ضروری ہے۔



وہ آ رہا میرے ہم سایہ میں تو سامنے سے

ہوئے بدلا وہ وہاں پر وہ وہاں

فدا قربان

تشریح:- کہتے ہیں کہ وہ میرے چہرے میں آ کر رہنے لگا تو اس کے سامنے کے اثر سے میرے وہ وہاں کے وہ وہاں پر
قربان ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ عجب تجھ سید سے دونوں گھر چلا رہا ہو گئے، ہمداری عشق میں پایا ہو جاتا کوئی حرمت کی
بات نہیں دیکھ کر ہوتا ہے۔



نظر میں کھلے ہے عین حیرے گھر کی آبادی

ایک نہ لے ہیں ہم دیکھ کر وہ وہاں

شعر لڑا کہا بہت درد رسا ہے اور تشریح طلب نہیں ہے۔



نہ پانچ بیرونی وطن حلقہ حجاب

کہ پانچ ہیں چڑے سر ہر وہ وہاں

تشریح:۔ میں اپنی دوسری لڑائی کا یہ عالم ہے کہ دشمنی کر کے دودھ پلا رہا تھا نظر آتا ہے ہیں۔ یعنی وہ کسی کا ایک جواب ہے جو ظاہر ہے کہ وہ اس کا اشتہال کرتے ہیں۔ یہ عقل پرستی عقلی محبوب میں ہے اور انہی شخص سے ہے شراب سے نہیں۔



نہ کہہ کسی سے کہ عاقبت نہیں زمانے میں

حریف راز بہت مکر دودھ پلا رہا

تشریح:۔ اب کسی سے یہ مت کہو کہ عاقبت کا انتقال ہو گیا اور وہ اس دنیا میں نہیں ہے اگر دنیا کو یہ معلوم ہو گیا تو لوگ چور رہا کر دیئے اور میرے محبوب کی زندگی دشوار ہو جائیگی مگر یہ تو جتنا ہے کیونکہ ہمارے راز بہت سے دودھ پلا رہا واقف ہیں۔ شل مشہور ہے کہ دودھ پلا کر کسی کا دل ہلاتے ہیں۔ سو سے نکلے کے بعد راز ہوا نہیں رہتا۔

غزل (۳۹)

مگر جب مالا لیا ترے در پہ کے بغیر جانے گا اب بھی تو نہ مرا مگر کے بغیر
 کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن جانوں کسی کے دل کی میں کیا کر کے بغیر
 کام اس سے آچھا ہے کہ جس کا جہاں میں لے سے نہ کوئی نام شکر کے بغیر
 جی میں ہی بکھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم سر جائے یا ہے نہ وہیں پہ کے بغیر
 پھر دکان میں نہ اس نیت کا کر کا پوجا بھڑا سے نہ نکل کر مجھے کچھ کے بغیر
 مقصد ہے باز غمزہ دے مٹھو میں کام پہن نہیں ہے دھنڈ و مٹھ کے بغیر
 ہر چند ہو مشاہد حق کی مٹھو جتنی نہیں ہے بارہ و سافر کے بغیر
 بہرہ ہوں میں تو چاہئے دودھ ہوا نکلتا نکلتا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر

عاقبت نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے حیرا مال سب اُن پہ کے بغیر



مگر جب مالا لیا ترے در پہ کے بغیر

جانے گا اب بھی تو نہ مرا مگر کے بغیر

تشریح:- کہتے ہیں کہ تیرے دور کے ٹھیک سامنے میں نے اپنا گھر بنالیا اور یہ کام میں نے مجھ سے پانچ گنے یا تیرہ گنے میں جانا تھا کہ لوگوں سے میرا گھر دریافت کرنے میں شرم محسوس کرتا تھا اور میں کہتا ہوں کہ پتا تھا، کیا آپ بھی جاکھوں سے میرا گھر بغیر کسی سے معلوم کئے نہ پانچا۔



کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت تھی
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

تشریح:- جب مجھے برائے کی طاقت نہ تھی تو اب ان کو یہ بہانہ مل گیا کہ میں کیا معلوم آپ کیا جانتے ہیں جب تک آپ زندہ نہ کہیں ہم آپ کے مطلب کو کیا سمجھیں کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔



کام اس سے آچڑا ہے کہ جس کا جہاں میں
لوے نہ کوئی نام شکر کہے بغیر

تشریح:- مشکل یہ واقعہ ہو رہی ہے کہ میں اس سے کام آچڑا ہے یعنی اس سے واسطہ ہے جسے ہماری دنیا کا عالم کہتی ہے، جس سے مطلب ہماری کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔



میں میں ہی بہک چکی ہیں اب اسے اگر نہ ہم
مر جانے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

تشریح:- دراصل ہمارے دل میں ہی بہک چکی ہیں اب ہم کہنے سے نہیں چوکتے، پہلے ہی ہمارا سر رہے یا نہ رہے ہمیں اس کی غلطی کوئی پروا نہیں۔



پھوڑاں میں نہ اس نہ کا فر کا پتا
پھوڑے نہ غلط کو مجھے کا فر کہے بغیر
تشریح:- مطلب غلط طور سے واضح ہے شعر نہایت سادہ اور سلی ہے۔



مقصود ہے ہر روز نوزد لے لکھو میں کام
پتا نہیں ہے وہاں دھڑ دھڑ کہے بغیر

تازہ = تازہ۔ غزوہ = لشکر، جنگ، دلا۔ دلتے = لگن۔ دشنہ = بھڑ

تشریح :- کہتے ہیں کہ جو ہم دشنہ بھڑ کی بات کرتے ہیں وہ صرف بطور استعارہ ہے مثلاً کہ تازہ دلا اور دشنہ بھڑ کی طرف دلتا ہے اور غزوہ اسطرح دشنہ بھڑ کی کھٹکوتے کا واسطہ مل جاتا ہے۔ مگر اس کھٹکوتے کے بغیر تازہ کا نہیں چلا سکتا ہے۔



ہر چہ ہو مشاہدہ حق کی کھٹکوتہ

حق نہیں ہے بارہ ساغر کے بغیر

مشاہدہ = دیکھنا۔ بارہ = شراب۔ ساغر = پیالہ

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہر چہ آنکھوں، دیکھی چائی کا بیان ہو یا دین خدای کھٹکوتہ ہو بغیر ذکر شراب و ساغر کام نہیں چلا سکتا کیونکہ اس کے بغیر حق نہیں۔ کسی اور کام کھٹکوتہ اس کے بغیر مل جائے۔ چونکہ حضرت شراب کے بہت شوقین ہیں اور یہی کہنا نبوت عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی بات اس کے بغیر کیسے ہی سکتی ہے۔



بہرہ ہوں میں تو چاہئے دلا ہوا انصاف

مثلاً نہیں ہوں بات نکور کے بغیر

تشریح :- حضرت کا خیر میں بھی مساوت کی صفات ہو گئی تھی اور بہت اوچھانے لگ گئے تھے۔ چنانچہ اس مرض کا بھی اپنے اخلاق کوئے سے شک فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس لئے بہرہ ہوا ہوں کہ آپ اللہ سے بہت کے ساتھ دلا دینے کا غلبہ ہوں۔



عالمِ ذکر حضور میں تو ہر بار مرض

ظاہر ہے خیر احاطہ سب اُن پر کیے بغیر

تشریح :- حضرت کی سرکشی کا عالم بھی عجیب ہے کہ ہر بار خدائی کے حضور میں ہر بار مرض کی درخواست کرتا تھا کہ فرما ہے اور حضور دیکھ کر کہہ دیتا تھا کہ یہ عالم انتہی ہے اور میرے حال سے واقف ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں ہر بار مانگتا کہ اور انھیں یہ بھی لگن ہے کہ کوئے حق صاحب کمال بہار شدہ عطر کی طرف ہو کیونکہ اُن سے دیکھنا حاصل کرتے تھے جہاں کے انما بات کے لئے ناکافی فاصلہ تھا کہ چاہتا تھا کہ وہاں ہوں۔ دلائل عالم

غزل (۵۰)

کیوں جل گیا نہ تاب زہرا یار دیکھ کر
 جہاں ہوں اپنی طاق دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں ہل جہاں مجھے
 سرگرم نالہ ہائے شربہار دیکھ کر
 کیا آبدائے بھلق جہاں عام ہو جانا
 دکان ہوں تم کو بے سبب آزاد دیکھ کر
 آتا ہے میرے قل کو پر جوش رنگ سے
 مرنا ہوں انکے ہاتھ میں کھوار دیکھ کر
 ثابت ہوا ہے گردنہ بنا پ خوں خلق
 لرزے ہے موج لئے تری رفتار دیکھ کر
 دامنہ کر پار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 ہم کو حرمیں لذت آزاد دیکھ کر
 بک جاتے ہیں ہم آپ حرمِ سخن کے ساتھ
 لیکن عیار طبع شربہار دیکھ کر
 زار ہائے جز صدائے قوز ڈال
 رہا چلے ہے راہ کو بھوار دیکھ کر
 بان آلود سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
 بی خوش ہوا ہے راہ کو بدخار دیکھ کر
 کیا ہوگاں ہے گھر سے گر آئینہ میں سرے
 غولی کا گھس کجے ہے زنگار دیکھ کر
 کرنی تھی ہمہ برقی تھکی نہ طور پر
 دیتے ہیں بادِ عرف قدم خوار دیکھ کر

سر پہوزا وہ غالب شربہار حال کا

یار آگیا مجھے تری دیکھ کر



کیوں جل گیا نہ تاب زہرا یار دیکھ کر

جہاں ہوں اپنی طاق دیکھ کر

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں محبوب کا رخ تھا میں دیکھ کر جل کیوں نہیں گیا اگر جل جاتا تو ہجر تھا سارا بھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔
 اب میں اپنی قوت دیکھ کر سے ملن دار تری گھس کر پاؤں کا ب میں سلوٹھ میں کو حاصل کرنے کے لئے کجی کن مراحل
 سے گذرنا چاہئے اور وہ حاصل ہو کہ نہ ہو کہ نہ ہو نہیں مستقل ایک در در گھر رہ گیا۔



آتش پرست کہتے ہیں ہل جہاں مجھے

سرگرم نالہ ہائے شربہار دیکھ کر

آتش پرست = آگ کا پجاری۔ سرگرم = مشغول و مصروف۔ نالہ دے شہر بار = آگ پر سامنے والے نالے۔
تشریح :- کہتے ہیں کہ مجھے ڈنکا دالے آگ کا پجاری کہنے لگ گئے ہیں کیونکہ میں ہر وقت شہر بار کر رہا ہوں اور آگ میں
مشغول و مصروف رہتا ہوں۔



کیا آندے، ملحق جہاں عام ہو جاتا
ذکا ہوں تم کو ہے جب آکا۔ دیکھ کر

جھا = ٹھم دلا دیتی۔ آزار = پیادہ

تشریح :- کہتے ہیں کہ جہاں ٹھم و ختم نام ہوں وہاں ملحق و محبت کی کوئی عزت و قدر نہیں ہوتی میں تو کسی بھی اقدام سے
ذکا ہوں اور جھک محسوس کرتا ہوں کہ کھنک تم پر میں نہ چڑھ سکوں۔ کیونکہ یہ ٹھم و ختم کی پجاری و مافی کزوری کے باعث ہو سکتی
ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دیگر وجہ نہیں ہے محبت کرنا یا فضا محبت کرنا کوئی بڑا نہیں بلکہ اخلاق و عہد کی دلیل ہے اس پر
کسی کا ہلکا سا اعتماد خلاف انسانیت ہے مگر میں اب بھی احتیاطاً اعتماد محبت سے روکتا ہوں۔



آ ہے میرے قل کو پر خوش رنگ سے
مرتا ہوں اگلے ہاتھ میں تلووار دیکھ کر

تشریح :- فرماتے ہیں کہ جب میرے قل کرنے کے لئے ہاتھ میں تلووار لئے آ رہا ہے مگر مجھے اس بات پر کوئی خوف یا
حال نہیں ہے۔ بلکہ رنگ سے میرا حال نرا ہے کہ یہ کام خود میرے حق میں کرنے جا رہا ہے مجھے چاہئے تھا کہ یہ کام
میں کرتا اور اس کو قل کرتا کیونکہ اس کے اقدام سے میرا ملحق کزور اور اس کا چنڈہ ملحق زور اور ثابت ہو رہا ہے۔



ذات ہوا ہے گردن جتا پہ ٹوٹا غل
لڑے ہے سوچ لئے قری رنڈہ دیکھ کر

جنا = بولس غل = چھوڑا ہوا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ یہ ٹرپ ذات ہو چکا کیونکہ کزوریت اس کی تائید میں ہے کہ شراب و غلو کی چھی کا سبب
ہے ملحق ہوا کے غلوں کی ذلت واری شراب کی بولس کی گردن پر ہے۔ مگر یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے بلکہ غلو ہوا کی چھی کا اصل
سبب غل غلیف (محبت) کی بکھر رہائی ہے شراب کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے۔ یہ تو اس کی رنڈہ دیکھ کر ہی لڑ رہا تھا

ہے۔ کہ غالب صاحب کی حیرت جہاں کی ہے کہ

ماتے کی طرح ساتھ بھر کر دھوڑ ☆ اس قدر گل سے جھگڑا رہا ہے
 ڈاکر ساغر سے اتھم ہی ہے تو بغیر مہ حسن سے اتھار ڈاٹھیں گے اور ساتھ ہی بغیر سوج سے بھی لڑاٹھے گی۔



دھڑکتا کہ بار نے کچا حتم سے ہاتھ

جین مہار طبع ٹھہرا دیکھ کر

دھڑکتا بھڑکتا ہوس۔ حرمیں = ہوس کا دار ہوس۔ لذت آزار = تلیف کی لذت

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کے علم و حتم سے بہتے بہتے جب ہم مادی ہو گئے اور ہمیں اس میں حرج آنے لگا تو ہوس کر اس نے اس حتم سے گل ہاتھ بچھ لیا۔

علم و حتم ہی کے ذریعہ کسی ایک تعلق تو بہر حال تھا، وہی حتم ہو گیا، اس کو حتم سے ہمارا لطف اٹھوڑا ہونا بھی گوارا نہیں کیا۔ سخت ہوس کا حتم ہے۔



بک جاتے ہیں ہم آپ حماراں کے ساتھ

جین مہار طبع ٹھہرا دیکھ کر

حمار = بل دھڑکت۔ خن = بات۔ مہار = کسوٹی۔ طبع = طبیعت، مزاج

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے حمارا خن پر تار ہے کہ ہم بہترین کام کہتے ہیں کہ کوئی اس کا تھڑکاں نہ دے اور وہ ہماری کسوٹی پر پھرا اترتا ہے تو ہم بھی اکی قدر کرتے ہیں اور گویا اسی کے ہو جاتے ہیں اور کام کے ساتھ اس کے ہاتھ بک جانے میں مجب نہیں سمجھتے۔



ڈکار ہاتھ ہے صدائے قوز ڈال

رہوڑ چلے ہے راہ کو ہمار دیکھ کر

ڈکار = بھونچ۔ راہ = راستہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کبھی قوز کہ پیچکا، نہ اور چنچ ہاتھ لے لے کہ کچھ چنچ والوں کا راستہ بہت آسان اور ظاہر بہت ہمار ہے اور ہر والوں والی کچھ والوں کا راستہ دشوار گزار ہے اور غیر ہمار ہے۔ ہونا سارے دشواری کو پسند نہیں کرتے اس لئے

حضرت طہر اس کو آسان مانتے کا مشورہ سدا ہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر دشواری کے بعد آسانی اور ہر آسانی کے بعد مشکل قدرت کا فیصلہ ہے اس لئے مشکل پسند طبیعت انہماک کے اعتبار سے بکڑ ہے۔



ان آیتوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھامیں

جی خوش ہوا ہے وہ کہ نہ خار دیکھ کر

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں اپنے ہی اس کے آیتوں کو دیکھ کر بہت پریشان تھا کہ ان کا کیا علاج کروں۔ مگر اس کا نواں ہماری مدد کی کوئی نگر مراد دل خوش ہو گیا کہ یہ ہماری ان سب آیتوں کو ختم کر دینی، مالاک یہ اچھائی حد تک اور حوصلہ شکن بات ہو سکتی ہے مگر یہاں شاعر کا خوش ہونا اس کا اچھائی ہا حوصلہ ثابت کرتا ہے۔



کیا دنگاں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے

طولی کا ٹکس کبے ہے دنگار دیکھ کر

طولی = سبز دنگ ایک پرندہ (طوطا) دنگار = دنگ

تشریح :- کہتے ہیں کہ وہ کتا دنگاں ہے لفظ ٹکس میں دنگا ہے کہ میرے آئینہ بہت میں میں اس کو طولی کی طرح شراف اور جو ان نظر آ رہا ہوں جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، افسوس ہے کہ میرے جد پر یہ حجاب سے جو دنگ آگیا ہے وہ دنگاں کہ طولی دنگائی دس رہا ہے۔ دنگ کارنگ بھی وہی ہوتا ہے جو طولی کا ہوتا ہے۔



کرنی تھی سپہ رقی تھکی نہ طور پر

دستے ہیں باد طرف قذح خوار دیکھ کر

رقی تھکی = جڑ، ہری تھائی کی تھکی۔ طور = پھاڑ کا نام۔ باد = شراب۔ ظرف = برتن۔

قذح خوار = نکیش (شرابی)

تشریح :- کہتے ہیں کہ ایک اصول ہے کہ نکیش کو شراب اس کے ظرف کے مطابق دینی چاہئے۔ یعنی اس کی قوت برداشت دیکھ کر دینی چاہئے، مگر اس اصول کو طوطا رکھا گیا ہوتا اور تو ہمارے حضرت سوزی اسرار نہ کرتے تو کو طور پر حضرت سوزی کے اسرار پر بھی ٹکلی نہ کرتی۔

اسرار حضرت سوزی اسرار کی قوم نے کیا تھا ٹکلی ان پر کرنی چاہئے تھی نہ کہ کو طور پر جو چاہے، چل کر کا ستر۔

ہو گیا، جیسا ہم سے کراؤ ہم کوئی سے ہے۔ اس میں ایک کھنکھہ بھی پوشیدہ ہے کہ یہاں انسان کے مقابلے میں کہ طرف تھا جو مل گیا اور جلوہ کی تاب نہ لاسکا انسان صرف بیوقوف تھا۔



سر پھوڑتا وہ غائب شور بد حال کا
یاد آگیا مجھے تری دہوار دیکھ کر

شور بد حال = دہاندار

تشریح:- کہتے ہیں کہ میری دہوار دیکھ کر مجھے وہاں تھا یاد آگیا کہ اس دہوار میں دہانگی کے عالم میں غائب نے تھے نہ پا کر میری ہڈی مار رہے تھے یا زنی سے متاثر ہو کر اپنا سر پھوڑا تھا۔

غزل (۵۱)

لڑتا ہے مرا دل دھبہ سر درخشاں ہے میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خار چاہاں ہے
نہ پھوڑی حق سب نے یاں بھی خانہ آرائی سفیدی دیدہ یعقوب کی بھرتی ہے زعماں ہے
نہ تعلیم درہم بخودی ہوں اس زمانے سے کہ مجھوں ام الم گفتا تھا دہوار دہستاں ہے
فرقت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے بچ کر صبح کرتے پارہ ہائے دل شکلاں ہے
نہیں انہم اگلت میں کوئی طوطا باز ایسا کہ بچہ جہنم سے جسکے نہ ہوئے سر حواں ہے
مجھے اب دیکھ کر اور فتنہ آلودہ یاد آیا کہ فرقت میں تری آتش پرستی تھی گستاں ہے
بچہ بہادر شوق باز کیا باقی رہا ہوگا قیامت اک ہوا ہے خاک شیداں ہے

نہ تاج سے غائب کیا ہو اگر اس نے شدت کی

ہوا بھی تو آخر زور چلا ہے کہ جاں ہے



لڑتا ہے مرا دل دھبہ سر درخشاں ہے

میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خار چاہاں ہے

دھبہ = تلیف۔ سر درخشاں = چمک سوریج۔ خار = کاٹا۔ جاں = بھگ۔

تشریح: کہتے ہیں کہ میری طبیعت ختم کے اس قدر کے ساتھ ہے جو جنگل میں کسی کانٹے کی ٹوک پہنکا ہوا ہو اور اس
 ڈار سے کانپ رہا ہو کہ ٹکس سورج میری طرف توجہ کی ذمہ نہ کرے جو میری موت کا باعث ہو جائے۔ یہاں بطور
 استدراخ اور کافراؤں کا محبوب کو سورج (سورہ غنیم) کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ حضرت یوں فرماتے ہیں:

ہر جوئے سے ہے شہم کو فنا کی تعلیم

میں بھی ہوں ایک حمایت کی نظر ہونے تک



دھڑولی حضرت یوسفؑ نے ہاں بھی جانتا رہا

سلیدی ادب کا یہ محبوب کی بھرتی ہے دغاں ہے

خانہ آرائی = گھر کو آراستہ کرنا، پہناؤ۔ دغاں = قید خانہ۔

تشریح: شعر بڑا ہی حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صحیح استعمال کی گئی ہے۔ یہ
 دونوں حضرات اللہ کے رسول اور نبی تھے۔ حضرت یوسفؑ نہایت حسین آدمی تھے ان کے باپ اہل بھائی اور تھے جنہوں
 نے بہانے سے حضرت یوسفؑ کو جنگل لپکا کر ایک اندھے کو سی میں پھینک دیا تھا اور باپ کا کرتا داکر یوسفؑ کو بیٹھنے
 نے مارا۔ اس صدمہ سے حضرت یعقوبؑ ایک مدت تک بچے کے لڑائی میں روئے رہے وہاں تک کہ وہ مارا گئے،
 آنکھوں پر سفیدی بھر گئی اور یوسفؑ کو ایک قافلے والوں نے مصر لپکا کر بطور غلام فروخت کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت
 یوسفؑ نے گھر کو جانے کی عادت قید خانے میں جا کر بھی نہ چھوڑی اور باپ کی آنکھوں کی سلیدی کی ایک نورین کر قید خانے
 کی غفلت کو دور کرتی رہی۔ یہاں شاعر کا قصور دونوں باپ بیٹوں کا نام لیا ہے کہ وہ یہاں روحانی نقص ظاہر کرتا ہے۔



فنا تعلیم و تربیت جو دی ہوں اس زمانے سے

کہ مجھوں لامالک گستاخدار ہوا رو بہتاں ہے

فنا = مت جانا۔ دوس = سخی۔ بھٹوں = ایک مشہور دیان لیلی کا مانش جس کا نام قس قس۔ دیہتاں = کتب۔
 تشریح: فرماتے ہیں کہ میں نے اس زمانے سے اور اس واقعہ سے کہ جب بھٹوں اور اہل گے کے عالم میں کتب کی
 دیوار پر لامالک گستاخدار تھا، ثابت کی تعلیم اور بیوش کا سخی حاصل کیا ہے۔ لام۔ مال۔ دونوں مال کر (لا) بچے ہیں
 جس کے سخی نہیں کے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا بکھ نہیں بھٹل ایک دھوکہ ہے، یہاں کی ہر چیز فانی اور مت
 جانے والی ہے۔ اور بھٹوں کی دعا اگلی سے بیوش کا سخی لیا ہے، کیونکہ بے ہوشی کی زندگی کو عارف حضرات نے پسند
 کیا ہے اور کہا ہے کہ ”ای اے بھٹو بے دنیا میں جنہیں ہوش نہ تھا“۔ کیونکہ دیوانے پر کسی طرح کی کوئی دس داری

مانگتھیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے تعلیم حضرت اے مجنون سے حاصل نہیں۔



فراغت کس قدر واقعی مجھے تشویش مرہم سے

بچ کر مسلح کرتے پارہ ہائے دل جھکداں پر

فراغت = نہایت بھگدار۔ تشویش = فکر۔ پارہ ہائے = ٹکڑے۔ جھکداں = ٹھک کا برتن۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ مرہم کی طرف سے مجھے کتنی بے گہری رہتی اگر میرے فہم دل بال کے ٹکڑے جھکداں سے مساحت کر لیجئے، کیونکہ ایک سے مسلح کرنے کے معنی ہیں مطلب جماعت سے واقف ہوتے اور اسے اپنا لیجئے تو زبردستی آسان ہو جاتی۔

یہاں شاعر کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو مشکلات اور تکالیف سے خود کو بچاؤں کہ یہاں ضروری ہے اسلئے یہی حکم عذاب میں جاتی ہے۔



نہیں اہم اہم میں کوئی طوطا ناز ایسا

کہ پشت چٹم سے جھکے نہوارے سرخشاں پر

مرہم = مخصوص نشان۔ اہم = اہم۔ طوطا = کاغذ کا ٹکڑا۔ کھسکے کے لئے ہاتھ کا ٹکڑا۔ جماعت سے غفلت ہو۔

پشت = کمر۔ چٹم = آنکھ۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ دنیا بے محبت میں کوئی ایسا مہم نہیں جہاں کسی محبت نامہ پر یادداشتیں عشق کے عنوان اور

خاتے پر انکی ہر صداقت نہ ثبت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی قرعہ اس وقت تک کوئی سنی نہیں رکھتی جب تک اسکے خالق کی ہر اس بے محبت نہ ہو۔



مجھے اب دیکھ کر جو عشق آلودہ یاد آتا

کہ زلفت میں تری آئینہ پر سنی جھمکی گستاں پر

تشریح: کہتے ہیں کہ اب شام کا سر نہ بدلہ دیکھ کر مجھے وہ نظریاں یاد آگیاں ہیں تو مجھ سے جدا ہو رہا تھا (درخت سے جدا ہوا تھا)۔

پورا ماحول نازدہ تھا اور گویا آستان سے آگ پر سنی محسوس ہو رہی تھی۔



بجز ہواؤں شوقی ناز کیا باقی رہا ہوگا

قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیدوں پر

پر ملا۔ آؤں۔ شوق باز۔ شوق خود آرائی۔ ہوائے شکر = آغوش۔

تشریح: کہتے ہیں کہ وہ تارک امام حسینؑ ہیں جہاں جہاں دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہاسرت وہاں رخصت ہو گئے
ان شہیدانِ محبت کی خاک کو نہ معلوم کئی ہی قیامت غیر آغوشوں نے مستحضر کر پاوگا اور اب وہاں بکرا گئے نگہ اور شوق خود
آرائی و خود ستائی کے کیا باقی رہ گیا ہو گا یہ شاید مرنے کے بعد بھی ذمہ ہو گا۔



ذکرِ بیخ سے غالب کیا ہوا کس نے شدت کی

ہمارا بھی تو آخر زور چلا ہے گرہاں ہے

ناج = باغ، بیجیت کرنے والا۔ شدت = زیادتی۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اسے غالب کرنا ناج نے نہیں سمجھا نہ کے لئے بکھڑ پادتی کی اور سخت سے کہا تو نہیں اس پر
یہم ہوتا اور ٹرنا ہرگز مناسب نہیں، کیونکہ زیادتی تو ہم بھی اپنے گرہاں کے ساتھ کرتے ہو اور وہ تمہاری زیادتی کو بڑی
حاشوش سے برداشت کرتا ہے، جب کہ گرہاں چارہ تمہارے ساتھ لگی کوئی زیادتی نہیں کرتا۔

غزل (۵۲)

کیوں کر اس بت سے دکھوں جان مزج کیا نہیں ہے مجھے ایمان مزج

دل سے نکلا نہ نکلا دل سے ہے ترے تیر کا چکان مزج

تب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان مزج



کیوں کر اس بت سے دکھوں جان مزج

کیا نہیں ہے مجھے ایمان مزج

تشریح: جس شخص کا ایمان ہی بت پرستی ہو اس کو کسی بت پر جان نثار نہ کہ اس کے ایمان کے ستانی ہے۔ اس کے
تو ایمان کا خلاف ہی ہے کہ وہ اس پر نہ جان نثار کرے، چنانچہ ایک بکھرے ہوئے انسان فرماتے ہیں۔

پھوڑوں کا میں نہ اُس بہت کا فر کا پوجنا

پھوڑے نہ ملنے کو مجھے کا فر کہے بلیر

میں اُس سے (محبوب سے) کس طرح اپنی جان کو بچاؤں کچھ کر اُس پر شاعر مگر وہ تاجک میں اس جہ کا فر سے صحت کر کے اپنا ایمان دے چکا۔ جان ایمان سے زیادہ قیمتی چیز نہیں ہے۔



دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے

ہے حیرے حیر کا چپکان مزاج

چپکان = حیر کا انگوٹھا کہار حصہ۔ مزاج = پیارا

تشریح: یہاں تذکرہ حیر نظر کا ہے، کہتے ہیں کہ حیرا حیر نظر تو حیرتی نگاہ کے بچے ہی دل سے نکل گیا تھا مگر اس کا چپکان دل سے نہیں نکلا وہ خود دل میں ہی بسا ہے اور وہ برابر لطف جراح سے محفوظ کر رہا ہے جو مجھے بہت مزاج ہے۔



تاپ لائے ہی بچے کی تاپ

داغہ خفت ہے اور ہاتھ مزاج

تشریح: فرماتے ہیں کہ یہ مثنوی عاشق کا سواٹ بلاشبہ نہایت خفت اور شمار ہے اور جان بھی بلاشبہ مزاج اور پیاری ہے۔ مگر اس سے فرار نامروری ہے جو ہر کی شان کے خلاف ہے اسکو بہر حال مجھے برداشت ہی کرتا ہے۔

یہاں حضرت نے داغہ کو لفظی رکھا ہے اور کوئی اشارہ تک اس طرف نہیں ہے کہ کوئی داغہ ہے یا سواٹ ہے جو بہت خفت ہے ہم نے حضرت کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس داغہ کو مثنوی سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

غزل (۵۳)

لازم تھا کہ دیکھو مرا دست کوئی دن اور	تھا مجھے کیوں اب رہو تھا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سر گر حیرا حیر نہ مجھے کا	ہوں اور پہ ترے نامیر فرما کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو نہیں گئے	کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہاں اے شک میر جہاں تھا ابھی عارف	کیا حیرا بگڑتا جو نہ مرنے کوئی دن اور
تم ماو شب چار دہم خٹے سرے مگر کے	بھر کیوں نہ رہا مگر کا داغہ کوئی دن اور

تم کون سے اپنے تھے کمرے داؤد کے
کہ ملک الموت قاضا کوئی دن اور



نوٹ: اشعار بالا غزل نہیں ہے بلکہ غزل کی زمین میں سر نہ ہے جو حضرت نے اپنے لے پاک عارف کے انتقال پر کہا
تو چنگیز خان میں غزلوں میں شامل کر دیا ہے اس لئے ہم نے اس کی بھی شرح ضروری تھی۔

لازم تھا کہ دیکھو مرامت کوئی دن اور

تھا مجھے کیوں اب رہو تھا کوئی دن اور

تشریح:- عارف کی اچانک موت پر حضرت فرماتے ہیں کہ اسے عارف قسمیں اور پھر راز میرا انتظار کرنا تھا تاکہ میں بھی
تمہارے ساتھ چلا اور عدم کے دشوار گزار اور دشتِ ناک راستوں میں تمہارا غلط ساقی ہوتا مگر تم نے میرا انتظار نہیں کیا
اور اکیلے رخصت ہو گئے ماب اور کوئی دن انتظار کرنا رہا ہوں۔



مٹ جانے کا سر کر تیرا پتر نہ مجھے کا

ہوں اور پہ ترے نام پر فرما کوئی دن اور

نام پر فرما ماما کبسا

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے منور و تیرا سنگ درویشی نہیں مجھے کا میرا سر ضرور ایک دن مٹ جائے گا۔ اور کوئی دن
تیرے سنگ پر پاتا رہا گزارا ہوں۔ اور جب تک زندہ ہوں کبھی ہماروں کا مگر تو نے میری کچھ بھی دلداری نہیں کی ورنہ اسے
مجھ سے اس طرح نہ بھیج لیتا۔



آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں

یہ کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور

تشریح:- ایسا لگتا ہے کہ کل ہی تم آئے تھے اور آج جانے کا تھا خاکہ کرنے لگے اور کل دے ایسی کیا بات تھی جو اتنی
جلدی مٹاؤں کے لئے تیار ہو گئے۔ ہم نے یہ بیان کیا کہ آج سے بہتر دن کوئی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ آج کے لئے اٹل کا حکم تھا
اس لئے کہ اس دن کیا ہیبت تھی تم قبیل محمد و فرماں برداری میں ایک ساتھ کہتے تھے کیوں نہ عملیاتی پر ایک کہتے۔



ہاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب ہاتے ہوئے کہتے ہو میں تسلی دینے کے لئے قیامت کو ملیں گے۔ کیا خوب! کیا قیامت کا دن اس اسکے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟ کیا تمہاری ہدائی میرے لئے قیامت سے بہتر ہے؟ شعر نہایت سادہ ہے مگر جذبہ محبت کا اظہار جس نے کئی سے کیا گیا ہے وہ وحی برحقیت ہے، عمل شامری نہیں۔



ہاں اے غلبہ جی جوں تھا وہی عارف

کیا حیرا لگتا جو نہ مرنے کوئی دن اور

تشریح:- رعایت لفظی کے ساتھ شعر کو آراستہ کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اے غلبہ جی عارف تو ابھی جوں تھا تجھے ذرا بھی اس پر تم نہ آیا، اگر تو اور جگہ روز اس دنیا میں رہنے کی سہلت دیتا تو حیرا کیا نقصاں ہو جاتا؟ حیرا کیا لگا جاتا؟ ذرا تم میں حضرت دعا تھا خدا کر دے ہیں بھڑکنے کے تھے۔

شعرا کا یہ دستور رہا ہے کہ ایسے سوشل پر خدا کو غائب نہ کر کے آپہن کو مورد احترام ٹھہراتے ہیں، اور نہ گستاخی کے مرتکب ہونے کو دیتے اور بے ساختہ زیادتی کی اجازت دیتے!



تم باو شب چار دم تھے میرے گھر میں

پھر کیوں نہ رہا کمر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

ماہ = چاند شب = رات چار دم = چار دھرمی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے عارف! تم تو میرے گھر میں چار دھرمی رات کے چاند تھے۔ میرے گھر کی روایتی ہی تمہارے دم سے جی! تم تو میرے گھر کی روشنی تھے۔ یا لٹنی یہ صورت چمکا اور دن کیوں نہ تھا تمہاری۔ شعر جذباتی ہے اس لئے بہترین کا اظہار ہے۔



تم کون سے ایسے تھے کمرے دار و خود کے

کہتا ملک الموت تھنا کوئی دن اور

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے عارف! تم لین دین کے معاملے میں ایسے کہاں کے کمرے تھے، ایماندار تھے۔

ملک الموت کو اور کچھ دن قضا کرنے دیجئے۔ شعر کے اندر شاعری اور فنکاری کا بہترین مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لطری
ہذہ ہے کوئی طاقت نہیں ہے۔

اس سرب میں اور چند اشعار ہیں لیکن شہستان کے غالب نے ہمیں جتنے اشعار دیئے گئے ہیں ہم نے انہیں کی وضاحت کی ہے۔

غزل (۵۳)

جنوں کی دھجھیری کس سے ہو گر ہو نہ مر پائی گر جاں پاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
برنگ کلبہ آتش زور نیرنگ ہے جلی ہزار آئینہ دل باغ سے ہے ہال یک عیدن پر
فلک سے ہم کو جیش دلوں کا کیا کیا قضا ہے ستارہ بردہ کو کچھ ہوئے ہیں قرض ریزن پر
ہم اور وہ ہے جب رنگ آشنا وطن کر رکھتا ہے شعاع ہر سے جہت تک ہم چٹم رازن پر
قفا کو سوچ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا فردا طالع غاشاک ہے موقوف کھن پر
سہمہ نسل ہے کس اعلا کا قافل سے کہا ہے

کہ مطلق چڑ کر خون وہ عالم میری گردن پر



جنوں کی دھجھیری کس سے ہو گر ہو نہ مر پائی

گر جاں پاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

دھجھیری = ہاتھ پکڑنا، ساتھ دینا، مدد کرنا۔ مر پائی = بڑھی، بڑھاپہ۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر مر پائی جنوں کا ہاتھ نہ پکڑتی، مائگی مدد نہ کرتی تو کسی دوسرے کی طاقت نہیں تھی کہ انکی مدد
کرتا۔ یہ مر پائی نے اپنا لباس اس کے حوالہ کر کے اور اس کی اس کی دست برد سے پھا لیا، اسی لئے میرے جنوں کا حق میری
گردن پر واجب ہے کہ اسے ادا کروں اور اپنا گریبان چھاؤں تاکہ میرا جنوں میرے گریبان ہی میں الجھا رہے
دوسرے اس کی دست برد کا فائدہ نہ لوں۔



برنگ کلبہ آتش زور نیرنگ ہے جلی

ہزار آئینہ دل باغ سے ہے ہال یک عیدن پر

آتش زور = جلا ہوا۔ نیرنگ = لائعات، چارو۔ عیدن = جلا ہوا۔ آئینہ = قانون۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میری کیفیت چلنے والے کاغذ کی مانند ہے جو چل کر خاکستر ہو گیا ہو، مگر طسلیاتی اعداد میں زعمہ ہوں اور بے تاب اور بے طاقت ہوں۔ یہ حالت میری کس نے کی، کوئی پرسانہ حال نہیں۔ جس نے میرا یہ حال دیکھا اس سے کوئی سواغذہ نہیں۔ آسے کوئی مجرم کہنے کو چاہیں۔ قانون ہزارا پائی جگہ مضبوط اور مکمل ہوا اور ہال چلنے پر بھی مجرم کو اپنی گرفت میں لیتا ہو مگر میرے معاملے میں بے اثر ہے۔



فلک سے ہم کو بیش رفتہ کا کیا کیا قصہ ہے

حاصل کردہ کو بجے ہوئے ہیں قرض و ہزن پر

بیش رفتہ = بیش ماضی۔ متاع برودہ = کوئی ہوئی دولت۔ و ہزن = ڈاکو لٹیرو۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم بھی کتنے عجب انسان ہیں کہ اس ظالم آسمان سے اپنا ماضی کا خاکہ و دربار رکھوئے ہوئے و قار کی راہیں کا مطالعہ کرتے ہیں، جب کہ اس ظالم اور ڈاکو نے یہ سب جگر ہم سے چھینا تھا، یہ تو گویا ڈاکو سے قرض کی راہیں کا مطالعہ کرنا ہے۔



ہم اور وہ ہے سب رنج آشناؤں کی کہ رکنا ہے

شعاع ہر سے قسمت نگہ ہم چشم روزن پر

رنج آشنا = تم سے نسبت رکھنے والا۔ شعاع ہر = سورج کی کرن۔ قسمت = الزام۔

ہم چشم = ایک نظریہ رکھنے والا۔

تشریح :- ہم اور وہ (محبوب) ملاوچہ اس رنج میں جتا ہیں کہ جس روزن و دیوار سے سورج کی کرن ہم کو بھانک کر دیکھ رہی ہے، کہیں دُشمن و سیاہی جو شعاع ہر کا ہم چشم ہے اسی بھی آنکھ رکھنے والا ہے، ہم کو بھانک کر تہہ کھد ہوا۔



نہ کو سوچ کر حقائق ہے اپنی حقیقت کا

فروغ طالع خاشاک ہے موقوف کھنکھن

نہا = موت و عدم۔ فروغ = بخور و ترقی۔ طالع = قسمت۔ خاشاک = گھاس، پنوس، کھنکھن = بھلی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اے غائب اگر تو اپنی حقیقت کو چاہتا ہوتا ہے تو خود کو موت کے حوالے کر دے، کیونکہ گھاس پھوس کوڑا کرکٹ کی بھلائی کا قصداً اسی پر ہے کہ وہ خود کو آگ کی بھلی کے سپرد کر دے، کیونکہ حیرت انگیز حقیقت بھی خاشاک کی

ماند ہے۔ جس طرح لوگ کوڑے کرکٹ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے بھی اچھا نہیں سمجھتے، اس لئے دونوں کی عداوت
 وسیع ہو کر خود کو کھانا کر رہنے میں ہے۔

اس کے مضمون کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود کو کھانا کر رہنے کے بعد مالک حقیقی سے وصال حاصل کر لے، کیونکہ میری قسمت
 کا فروغ یہی ہے کہ سر خود ہو کر اس سے چاٹے۔ یہی خالق کا نظام بھی ہے اور میری منزل بھی۔



اسد نسل ہے کس اعزاز کا قائل سے کہتا ہے

کہ مشق باز کر غول عالم میری گردن پر

نسل = خرچہ ہوا اعزاز = اضعاف مشق باز = حکم دستم

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ سادہ خان اسد بھی عجیب اعزاز کا مقول اور نسل ہے کہ اپنے قائل سے کہتا ہے کہ مشق ختم
 چاہی رکھنا کہ میرے دونوں عالم کا بھی غول کر ڈالے گا تو تم مت کر تھکے سے کوئی سواغذہ نہیں کرے گا، کیونکہ میں بڑا کر دونوں
 عالم کا غول اپنی گردن پر لے لوں گا، میں اس کی امداد ہی قبول کروں گا اور مجھے بری المذت نہ کرے گا۔

غزل (۵۵)

ہے جس کہ ہر اک اُنکے اشارے میں نکلاں اور	کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گھاس اور
بارب نہ دے کچھ ہیں نہ سمجھیں گے مری بات	دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو دہاں اور
امد سے ہے کیا اس نگہ باز کو بھلا	ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا فہم جب انھیں گے	لے آئیں گے بازار سے چاکر دل وہاں اور
ہر چند سبک دست ہوئے بت تھنی میں	ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سبک گراں اور
ہے غول ہجر جوش میں دل کھول کے رہتا	ہوتے جو کئی دینا خوننا چہ فضاں اور
مراہوں اُس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے	جلاؤ کو لگیں وہ کہیں جا نہیں کہ ہاں اور
لوگوں تو ہے غور شدہ جہاں تاب کا دھوکہ	ہر روز دکھاتا ہوں میں اک دماغ نہیں اور
لیٹا نہ اگر دل تھیں دیتا کوئی دم بھیں	کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و بھلاں اور
جاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے	رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں مغرور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اعزاز عیاں اور



ہے جس کو ہر اک اگلے اشارے میں نکلاں اور

کرتے ہیں محبت تو کردتا ہے مکاں اور

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ اشعاروں کا ہوں کی گفتگو کو کچھ مشکل ضرور ہے مگر محبوب سے جو گفتگو اشعاروں میں کی جاتی ہے اس کو کچھ مشکل نہیں، مگر شک اور شک و شبہ کی گنجائش ضرور ہے۔

یہاں حضرت کا فرمانا ہے کہ ہم محبوب سے اخلاص محبت کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ محبت کرتے ہیں مگر وہ اس کو اپنی بدگمانی کی وجہ سے ہماری محبت کو ہوں کی کاری کی لکڑی سمجھتا ہے۔



یارب دانا نہ کہے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات

اے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ محبوب اپنے عاشق کی بات کو کچھ کر بھی ناگہی کا مظاہرہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ عاشق کے پاس سوال و مسئلہ کے علاوہ دوسرا سوال ہی نہیں ہوتا۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی لطافت اور انکساری کے ساتھ باری تعالیٰ سے درخواست فرما رہے ہیں کہ یارب العالمین اور میری بات کو ابھی تک نہیں سمجھے اور نہ ہی آسمان کو سمجھنے کی امید ہے، اس لئے اگر تو مجھے سمجھنے سمجھانے والی زبان نہیں دینا چاہتا تو انہیں کوئی دوسرا قول مطلقاً فرما دے، تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔



اور تو سے ہے کیا اس نگر باز کو بچہ

ہے حیر مقرر مگر اس کی ہے مکاں اور

تشریح:- محبوب کی نگاہ باز کا حیر ہونا تو طے شدہ ہے مگر اس کی مکاں اور نہیں ہے، اس کا اس سے کوئی واسطہ کوئی جواز، کوئی نسبت نہیں ہے اس کی مکاں کوئی اور نہیں ہے اور وہ واسطہ اس کا شرع نہیں ہے جہاں سے یہ حیر پڑتا ہے۔



تم شرمیں ہو تو ہمیں کاشم جب آئیں گے

لے آئیں گے بازار سے ہاکر دل وہاں اور

تشریح:- حضرت کو دوستوں اور محفلتوں پر بازار تھا، انہیں میں سے کسی صاحب کو صاحب کر کے فرما ہے یہاں کاشم جب شرمیں ہو تو ہمیں کاشم کی بات کاشم ہے۔ جب ارادہ کریں گے دل وہاں (شراب) تمہارے قوسل سے بازار سے ہاکر خرید لائیں گے۔ اکثر شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کی بیب خالی ہو جاتی ہے تو دوستوں سے جتنی کر غیروں سے مانگ مانگ کر شوق پیدا کرتے ہیں اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔



ہر چہ سبک دست ہوئے بت فگنی میں

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سبک گراں اور

سبک دست = ہاتھ اچھوٹا ہونا۔ عمار ہے مراد کوہر ہونا ہے۔ بت فگنی = بت تو ذرا ناگوار مومن۔ سبک گراں = ہماری ہاتھ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ یہ بالکل طے شدہ بات ہے اور ہمیں حلیم ہے کہ اب ارادے ہاتھ بت فگنی کے معاملے میں بہت کمزور ہو گئے ہیں مگر ہم اس راستے سے ہٹ بھی نہیں گئے، اگر واقعی راہ میں کوئی ہماری ہاتھ موجود ہے تو ہم اس کو ہٹانے اور روکنے کی طاقت ضرور رکھتے ہیں۔



ہے غول جگر جوش میں دل کھول کے رہتا

ہوتے جو کئی دیدہ غولابہ فغاں اور

دیدہ = آنکھ۔ غولابہ = خون پانی آمیز۔ فغاں = نکھیرتا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ان دنوں آنکھوں کے علاوہ اگر اور بھی کئی آنکھیں میرے پاس ہوئیں تو آج دل کھول کر دیتا ہوں۔ میرا غولابہ جگر جوش مار رہا ہے اور خون کے آنسو روئے کو دل کر رہا ہے۔



مرتا ہوں اُس آواز پہ ہر چہ سراؤ جانے

ملاؤ کو لیکن وہ نکلیں جائیں کہ ہاں اور

تشریح:- حضرت کو اپنے محبوب کی آواز کا قدر بڑی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے سراؤ جانے کا نظم نہیں ہے، ہر جانے کی

پیدا نہیں ہوگی اس کی دلکشی آواز کا بار بار سننا مزہ ہے۔



لوگوں کو ہے خود شید جہاں تاب کا دھوکہ

ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ لہاں اور

خود شید جہاں تاب = جہاں کوروش کرنے والا سورج۔ داغ لہاں = چہا ہوا داغ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ جب جب میں لوگوں کو اپنا چہا ہوا داغ دکھاتا ہوں تو دیکھنے والوں کو سورج کا لگان ہوتا ہے، اور میں ہر روز ایک نیا داغ دکھاتا ہوں اور یہ داغ وہ چہا جن سے لوگ مہرت حاصل کریں، جیسا کہ پہلے ایک غزل میں فرمایا ہے:

جاری تھی اس قدر دم بھر سے میرے تحصیل
آکھنڈہ جاگیر مستور نہ ہوا تھا



لیکن اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم بھن

کہتا ہے نہ مرنا کوئی دن آؤ دھلاں اور

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم اور دنیا میں بھن کی سانس لے لیتا اور اس طرح لڑیاں دھلاں نہ کرتا تو یقیناً اور کچھ روز عمر دے دیتا۔

شعر ذرا ہی انھوں کی نفست و رغبت عام روش کے خلاف ہے، اس لئے شعر کو کچھ سمجھانے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور یہ محنت کے حراج کی غلطی ہے کہ آسان کو مشکل بنانے کے پیش کرتے ہیں۔ ویسے شعر میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔



پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

رکھی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے نالے جب محبوب تک پہنچنے کی راہ انھیں پاتے تو غلط طبع کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور عرض کی طرف ان کا ہنچنا میرے حق میں زیادہ مفید ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری طبیعت اپنی گزروں کی بناء پر یہ محسوس کرتی ہے کہ نالے محبوب تک رسائی نہیں کرے تو طبیعت رکھی ہے اور نالہ ذرا سی کو بیکار محسوس خیال کر کے رکھی ہے، مگر یہ خیال رکھنا ہوں کہ اگر محبوب تک نہیں پہنچتا ہے تو خدا تک تو بہر حال پہنچ جاتا ہے، ہیں اور وہاں پہنچنا زیادہ چھوٹا ہے

اُنٹنے طریقت پھر بالذاری کی طرف اُگل ہو جاتی ہے اور کچھ بار وہی رواں رواں ہو جاتی ہے۔



ہیں اور بھی دنیا میں سخن اور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اعجازِ بیان اور

تفصیح :- یہاں حضرت مصلیٰ کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ہزاروں مخدوم ہیں، جبریت اچھے اور پاکمال ہیں، مگر غالب کا انداز بیان الگ ہے۔

شعرِ مذکور میں مصلیٰ ضرور ہے جو شعرِ ادا کا حق ہے مگر اس حقیقت کو دنیا نے تسلیم کیا ہے کہ غالب کا اعجازِ بیان فراہ ہے۔

غزل (۵۶)

نہ گل نذر ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی نکست کی آواز
تو اور آرائشِ ظم کا کل میں اور اندیشہ ہائے دور وراز
لافِ حلیں قریبِ سادہ دلی ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز
ہوں گرفتارِ بافتِ منہا ورنہ باقی ہے طالعِ پرداز
وہ بھی دن ہو کہ اس شکر سے تارِ نیمچھوٹوں بجائے حسرتِ تار
نہیں دل میں سرے وہ فکرِ غوں جس سے حراں ہوئی نہ ہو گلِ باز
سے ترا غزبِ یکِ قلمِ انگیز اے جرا ظلم سرسبزِ اعجاز
ہوا جلوہ گرِ مہارک ہو ریزشِ کدہءِ جبینِ نیاز
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا میں طریب اور تو طریبِ نواز

اسد اللہ خان قاسم ہوا

اے دریا وہ دھو شامِ باز



نہ گل نذر ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی نکست کی آواز

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میری شاعری فلسفی کا پھول نہیں ہے جو لوگوں کے دلوں کو سرور کرے اور وہی میں کسی کی لئے اور سرگرم ہوں جس سے لوگ محظوظ ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میری شاعری میرے حالی زندگی منکاسی ہے۔ میرے ٹوٹنے کی آواز ہے۔ جب کسی چیز پر چٹ چٹتی ہے تو اس سے نظریاً ایک آواز نکلتی ہے، جیسی چوٹ ہوتی ہے ویسی ہی اسی نسبت سے آواز نکلتی ہے۔ اس طرح جب دل جیسی چیز ٹوٹتی ہے تو اس سے بھی آواز برآمد ہوتی ہے میری شاعری اسی آواز کی ترجمان ہے۔

اسی بات کو اس دور کے شاعر نذیل کار شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے جو نکلا ہوا مضمون کا صرف ہے۔

شاعری طوفانِ جگر کا ہے لہابِ ساغر

کسی کم ظرف کی تقریب کا ساں تو نہیں



تو اور آرائشِ غم کا کل

میں اور اندیشہ ہے دردِ دوزخ

آرائش = سنوارنا۔ کا کل = بیوقوفی سے کمری طرف جاننا لے بال۔ اندیشہ = فکر۔

تشریح:- شعر بڑا میں حضرت محبوب سے غائب ہیں۔ کہتے ہیں کہ تجھے تو آئینہ کے رو بہ دکھڑا رہنا اور دلوں کو سنوارنا ہی ایک حسین مشغلہ ہے، برخلاف اسکے اہلے سامنے بھول کسی دیگر شاعر کے: "اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا" مجھے دلبستگی بھی سنوارنے ہیں۔ زمین پر لبِ محبت کا ظیفہ ہوں، مجھے کہتے کام ہیں میری امداد ہاں کسی قدر ہیں اگر ان کا بیان کو تو ایک دفتر چار ہو جائے۔



لافِ حسین فریبِ سادہ دلی

نہم ہیں اور رازِ دہائے سید گداز

لاف = کالی گونج۔ حسین = فروراجا گداز = نرم مقام۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ لاف و گداز، مطلب کالی گونج کی گھنگوڑی سیدھے سادے لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے ہے۔ اہلے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہمارے پاس تو انسانوں کو سحر کر کے لئے دوا ہیں جو ان کے سینوں کو نرم کر کے رکھ دیں اور ان کو بھٹکا بے دماغ بنادیں۔



ہوں گرفتار اگھت ستار

دورنہ باقی ہے طاقت پرواز

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں تو اپنے میاں کی محبت میں گرفتار ہوں جو لوگوں کو اسیر نظر آ رہا ہوں دورنہ میں کوئی ایسا مجبور محض نہیں ہوں جو آزادی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ مجھ میں پرواز کی پوری طاقت موجود ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز تک بے حاش و جھو میاں کی کرم فرمائی سے رزاق مل رہا جس نے مجھے میاں کی محبت میں جکڑ کر دیا اور میں نادانی سے اس غلامی کی زنجیر کی کو آ زادی پر ترجیح دے بیٹھا۔



وہ بھی دن ہو کہ اس ستم گر سے

ہار کھینوں بجائے حسرت ہار

تشریح:- کہتے ہیں کہ کاش وہ دن بھی خدا داد ہے کہ وہ ظالم ہار میں میری ناز برداری کرے۔ اب تک تو میں نے اس کی ناز برداری کی۔ اور مجھے سب تو یہ چاہئے کہ بجائے اس کے کہ دل میں حسرت لے لیجوں کہ وہ میری ناز برداری کرے ناکمل ہو جاؤں اور اس قدر نالہ زاری کروں کہ وہ ظالم سوہم ہو جاوے اور میری ناز برداری کر لے لگے۔



نہیں دل میں مرے وہ قہر و غول

جس سے مڑ گاہاں ہوئی نہ ہو گئی باز

مڑ گاہاں = پلک۔ مگی باز = کھٹکھٹا ہوا پھول۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایسا کوئی قہر و غول نہیں جو میری پلکوں تک مل رہی ہیں کرتا کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں محبوب کی یاد میں اس قدر دبا ہوں کہ اب گویا دل میں کوئی قہر و غول باقی نہیں رہا۔



اے ترا غزوہ یک علم انگیز

اے ترا علم سرسبز اعجاز

غزوہ = مشغول کا جنم دہر کا شہرہ۔ انگیز = برداشت۔

تشریح:- محبوب کی ہر چیز عاشق کو مزہ دہا کرتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میری چشم واپس دیکھا اشارہ دھارے لئے کسی طرح علم سے کم نہیں ہے۔ اور دھارے لئے اس کی قبیل فرض محسوس ہے۔ حیران علم نہیں ہے بلکہ ایک ادا ہے، ایک اعجاز

ہے، جو ہمیں بہت محبوب ہے اور بہت پسند ہے۔ اور حیرانہ اور اٹھانے کے لئے برداشت کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔



تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو

ریزشِ رحمتِ بھدرا جبین نیاز

ریزش = رطوبت، نفع۔ جبین = پستان۔ نیاز = حلیم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم مبارک باد میں کرتے ہیں کہ جلوہ گر ہوا ہمارا جبین نیاز (مر حلیم غم ہے) اور بھدرا ری کے لئے تیار ہے۔ غالباً یہ غزل بہادر شاہ کی صحت کے موقع پر کہی گئی۔ واللہ اعلم



مجھ کو پوچھا تو مجھ غضب نہ ہوا

میں غریب اور تو غریب نواز

تشریح:- بلاشبہ میں غریب ہوں اور تو غریب نواز ہے۔ اگر تو نے مجھے برداشت حال کے لئے نواز تو کیا غضب ہو گیا دنیا والوں کیلئے یہ کوئی قابل اعتراض بات تو ہے نہیں، برعکس! اگلے حیرانہ یہ حیرے منصب کے معنی مطابقتی ہے۔ میں ہر حال میں تری تو چرا کر کم کا محتاج ہوں۔



اسد اللہ خاں تمام ہوا

اے دریا وہ رہو شاہد باز

دریا = خوف و الجب۔ رہو = ادا ہوا۔ شاہد باز = کچھ گواہ رہے گا۔

تشریح:- بلاشبہ ترویج کہہ سکتے ہیں کہ آج وہ شخص جو ہر رشتہ خوار گرتی کوئی حق شناسی میں بددعا کمال ایک مقام رکھتا تھا، ہم جس کا اسد اللہ خاں غالب کی حیثیت سے ہاتھ تھے اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

”حق مسخرت کرے جب آزار اور دقت“۔

غزل (۵۷)

حریف مطلب مشکل نہیں فسونِ نیاز دما قبول ہو یارب کہ عمرِ شکر دماز

نہ پیرزہ بیاباں نور و دم وجود نوز حیرے تصور میں ہے نصیب دماز

وصال جلوہ فاش ہے یہ داغ کہاں کہ دیکھتے آہستہ آنکھوں کو پرداز
ہر ایک ذرہ جاشن ہے آفتاب پرست مگر نہ خاک ہوئے یہ ہوئے جلوہ ناز

نہ پہچو وجہ عکاس جوں غالب
جہاں پہ کاس گردوں ہے ایک خاک اعلیٰ



حریف مطلب مشکل نہیں فسونی نیاز
ذکا قول ہو یارب کہ عمر قصر دراز

حریف = مخالف۔ فسونی نیاز = افساری کا بار۔

تشریح:- ”مفسر“ ایک مخصوص پوشیدہ مال پر رنگ شخصیت یا ایک رہنما جن کو قیامت تک زعمہ رہتا ہے۔ اور ہولے
بھگلوں کی راہداری اور ایشائی کرنی ہے۔

کہتے ہیں کہ اگر نیاز مندی کا پادشہ اور دست ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ملکہ و افساری کا چارہ اور فرماں برداری کی بھرپور
ملا جیت صادر ہوا ہو تو یہ کسی بھی مطلب کا حریف مخالف نہیں ہے، بلکہ اس کا دوست اور مشکلات کو حل کرنے کا بہترین
چارہ مال ہے۔ اگر حضرت موسیٰ حسب وعدہ جناب مفسر کی ہر اسی میں ملکہ و افساری اور خاموشی سے کام لیتے تو معلوم نہیں
کہ تک اس ذات گرامی کا ساتھ و چارہ اور کتنے روز دے سربست کا ان پر انکشاف ہوتا۔ چونکہ حضرت موسیٰ اپنے وعدے
کے مطابق بھی نیاز مندی کا ثبوت فراہم نہ کر سکے اور بار بار ان کے معاملات میں دخل ہوتے رہے اور مشکل چون و چرا
سے ان کو پریشان کرتے رہے اس لئے ہمیشہ کے لئے ان سے مفارقت ہو گئی۔ اللہ پاک حضرت مفسر کی عمر و دراز فرمائے
کہ انھوں نے حضرت موسیٰ سے خاموش رہنے اور ہر کرنے کی جتنیں یکھ کر غلطی کی تھی، وہ تو خود ہی ان کو ان تمام رازوں
سے واقف کراتے کیونکہ وہ عظیم الہی اس غرض کے لئے ان کے ساتھی بنے تھے مگر حضرت موسیٰ مہر نہ کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر مشکل کو حل کرنے کے لئے مستقل مہر و استقامت کی ضرورت ہے، کوئی مشکل یا کسی نہیں جس کا آسان
ہونا یا مشکل ہو۔



نہم بہ ہرزہ بیاباں نور و دم وجود

نور حیرت تصور میں ہے تشبیب و راز

ہرزہ = بے تعلب۔ بیاباں = بے آب و تنگ۔ نور = تابنا۔

ہنوز۔ اب تک۔ ٹھیک و فراز۔ اونچے۔

تشریح:- جناب غفر کا ذکر پچھلے شعر میں تھا۔ شعر پڑا میں بھی وہی تصور مسلسل چلا آ رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت تشرکی صحرانوردی پر بھی یہود و رومی پالمادی کی آوارگی نہیں ہے۔ مانگا مفرد ہم پر گھر نہیں بلکہ اس کا ایک وجود ہے۔ ابھی تک وہ سب واقعات یعنی کشتی میں سوار کرنا، بچے کو گولی کرنا اور بار کو سیدھا کرنا، ہمارے تصور میں ابھی وہ سب ٹھیک و فراز یعنی اسکے ساتھ واصل موجود ہیں اور دنیا کے ٹھیک و فراز کی نظر میں ہیں۔



وصال جلوہ قماش ہے پر دماغ کہاں

کہ دیکھتے آئینہ انتظار کو ہزار

وصال = میل۔ جلوہ = نگار۔ آئینہ = عکس و عکس۔ انتظار = داشتن و ہون۔ پرواز = اُڑان۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ نگاہ کو جلوسے کا اتصال ایک قماش سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور خدا کے پاس سوچنے اور سمجھنے والا دماغ ہوا اور ہم اپنے آئینہ عکس کو جو بکا رز آلہ رکھا ہے پرواز دی یعنی حرکت میں لا دی تو ہم ہزاروں جلووں کو اپنی نگاہ کے سامنے پائیں گے اور ان جلووں سے غلاتی کائنات کو پا لینا آسان ہو جائے گا۔



ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست

مگر نہ خاک ہونے پر ہوائے جلوہ ناز

آفتاب پرست = سورج کو پرستے والا۔ ہوائے جلوہ ناز = جلوہ نمائی کی خواہش۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی عاشق کی خاک کا ہر ذرہ اپنی آفتاب پرستی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اور آفتاب سے کب تو رکتا دکھائی دیتا ہے۔ مٹی ہو جانے کے بعد بھی عاشق کی کج کوائی اور خود نمائی کی ادا دکھانے کی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ انکی خاک کا ہر ذرہ اپنے محبوب آفتاب کی طرف اسی عاشقانہ حور سے دیکھتا نظر آتا ہے۔



نہ پوچھ دوست بھلا جنوں غالب

جہاں پہ کاسے گروں ہے ایک خاک اعمار

دوست = پیلا۔ کاسہ = پیالہ۔ گروں = آسمان۔ اعمار = ماحول قدرت و مقادار۔

تشریح:- اے غالب انسان کے بھلا جنوں کی دوست اور حور ہے انکی حقیقت و تجسس کا میدان کسی خاص مقام تک

مہر و نکس ہے۔ یہ جہاں یعنی یہ دنیا تو گریا آسمان کے ہاتھ میں ایک مٹی کے پالے کی مانند ہے۔ میرے جنوں قہس نے اس کا ستارض کو گا بھی طرح چھان لیا ہے اور اب میرے جنوں کو کسی دوسرے جہان کی تلاش ہے۔

غزل (۵۸)

قارغ مجھے نہ جان کہ بلبل صبح میرے دارغ مشق نہایت جیب کفن ہنوز
 ہے تازہ مطلقانہ زور از دست رفتہ ہے ہوں گل فروش شوقی دارغ کفن ہنوز
 مجھے غارتہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
 خیزاڑہ کھینچے ہے نہایت پیادہ کر ہنوز



قارغ مجھے نہ جان کہ بلبل صبح میرے
 ہے دارغ مشق نہایت جیب کفن ہنوز

قارغ = بیکار لڑکتی۔ میر = سورج۔ زینت = جہاز۔ بیب = قہس کی جھیل
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے قارغ اور بیکارست کچھ مائن بھی قارغ نہیں ہوتا مرنے کے بعد بھی میرے کفن کے
 گریبان پر صبح کے سورج کی مانند تابلی مشق کے دارغ روشن ہیں۔ جو میرے کفن کی زینت ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ابھی
 تک کار مشق میں مصروف ہوں۔



ہے تازہ مطلقانہ زور از دست رفتہ ہے
 ہوں گل فروش شوقی دارغ کفن ہنوز

تازہ = تازہ دماغ۔ مطلقانہ = پیادہ لوگ۔ زور = سوتا، مل۔ دست رفتہ = خالی ہاتھ جاتا۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے تابلی عطشی زور پناس دنیا سے خالی ہاتھ جانے پر تازہ ہے۔ میں اپنے پرانے دارغ اپنے دل
 پر جو پھولوں کی طرح لگتے ہیں لڑکتہ کر رہا ہوں، یعنی لوگ اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں جن پر میں ابھی تک بہرہ ور
 بھی لڑکتہ کر رہا ہوں۔



مے جاتے جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

خیا زادہ کھیلنے ہے بہت بیداو لیں ہنوز

خیا زادہ = آرزو۔ بہت بیداو لیں = محبوب، شکر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے بھائی دل دیکر میں اب شراب عشق تو کیا، خاک بھی نہیں۔ یعنی کچھ بھی تو اتنی باقی نہیں رہی جس پر کوئی شکر عشق تم کرے، مگر ابھی تک اس شوخ بیداو کو جو تم گری میں فنکار ہے مجھ پر ظلم و جور کی آرزو رکھتا ہے۔

غزل (۵۹)

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے دام خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
بکر کئے آزارِ تسلی نہ ہوا جوئے طوں ہم نے یہاں بن ہر خار کے پاس
نہ تھیں کھولنے کی کھولنے آئیں ہے طوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
میں بھی دک دک کے نہ مرنے جڑ پاں کے بدلے دشن اک تیز سا ہوتا رہے غنوار کے پاس
دہن شیر میں جا بیٹھے لیکن اے دل! نہ کھڑے ہو جے خواہاں دلِ آزاد کے پاس
دیکھ کر تھک کو چمن ہلکے سو کرتا ہے خود بخود پیچھے ہے گلِ گوشِ دہر کے پاس
مر گیا ہنوز کے سرِ غالبِ وحشی ہے ہے

ضنا آ کے وہ اس کا تری دیوار کے پاس



مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے

دام خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

مژدہ = خوش فہمی۔ ذوقِ اسیری = لذتِ اسیری۔ دام = ہال۔ قفس = جبرو۔

تشریح:- فنکار اس کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے خطرے میں ایک پرندہ رکھتے ہیں اور اس کے باہر ہال دکھاتے ہیں تاکہ اس کا ہم جنس فنکار اس کو دیکھ کر آواز دے اور ہال میں پھنس جاوے۔ اس پھر کو فنکار میں رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اے میرے ذوقِ اسیری تجھے خوش فہمی ہو کہ تیری گرفتاری کے لئے قفس کے گرد ہال خالی نظر آتا ہے۔ اور قفس میں بیٹھا ہوا ہم جنس جو تیری بہت میں گرفتار ہے اور تیرے سامنے ہے کہ تو بھی خود کو اس ہال میں پھنسا دے تاکہ میرے ذوقِ اسیری کی تکمیل ہو

ہو جائے اور حقے ہم جنس کی خواہش بھی پوری ہو جائے۔



جگر کھانڈ آواز تھلی سے ہوا

جوئے خواتین ہم نے یہاں بن برہادر کے ہیں

جگر قشہ = جاسا ہجر۔ آزار = تکلیف مرض۔ جوئے خون = خون کی خیر۔ یمن = بنیاد۔ خار = کاغذ۔
تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم نے ہرچیز ہر کائنات کی جڑ میں اپنے خون کی خیر بہا دی مگر ہمارے جگر کی جڑ قشہ آزار کا
جاسا تھا تسلی نہ ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کی ہر خواہش گزار دادی سے اپنی جان کی بانی لگا کر گزار دے رہے اور ہمارا
حوصلہ بجائے بہت ہونے کے اور بلند ہوتا گیا اور ہم ہر مشکل مرحلے کی تلاش میں رہے اور مردانہ اور ہر خفی کا مقابلہ کیا اور
ان تمام مشکل کے سامنے ہمارے۔



کدھنیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے

خوب وقت آئے تم اس عاشق بھارے ہاں

تشریح:- اسوں کو آپ کے بارش کا آخری وقت تھا۔ دوست و مہات کی مجلس میں جمنا تھا۔ آپ اچھے وقت خریدنے کے لئے نکلیں۔



حق بھی ڈک ڈک کے نہ مڑتا جھوٹاں کے بدلے

وہ ایک لمحہ کا بہتر فیصلہ ہے

وہ = غیر = غائب = مہاجر =

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر تیرے اس ساتھی (محبوب) کے پاس زبان کے بدلے کوئی اصل حیز سا مقرر ہو جاتا تو میں اس طرح ڈک ڈک کر ایک لمبے عرصہ میں نہ مرتا، بلکہ ایک دم مر جاتا۔ جو میرے حق میں بہت بڑا حرقہ۔ محبوب کی زبان روزی سے دے رہی ہے مگر ساتھ ہی دہانے پر بھی مجبور ہیں۔



وہی شعر میں جا چکے تھیں اے ملا

نہ کھڑے ہوئے خواہی مل آلود کے پاس

دہن۔ سو۔ خرابی دل آزاد۔ دل کو تکلیف پہنچانے والے مراد سیان ہیں۔

تشریح:- سیان دل آزاد سے حضرت اس قدر مراد ہیں کہ ان کے پاکی گزے ہوئے کو برا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شیر کے حوض میں بیٹھا اس سے بہتر ہے کہ ان کی محبت میں گرفتار ہوا ہمارے۔ ان کی محبت پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ غزل میں یہ مضمون واسطہ کھلا ہے۔



دیکھ کر تجھ کو بھی ہلکے ہو کر رہا ہے

خود کار یہ سوچے ہے گل گشتہ دہار کے پاس

نمو کرنا۔ غور کرنا۔ گل۔ پھل۔ گوشہ۔ کونہ۔ دہار۔ بکری۔

تشریح:- یہاں حضرت محبوب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ لہذا ہے کہ تجھے دیکھ کر گشتاں بھی شایب پڑا جاتا ہے اور اس دیکھ بھڑک کر پھل خود بخود عاشق کی بکری کی تربت میں جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل دل حضرات بھی تجھے دیکھ کر خود رانی اور کج کاری اختیار کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنے گمراہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔



مر گیا ہوا کے سرعابِ دہشی ہے

بیٹھا آگے وہ اس کا قری دیدار کے پاس

تشریح:- کہتے ہیں کہ عاشق درعابِ دہشی کا قری دیدار کے پاس آگے بیٹھا پڑا ہے، انہوں کو وہاں سے ہوا بھر پور کر مری گیا مگر نہ کوئی توجہ نہ کی۔

غزل (۶۰)

رخ تھوڑا ہے سوز ہاروں میں	ہوئی ہے آتش گل آب و تنگانی میں
دہان اہل دہاں میں ہے مرگہ غامضی	یہ بات ہم میں روشن ہوئی دہانی میں
کے ہے حرف پہ امانے شطرتھہ تمام	پہ طرز اہل فنا ہے فساد غرائی میں
غم انکو صرحت پہوان کا ہے اے شعلہ	ترے لڑنے سے ظاہر ہے تاثری میں
ترے خیال سے مداح اجزا کرتی ہے	پہ جلوہ روغنی ہوا پہ نرغہانی میں
نکاح مداح غم عشق کی بہار نہ پوچھے	ہنگامی ہے عیب گل غرائی میں

چلے ہے دیکھ کے ہاتھی بارہ گھوڑے
نہ کیوں ہول پڑے مرے داغ بدگلی شمع



زنگ نگار ہے سوز ہارواہی شمع

ہوئی ہے آتش گل آب زنگلی شمع

زنگ نگار = منکب سے آراستہ چہرہ۔ ہارواہی شمع = شمع کی بجلی۔ آتش گل = پھول کی آگ

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کا حسین اور تاباں چہرہ اپنی آب و تاب میں شمع کی مانند ہے، کہ اس کی زندگی میں ہے
کہ وہ ہمیشہ بجلی رہے۔ بجلی غیا کا نام شمع ہے۔ محبوب کے حسن کا خاصاں اس کا شباب ہے۔ اس کے رخصت ہوتے ہی حسین
نہیں رہتا۔ اور اس کے گل زندگی آتش (آب و تاب) گویا انکی شمع حیات کی زندگی ہے۔



زبان اہل زبان میں ہے مرگہ خاموشی

یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

تشریح:- جولوگ واقف کار اور صاحب زبان ہیں ان کا قول یہ ہے کہ خاموشی موت کے مترادف ہے۔ اور اہل بزم پر
اس مادہ کا انکشاف شمع کی زبانی ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک شمع روشن ہے اس کے برلے کا اس کے زعم و ہونے کا
ثبوت ہے اور اس کی زندگی کی دلیل ہے۔ وہ خاموش ہوئی، بجھتی ہو گویا اس کی موت واقع ہو گئی۔



کسے ہے حرف با ایمان شطر قصہ تمام

ہر طرز الی قاتل ہے فساد غولی شمع

ایمان = ائمہ۔ رضا = خوشی اور خاندانی۔ شطر = پہاڑی۔

طرز = طریقہ۔ قاتل = موت۔ فساد = کہانی۔

تشریح:- شطر کی نظر پر شمع کی زندگی کا اخصار ہے، یہاں کہہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی میں اس کا قصہ تمام کر دے۔ شمع جو
لگنے سے موت و حیات میں کرتی ہے۔ یعنی اس بارے میں جو اس کی قصہ غولی ہے اور الی قاتل کے طور طریقہ پر ہے۔ مطلب یہ
ہے کہ جو حضرات کائنات کی تعلیم سے آراستہ ہیں اور شمع کی لگنے غولی کا بھی طرح سمجھتے ہیں۔



تم اسکو حسرت پرمانہ کا ہے اے شعلہ!

ترے لڑنے سے ظاہر ہے ہاتھنی شمع

حسرت = آرزو، افسوس۔ پرمانہ = چنگ۔ شعلہ = چنگری۔ ہاتھوں = کمرہ۔

تشریح:- یہاں شعلہ سے مراد شمع کی کوہ ہے۔ اور وہ ہر وقت لڑتی رہتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے شمع تیرے لڑنے سے شمع کی کمرہ کی کھار ہوتا ہے، کیونکہ وہ غمزدہ ہے اور اس کو تم پرمانہ کے جل سرنے کا ہے کہ اس نے شمع کے شمع میں جان دینی اور ایک لمبی بھی ملاقات کا ہے محبوب سے بھرتہ ہوا۔



ترے خیال سے روح احتراز کرتی ہے

چہ جلوہ ریزی باد چہ نہ لفظی شمع

احتراز = پناہ، بھاگنا، ڈرنا۔ جلوہ ریزی = جلوہ دکھانا۔ باد = ہوا۔ پر لفظی = بکھرنا۔

تشریح:- ہوا جب اپنا جلوہ دکھاتی ہے تو شمع کی کو کا پتہ نہ دیکھ سکتی ہے تو اس کے بجھنے کے خیال سے میری روح دار کے بھاگنے لگتی ہے اور پریشان ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ انسان کی شمع حیات کی کلیتہً ہیچ ہاسی کی مانند ہے۔ مظلوم نہیں کون سا ہوا کا بھولاس کی موت کا سبب بن جائے۔



ظلمہ دارغ تم شمع کی بہار نہ بوجھ

شعلہ کی ہے صوبہ گل خونی شمع

نشاط = خوشی۔ شعلہ کی = بھلا۔ شہید = جو گولی دے چکا۔ گل خونی = خراس کے موسم میں کھلا پھول۔
تشریح:- تم شمع کے (ظلمہ دارغ) کھانے میں سخت لذت ہے۔ اس بہار میں کتنا لطف ہے مجھ سے مت بوجھ۔ بس یوں مجھ نے شمع جس طرح خراس میں کھلے پھول کی مانند تھوڑی دیر رہتی ہے اور کھلا کر بجھ جاتی ہے وہ مجھ نہیں جانتی بلکہ مرہ شہادت پالتی ہے۔ یہ مرہ شہادت اس کے لئے شعلہ کی اور خوشی کا باعث ہے، کیونکہ وہ مالک کی رضا کے تحت اس کا مقصد پورا کرنے کے بعد ختم ہوتی ہے۔ اسی کا نام شہادت ہے۔ میں بھی اسی شمع کی طرح شمع کی آگ میں جل رہا ہوں اور شمع کے (ظلمہ دارغ) لطف اٹھا رہا ہوں۔



جئے ہے دیکھ کے ہاتھ پا رہے تھک

نہ کیوں ہول پہ سرے دارغ بدگمانی طبع

ہائیں = سرا۔ پار = دوست۔ دارغ بدگمانی = برے خیال کا دارغ۔

تشریح:- حضرت رملیہ لفظی کا مظاہر فرما رہے ہیں جو ان عروض کا غور صورت کمال ہے۔ یہاں طبع کے جملے کو حضرت نے اپنے صحت سے تعبیر کیا ہے کہ مجھے محبوب کے سر پہ بے شمار کچھ کر جل رہی ہے اور اسے بھی یہ اتنا سال پار گوارا نہیں ہے۔ میرے دل پر طبع کی اس بدگمانی کا دارغ کیوں نہ ہو۔

شعر خدا میں حسن رملیہ لفظی اور حسن تغلیل کا مظاہرہ لطف و سدا ہے۔

غزل (۶۱)

رزم پہ چڑکیں کہاں مظلان ہے پردا تک کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا تک
گر وہاں پار سے سامان باز رزم دل ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدائش
مجھ کو ادا دانی رہے تھک کو مبارک ہو بلکہ لیل کا درد اور شہدائے گل کا تک
خود جلاں تھا کھار بگر پہ کس کا کہ آج گر سائل ہے بہ رزم سوئے ادا تک
دار دتا ہے سرے رزم جگر کی داغ دا یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا تک
بہبود کر جاتا تھ عروج ماضی خف ہے دل طلب کرتا ہے رزم اور سائے ہیں اصناف
غیر کی منت نہ کبھیوں گا ہے تو تیرا ورد رزم میں شہدائے قاتل ہے سرتاپا تک

یاد ہیں قاتل تھے وہ دن کہ وہ ذوق میں

رزم سے کرتا تو میں بکریں سے پھٹا تھا تک



رزم پہ چڑکیں کہاں مظلان ہے پردا تک

کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا تک

مظلان = حق مظل کی ہے۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بچوں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ میرے رزموں پہ تک چڑکیں اور میں لطف جماعت اٹھاؤں۔ انہیں تو اپنے تفریح کی خاطر دبانے کے واسطے پتھر دانا ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود پتھر کے اندر تک ہوتا تو جو رزم بھی لگا دو



کرد رہا ہمارے سامان باز دلم دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدائش

تشریح:- عاشق کے دلم دل کو جس سامان پر فخر ہے وہ محبوب کے مانتے کی بھول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کے راستے کی مشکلات اور تکالیف ہی عاشق کا فخر کے قابل سرمایہ ہے۔ اس کا لذت آزار کہا گیا ہے جو عاشق کے دلوں پر تک کا کام کرتا ہے۔ ورنہ اس دنیا میں تک کی پیداوار کچھ کم نہیں ہے۔ مگر عاشق کو جس تک کی ضرورت ہے وہ وہی ہے جس کا وہ ہوا کر گیا تھا۔



مجھ کو ازلانی رہے تھو کو مبارک ہو
باز بھل کا درد اور خدائے گل کا تک

ازلانی = آسانی، خوشی۔۔۔ باز = فریاد۔۔۔ خدائے گل = بھول کی ٹہنی (کھنڈا)۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں باز بھل کے درد کا خواہش مند ہوں کہ مجھے اس کے شے میں لطف آتا ہے۔ چونکہ وہ میرے درد کے عین مطابق ہے۔ اور تجھے بھول کی جیسی ٹہنی مبارک ہو جو میرے دلوں پر تک پاشی کرتی ہے اور وہ میرے حسن کے شایانہ شان ہے۔



شور جلاں تھا کدھر مگر کس کا کہ آج
کرد ساحل ہے بہ دلم سوچے دریا تک

شور جلاں = کھیل کود کا شور۔۔۔ کدھر مگر = دریا کے کنارے۔۔۔ کرد ساحل = کنارے کی بھول۔

تشریح:- آج دریا کے کنارے کچھ شور مچا رہا ہے اور اچھل کود ہے۔ کس کے ڈوب جانے کی خوشی ہے۔ وہ کون کونسی شخصیت ہے جس کے ڈوب جانے پر سوچ دریا کو سخت دریغ و غال ہے اور ساحل کی وہ بھول جو خوشی منانے والوں کی اچھل کود سے آنکھ دھری ہے سوچا دریا کے دلم غم پر تک کا کام کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پورا احوال میری حالتِ ذرا پر بخیر ہے۔ مگر محبوب اور اس کے رفیقوں کے۔



داد دیتا ہے سرے ذم جگر کی داد دا

یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا تک

تکرتاج :- وہ جہاں کہیں بھی عشق و عاشقی پر عقیدہ، شغف اور مذاق ہوتے دیکھتا ہے مجھے یاد کرتا ہے کہ کاش وہ اس سونچ پر ہوتا تو یہ سنگٹھوس کے ذم جگر پر تک کا لاکرتی۔ دادا دادا! ہم بھی کتنے خوش نصیب ہیں کہ محبوب بھی داد تو ہماری محبت کا مذاق اڑانے والا ہے۔



پھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے

دل طلب کرتا ہے ذم اور مانگے ہیں اعضا تک

تن مجروح = ذمی بدن۔ حیف = افسوس۔ اعضاء = جن عضو کی بدن کے حصے۔

تکرتاج :- میرے گل کے بعد تن عاشق کو کل حالت میں پھوڑ کر چلے جانا افسوس کا مقام ہے ابھی تو میرا ذم حریفانوں کا طالب ہے اور بدن کا ایک ایک حصہ جو ذمی ہے تک پاشی کا خواہش مند ہے، کیونکہ مر جانا تو اس حال میں لازمی ہے تو لذت و آزاد سے تھکرا ہوا طلب اٹھائیں۔



غیر کی منت نہ کھینچوں گا ہے تو غیر دور

ذم منہل شہداء قاتل ہے سرتا پا تک

منت = خوشامد۔ شہداء قاتل = قاتل کی اہلی۔ سرتا پا = سرے پاؤں تک۔

تکرتاج :- فرماتے ہیں کہ میں اپنے حیدر اور جماعت کو وقعت دینے اور بڑھانے کے لئے کسی غیر کی خوشامد اور احسان اٹھانا پسند نہیں کروں گا کہ وہ میرا مذاق اڑائے اور میرا درد بڑھے اور میں دباؤ سے زیادہ لذت و آب ہوں۔ میرا ذم تو خود قاتل کی اہلی کی طرح کھٹکھٹا رہا ہے اور خود پر تک پاشی کر رہا ہے اور سرتا پا تک چٹا ہوا ہے۔



یاد ہیں غائب تجھے دونوں کنہ جہانوں میں

ذم سے کہتا تو میں پتھروں سے پتھرا تھا تک

وحد = کسی بات کا جان پہچان اس خوشی میں مجھم اٹھتا۔ ذوق = دلچسپی۔

تکرتاج :- فرماتے ہیں کہ اسے غائب کیا تھے وہ دونوں یاد ہیں غائب لذت و آزار اٹھاتے ہوئے خوشی سے مجھم مجھم

ہایا کرتا تھا۔ اور کہتے تھے:۔ سب سب میرے علم سے تنگ کا کوئی دائرہ کر گیا ہے تو میں اس کو اپنی چلوں سے اٹھا لیا کرتا تھا اور پھر اس کو زخم پر رکھ لیا کرتا تھا۔ چلوں سے تنگ چنانچہ ایک محاورہ ہے جو معاملے کو اہمیت اور وقعت دینے پر دلالت کرتا ہے۔

تبصرہ:۔ والدہ یہ ہے کہ ماضی صادق ہر وقت محبوب کی رضا کا طالب رہتا ہے اور ہر تکلیف کو محبوب کا حلیہ سمجھتا ہے اور خوشی قبول کرتا ہے۔ سیدنا ایوبؑ کے ساتھ یکساں طرح کا معاملہ گذرا ہے اور شاعر کا اشارہ عائشہؓ کی جانب ہے۔

غزل ۱۰، (۶۲)

غم نہیں ہوتا ہے آزاد وگوش از یک شمس برق سے کرتے ہیں روشن صبح نام خانہ ہم
 غم نہیں برہم کرے ہے مجھ سے باز خیال ہیں ورق گردانی شریک یک بختانہ ہم
 باوجود یک جہاں ہنگامہ بیدائی نہیں ہیں جہانگاہ شہتانی دل پردانہ ہم
 ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ہیں وہاں حکیم کاو صحت مرادانہ ہم
 نام انکس اس میں ہیں انکسوں قناتیں آسہ
 جانتے ہیں سینہ پر غلوں کو زباناں خانہ ہم



غم نہیں ہوتا ہے آزاد وگوش از یک شمس
 برق سے کرتے ہیں روشن صبح نام خانہ ہم

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ ہم جیسے آزاد و صبح لوگوں کو کسی بھی بات کا غم ایک آدمہ شمس، چنانچہ وہی سے زیادہ نہیں ہوتا، ہم تو اپنے غم کو دے کی شمع کو بھی بجلی سے روشن کرتے ہیں۔ یہاں بجلی سے روشن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خطرناک سے خطرناک کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہماری طبیعت مصائب و آلام کو برداشت ہی نہیں کرتی بلکہ مشکلات سے گذرنا ہمراہ لچپ مشط ہے۔ دوسرے بجلی سے روشن کرنے میں جلد بازی کا مظاہر کرنا بھی مقصود ہے، چونکہ معصومہ ازال میں لڑا ہے ہیں کہ غم بھی یک شمس سے زیادہ نہیں ہوتا۔



مظہبیں برہم کرے ہے مجھد ہاں خیال

ہیں ورنہ گردانی نیرنگ یک بختانہ ہم

برہم = دوہم برہم بزرگ۔ مجھد = ایک نکل کا نام۔ نیرنگ = عسکی طاقت۔ یک بختانہ = نرا اور نیا ہے۔
تشریح:- فرماتے ہیں کہ ظہرِ مذکور ایسے مکمل ہیں جن کو صرف وہی ایک دوسرے کے مقابل ہو کر مکمل کئے ہیں
تیسرا کوئی شخص اگر اس کو دیکھنے والا ہو گی تو وہ نہایت خاموشی سے دیکھتا ہی رہتا ہے۔ وہ اس انداز کی خلاف ضابطہ ہے اس
لئے ان کا اصل مکمل خاموشی چاہتا ہے۔ یہ عرف اس کے مظلوموں میں رہا رنگ خیال کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور مختلف
موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے۔

ظہرِ مذکور مجھد کے خیال سے متفق لوگ تو مظلوموں کو یہاں اور برہم کر دیتے ہیں۔ ہم جیسے مصروف کار ہنگامہ پسند لوگوں کی
دعوت اس کے بالکل ہی خلاف ہے، کیونکہ ہمارا کام کتاب الارض کی اور فی گردانی (مطالعہ) کرنا ہے، یعنی ذہنی حالات پر
تحقیق و تجسس اور پھر اس کو آراستہ کرنا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک کام یہ ہے کہ اپنے گروہ میں سے فساد فی الارض کو روکنا اور
عدل قائم رکھنا ہے۔ جس کے لئے سلامنا قبول نے فرمایا ہے:

بارغِ نبوت سے مجھے علم ضرور دیا تھا کیوں کار جہاں ردا ہے اب میرا نہ تھا کار



اور جو کہ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں

ہیں جماعتِ شہستانِ دل ہوا نہ ہم

ہنگامہ = شور و غل غواہی کا ہر غواہ اور مذکور کا۔ شہستان = راتوں کے گزارنے کا مقام۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم اس کے باوجود کہ صرف اس ایک جہاں دنیا میں ہنگامہ پائی کیلئے بیٹھے گئے ہیں، چونکہ
ازد بخلاف اسلام میں صرف اس دنیا کا طیف تھا گیا ہے مگر ہماری نگاہ صرف دنیا تک محدود نہیں، ہماری کلیت
اس پرانے کے دل کی مانند ہے جو رات میں روشن جزاوں چاندوں کی طرف دھڑکتا ہے، کبھی کسی چاند پر کبھی کسی چاند
پر، مظلوم نہیں کسی چیز میں یہ دوا دھوپ کرتا چاہر ہاں آخر جان دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خواہ جمہور انسان کی فطرت ہے جو انسان اس جذب سے محروم ہے وہ شام کی نظر میں انسان ہی نہیں، بلکہ
دیکر جانوروں کی طرح ایک جانور ہے۔



ضعف سے ہے نے قامت سے یہ ترکِ جنم

ہیں وہاں تکیے گا، صحتِ مراد ہم

ضعف = کمزوری۔ قامت = اعتقاد۔ بے گری۔ ترکِ جنم = تلاشِ جہود و اہل۔ تکیے گا = قبرستان۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ترکِ جنم و اعتقاد کے قول کے مطابق انسان کے لئے انکی موت کے مترادف ہے۔ معلوم نہیں یہ بیماری ہمیں کمزوری کے سبب لاحق ہوئی یا عقل اور اعتقاد کی بناء پر، بہر حال اب ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہماری صحتِ مراد مر رہی ہے اور قبرستان پر بھی ایک ہال اور کرسی بن کر ملا ہے۔



دائمِ الحس اس میں ہیں لاکھوں قضا کی آمد

جانتے ہیں سینہ پر خون کو زعمانِ خانہ ہم

دائمِ الحس = مستقل کا جس، جہاں دوسکھن کا گزرنہ ہو۔ زعمانِ خانہ = قید خانہ (جیل)۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم اپنے سینہ پر خون کو زعمانِ خانہ سے لگا ہوا ہے تاکہ قید خانہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں لاکھوں آرزوئیں قید ہیں اور عقل کے لئے ہمیں میں جلا ہیں، اس ضمن سے اس کی آزادی کی کوئی توقع بھی نہیں ہے۔

غزل (۶۳)

کی دعا ہم نے تو میراں کو بنا کہتے ہیں	ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو نما کہتے ہیں
آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے	کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھنے کیا کہتے ہیں
اگلے دنوں کے ہیں یہ لوگ انہیں بکھڑ کو	جو سچے دنوں کو اعداؤ بنا کہتے ہیں
دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جڑ فرست فٹس سے	اور ہر کن سے نالے کو دسا کہتے ہیں
ہے ہے سرجہ اور اک سے اپنا سمجھو	قبلہ کو اہل نظر قبلہ بنا کہتے ہیں
پائے انگارہ پہ جب سے تجھے دم آیا ہے	خارہ کو ترے ہم مر گیا کہتے ہیں
اک شر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا	آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
دیکھنے لاتی ہے اس شرع کی غارت کیا رنگ	اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

دھت اور چیلو اب مرے کہیں ٹاپ

مرکا غائب آفتد لڑا کہتے ہیں



کی دھام سے ڈر نہیں کر جانا کہتے ہیں

ہوتی آتی ہے کراہوں کو لڑا کہتے ہیں

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کی ہمارے پاس آمد و رفت محبت اور وقار کی لوگوں کو ایک نظر نہیں بھاتی۔ وہ اس کو ہٹکار دلی سے تعبیر کرتے ہیں اور معاشرے پر غم تاتے ہیں، جب کہ اس کام سے ملتا جلتا غائبانہانیت نہیں ہے بلکہ ایسا مکمل ٹاپ اور محبت رکھنا انسانی فرض ہے مگر اچھوں کو برا کہنا آج کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے۔



آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے

کہتے ہاتے تو ہیں تو پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

تشریح:- کہتے ہیں کہ آج ہم اپنی پریشانی مال ان سے کہتے ہاتے تو ہیں مگر دیکھئے کہ ہمیں ہا نہیں گے ہا نہیں، کیونکہ مشق ذراہیں بدل ٹھکانے ہے نہ دماغ، کہنا کچھ چاہیں گے اور وہ ان سے کہہ سکتے گا کہ ہم جا رہے ہیں۔



اگلے دنوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کہہ نہ سکے

جو گئے و نکلے کو امداد نہا کہتے ہیں

معنی = شراب۔ نخرہ = سرور۔ امداد = فہم و آگاہی۔ نہا = بھولے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ لوگ جو گائے بھانے اور سے ٹوٹی کو فہم و آگاہی کو فہم کرنے والا یا بھانے والا مدد کرنے والا کہتے ہیں وہ بہت سیدھے سادے اور پائے زمانے کے لوگ ہیں جن سے فرض مت کرو۔ شاعر کے نزدیک ایسا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں، ان کا خیال شاید یہ ہے کہ سے نخرہ جذب امداد کو چاہئے اور آتش عشق کو بھڑکانے کے لئے ہوتا ہے، جیسا کہ اکثر صوفیائے کام ہمارے گواہ کہتے ہیں مگر شراب ان کے یہاں نہیں ہے۔



دل میں آجاتے ہے جو ہوتی ہے نصرتِ عشق سے

اور بحرِ کون سے نالے کو دسا کہتے ہیں

غش = بیہوشی۔ نال = لڑاؤ۔ زسا = کھینچنے والا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم نال و زاری کرتے کرتے شدتِ غم سے بیہوش ہو جاتے ہیں، پھر جب ہوش آتا ہے تو محبوب ہمارے دل میں آ جاتا ہے اور ہمارا مطلب بھی بچا ہے کہ وہ ہمارے پاس رہیں، اس طرح ان کا ہمارے دل میں آ جانا ہمارے غلوں کا راسخ ہونا ثابت کرتا ہے، غلوں کا باڑا ہونے کا ثبوت ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہم اور کون سے غلے کو رکھ سکیں گے۔



ہے پرے سرحد اوراک سے اپنا سمود

قلہ کو اہل نظر قہل لیا کہتے ہیں

اوراک = محسوس کرنے کی قوت۔ سمود = جس کو بھردہ کیا جائے۔ اہل نظر = نظر رکھنے والے۔ قہل لیا = قہل دیکھانے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم جس کو بھردہ کرتے ہیں اور سمود مانتے ہیں وہ تو عقل اوراک سے بہت آگے ہے، یعنی مقامِ ہادیِ حقانی۔ ہم لوگ جس طرف ذبح کر کے عبادت کرتے ہیں اور اس کو قہل و کب کہتے ہیں وہ تو اہل بصیرت حضرات کی نگاہ میں قہل دیکھانے والا ہے، قہل نہیں ہے۔ مطلب مقامِ ہادیِ حقانی نہیں ہے، وہ تو سب جگہ موجود ہے اس کو کسی ایک جگہ کا اس کو بھردہ کرنے کے مترادف ہے، جس کی شان کے خلاف ہے۔



پائے انگار پہ جب سے تجھے رزم آیا ہے

خارہ کو ترے ہم سر گیا کہتے ہیں

پائے انگار = زخمی پاؤں۔ خارہ = راستے کے کاسے۔ سر گیا = گھاس کوڑے کی مصراہی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ جب سے تجھے ہماری بوسیدگی اور حاستہ زار پر رزم آیا ہے اور تجری نگاہِ کرم ہماری طرف ہوئی ہے جب سے تجھے راستے کا کاسہ بھی ہمارے زخمی پاؤں کو بھلا گیا ہے، ہم اس کو بھی راستے کے کوڑے کرکٹ کی مصراہی تصور کرتے ہیں۔



دیکھنے لاتی ہے اس شرع کی نوبت کیا رنگ

اس کی ہر بات پہ ہم غما کہتے ہیں

شوخ = بچل، محبوب۔ نوحۃ = حرکت، ارادہ، حکم۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں نے جس سے محبت کی ہے وہ نہایت شوخ اور حکیم ہے، دیکھئے آگے آگے کیا حالات پیش آتے ہیں اور کس طرح ہم مہذبہ آئینہ نگار کے اس کی توہرات پر ہماری زبان پر سرورِ مانتہ اللہ کا نام آجاتا ہے۔ یہاں تو شکل کے وقت ہوتا ہے، معلوم نہیں اس شوخ کی حرکت کیا رنگ لگائے گی۔



وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاہ

مر گیا غائب آشتہ نوا کہتے ہیں

وحشت و شیفۃ = یہ دونوں حضرات غائب صاحب کے غیر معروف شاگردوں میں سے ہیں، جن کا شعراء کے تذکرے میں کہیں ذکر نہیں ملتا مگر استاد نے کسی خاص تعلق کی بنا پر ان کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ خلاف ان کے جن شاگردوں نے غائب کو غائب بنایا اور اس سلسلہ میں بہت کام کیا اور بعد کرنے کے سرے بھی کہے، جن کو غائب کی شاگردی پر ناز تھا، جن میں خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا امیر اسامیل میرٹھی خاص ہیں۔ جناب غائب نے کہیں بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ غائب کہاں یہ ہے کہ یہ معروف حضرات استاد کے مسلکی اعتبار سے مخالف تھے، اس لئے تعصب کا شکار ہو گئے۔ واضح اہم

آشتہ نوا = بعد ہوا محسوس کرنے والا۔ (دریافت)

تشریح :- شعر مذکور بالا مضمون نہایت سادہ اور سلیس ہے مگر تراخ طلب نہیں ہے۔

غزل (۶۳)

مثنیٰ تا میر سے لومہ نہیں جاں نہادی فخر یہ نہیں

سلطنت دست بدست آئی ہے - ہام سے فاقم جمیدہ نہیں

ہے تھکی تری سلامی و جود - آواز ہے پر تو غور شدہ نہیں

راز معشوق نہ دسا ہو چلائے - روز مرہانے میں کچھ نمید نہیں

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے - لم عروسی جلا یہ نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ - ہم لا جیتے کی بھی امید نہیں

مثنیٰ تا میر سے لومہ نہیں

جاں نہادی فخر یہ نہیں



محقق تاثر سے اوسید نہیں

جاں سپاری فخر بیہ نہیں

اوسید = نا اوسیدی۔ جاں سپاری = سخت جانی۔ فخر بیہ = بیدکار رفت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ محقق اگر خائف ہے تو وہ ہر حال رنگ لا کر رہتا ہے اور اپنی تاثر سے نا اوسید نہیں ہے۔ عاشق کی سخت جانی ہر معیبت اور مشکل کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ وہ فخر بیہ کی مانند عالم نہیں ہوتی جو رفت رفت آنے پر کاپ ہائے وہ تو سپاری کی طرح سخت ہوتی ہے۔



سلطنت دست بدست آئی ہے

ہام سے خاتم جمیدہ نہیں

ہام سے = شراب کا خیال۔ خاتم جمیدہ = شاہ جمیدی طوسی نگوشی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ نگوشی تو دست بدست (اور انشا) منتقل ہوتی آئی ہیں۔ باپ کے بعد بیٹا بادشاہ بنا ہے اور شاہی کا مستقل بھی وطیرہ رہا ہے۔ جمیدہ بادشاہ کی طوسی نگوشی اسی طرح دربار پر منتقل ہوتی رہی اور بادشاہت کا سلسلہ چلتا رہا مگر شراب کا ہام (اور ہام) اس قانون کا پابند نہیں رہا کہ وہ دست بدست منتقل تک پہنچے، یہ تو براہ راست ملتا چاہئے۔ حضرت کی عقلی اور جسمی اس معاملے میں کسی قانون کی پابندی کو برداشت نہیں کرتی۔



ہے جلی قری سامان وجود

ازہ نے پرتو خورشید نہیں

جلی = جلوہ نگار۔ وجود = ہستی۔ پرتو = سایہ نہیں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اشیا نے عالم کا وجود ہی حیرتی ذات کا نگار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موجودات عالم کے مطالعہ نے ہمیں حیرتی ذات سے حصارف کرا لیا ہے اور یہ دار تابیہ ہے کہ اگر خورشید نہ ہوتا تو ازہ کی چمک مٹم ہو جاتی ہے اور خورشید کے پرتو کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، بیحد اسی طرح ہمیں بتانا چاہتا ہے کہ یہ موجودات عالم بغیر کسی خالق کے وجود میں نہیں آیا، البتہ اس کا کوئی خالق ہے وہی دائمی مہارت ہے۔



راز عشق نہ افسوس ہو جائے

اور نہ مر جانے میں کچھ بھی نہیں

تشریح:- ہم عشق کی بجائے راز سے خود کو بچانے کے لئے اور مسیبتوں سے خود کو نجات دلانے کے لئے خود کو کٹی کر رکھتے تھے، ہمیں موت سے ڈرنے لگا مگر ہم اس لئے ایسے نہیں کر سکتے کہ ہمارے اس فعل سے اور محبوب پر نام ہو جائے گا ہمارے ہمارے طریقے کے اثرات لگائیں گے جو ہمیں گوارا نہیں۔



گردشِ رنگِ طرب سے ادا ہے

نیمِ عروسی جاوید نہیں

گردش = تہوار، میلاد۔ رنگِ طرب = پیش رفت کا اصول۔ عروسی جاوید = نکاحی کے لئے عروسی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اصل عروسی گردشِ رنگِ طرب یعنی پیش رفت کا دور جس سے ہم اس وقت لطف اندوز ہو رہے ہیں وہ اس قدر خوشگام ہے کہ ہمیں طربِ عزت سے ڈرنا چاہئے کہ یہ کیفیت کہیں اس کے غضب کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ مخالف اسکا اگر عیش کے لئے عروسی ہم پر مسلط ہو جائے تو وہ پیش رفت کے دور سے بہتر ہے، اسلئے ہمیں اس پیش رفت و آرام کی زندگی کا کوئی ٹم نہیں ہونا چاہئے جو کچھ عیش ہے وہ پیش رفت کی زندگی ہی سے ہے۔



کہتے ہیں جیسے ہیں امید پہ لوگ

ہم کو چہنے کی بھی امید نہیں

تشریح:- شعر کا تہ درجہ سادہ اور سلیس ہے۔ شاعری کا کمال یہ ہے کہ وہ لفظ پر ایک خوبصورت شعراستارے تعمیر فرماتا ہے اور لفظ (جیسے) اور (امید) ہیں۔ جس طرح ذوقِ مزاحب نے فرمایا:

بے شکایت نکلے اسے ذوقِ محبت کے حوے ہے محبت نکلے اسے ذوقِ شکایت کے حوے

غزل (۶۵)

میراں ہو کے چلا۔ مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آج بھی نہ سکوں
صفت میں طعنے اظہار کا فہم کیا ہے بات بکھر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہیں سکوں

ذہر ہا ی نہیں مجھ کو شکر دہر

کیا تم ہے ترے لئے کی کر کھا بھی نہ سکوں



مہرباں ہو کے بالو مجھے جا ہو جس وقت

میں گیا دت نہیں ہوں کر کھا بھی نہ سکوں

تشریح:- ایسا لگتا ہے کہ حضرت غالب کسی مہمان کو رخصت فرما رہے ہیں۔ مہمان نے رسوا کیا ہوگا کہ حضرت بھی غریب خاندان کو بھی عزت بخشیں۔ اس کے جواب میں حضرت فرما رہے ہیں کہ جب آپ چاہیں دے دو فرما دیں میں ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔ میں کوئی گندے دت کی طرح نہیں ہوں کہ دولت کے آئی نہیں سکتا۔

مگر حضرت نے شرط آنے کے لئے ہانے کی رکھی ہے اور یہ ان کی خود داری کی دلیل ہے۔ وہ گویا بے ہانے نہیں جانا پسند نہیں کرتے اس میں باپنی تو ہیں محسوس کرتے ہیں۔



ضف میں غلوۃ اظیار کا شکوہ کیا ہے

ہات بکھر تو نہیں ہے کراٹھا بھی نہ سکوں

ضف = کڑوری۔ اظیار = بیج ٹبر کی۔ شکوہ = شکایت۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس کڑوری کے عالم میں غلوۃ کی غلوۃ زنی کی شکایت کروں کہ وہ میرے خلاف کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ میں تو اس غلوۃ میں بھی نہیں کہان کو انکی حالت میں معقول جواب دے سکوں۔ ہر نہ بات تو بات ہے بکھریا مشکل معاملہ بھی نہیں ہے۔ سرائیانا اہل ہیرے لئے مشکل ہوا ہے۔ بات کو اٹھاتا (ہر داشت کر لینا) ہی اس عالم میں سہل کام ہے۔ ہر کہہ رہا ہوں۔



ذہر ہا ی نہیں مجھ کو شکر دہر

کیا تم ہے ترے لئے کی کر کھا بھی نہ سکوں

تشریح:- محبوب کے غفلت سے شکاک کہتے ہیں کہ عالم مجھے تو ذہر بھی دستیاب نہیں اور نہ بھی کا کھا کر مر جاتا۔ میں نے دہر نے کی تم نہیں کھا رکھی۔ جس طرح اتنے مجھ سے نہ ملنے کی تم کھا لگی ہے۔ تجھے اپنی تم کا پاس کرنا بھلی مشکل ہوا ہو مجھے ہر کھا کر مر جاتا کوئی مشکل کا نہیں ہے۔

غزل (۶۶)

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں خلیاں خلیاں اہم دیکھتے ہیں
 دل آشفٹاں خلی کج دہن کے سوچا میں سر ہم دیکھتے ہیں
 ترے سرقامت سے رک جہ آدم قیامت کے لئے کو کم دیکھتے ہیں
 لاش کر اے بھو آئینہ داری تجھے کس قنارے سے ہم دیکھتے ہیں
 سراپا تب تارے داغ دل سے کربش کا نقش قدم دیکھتے ہیں
 ہاکر نقیری کا ہم بھیں جاگے

لٹائے اہل کرم دیکھتے ہیں



جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں

خلیاں خلیاں اہم دیکھتے ہیں

خلیاں = جنگل گلستان۔ اہم = جہت شہاد۔

تشریح:- اپنے مشق کی تحریف میں حضرت رعب اللسان ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم جہاں جہاں میرے نقش قدم دکھائی دے ہیں وہاں جنگل جنگل درخت درخت ہی جنت دکھائی دیتی ہے۔

تہنہ: محبت کی آگاہ ہے کہ محبوب کی ہر گز درگاہی ماضی کو کمر توڑ دیتی ہے کہ اس کا کسی میں جنت دکھائی دیتی ہے۔



دل آشفٹاں خلی کج دہن کے

سوچا میں سر ہم دیکھتے ہیں

آشفٹاں = پریشان حال لوگ (مضطرب)۔ خلی = محل۔ کج دہن = منکاش۔

سوچا = وہ یاد داغ جو مشاق کے دل میں طعن سے پیدا ہوتا ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم ماضی پریشان حال لوگ محبوب کے دل میں جو جنت کے اندھ کی گمشدگی میں پہچا ہے اور جو

ہمارے دل میں یاد داغ سوچا ہے ان میں ماضی موت کا سامان دیکھ رہے ہیں اور غم کو کھتی (عدم) کی سر کرنا پڑ رہے ہیں۔



ترے برداشت سے اک جہ آدم

قیامت کے لئے کو کم دیکھتے ہیں

سرد = ایک خوبصورت سپر حادرت۔ قد = سراپا۔ قد آدم = انسانی قد۔

تشریح:- قیامت کا فتنہ (واقف) ایمان والہ کو ایسا ہی کہہ کر پریشان حال ہو جائیں گے اور کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ انتہائی گرم اور بے پانی کا دن ہوگا۔ محبوب کو جو ہار جوڑا نکلے گا آدمی کے قد کے برابر ہے مگر کتنا مضیق جیسا سرد کا حادرت اس میں، ہماری داخل و برآمدی کے کئے سامان پیچھے ہوئے ہیں، اس لئے اس کو قیامت کے فتنے سے عظیم بتایا جا رہا ہے، کیونکہ اس کو کچھ بھی ماضی و یا اور بائیں سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اپنا جی بکھو ہوش نہیں رہتا۔
قبضہ: سرداشت محبوب کو قیامت سے تشدید کا اور ترجیح دینا کمال شاعری ہے مگر یہ خیال قدیم ہے۔



تلاش کر اے مج آئینہ داری

تجے کس قضا سے ہم دیکھتے ہیں

تلاش کر = جلو فرماؤ۔ محو آئینہ داری = مصروف خود آزمائی۔

تشریح:- حضرت محبوب سے مخاطب ہیں فرماتے ہیں کہ بہت ہو چکا آئینہ تک خود آزمائی میں مصروف و مشغول رہے گا، اگر اب جلوہ دکھا کر ہم کس قضا اور صفائی کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہیں اور تجھے دیکھنے کے لئے چاہت ہیں۔



سراغ حب ہار لے داغ دل سے

کوشش مد کا نقش قدم دیکھتے ہیں

سراغ = پد، کھوج۔ قف = گری، نکال۔ ہار = فراہ۔ شبہ تو = رات کا سارا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے نالے کی گری کا پد میرے داغ دل سے لے، جیسا قدم ہوگا وہی نالہ بھی زوردار اور با اثر ہوگا، مگر اس کا پد تجھے میرے قدم دل سے لے رہا ہوگا۔ مگر دل کا قدم چونکہ تجھے کے اندر چھپا ہوا ہے اس لئے پد لگانے میں تجھے دقت ضرور ہوگی، مگر اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

رات میں کھولے ہوئے کا پد لگانا سخت مشکل کام ہے، مگر جو مشکل کو برداشت کر کے کھوج کرتے ہیں وہ اپنا غوسا سارے قدموں کے کشافات سے پد لگا لیتے ہیں۔



ہا کر تقریری کا ہم ہمیں غالب

قائمان اہل کرم دیکھتے ہیں

تشریح :- شعر نہایت سرد اور خاص صورت ہے۔ ساتھ ہی بہت نکل بھی ہے مگر شاعر کی چابکدستی کا چھوڑا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہم نے جو تقریر کا ہمیں یاد رکھا ہے وہ مصلحت ہے اور مصلحت یہ ہے کہ جو لوگ خود کو بہت نکل اور کرم ثابت کرتے ہیں ان کا احتیاج لینا مقصود ہے اور اس احتیاج میں حضرت کی شراب نوشی کی تسکین کا معاملہ بھی چمچا ہوا ہے۔ چونکہ اس ذوق کی تکمیل کے لئے تو روزانہ ایک کثیر رقم کی ضرورت ہے جس کا روزانہ حضرت نے اپنے غلطو میں بھی کی جگہ دیا ہے۔ یہ عادت ہرے نکل کی ہوتی ہے مگر حضرت کے یہاں مانگنے کے اعزاز ملے ہیں۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

تم شہر میں دو تو ہمیں کیا غم جب اطمینان کے

لے آئیں گے بازار سے ہا کر دل اہاں اور

غزل (۶۷)

ذکر میراب ہدی بھی اسے منظور نہیں لیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدا میر گستاخ ہے خوشا طالع شوق نمودار نقل مقدر ہے جو ذکر نہیں
شبہ مسیح مطلق کی کر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
ظہر اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہم کو تھکید تک ظریفی منظور نہیں
حسرت اسے ذاتی شرابی کی وہ طاقت نہ رہی عشق نے عمر بھر کی گوں تن رنجور نہیں
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں کس دعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم بھور نہیں
علم کر غم اگر لطف درخ آتا ہو تو حقائق میں کسی رنگ سے منظور نہیں
صاف زردی کئے جاتے ہم میں ہم لوگ دوائے وہ ہارو کر انشورہ انجور نہیں

ہوں عیوبی کے حقائق میں خفا کی غالب

بھرے دوائے پہ یہ بخت ہے کہ مشہور نہیں



ذکر میراب ہدی بھی اسے منظور نہیں

لیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

تشریح :- ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا کہ برائی کے ساتھ بھی کئے ہوئے اگلا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دنیا سے ہر سدا رقیب سے تعلقات خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے جس سے وہ آج کل لوٹ ہے۔ اس قسم کے معاملات اور اندیشے طوائفوں سے قطع رکھنے والوں کے ساتھ اکثر پیش آتے ہیں اور حضرت اسی ذوق کے شرفاء میں سے ایک تھے، اعلیٰ مغفرت فرمائے۔



بعد میں گستاخ ہے خوشا طالع شوق
نمودہ نقل مقدر ہے جو مذکور نہیں
خوشا = خوش ہو جا۔ طالع شوق = اصل یا مقدر۔ نمودہ = خوشخبری۔

تشریح :- اے میرے وکیل یا ر کے مقدر خوش ہو جا کہ مجھے جو سیر گستاخ کی دعوت دی گئی ہے وہ میرے نقل کی ایک سازش ہے اگر یہ واقعہ ہے تو اے میری قمتا کے طالع مجھے خوش ہو جانا چاہے کہ یہ میرے لئے خوشخبری ہے کہ ایسی صورت میں تو محبوب مطلق (خدا) سے جانے گا اور محبوب مجاہزی کے پتر سے نہایت پامال یا مالا مال کا شہر میں کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے یہ تصدیق سنوئی ہے جو حق ہے۔



شاہ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
ہستی مطلق = باری تعالیٰ کمر = درمیان۔ عالم = دنیا۔

تشریح :- ہستی مطلق باری تعالیٰ کا کردہ حقیقی معنوں میں حضور سرور کا کا جس میں جنہوں نے عرضِ باطن پر درجہ تکفویٰ دے دیے جملہ انبیاء و شاہ ہیں جنہوں نے ۱۷۰ سال اس کو باری تعالیٰ سے حصارف کیا۔ آپ کا کہنا ہے کہ یہ دنیا انسانی زندگی کے سفر کا درمیان ہے (کمر ہے) منزل اور مقام نہیں ہے اس کا اصل مقام جنت ہے جہاں سے آیا ہے اور عملِ صالح کی شرط کے ساتھ ہمیں اس کو چھوڑنا ہے اور ادھک قیام کرنا ہے۔ وہ تمام لوگ جو فلسفہ اسلام سے واقف ہیں اس بات سے حقیق ہیں مگر شاموس سے حقیق نہیں، کیونکہ اصل مقام حاصل کرنے کے لئے عملِ صالح کی شرط ہے۔ اور شاموس معاملے میں قطعی طور سے غور و فطرس سمجھتے ہیں اسکی صورت میں اس حقیق علیہ مسئلہ کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، کیونکہ باہین مطلق آپ کا مقام و راز ہو سکتا ہے جس سے شاموس سخت گھبراہٹ ہے اور زندگی کو اسی دنیا تک محدود رکھنا چاہتے ہیں اس لئے حقیق نہیں ہیں۔



نظر، اپنا بھی حقیقت میں ہے دیا لیکن

ہم کو تخلیق تک طرئی منظور نہیں

تخلیق= جی رہی۔ تک طرئی= کم طرئی۔ منظور= ایک سرور بزرگ جنہوں نے اپنا لحن کہا حضورِ ربار کی سراپائی تھی۔

تشریح:- صوفیائے کرام کا مذہب ہے کہ وہ خدا کو ایک مسند سے تعبیر کرتے ہیں اور خود کو ایک نظر سے کہتے ہیں کہ اگر نظر مسند میں طو کو پہنچاؤ تو مسند ہو جاتا ہے، بھراں کا پنا کوئی وجود نہیں رہتا۔ حضرت منصور نے خود کو ذاتِ باری میں اس درجہ گم کر دیا تھا کہ اب ان کی زبان سے "انا الحق" نکلا، جو علماء کے نزدیک کفر تھا اور ہاتھ انگوٹھی چڑھا دیا گیا۔ شاعر منصور کی کم طرئی پر محمول کرتا ہے، کیونکہ شاعر سالک کے مسلک کو پسند کرتا ہے، بھادوب کے مسلک کو پسند نہیں کرتا۔ اور انبیاء کی داعی کو ٹھوٹے مانتا ہے کہ باری تعالیٰ سے جو حقائق ان حضرات کا رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ عشقِ باری تعالیٰ میں کوئی غیر نبی ان کا حوالہ نہیں کر سکتا۔ اور ان حضرات نے بھی حضور جیسا دعویٰ نہیں کیا ماس طرح منصور کے عشق کو رو کر دیا اور انھیں کم طرف بتا دیا ہے۔ اناظر الم

خاکسار کے والد نے بھی ایک دعا ہی اس مضمون کی کہی تھی جو حضور کے مسلک کی تائید میں ہے، ملاحظہ کریں:

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے تجری ہستی کو رنگ رو نہ رہے

"سو" میں ایسا وصال پیدا کر کہ بجز "سو" کے غیر محو نہ رہے



حسرت اے ذوقِ خرابی کی وہ طاقت نہ رہی

عشق نہ مریدہ کی گوں حق و نمود نہیں

حسرت= افسوس۔ ذوقِ خرابی= بدگلی کا مزہ۔ نہ مریدہ= نہ لڑیہ۔ گوں= لائق۔

تشریح:- افسوس جیسا حال پس کے باعث ہم میں وہ طاقت نہیں رہی جو عشق کی معوجہاں اور پر لڑیہاں اس کو برداشت کر سکیں۔ ہمارا ہم زدہ کزور بدلن اب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ حسرت کا یہ شعر ان کی روحانہ سرسبوں پر شاہد ہے کہ وہ طوائف زدہ و معنی ہاڑی کے ظہور ہے ہیں، اور نہ معنی حقیقی کے لئے جسم کی کزوری مانعِ احرام نہیں ہوا کرتی اور کوئی معنی نہیں رکھتی۔ برخلاف اس کے عاشق صادق تو وہ سالِ یار کے قمیص میں خود کو نکا کر دیا یعنی سراج بکھتا ہے۔



میں جو کہتا ہوں کہ میں کسی کے قیامت میں نہیں

کسی روایت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

تشریح:- شعر بڑا نہایت سادہ ہے تشریح طلب نہیں ہے۔

قبضہ:- شعر میں شعر کرب کا صوبہ کھلا ہوا ہے، بھلے ہی کوئی صاحب شاعر کی عظمت سے مرعوب ہو کر میرے خیال کی تائید نہ کریں وہ ایک انگ بات ہے کہ صوبہ صوبہ ہے۔ ایک ہی مصرع میں ”میں“ ”اکھ“ ”ہم“ کا استعمال ناجائز ہے۔ واضح رہے کہ اٹھ اور رسوائی کے علاوہ کسی کا کھنا چھینے سے بالا نہیں ہے۔



علم کر علم اگر لطف درلطف آتا ہے

تو تھکناں میں کسی رنگ سے مفرد نہیں

درلطف = خوف۔ تھکناں = لاپرواہی ہے یا بازی۔ مفرد = مجبور۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر خوف کا لطف آٹھانا چاہتا ہے، کیونکہ خوشی اور راحت کا لطف تو سب آٹھانا جانتے ہیں۔ کوئی خوف کا لطف آٹھانا نہیں جانتا۔ کم غالب یہی ہیں جو یہ لطف آٹھانا جانتے ہیں، مثلاً فرعون و شیطان کہ جن کو علم کے انجام سے بے غوفی تھی اگر تو بھی علم کے انجام سے بے خبر ہے یا علم کے خوف سے لطف اعداد ہونا چاہتا ہے تو علم پر علم کرتا رہو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور میرے سامنے کوئی مجبوری نہیں تو ہر طرح اس معاملے میں آزاد و خود مختار ہے۔



صاف دوردی کھتے جاتے ہم میں ہم لوگ

دائے وہ بارہ کر افشردا انگور نہیں

دوردی کش = چھت چنے والے۔ جاتے = جم = ساتھ بیٹھ۔ دائے = کھنڈر۔

بارہ کش = شراب نوش۔ افشردہ = ٹھنڈا ہوا۔

تشریح:- حضرت شراب کے دیوار ہے ہیں، اچھا تو فرماتے ہیں کہ ہم جام حبیب کی چھت چنے والے کھتے ہوئے رہے ہیں اور اس کی طرح خاص نگہوری شراب کے ٹاکل ہیں اور صرف اسی کو چھت چنے کرتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ اس کو شراب ہی نہیں سمجھتے جہاں گہری نہ ہو۔

قبضہ:- شاعر کا سامی کتری نے حبیب کے جام کی چھت چنے والا کہا ہے، کیونکہ ایک داستان حرکت بادشاہ کے ذوق سے ذوق کا کھلا ہوا چھائی خاص کا شاعر نے لاٹور کھانا اور بیان کی تفصیل کی دلیل ہے۔



ہوں عہدہ کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دلوں پہ یہ جھٹ ہے، کہ مشہور نہیں

عہدہ = ایک مشہور فارسی شاعر۔ خفائی = چھپا ہوا۔ جھٹ = دلیل۔

تشریح :- حضرت غالبؒ خود کو عہدہ کے بڑے مقابل سمجھتے ہیں جو غلامیہ اور خیالی آفرینی میں مشہور و معروف ہے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ میرے اس دلوں کے خلاف لوگ یہ دلیل لاتے ہیں کہ یہ بات قطعی مشہور نہیں کہ حضرت غالبؒ عہدہ کے مقابلے کے شاعر ہیں۔ جب کہ میں غالبؒ کی شکل میں چھپا ہوا عہدہ ہوں۔

غزل (۶۸)

جہاں ہوں دل کو روئیں کہ چٹوں بگر کو میں مقدور ہو تو ساتھ دیکھوں لوح کو میں
چھوڑا نہ رنگ لے کر ترے گھر کا نام لوں ہر اک سے پہچانتا ہوں کہ جاؤں کہ نہ کو میں
جائے پڑا رقیب کے در پہ ہزار بار اے کاش جانتا نہ تری وہ گزشتہ کو میں
ہے کیا جو کھلے باغ سے میری بلا ڈالے کیا جانتا نہیں ہوں تہدی کر کو میں
نور بھی کہتے ہیں کہ یہ بے رنگ نام ہے یہ جانتا اگر تو کھاتا نہ گھر کو میں
پتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ بچاتا نہیں ہوں ابھی راہرو کو میں
خواہش کو اہتوں نے پرستش دیا قرار کیا پہچانتا ہوں اس بت بیباک کو میں
بہر بخودی میں بھول گیا راہ کوئے یار جانتا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں
اپنے پہ کردار ہوں قیاس ال دہر کا سمجھتا ہوں دل پتھر حجاب ہر کو میں

غالبؒ خدا کرے کہ سوار سمجھتا ہوں

دیکھوں علی بہادر عالی گھر کو میں



جہاں ہوں دل کو روئیں کہ چٹوں بگر کو میں

مقدور ہو تو ساتھ دیکھوں لوح کو میں

مقدور = طاقت مند۔ لوح = گریہ خواہی کرنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر میرے قبضہ وراثت میں ہو اور خدا تعالیٰ دے تو میں اپنے حال زاد پر ماتم کرنے والا ہوں۔ مگر میں اپنے ساتھ رکھوں گا کہ وہ میرا آدھی جو میری سرخا پر ہی کرے اس سے حالات کا ردنا رو لیا کرے۔ حالات اس حد تک طویل اور دردناک ہیں جن کو رو لے اور بیان کرنے کے لئے تمہا میں کافی نہیں۔

حضرت دل دیکر کی برہادی کا ماتم کر رہے ہیں کہ اس عشق کی بدولت دل سے تو ہاتھ دھری لئے تھے مگر بھی خراب کر لیا۔ مطلب یہی کہ وہ بھی جو دیکر بھی برہاد کر لیا۔ یہ سب برہادی عشق کی بدولت ہے۔ جس کا ماتم بھی تمہا میرے اکیلے کے بس کا نہیں ہے اس لئے بھی ایک نوحہ کر کی ضرورت ہے جو میرا کام آسان کر دے۔



پھر دانا رکھنے کے ترے مگر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کوھر کو میں

رہگ = جائزہ دے کر رکھ کہتے ہیں۔ جس میں کسی اور سے کا برائگیں چاہا جاتا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ رکھ نے مجھے کسی قابل نہیں پھر دانا میں تو کسی سے تیرا نام لے کر تیرا پند بھی معلوم نہیں کر سکا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے تیرا مگر تانے کے لئے کوئی میرے ساتھ تھا تو میرے مگر تک جانے اور چھو دیکھ لے اور عاشق ہو جاوے اور خواہ مخواہ میرا ایک رقیب پیدا ہو جاوے اس لئے وہاں دار لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ میں کہاں جاؤں، کوھر کہاں۔



جاتا چڑا رقیب کے وہ پڑا ہوا

اے کاش جاتا نہ تری وہ گزر کو میں

رقیب = مخالف، محبوب کا دوسرا چاہنے والا۔ اے کاش = کیا چھوڑا۔ رقیب = راست۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تیری غلطی جو حق میں مجھے اپنے رقیب کے دشمن کے دروازے پر پڑا ہوا جاتا چڑا میرے لئے نہایت مکرورہ دارنا قابل برداشت فعل تھا، کیا چھوڑا جو میرا تیرا کوئی واسطی نہ ہوگا۔ میں تیری محبت میں جھکا ہی نہ ہوگا تو آج جو میں راحت انکار پاؤں نہ ہوتی۔



لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تک و نام ہے

یہ جاتا اگر تو لکھتا نہ مگر کہ میں

تشریح:- کہتے ہیں کہ بہت عرصے کی خاطر میں نے گھر والوں اور بہن سب کو بلوا کر چار چار بار دیکھا وہ بھی آج مجھے خیروں کی طرح لپکا لٹکا کر رہے ہیں۔ اگر مجھے پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو ہرگز ایسے بد وقت، بد اخلاق سے رابطہ بہت قائم نہ کرتا۔



پہن ہوں تھوڑی دیر ہر اک راہ رو کے ساتھ
بچاتا نہیں ہوں انکی راہبر کو میں

راہرو = مسافر۔ راہبر = قاضی امین، امام۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ نیا کے سڑکے کرنے کے لئے مجھے ایک راہبر کی سخت ضرورت ہے جس کی تلاش میں میں ہر راہرو کے ساتھ لگ جاتا ہوں، یکھو وہ چل ہوں مگر سب اس میں یکھ کر رہا ہوں، یکھا ہوں تو اسے چھوڑ دیتا ہوں اور دیکھ کر کسی دوسرے راہرو کے ساتھ چلے جاتا ہوں، پھر لپکا لٹکا کر دیتی ہے کہ میں انکی راہبر کی بچان ہی نہیں دیکھتا اور نہ یہ عمل بہرہ مند کرتا۔ حضرت کا یہ شعر آج پوری قوم پر صادق آ رہا ہے۔



خواہش کو افسوں نے پریش دیا قرار
کیا پہنچا ہوں اس بت پیدا کر کو میں

پریش = پرہیزگاری۔ پیدا کر = خال (محبوب)۔

تشریح:- حضرت کس طرح کی باتوں کے ساتھ اپنی اہلی کا رشتہ فرما رہے ہیں کہ کیا میں اس خال (محبوب) کی پوجا کرتا ہوں، اس کی عبادت کرتا ہوں یا اسے عبودیت کا درجہ دے رہا ہوں؟ میں تو صرف خواہش (جنسی ملاپ) کی رکھتا ہوں جس کو یہ قافلوں نے یہ سمجھا لیا ہے کہ میں اس کا بندہ بن گیا ہوں۔



میر جنونی میں بھول گیا نام کوئے پر
ہاں اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں محبوب کے عشق میں اس قدر بہادری کر گیا کہ انکی لگی کاراستہ تک بھول گیا، اگر میں اس قدر بہادری نہ کرتا تو اس کی لگی کاراستہ بھول گیا ہوتا تو وہاں خود کو کھال کرنے کے ایک دن ضرور ہوتا۔

یہاں حضرت اپنی ناکامی کا تذکرہ بہت عجیب انداز سے کر رہے ہیں کہ ہم اس کے عشق میں چار بار دیکھے، مگر اس بار

حاصل نہ کر سکے، بلکہ اسکو حاصل کرنے کی دامن میں ٹوڑا کر کھو بیٹھے۔ پھر سر ادا پا دلی امن کے برخلاف یوں فرماتے ہیں، جو بہر حال لائق تحسین ہے۔ قدم اٹھائے تھے نہیں منزل جاناں کے خلاف اور اگر ہوش کی پوچھ تو مجھے ہوش نہیں



”اپنے پہ کر دیا ہوں قیاس اہل دہر کا

کہا ہوں دل پذیر حراج ہر کو میں

قیاس = خیال۔ اہل دہر = زمانے والے۔ دل پذیر = دل پسند۔ حراج = دولت سرمایہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں دنیا والوں کو اپنے اوپر یعنی اپنا جیسا تصور کر دیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح میں اپنی دولت ہر پر نازاں ہوں اور دنیا والے بھی ہو گئے، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف تجاہلی کو حاصل ہے کہ میں اپنے سرمایہ ہر پر ناز کرتا ہوں جو عقلی بجا نہیں بلکہ سرائی ہے۔



قابِ خدا کرے کہ سوار سمہ ناز

دیکھوں علی بہادر مالی گھر کو میں

سمہ = سموار۔ ناز = تکبر۔ علی بہادر مالی گھر = مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

تشریح:- حضرت چونکہ خدا پرست تھے، اس لئے اپنے عقیدے کا اعتقاد فرما رہے ہیں کہ میری قنات ہے کہ میں اس عالی مرتبت علی کی زیارت کروں اور اس حال میں کروں کہ وہ اپنی اسی بہادرانہ شان میں ہوں کہ جیسے ابھی راہِ خدا میں جہاد کے لئے آمادہ ہو کر نکلے ہوں، نازل نازل پر سوار ہیں، ذرا اختیار کا تمہیں لئے لہر اے ہیں اور دشمنانِ خدا کو ٹھکانہ ہے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فخر کسی علی بہادر نامی ثواب کی مدح میں اس کے دربار میں پذیرگی ہو اور قطع میں ثواب کی مدح سرفرازی کی گئی ہو جیسا کہ ان کی عادت رہی ہے۔ انشاء اللہ

غزل (۶۹)

آہد کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں ہے گریباں رنگ جڑاں جو دامن میں نہیں

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں رنگ ہو کر اڑ گیا جو غلوں کے دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں حق اجڑے، آفتاب آڑے گھر کی دیواروں کے روزان میں نہیں

کیا کہوں تاریکیِ دُعاں فمِ اندر ہے پیہ نورِ سج سے کم جس کے روزان میں نہیں

راجی ہستی ہے صلیح خانہ دہلیں ساز سے انہن بے طبع ہے کہ برقی طرین میں نہیں
 دغم سلوانے سے مجھ پر چارہ سازی کا ہے طعن طبر کھما ہے کہ لذت دغم سوزن میں نہیں
 بلکہ ہیں ہم اک بہار ہار کے مارے ہوئے جلوہ گل کے سوا گرد اپنے دلیں میں نہیں
 قفرہ قفرہ اک بیولا ہے سچے ہارسر کا غوں بھی ذوقی درد سے فارغ سرے تن میں نہیں
 لے گئی ساقی کی غوث گلزم آثای مری مویج سنے کی آج رنگ جتا کی گردن میں نہیں
 ہونکار ضعف میں کیا ہاتھائی کی نمود قد کے چھٹکے کی بھی مجاہد سنے تن میں نہیں

خمی وطن میں شان کیا غالب جو ہو غربت میں قدر
 بے ظلف ہوں وہ معیض خس کہ گھٹن میں نہیں



آبرو کیا خاک اس گل کی جو گھٹن میں نہیں
 ہے کہ بیاں جب جو امن ہوا امن میں نہیں

آبرو = عزت۔ ننگ = شرم۔ بھرا امن = کرد لباس۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ گریبان کے اظہار کردہ بیکار ہے اور یہ گریبان کے لئے پامیٹ شرم ہے کہ وہ امن میں موجود نہ
 ہو۔ کرتے اور گریبان کی شان بھی ننگ قائم ہے جب تک دونوں اپنے مقام پر موجود ہوں۔ اس طرح پھول کی کوئی
 عزت نہیں جو گھٹن میں نہ ہو کہ کہیں اور جنگل یا کوڑے کرکٹ کے ذمیر پر مکمل کیا ہو۔

استدارے میں کرتے کے دامن اور گریبان، گھٹن اور پھول کا استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر کا مطلب دراصل یہ ہے کہ جس
 طرح پھول کی چمن کے علاوہ کسی بھی جگہ کوئی آبرو نہیں اور گریبان اظہار کرتے کی کوئی قیمت نہیں۔ اسی طرح انسان کی اپنے
 وطن سے باہر کوئی عزت و آبرو نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو جائے۔

ایک مظلوم شاعر نے اس کے برعکس مضمون میں شعر کیا ہے ملاحظہ کریں

عزت اُسے ملی جو وطن سے نکل گیا سر پھول وہ چڑھا جو جن سے نکل گیا

انکا دعویٰ بھی بے دلیل نہیں ہے۔ ہر مال لیال اپنا اپنا یہ سب شاعری کا کمال ہے۔



ضعف سے اسے کہ یہ کچھ باقی سرے تن میں نہیں
 رنگ ہو کر آڑ گیا جو غوں کے دامن میں نہیں

ضبط = کمزوری۔ گرمی = رونا۔ قن = جان بچم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کمزوری کی انتہا ہے کتاب بدن میں رونے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ رونے رونے میرے جسم کا سارا خون میرے کرتے کے دامن میں آچکا ہے۔ میں بجائے آنسوؤں کے خون رو رہا ہوں اور لب جو خون تم میرے دامن میں نہیں دیکھ رہے وہاں کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک رنگ تھا اور رنگ آؤی جاتا ہے۔ یہ بھی آؤ گیا۔



ہو گئے ہیں پنج اجزائے نگاہ و آفتاب

ذوئے آنکھ گمر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

اجزائے = پنج جزوی۔ نگاہ و آفتاب = مراؤ کرکوں سے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کے مکان کی دیواروں میں جو سورج ہیں ان میں ریت کے ذرات چپکے معلوم ہو رہے ہیں۔ واصل ید ریت کے ذرات نہیں ہیں بلکہ سورج میرے محبوب کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نگاہ کے ہلکے ٹکڑے ٹوٹ کر یہاں رہ گئے ہیں جو چمک رہے ہیں۔ شعر میں اور پردہ خولیا یہ ہے کہ حضرت اپنے محبوب کو سورج سے زیادہ حسین ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورج بھی میرے محبوب کو دیکھنے کی حسرت دیکھتا ہے اور ان سوراخوں سے بار بار بھاگ بھاگ کر دیکھتا ہے کہ اس کا ٹوٹ پھوٹا ہے کہ سورج کی نگاہ اپنی تپانی آڑوں میں چھوڑ گئی۔



کیا کہوں تاریکی زلفانِ خم اندر ہے

چند نورِ سج سے کم جس کے روزن میں نہیں

تاریکی = اندر۔ زلفان = قہقانہ۔ چند = پتیر۔ روٹی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کیا کہوں خم واکام کے گویا قہقانہ میں قہقہوں۔ مجھے اندر میرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ روزنہ افتد یہ ہے کہ اس کے (محبوب) کے مکان کی دیواروں میں یا ان کے روزنوں میں جو روٹی اس احتیاط کے لئے بھر دی گئی ہے کہ کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ واصل روٹی نہیں ہے گویا سج کے نور کی مانند روشن ہے اور ہرگز ہمیں دیکھار میں مانع و حراہ نہیں ہے، بلکہ دیکھ رہا ہے۔ میں ہی ہر ایک کی صلاحیت کو چکا ہوں اور نہ عاشق کی نگاہ تو ہزار پردوں میں محبوب کا دیکھ کر لگتی ہے۔ جیسا کسی دیگر تارے نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

ہلوے سری نگاہ میں کون و مکان کے ہیں چپ کر ہیں گمھے سے دہائیے کہاں کے ہیں



روشنی اتنی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے

انجمن ہے طبع ہے کر برقِ غریب میں نہیں

عشقِ خانہ ویراں ساز = کمرچا کر دینے والی محبت۔ انجمن = محفل۔ برق = بجلی۔ غریب = زبیر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کمرچا کر دینا اور بہا کر دینے والی محبت (عشق) ہی سے انسانی زندگی میں روشنی اور بہار ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اگر محبت سے خالی ہے تو وہ بے نور اور اندھیری محفل کی مانند ہے۔ محفل بنگلہ کے سامان کہ بجلی بجھتی کسی بے احتیاجی کے نتیجے میں جگا کر خاکستر کر دے مگر اس محفلِ عشق کی روشنی اور روشنی اسی بجلی کے دم سے وابستہ ہے جو سب جگہ جا بڑا کر دے۔



دُلمِ سلوانے سے لمحہ پر چارہ سازی کا ہے طعن

غیر سمجھا ہے کہ لذتِ دُلمِ سوزن میں نہیں

چارہ سازی = علاجِ سہا کرنا۔ دُلمِ سوزن = سوئی کا دُلم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے خلاف مجھے دُلمِ سلوانے پر کیوں طعن زنی کرتے ہیں، کیا دُلمِ جیسے والی سوئی کی چھین (سوزش) کی لذتِ دُلمِ کی سوزش سے بہت کم ہے بلکہ اس پر افسانہ ہے۔



بلکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے

جلوہ نگل کے سوا گرد اپنے دُلم میں نہیں

بہارِ ناز = جس کا اپنی بہارِ حسن پر ناز ہو۔ جلوہ نگل = مردِ محبوب کے نگارے سے۔ دُلم = قبر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم تو محبوب کے ناز و انعام و نوازش و محبت کی بہار کے مارے ہوئے ہیں ہمیں تو قبر میں بھی محبوب کے نگارے کے علاوہ ناک بھی نہیں رکھائی رہتی۔ مراد یہ کہ کوئی اس کے علاوہ نظر نہیں آتا۔



قطرہ قطرہ اک ہیولا ہے بے ہوسر کا

غول بھی ذائقہ درود سے خارِ سارے تن میں نہیں

ہیولا = روحِ مقصد جو ہر۔ ہوسر = خارِ رام ہونے والا بہاؤ دُلم۔ ذائقہ درود = دردی لذت۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے جسم کے غول کا قطرہ قطرہ جو ایک خارِ رام ہونے والے اجسمِ دُلم کی مانند ہے، جلدت

سے خالی نہیں ہے، ہر قطرہ خون کی روح میں محبوب کی طلب کا جو رچ پچا ہوا ہے۔
مطلب کہنے کا یہ ہے کہ مشق یا رسم یا تہذیب و عرفان لذتہ آزار نہیں، اللہ ہی بلکہ ہر ناموس اور جسم کے طوئن کا ایک ایک قطرہ و نچے کا سوراخ ہے۔ وہ ہر ناموس و جسم و مشق کے آزار سے نفی ہے، ہر لطف و آزار ہے۔



لے گی ساقی کی نعلوت قلم آشاں مری

سورج غم کی آج رنگ مینا کی گردن میں نہیں

نظمت = فرور، کبیر۔ کلام = ایک سطر۔ آٹھائی = چھ۔ سوچ گئے = مراد ۱۹۹۲ء ہے جو نیم
غالی و غل میں ہوئی ہے۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ آج میری زندگی کے سانسے ساقی کا سدا نگہوار، گمیا میں نے اس قدر پی کر ساقی کی
 ہر گل نفسی خالی ہو گئی اور اس میں ڈھانگی بھی لہر شہابی کی تھم رہی۔



ہولڈنگز صرف مٹی کے جوائی کی سرور

۱۵۲۷۸۹۱۰۱۱۱۲۱۳۱۴۱۵۱۶۱۷۱۸۱۹۲۰۲۱۲۲۲۳۲۴۲۵۲۶۲۷۲۸۲۹۳۰۳۱۳۲۳۳۳۴۳۵۳۶۳۷۳۸۳۹۴۰۴۱۴۲۴۳۴۴۴۵۴۶۴۷۴۸۴۹۵۰۵۱۵۲۵۳۵۴۵۵۵۶۵۷۵۸۵۹۶۰۶۱۶۲۶۳۶۴۶۵۶۶۶۷۶۸۶۹۷۰۷۱۷۲۷۳۷۴۷۵۷۶۷۷۷۸۷۹۸۰۸۱۸۲۸۳۸۴۸۵۸۶۸۷۸۸۸۹۹۰۹۱۹۲۹۳۹۴۹۵۹۶۹۷۹۸۹۹

خسوف = کمزوری۔ گرہ = روتا۔ تن = جسم۔ قطار = راک۔

حضرت سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حالات نے اس قدر کمزور و ناتواں کر دیا ہے کہ کمزوری کے وہاؤں کے سامنے کمزوری کا عذاب ادا بھی نہیں ہو پارہا۔ کمزوری کے عذاب کا انحصار اللہ کے جتنے پرہیزوار کمزور ہو سکیں کیا واقعی نے اس قدر نازک بنا دیا ہے کہ اگر تیرہ جتنا ہے تو فوت جانے کا ہاں لئے فرمایا کہ اس میں جتنے کی بھی کچھ بھی نہیں ہے۔

وہی کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنے اس مسئلہ پر فیصلہ کیا ہے۔ جس کو شاعری کا کامل ہی کہا جا سکتا ہے، حقیقت ہے اس کا کامل ہے۔
- فیصلہ ہے -



حقی دین میں شکیں کیا حالت جو ہو طریقت میں قدرت

ہے تلف ہوں، وہ مثبت غم کے گھٹنوں میں نہیں

غریب = بد قسمتی، بد بخت۔ مشیتِ حق = ایک مطلق حق۔ کائنات = جہاں۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اسے غالبِ دہلی میں قہاری کون سی قدر و منزلت تھی جو اس بے وطنی کے عالم میں اپنی ناقدری کی شکایت کروں۔ جس میں تو یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے کہ میں ایک مٹھی گھاس کے ٹکڑوں کی مانند تاجِ شہی ہوں جو بجلی میں چلنے سے بچا ہوا ہوں۔ یہ بھی مانگ کا کرم ہے ورنہ کبھی کا بل کر خاک ہو جانا چاہئے تھا۔ قطعی ایک بیمار اور بے مصرف چیز ہوں جس کی کوئی قیمت نہیں۔ حضرت نے مجھ کو اکساری اور بے وطنی کے اعتبار میں کمال کر دیا ہے۔

غزل (۶۹)

ہم سے کمال جاؤ بوقتِ مئے پرستی ایک دن ورنہ ہم بھیڑیوں کے دھوکہ کر عذرِ مستی ایک دن
فرہ اوجِ ہائے عالمِ اسکاں نہ ہو اس بلندی کے نصیبوں میں ہے ہستی ایک دن
قرض کی پینے تھے مئے سخن سمجھتے تھے کہ ہیں رنگ لائے گی ہمدی ناقہِ مستی ایک دن
نور ہائے غم کو بھی اسے دل نصیبت چاہئے بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دمپے اس سرِ پا تار کا شہید نہیں

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبِ دہلی دہلی ایک دن



نوٹ :- حضرت نے مشکل گوئی کی شکایت پر آسان گوئی اختیار کر لی تھی، خصوصاً جن غزلوں میں غالبِ گھس اختیار کیا گیا وہ آسان ہیں اور جن میں پہلے مدِ گھس ہے، مشکل ہیں۔ غزلِ مذکور میں آسان غزلوں میں سے ہے۔ اس میں دوسرا شعر چوتھا شعر مثنوی خیرِ جہان کی بکسراخ کی جاتی ہے، باقی تین شعر سادہ ہیں جن کی بکسراخ کی ضرورت نہیں ہے۔



فرہ اوجِ ہائے عالمِ اسکاں نہ ہو

اس بلندی کے نصیبوں میں ہے ہستی ایک دن

فرہ = فرود گھر۔ اوج = بلندی۔ ہا = خیاب۔ عالمِ اسکاں = دنیا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اپنی بلندی یا ترقی پر تکبر مت کر، کیونکہ یہ دنیا بظاہر اعلیٰ اور عالی ہے اور یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے، ہر بلندی کو ایک دن پست ہو جاتا ہے اور پستی کی ہر قسم کی گرفتار ہے۔



نظر ہائے تم کو بھی اسے دل نصیبت ہے

بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

بے صدا = بے آواز۔ ساز ہستی = زندگی۔ نصیبت = دشمن کا مال۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ تم کو کام جو حاصل ہیں ان کو بھی اسے دل تجھے نصیبت بہتہ پہنچے، کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا اور یہ تم کو کام کی دولت بھی جو تجھے ملت میں ہوا تھا اُنکی ہے وہ بھی تم سے نہ رہے گی۔

غزل (۱۷)

مہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا مگر اک ادا ہوتا اسے اپنی تھا کہوں

ہلتے ہیں چشم ہائے کشادہ ہوئے دل ہر چار زلف کو کجہ سرسہ سا کہوں

میں اور صد ہزار نوائے ہجر غراں تو اور ایک وہ نہ شنیدیاں کہ کیا کہوں

کالم مرے گاہ سے مجھے منتقل نہ چاہ

ہے ہے خدا گمراہ تجھے ہے رقا کہوں



مہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا

مگر اک ادا ہوتا اسے اپنی تھا کہوں

مہدے = مرتب۔ مدح ناز = تائیدوں کی تحریف۔ تھا = حکم ہوت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں تو تائیدوں کی مدد سے مہدے سے کئی الگ ہی نہیں ہو سکا۔ تمام مرتبینوں کی تحریف

میں صرف کردی، خصوصاً اپنے محبوب کی مدح سرائی تو ہر طرف سے ہو گیا تھا اور کیوں نہ ہوتا، کیونکہ ہرے محبوب کی ایک

ایک ادا قابل ہے کہ کسی کی تحریف کر دے۔ علوم نہیں کشش کس ادب چاہن مگر ہو جائیں۔



ہلتے ہیں چشم ہائے کشادہ ہوئے دل

ہر چار زلف کو کجہ سرسہ سا کہوں

ہلتے = دائرے بگرنے۔ چشم کشادہ = کھلے ہوئے۔ ہوئے دل = دل کی طرف۔

تشریح:- زلیخا کی تحریف میں فرماتے ہیں کہ اس کی رانگ کے چلتے جا کر کھنگھرائے پاؤں میں ہوتے ہیں کھلی آنکھ کی مانند میری طرف دیکھ رہے ہیں بلکہ زلیخا کا ہر چہرہ محبوب کی خواہش و صورت سرور و سادہ سادہ آنکھ کی نگاہ جیسا ہے اور مجھے دوست لگا کر دے رہا ہے۔



میں اور صد ہزار نوائے جگر خواش

7 اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

صد ہزار = سو ہزار۔ نواہ = آواز۔ جگر خواش = جگر کو پھیلنے والا۔ شنیدن = سنتا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ فریاد و فغاں کے معاملے میں میری کیفیت یہ ہے کہ میں سو ہزار اور چہ نہایت بلند اور سخت آواز میں تجھے پکار پکارا کر دیکھ رہا ہوں کہ کچھ ہو کر کہہ سکیں کہ کچھ کر لے۔ مگر میری بے نیازی کی انتہا ہے کہ تو سن کر ہی نہیں دیتا، کچھ کہنے کی بات نہیں ہے۔



کالم مرے کہاں سے مجھے منتقل نہ پاد

ہے ہے خدا نکر وہ تجھے بے وفا کہوں

منتقل = فرستاد۔ خدا نکر وہ = خدا نکر دے۔

تشریح:- محبوب سے غالب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی اگر تجھے بدگمانی کی بنا پر بے وفا کہا دیا ہے تو اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے، لیکن تو گمان ہوتا ہے، بھلا خدا کرے میں تمہیں کیسے بے وفا کہہ سکوں۔

حضرت نے اپنے گمان بدکی تردید میں اپنے محبوب میں لیاوت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ قائل تحریف ہے کہ کبھی میری بدگمانی محبوب کی بنا پر محض کامیاب ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لئے دائم عداوت نہ دے پاد۔

غزل (۷۲)

ہے کس قدر پاک فریب و فائے گل لبیل کے کاروبار پہ ہیں غمخوارے گل
آزادیِ نسیم مبارک ہو ہر طرف نوائے چڑے ہیں مطلق دام ہوائے گل
جو خاص سوچ رنگ کے دھوکے میں سر گیا اے دوائے جزبہ فوجیں نوائے گل
غرض حال اس حریف یہ مست کا کہ جو دیکھتا ہو مثلِ سلیپ گل سر پہ ہائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے حیرے لئے بہار ہمارا رجب ہے نہیں طہر ہائے گل
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بار بہار سے جٹائے بے شراب دہل بے ہوائے گل
 طہر سے حیرے جلوہ حسن نموداری غول ہے مری نگاہ میں رجب اداے گل
 حیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکہ گرا ج تک بے اختیار دڑے ہے گل درقائے گل
 غالب مجھے ہے اس سے ہم آفرشی آرزو جس کا خیال ہے گل جیب و قبائے گل



ہے کس قدر ہلاک فریب و قائے گل
 لمبیل کے کاروبار پہ ہیں خندا ہائے گل

ہلاک = چاہی، تل۔ فریب = دھوکہ۔ خندا = ہنسی۔

تشریح:- پھول کی دقاری کے دھوکے میں لمبیل ہلاک ہوئی جا رہی ہے، جب کہ ساداس کے برعکس ہے۔ اور
 واقعہ یہ ہے کہ پھول شمس شمس کراس کا مذاق اُڑا رہے ہیں، کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ لمبیل جاڑاں چوٹے کیلئے محبت کے
 جھولنے دھڑے کرتی بھرتی ہے اور پھول چونکہ خاموش ہے اسے دس چوٹے دیتے ہیں اور بے بس ہیں اس لئے وہ اس
 خاموشی کو پھول کی دقاری سمجھ رہی ہے اور اس دقاری پر مری جا رہی ہے۔

قبضہ:- شاعر کو یہاں صرف یہ سمجھنا مقصود ہے کہ محبت جس شمس کوئی فرض شامل ہو باطل ہوتی ہے۔ اور
 یہ کہ کسی کی خاموشی سے بچاؤ کا کدوا لٹا کر نکالنا انسانیت ہے۔



آزادی قسیم مبارک ہو ہر طرف

فولے چڑے ہیں مطلق دہم ہوائے گل

مطلق = دائرے، پھولے۔ دہم ہوائے گل = پھول کی دھم دھماکا چال۔

تشریح:- دیکھو قسیم کی شک ہوا کہ کتنے ہیں اور وہ عوام است و فقہ سے چڑھتی ہے۔ یہاں حضرت نے اس کو
 آزادی سے چٹا کہا ہے تو وہ آزاد ہو کر خود چڑھتی ہو سکتی ہے۔ کتنے ہیں کاس کی تیزی کے سبب پھولوں کے چل کے تمام
 مطلق چاروں طرف کھڑے چڑے ہیں اس لئے وہ بھی ہوس کے لئے حسرت درجہ چل بچھائے خود سب دھم کی تیزی کی
 دست برد کا تصور ہو گئے۔ پھولوں نے یہ سب چال لمبیل کو چھانسنے کے لئے بچھایا تھا۔ اور یہ مبارک باد ہی کوئی جا رہی ہے

کہ جری جان بچ گئی، لیکن شعر میں بلبل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے مطلع میں صرف اس کا ذکر ہے۔ شاعر کا دامن بھی اسی ماحول میں گھوم رہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مہارک باد بلبل کوئی چارہری ہے کہ وہ سپاہ کی چیز و دستی سے بچ گئی مگر یہاں سپاہ کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے اگر خود پھولوں نے بلبل کو پھانسنے کا ہال بچایا تو پھولوں کی پھانسنے کی غرض کیا ہو سکتی ہے وہ بھی ظاہر نہیں دماغ سے ہم بلا جھلک کہہ سکتے ہیں کہ شعر بڑا تعصیب فطری کا شکار ہے۔ خاکم بدین



جو تھا سوہنہا رنگ کے دم کے میں مر گیا

اے تاپے باز لب خورشید نوائے گل

اسدائے = کمرہ لیسوں۔ نالہ = فریاد۔ لب = ہونٹ۔ نوا = آواز۔

تشریح:- جن میں جو پھول بھی تھا وہ اپنے رنگ و روپ کے فرد میں خود گملا کر دیا اور انیسویں سال کی چاند زاری پر مجاہدہ رمان کی تلاش جستجو میں جہی کسی کام نہ آئی۔

شعر بدین حسن کی ناپائیداری اور بے ثباتی پر ایک استعارہ بھی ہے اور یہاں مراد شاعر کی یہ ہے کہ حسن کی دنیا میں کی نہیں ہے۔ کی قدر رمانوں کی ہے جو مشکل شاذ و نادر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور جو قدر رمان ہوا بھی وہ بھی ان ناپائیدار حسن سے محبت کر کے دم کے میں مارا گیا۔ دراصل یہ چیزیں دل لگانے کی ہے ہی نہیں، دل تو ان پھولوں کے خالق و مالک سے لگا ہوا تھا جو غیر فانی ہے اسی کا حق ہے کہ اس کو چاہا جائے اس کے علاوہ دنیا کی تمام اشیاء خواہ وہ کتنی بھی حسین اور قیمتی ہوں سب حلال فرور ہیں، دم کے کی لٹی ہیں۔



غزل مال اس حریف یہ مست کا کہ جو

رنگت ہو مثل سایہ گل سر پہ پائے گل

حریف = مقابل، دشمن۔ یہ مست = بدھل، ہوش۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس رند دوست کی غزل مانی (غزل) اس قدر رائق طامست ہے جو پھول کے قدموں میں اپنا سر اس کی خوشنودی میں بھل دیتی ہوں کی جھکیں کے لئے رکھ رہا ہے، جو سایہ گل کی مانند ایک دم کی صورت ہے، جس سے ہم مائل نہیں ہے۔ محبوب کے قدموں میں سر رکھنا انسان کی توہین ہے کیونکہ یہ فرق محبوب و حقیقی کے سامنے ہی جھکا ہوا ہے اور ہی اس کا حقار ہے۔



ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار

میرا رقیب ہے تجھیں مٹا دے گل

ایجاد = تخلیق۔ رقیب = دشمن۔ غصہ = سانس۔ ہوا۔

تشریح :- فرماتے ہیں اے محبوب! یہ پھولوں کا مطلق موسم بہار تیرے لئے تخلیق کرتا ہے، تاکہ تیرے من میں اور اضافہ کرے۔ اس مٹری خوشبودار ہوا تو میری دشمن ہے، کیونکہ تجھے دیوانہ بناتی اور تیرے عشق کے جنجال میں پھنساتی ہے۔ دوسرا مضمون یہ کہ مٹیرا رقیب ہے جو تیرے جسم کو چھوٹا ہے مگر تمہارا حق ہے۔



شرمندہ رکھتے ہیں تجھے بار بہار سے

جتانے بے شرابِ دل بے ہوائے گل

میتا = بول۔ ہوا = ہوا۔ ہوائے گل = پھول کی آواز، استعارہ (محبوب کی خواہش)۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ شراب سے غالی ہو کر اور وصالِ محبوب کی خواہش سے غالی دل تجھے موسم بہار اور اس کی خوش مٹری سے شرمندہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہوا بہاری کا تقاضہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں میر ہوں، اور نہ زندگی بدمعرا ہے۔



سلط سے تیرے جلو کا من فیور کی

خوں ہے سری لگاؤ میں رنگ ادا لے گل

سلط = قہاری، مصلحت، مذہب۔ فیور = غیرت، دہر۔

تشریح :- حضرت محبوب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تیرے غیرت دار من کے نگارے کی قہاری اور صوبہ دار وادہ دار وکار کے سامنے میری رائے میں پھول کی آواز اس کا رنگ خوں ہو چکا (مرد ہے) پیکا ہے، اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔



تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دم کر کر آج تک

بے اختیار دڑے ہیں گل در تھکائے گل

گل = پھول، استعارہ محبوب کے لئے۔ در = میں۔ تھکائے گل = پھول کے گرد

تشریح :- شہر ہذا سرہندہ الہی کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں تیرا جلوہ نمایاں ہے۔ اور ہماری نگاہ ہر پھول کے آگے پیچھے اور گرد و چکر لگاتی ہے۔ اور حیرتی منافی کے کمال دیکھتی ہے۔ اس کے باوجود آج تک دیکھنے میں یہ آگاہ کہ چشتر لگا ہیں ان جلوہ گام میں کم ہو جاتی ہیں اور ماریخی لطف اٹھا کر رہ جاتی ہیں۔ جب کہ یہ تمام عناصر اور جلوہ اسی خالق اور معبود تعالیٰ کا ہے جس کی تلاش ہر انسان کو ہے اور ہوتی جا رہے۔ اور اسی لئے ہر مسکین پھول کے پیچھے دوڑے ہے، یعنی اس سے محبت کرتا ہے۔



جواب مجھے ہے ان سے ہم آفرشی آرزو

جس کا خیال ہے گل جیب و قہار گل

ہم آغوش = سہاگہ بھگیری۔ آرزو = فتنہ۔ قہر = قہر۔ قہر = قہر۔ قہر = قہر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے کاتب مجھے اس سے بھگتیری کی کتاب ہے جو اپنے گھر میں میں ہیپ دیگر جہاں میں بھول جانے کا مددی ہے اور اس کا خیال ہے کہ وقت خود آدلی ہاں ہاں رہتا ہے۔

شعر کی معرفت اور دہائیوں کی یادیں یہاں کے محافل آتا ہے۔

غزل (۷۳)

وہ شب و روز دہاں وصال کہاں	وہ فراق کدو وہ وصال کہاں
دردِ نکاحِ نکاحہ وصال کہاں	فرسجِ کادوہا عشق کے
خود سودا کے خط وصال کہاں	دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
اب وہ دمِ بختِ خیال کہاں	حق وہ ایک شخص کے تصور سے
دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں	ایسا آس نہیں کدو دہا
واں جو چوڑی گہر میں مال کہاں	ہم سے چھوٹا مقامِ خاتہ عشق
میں کہاں اور یہ وہاں کہاں	تکبر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
قربانی غائب	حسرت ہو گئی

۱۱۔ مقررین میں احتمال کہاں



۱۰۰ لڑائی اور ۱۰۰ وصال کہاں

۱۰۰ شب و روز دلا وصال کہاں

لڑائی = جہادی۔ وصال = ملاقات۔ شب و روز = رات دن۔

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ جب آدمی پر بیجا پامچا جاتا ہے اور جوانی رخصت ہو جاتی ہے تو آدمی اپنے ماضی کو یاد کر کے رنجیدہ ہوا کرتا ہے۔ یہ پوری غزل انہیں بڑھاپے کے اثرات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے، جو ماضی اور علم و اکام بچھتا اور مشینیت کا گھوم ہے۔

چنانچہ لڑاتے ہیں کہ وہ گزشتہ زمانہ ۱۰۰ رات دن ۱۰۰ دلا وصال جن میں بیش و طرب کی لڑائی تھی اب کہاں ۱۰۰۔۔۔ سب رخصت ہو گئے، اب کسی کی جہادی کارباج ہے نہ کسی کی ملاقات کی آرزو، یہ سب معاملات جوانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔



فریب کار دہارِ عشق کے

لادائی نگارۂ جمال کہاں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب ہم وہاں ہیں جہاں طاقت انہی کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اب نہ مہینے نگاروں کی خواہش رہتی ہے، نہ سال پیکار کی آرزو نہ کسی کی جہادی کافم ہے، یہی سب بے گناہ دہارِ عشق تھا جو چھوٹ گیا۔



دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا

شور سونائے غلّہ و خال کہاں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دل تو رہا ہے وہی تھا، اب دماغ بھی کسی قابل نہیں رہا، جس عشق و عاشقی کے کاروبار اس دنیا کی کو برداشت کر سکے۔ اب تو اپنے غلّہ و خال کی طرف مطلب اپنے ہاؤسنگ کار کا بکھیرا ہوا ہے نہ کسی مہینے کے آرائش میں، جمال سے کوئی مطلب سب فرماتے عشق ختم ہو گیا۔



تھی وہ ایک شخص کے تصور سے

اب وہ دماغی خیال کہاں

مصور = خیال۔ رحمتی = حکمت ناکر۔

تشریح :- اپنے محبوب کا خیال کر کے فرما رہے ہیں کہ سب علم و اقی اسی کے خیال اور محبت سے وابستہ تھے۔ اب نہ وہ ہے نہ وہ وہ خیالات ہیں نہ وہ عقیدے ہیں۔ سب کچھ اسی کے ساتھ رخت ہو گیا۔



ایسا آسان نہیں ہو رہا

دل میں طاق جگر میں مال کہاں

تشریح :- فرماتے ہیں کہ عشق و عاشقی کے معاملات بکھڑاں نہیں ہیں۔ ان میں الجھناؤ ہے۔ اب ہم اس قاتل نہیں رہے۔ دل میں وہ کبھی ہی طاق ہے۔ جگر میں وہ کبھی نہ ہائی۔ سب تو بیکار محض ہوئے پیٹھے ہیں اور سر گھبراہٹ کا تھا رہا ہے۔



مہم سے بھرا قمار خانہ عشق

داس جو چاہیں گہ میں مال کہاں

قمار = عمار۔ خانہ = گھر۔ گہ = سرا۔ چاہیں = خواہ۔ جب

تشریح :- بالا حضرت نے شعر بڑا میں اپنی گنج پریشانی واضح کر دی۔ دلی کہ ان کا عشق بھاری تھا۔ جو صرف عمارتوں کے کوٹھے تک محدود تھا۔ مگر اسی کی دہائی نہیں ہے جس کی گہ میں ہے۔ اور حضرت مال و دولت اور چوٹی دونوں سے محفل ہوئے پیٹھے ہیں اور بڑا چاہنے والا ہے۔ ان معاملات میں عشق کا جو کچھ کی گنجائش ہی کہاں ہوگی۔



گھر دنیا میں سر کھپاتا ہوں

میں کہاں اور یہ وہاں کہاں

تشریح :- فرماتے ہیں کہ یہ عشق و عاشقی کے معاملات سب ایک وہاں تھے۔ میں آج تک جی میں سر کھپاتا رہا اور اسی کو سب میں گرفتار رہا۔ اب خیال آتا ہے کہ یہ سب میرے کرنے کا کام نہ تھے۔ میں تو اور کسی کام کے لئے اس دنیا میں پر بھجا گیا تھا۔ میں تو دنیا کے جہاں میں پھنس کر رہ گیا۔ میں نے سوچا ہی نہیں میں کہاں ہوں میرا مقام کیا ہے اور یہ دنیا کیا ہے؟



س ہوتے ہیں ۔

وہ عناصر میں امتثال کہیں

مضمل = کزور۔ قوی = اعصار۔ عناصر = پنج ضروری نامک، پانی، ہوا، مٹی۔ امتثال = توازن۔

تشریح :- واقعہ یہ ہے کہ حضرت انسان کا جسم باری تعالیٰ نے خاک، پانی، آگ، ہوا کے چار عناصر کی ترکیب خاص سے تیار کیا ہے۔ اور جس چیز کی جتنی ضرورت تھی اسی قدر اس میں شامل کی۔ اور خوبصورت انسان بنا کھڑا کیا۔ مگر گزرنے کے ساتھ ساتھ عناصر کا امتثال (توازن) قائم نہیں رہتا اور بالآخر یہ جسم ایک دن موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

حضرت کہتے ہیں کہ اب ہمارے عناصر کا امتثال ختم ہو گیا ہے اور اس قدر لاغر و کمزور ہو گئے ہیں کہ بس موت ہی ہمارا طالب ہے۔

غزل (۷۴)

آہ کو چاہئے اک مزا اڑ ہونے تک کون جیتا ہے حیرتی زلف کے سر ہونے تک
ماشتی میر طلب اور فنا چاہ دل کا کیا رنگ کہوں غول بکر ہونے تک
م نے مانا کہ فغان نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتوِ قدوس سے ہے جسم کو فنا کی تعلیم میں بھی ہوں ایک حمایت کی نظر ہونے تک
یک نظر پیش نہیں فرمتے ہستی فغان گرمی ہم ہے اک رقص شرار ہونے تک
دامِ ہر سوچ میں ہے حلقہ صد کام تنگ جانے کیا گذارے ہے قلب پہ گھر ہونے تک

فہم ہستی کا اسد کس سے ہو جزو مرگ طاع

طبع ہر رنگ میں چلتی ہے سحر ہونے تک



آہ کو چاہئے اک مزا اڑ ہونے تک

کون جیتا ہے حیرتی زلف کے سر ہونے تک

تشریح :- محبوب کے فغان سے جسم بے ہوش ہو کر لڑا ہے جس کی ہڈی آج بھی ہڈی ہوگی اور ہڈی طرف الگ اور حجب ہو جائے

لئے ایک لمبی مدت تک ہے۔ اور زندگی کا کوئی تجربہ نہیں۔ حیرت و لطف کو محسوس کریں، جیسے حاصل کریں اس کی امید اس مختصر زندگی میں میری نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ سال باریک بینی سے مگر وہی حضرت کا عقیدہ ہو گی تو یہ ایک جگہ پر ملتا ہے۔
 یہ بھی انداز کی قسمت کہ سال باریک بینی
 اگر اور جیسے رہتے ہیں انکار ہوتا



ماضی میری طلب اور تمنا چاہ
 دل کا کیا رنگ کہوں طوفاں بگڑ ہوئے تک

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ماضی میری طلب و تمنا چاہتی ہے اور دل کی آرزو ہے لیکن کسے ہوئے ہے کہ کسی طرح وہ سال باریک بینی سے مگر وہی حضرت کا عقیدہ ہو گیا تو یہ ایک جگہ پر ملتا ہے۔



م نے مانا کہ حاصل نہ کر کے لیکن
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہوئے تک

تفصیل:- ہے باریکی غفلت۔ خاک ہو جائیں گے۔ مگر اس پر جائیں گے۔
 تشریح:- ہمیں تسلیم ہے کہ ہماری فتنہ حالی کی خبر سن کر فوراً چلے آئے گے اور قطعی غفلت نہیں رہو گے۔ لیکن اسے سب سے
 میں کہ تم کو اطلاع ہو اور تم چل کر آؤ گے تو ہم بھی کسے نہ بچیں گے۔



پرتو خود سے ہے ضمیمہ کو فنا کی نصیب
 میں بھی ہوں ایک ضابطہ کی نظر ہوئے تک

پرتو = عکس سایہ۔ خود = مختلف طور پر پیدا۔ ضمیمہ = اس۔ فنا = موت۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ سورج کا سایہ اس کے لئے موت کا پیام ہے۔ یہی میں بھی اس کی (محبوب کی) نظر کر کے
 طوفانوں کو وہ میری طرف توجہ ہو اور میرا کام تمام ہو جائے۔ یہاں حضرت نے محبوب کو خود شہید کی حالت میں دکھایا
 فرمایا ہے۔ اور خود شہید کی قوت کا تجربہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق کس سے ہوئے دینے کے مترادف ہے، کیونکہ اپنا وجود اس کے
 حلقے میں ضمیمہ سے ہوتا ہے اور حقیقت میں رہتا۔



ایک نظر پیش نہیں فرسبہ ہستی غافل

گر ہی بزم ہے اک قص شر ہونے تک

ایک نظر = ایک بل۔ گری بزم = بچکے بھٹل = بزم کا قیام۔ وقص شر = طبع بھٹل کی جمل نمبر۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہماری ہستی کی وجہ سے ہم ایک قص شر کے بارے میں مطلب یہ ہے کہ کس کا قص زیادہ سے زیادہ صحیح تک ہے تاکہ بعد اس کی زندگی کا بچکے بھٹل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہی عالم ہماری زندگی کا ہے اس سے ایک بل بھی کم و بیش نہیں ہے۔



نام ہر صوبہ میں ہے علقہ صد کام چنگ

جانے کیا گزرے ہے قلب پہ گزر ہونے تک

نام = ہل۔ علقہ = گھیرا، دائرہ۔ صد = سو۔ کام = محل۔ چنگ = ناکا، کمرچ۔ گھر = سوتی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہر صوبہ کے ہل میں چنگڑیاں گھرچ کر نہ کھولے گا کی حالت میں ہیں اور نظریے کو ان تمام خطرات اور خطرناک راستوں سے گزرتا ہے تب کہیں جا کر یہ خطرہ سوتی بن جاتا ہے۔ یہ سب بل پرستارہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ ہم سمجھیں کہ ہمیں بگڑنے کے لئے مشکلات اور خطرات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آسانی سے انسان غافل متاثر انسان نہیں بن جاتا۔



فم ہستی کا اسد کس سے ہو جزو مرگ طالع

طبع ہر رنگ میں جلتی ہے سر ہونے تک

فم ہستی = ہونے کا فم زندگی میں فم راہ کام کا چکر۔ جزو = ملا۔ مرگ = موت۔ سر = سر۔

تشریح :- انسانی زندگی فم راہ کام سے ہے۔ اس کو روزی کمانے کا فم، حصول فم کا فم اور بچنے سے بچنے کا فم اور سب سے بڑا فم موت کا فم۔ ہر زندگی ایک مصیبت ہے اور اس سے انسان بجز موت کے کوئی دوسری صورت نہایت کی نہیں پاتا ہے۔ ہمیں ہر حال مشکلات ہوں یا آسانیاں ہر رنگ میں مراد نہ اندازہ نہ رہتا ہے۔ جس طرح طبع کا کام جتنا ہے اور ہر حال میں تک جلتی رہتی ہے، خواہ کھل کارنگ کیسا بھی ہو، چاہے کھل کارنگ اسے گوارا ہو یا نہ ہو اور یہ گوارا کیسے نہ ہو ہر حال اسے چلنے رہتا ہے۔

غزل (۷۵)

ہم پر جہا سے ترک وفا کا گماں نہیں اک پھیلے ہوئے دگر نہ مراد امتحاں نہیں
 کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاں کا پرش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
 ہم کو ستم مزہ ستم گر کو ہم مزہ نامہاں نہیں ہے اگر سرہاں نہیں
 بوسہ نہیں نہ دیتے دیشام ہی سہی آخر رہاں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں
 ہرچہ ہاں گذارنی تیر و تاب ہے ہرچہ پشت مری تاب و تاں نہیں
 ہاں مطرب ترانہ لی من مزید ہے لب پر وہ چا زمرہ آلاں نہیں
 نگر سے چہ سید اگر دل نہ ہو وہ نیم دل میں پھری چہو مزہ گر خرچاں نہیں
 ہے یک سید دل اگر آتش کوہ نہ ہو ہے عار دل نس اگر آذر لٹاں نہیں
 نقصان نہیں جوں میں بلا سے ہو مگر شاپ سوگز زمیں کے بدلے جاہاں گماں نہیں
 کہتے ہو کیا کھٹا ہے تری سرشت میں گویا جہیں پہ سجدہ بت کا نکلاں نہیں
 پاتا ہوں اس سے داد کہو اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہزیاں نہیں

ہاں ہے بہانے بوسہ دے کیوں کہ اگلی

غائب کو چاہتا ہے کہ وہ نیم ہاں نہیں



ہم پر جہا سے ترک وفا کا گماں نہیں

اک پھیلے ہوئے دگر نہ مراد امتحاں نہیں

جہا = غمزداری۔ وفا = غلوں۔ گمان = خیال۔ مراد = مطلب۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمارے محبوب کو ہمارے بے وفا ہونے کا گمان نہیں، اس کے باوجود اس کی ہم پر ستم رانی
 محض ایک پھیلے چھاڑ ہے اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہماری وفا شکاری کا امتحان کر رہا ہے۔

مطلب براری کے لئے محبوب کی فرشتہ میں حضرت کا اعجاز بیان نہایت محمود اور خوشامدنا قابل تعریف ہے۔



کس نہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا

پریش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں

لطف خاص = خصوصی کرم۔ پریش = دریافت حال۔ پائے سخن = بات کی بنیاد۔

تشریح:- محبوب کی خودداری قابل ملاحظہ ہے کہ دریافت حال کے لئے تشریف لائے ہیں، لیکن زبان سے پریش حال کے الفاظ ادا نہیں فرماتے مگر اعادہ محض کر دیتے ہیں۔ اس کی محبت اور اکرام خصوصی کا اظہار و درجہ تمام ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں میں کس حد سے آپ کا شکر یاد کروں میرے پاس وہ دوست نہیں جس میں ان کی شایان شان شکر ہے کے لئے اتفاق ہوں۔ میں نہایت شرمندہ ہوں۔

یہاں ایک خاص بات قابل ملاحظہ ہے کہ محبوب جس طرح خاموش رہ کر اپنی خودداری اور وضع داری کی مخالفت کر رہا ہے، حضرت بھی اپنی خودداری کا لحاظ کر کے شکر یہ ادا نہیں کر رہے بلکہ یہ کہہ کر بات کو بدل رہے ہیں کہ میں کس نہ سے آپ کا شکر یاد کروں میرے پاس وہ اتفاق ہی نہیں ہیں۔



ہم کو ختم مزہ ختم کر کو ہم مزہ

بہرماں نہیں ہے اگر بہرماں نہیں

ختم = ختم۔ مزہ = پیارا۔ شکر = خاتم۔ بہرماں = کرم فرما۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب مجھے ہی شکر ہے، بہر حال ہم سے محبت ضرور رکھتا ہے، دہ نہ یہ ختم کی جھلک چھا رہی ہیں۔ دیکھنا دیکھ ہی ہے کہ ہمیں دیکھے ختم مزہ ہیں اور اس کو ہم مزہ ہیں۔ اگر وہ ہم پر بہرماں نہیں ہے تو نہ وہ ختم ہی کرتا ہے، ہمیں تو اس کے ختم ہی مزہ ہیں اس لئے ہم اس کو اگر بہرماں اور کرم فرمائیں کہہ سکتے تو بہرماں بھی نہیں کہہ سکتے۔



بہر نہیں نہ دیکھئے دشنام ہی کسی

آخر رہاں تو رکھئے ہو تم گر رہاں نہیں

دشنام = گالی۔ رہاں = نہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر تم ہوسہنے میں بیٹھتے ہو اور برا لکھتے ہو تو مت دہانے کوئی گالی تو دے سکتے بہرماں میں تو کوئی جھک نہیں ہوتی چاہئے، کیونکہ مجھے ہی نہ ہمارے قابل نہیں کہ ہم اس کا بہر نہیں مگر اس نہ میں نہ رہاں تو سوچو ہے

جو گالی دینے کے لئے آزاد ہے میں تو گالی بھی مارتا ہے۔

تبصروہ: پہلے ہی غزل اس قسم کے مضامین کی ہجارت دیتی ہو مگر ایک محکمہ شاعر کے لئے شعر بذاہر گزائی شان کے شایاں نہیں، بلکہ شاعر کی توہین ہے۔ ایسے غریب اخلاق اور مجہول مضامین کی ادب میں کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے بعد کے دور میں جاتی، عکاس، آئین، جگر مراد آبادی، امیر کوٹروی، احسان داکتر، وغیرہ نے غزل کو اس خرافات سے پاک کیا، ان کا اردو غزل پر ہماری احسان ہے۔



ہرچہ جاں گذارنی قہر و صواب ہے

ہرچہ پشت گری تاب دواں نہیں

ہرچہ = بہرہ۔ جا نگہداری = دور نگاہی۔ دواں = کوہ گمانے والی۔ قہر و صواب = نصرت۔

پشت = گری۔ تاب دواں = طاقت دہانی۔

تشریح:۔ واقعہ یہ کہ مراد گزریک کرے جاتی ہے اور صواب کو پہنچے۔ یہاں فرماتے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری کمر میں ہی تاب دواں کی دور گری نہیں رہی جو ہمیں حرکت کرے اور ہم اس کے جا نگہدار قہر و غضب پر جو محسوس اپنی جانب متوجہ کرنے اور ہمیں منتقل کرنے کے لئے دواں گمانی ہے کسی طرح آزاد ہو جائیں۔



جاں مطرب ترانہ ملی من حریہ ہے

لب پر وہ سچا دھڑاں نہیں

مطرب = گانے والا۔ ترانہ = نغمہ۔ دھڑاں = نغمہ۔ الاہاں = چناؤ، بخدا اس مطلب کرتا۔

ملی من حریہ = فائدہ جنگ۔ پردہ سچ = ساز و سرگٹ لئے والا پردہ۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے سارے بڑاؤں میں لگتے ہیں، مگر دشمن سے امن طلب کرنے کی درخواست کا کوئی اثر نہیں لگتا، اس کے برعکس اللہ کے سارے سارے مل میں حریہ لگتا ہے۔ اللہ کی سخت جانی دشمن سے شدید مل کر کرنے کی بات تو کہہ سکتے ہیں، امن اور چاہتیں مانگ سکتے۔



خیر سے چر سبز اگر دل نہ ہو دو نیم

دل میں بھری جھوڑا کر ٹوٹیں نہیں

دو نیم = دو کمرے والا۔ مڑا = چک۔ خوشچک = خون پکانے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے عالمِ اہم تیرے علم سے سچے اور طوطوں دوتے دوتے شگ ہو گئے۔ اب جوتو ہماری آنکھوں میں اور بگوں کوٹوں چک نہیں دیکھ رہا کاجب بھی ہے کہ اب ہمارے دل میں طوطی نہیں رہا مگر تجھے یقین نہیں تو خیر سے ہمارا سبز چر اور دل کو دنگوے کر کے دیکھ لے۔



ہے جب سبز دل اگر آتش کدہ نہ ہو

ہے ہار دل غس اگر آذر نفاں نہیں

تک = شرم۔ آتشکدہ = بھٹی۔ ہار = شرم۔ غس = سانس۔ آذر نفاں = آگ نکھیرنا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ وہ دل جس میں آتشِ عشق نہ ہو جتنے کے لئے بہت شرم ہے۔ اور وہ سانس جو آگ نہ چھوڑے آگ نہ بر سائے دل کیلئے بہت شرم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ دل جس میں محبت کی گری نہ ہو انسان کا دل نہیں ہو سکتا۔



نصان نہیں جڑی میں بلا سے ہو مگر خواب

سوز زمین کے بدلے بیاہاں کہاں نہیں

بیاہاں = بے آب و گل۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جنونِ عشق میں اپنا مگر خواب کرے اور لڑائے اور صراحتاً روی اختیار کر لے تو کچھ بے ہائیں کوئی نصان کا سورا نہیں، کیونکہ مگر کی سوز زمین کے بدلے لاشعور اور بھگل مل جائے تو کیا نصان ہے۔



کہتے ہو کیا گھسا ہے تری سروشت میں

گو یا بھی پ بھدا بت کا نکاں نہیں

سروشت = خور۔ جہیں = پوجائی۔

تشریح:۔ مجھ سے پہچنے ہو کہ میری تقریر میں کیا لکھا ہے میں اس بارے میں کیا کہتا سکتا ہوں، کیا میری وضاحتی پرچہ کے لئے تم نہیں دیکھو، جو میں نے تمہیں حاصل کرنے کے لئے اپنے رب کے حضور لکھا ہے، کیا تم میری تقریر میں نہیں ہو۔
قبضہ:۔ بت کہ (محب) کو حاصل کرنے کے لئے مالک عقل کے حضور بہرہ ریزی بت کو مجھہ کرنے کے حوالہ ہے، کیونکہ خداوند غاصر اپنے لئے بے غرض عبادت چاہتا ہے۔



پاتا ہوں اس سے داد کہ اپنے کلام کی

روح القدس اگرچہ مرا ہم وہاں نہیں

روح القدس = بریکل علیہ السلام۔ ہم وہاں = ہم جنس۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اپنے کلام کی داد تمہیں کے لئے میں اہل عقل سے کوئی شکایت نہیں کرتا، بلکہ میں ان کو اس اہل حق نہیں سمجھتا کہ وہ میرے کلام کو سمجھ کر داد دے سکیں گے۔ میں تو اپنے کلام کی داد حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حاصل کرتا ہوں خود بھی تعصب سے پاک وصال اور عقل کل ہیں۔ اور میرے مقدس اور پاکیزہ کلام کو داد دینے کے اہل ہیں، حالانکہ وہ میرے ہم زبان ہم جنس نہیں ہیں۔



جاں ہے بھائے بوسہ دلے کیوں کہ ابھی

غائب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

بھا = قیمت۔ نیم جاں = ندرہ۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ محبوب کے ایک بوسہ کی قسمت اتاری جاں ہے مگر وہ اس کے لئے چار نہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ غائب کوئی امر ارادہ دی نہیں بلکہ بہت ندرہ دست اور توانا آدمی ہے، وہ تو ایک ہی بوسہ میں اتاری جاں چس لے گا اور ہم بوسہ کی قیمت تو کیا اصول کریں گے اتنی ہمیں یہ قیمت دینی چاہئے گی۔

مضمون بہر مال حیدر اور غربا عطا ہے۔



غزل (۷۶)

مانج دشت نوروی کوئی تہہ نہیں ایک تہہ ہے سرے پاؤں میں زنجیر نہیں
 شوق اس دشت میں دوڑائے ہے لٹک کر جہاں چارہ غیر ازنگہ دیدہ تصویر نہیں
 حسرت لوت آزار دہی جائی ہے چارہ رادہ دقا، جردم ششیر نہیں
 زنج نو میدی چارہ گوارا دیو خوش ہوں گے نہ زبونی کبش تاثیر نہیں
 سر کھاتا ہے جہاں دم سراپما ہو جائے لوت سنگ پہ اعدادا فقر نہیں
 جب کرم رخصت عیا کی دشت کافی دے کوئی قصیر بجز شجبت قصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول تاخ
 آپ بے بہرہ ہیں جو لکھیہ تیر نہیں



مانج دشت نوروی کوئی تہہ نہیں
 ایک تہہ ہے سرے پاؤں میں زنجیر نہیں

دشت نوروی = جنگل (آباد ہے منہ گوارا بہرہ)

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جن شوق میں جو مجھے آباد کی سے روک دے ایسی کوئی تہہ نہیں ایک چکر سرے دماغ میں
 مستقل ہے جو مجھے گمائے بہرہ ہے سرے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں ہے جو مجھے روک دے۔



شوق اس دشت میں دوڑائے ہے لٹک کر جہاں
 چارہ غیر ازنگہ دیدہ تصویر نہیں

دشت = جنگل۔ چارہ = راستہ (بظاہر)۔ دیدہ = آنکھ۔

تشریح:- میری نظروں میں محبوب کی تصویر نکلی ہوئی ہے وہی ہر سوت مجھے دکھائی دیتی ہے اسی لئے میں اُنکے تجسس میں
 آوارہ رہتا ہوں اور صراحتاً انور ہوں میرا نہ کوئی راستہ ہے نہ کوئی منزل۔ میرے دل میں اوصال یاد کا شوق ہے جو مجھے جنگل

جنگل دوڑانے لگتا ہے۔

تصویر:- یہاں شاعر نے اپنا راستہ کدوید تصویر کی مانند بتایا ہے جس طرح تصویر کی نگاہ نہیں ہوتی، بے حسرت آنکھ ہوتی ہے اسی طرح کھجور کا راستہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی راستہ نہیں ہے۔



حسرت لوت آزاد ری ہاتی ہے

چارہ راہ دلا، جرم شمشیر نہیں

لذات آزاد = تکلیف کی لذت۔ چارہ = ہڈیا۔ دم شمشیر = کھوار کی دھار۔

تشریح:- تکلیف کی لذت کی آزاد دہل میں ری ہاتی ہے میرا دل اسکے لئے چارہ ہے کہ کوئی مجھے قتل کر دے اس کے راستے میں۔ دلا داری کے جذبہ کا قاض ہے دھار کا کھجور کوئی راستہ نہیں کہ کھوار کی ایک ضرب میرا کام تمام کر دے اور میں پہلی طرح لڑتا آزاد سے میری حاصل کر سکوں۔



رج نوسیدی چارہ گوارا ریح

خوش ہوں کہ نہ زبونی کھل تاخیر نہیں

نوسیدی = ناسیدی۔ چارہ = کھجور۔ نالہ = فریاد۔ زبونی = برا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے تم ناسیدی دھارانی تو مجھے گوارا رہنا مجھے تم سے زیادہ کوئی چیز مزید نہیں ہے میں بہت خوش ہوں کہ نہ زبونی کھل تاخیر نہیں رکھتے۔

مطلب یہ ہے کہ حال سے زیادہ لذت لائق بار میں ہے مجھ دی گوارا ہے تو بہتر ہے۔



سر کھاتا ہے جہاں زخم سراپا ہوا جائے

لوت سنگ پہ اعزازہ تقر نہیں

لذات سنگ = جگر کٹنے کی لذت۔ اعزازہ تقریر = بیان کرنے کے کاغذی نہیں۔

تشریح:- جب زخم میرا آتا ہے تو ابھی غارت آ کر رہتی ہے جہاں کے صحت یاب ہونے کے دہل ہے اس غارت میں کس قدر لذت آتی ہے، جہاں سے باہر ہے نہ زبان اس لذت کو بیان کرنے سے قاصر ہے، خصوصاً محبوب کے راستے

میں جو ہر دم پہنچاتے ہیں ملائے تو قابل بیان ہے ہی نہیں



جب کرم و خلعت میا کی دھکتاٹی دے

کوئی قصیر بجز خلیجِ قصیر نہیں

کرم = سربانی۔ خلعت = اہانت۔ قصیر = ٹھنڈا۔

تشریح :- محبوب کی حد سے بڑھی ہوئی سربانی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مجھے دھاک اور ٹکٹائی کی رحمت دے اور ہا ہے ایسی صورت میں اگر میں ٹکٹائی سے باز رہا ہوں اور شرمندگی سے ڈک جاؤں تو یہ ٹھنڈا ٹکٹائی کرنے سے بھی بڑا گناہ ہوگا۔ کسی دیگر شاعر کا قول اس ذیل میں مدح کریں۔

بندہ نوازیں یہ خدائے کریم تھا

کہتا نہ میں کہ تو گناہِ عظیم تھا



نائبِ انا یہ عقیدہ ہے بقولِ بخت

آپ ہے بہرہ ہیں جو نصیبِ میر نہیں

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر آپ میر کی استاد کی فائز نہیں ہیں بلکہ نایاب کنویں نے بھی عظیم استاد شاعر مانا ہے تو آپ لعل شامی سے ہی واقف نہیں ہیں۔ حضرت نائب اگرچہ طرزِ مشکل پسند شاعر تھے اور میر تقی آسان شامی کے قائل تھے انکے باوجود نائب نے انکو عظیم استاد شاعر تسلیم کیا ہے۔ استاد ذوق بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے انہوں نے فرمایا ہے۔

نہوا ہے نہ ہوا میر کا اندازِ نصیب

ذوقِ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غزل (۷۷)

بلتی ہے غم سے ہر ایکِ عجب میں کلموں گردِ لعلی ہو راحتِ طراب میں

کب سے ہوں کیا جاؤں جہاںِ طراب میں شبِ ہائے ہر کو بھی دکھوں گر حساب میں

تا میر نہ انتظار میں نیند آئے میر آئے کا عہد کر گئے آئے جو طراب میں

قاصد کے آئے آئے خط اک اور لکھ دیکھوں میں جانتا ہوں جو وہ نکلیں گے حجاب میں
 مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جاما ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 جو مگر دتا ہو، فریب اس پہ کیا چلے کہیں بدگماں ہیں دوست سے دشمن کے باب میں
 میں مضرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے ڈلا ہے تم کو وہم نے کس کچھ دتاب میں
 میں اور جٹ وصل خدا ساز بات ہے جاں نذر دینی بھول گیا، اضطراب میں
 ہے تیری چڑھی ہوئی امد خطاب کے ہے اک حکم چڑی ہوئی طرف خطاب میں
 لاکھوں گاؤ ایک بھڑا گاؤ کا لکھوں گاؤ ایک بھڑا خطاب میں
 وہ تار دل میں خن کے برابر جک نہ پائے جس تار سے دکھ چڑے آفتاب میں
 وہ سحر مٹانا چلی میں نہ کام آئے جس سحر سے سینہ رواں ہو شراب میں

حجاب ! بھٹی شراب ، پر اب بھی بھٹی بھٹی

چتا ہوں روز ابراہیم ، ابراہیم ، ابراہیم



بھٹی ہے تُو سے پار سے پار ، ابراہیم میں

کافر ہوں ، کرت بھٹی ہو راحت ، خطاب میں

خو = عادت ۔ تار = آگ ۔ ابراہیم = ابراہیم بھڑی اڑا۔ خطاب = سزا بھٹی۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کی عادت تار ہے اور بہت گرم مزاج ہے اور گرم مزاجی کا آگ سے نسبت ہے اس
 لئے مجھے آگ سے بھی بہت ہے اگر مجھے آگ کا خطاب بھی دیا گیا تو مجھے اس میں بھی راحت ملے گی ، مگر مجھے اس میں
 راحت نہ ملے تو اس کے سنی یہ ہیں کہ مجھے اس سے بہت نہیں ہے اور میں ابھی بہت کا کافر ہوں۔



کب سے ہوں کیا جاؤں جہاں خطاب میں

شب دے ہر کو بھی دیکھوں کہ خطاب میں

شب دے = راتیں ۔ جبر = فراق بھڑی۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اب میں کسی کو کیا بتاؤں کہ میں اس دنیا میں کب سے ہوں اور میری کیا عمر ہے؟ اگر میں میری راتوں کو بھی بھر کر دوں چھاپک رات چڑا دوں تو پھر میری دہی پہ تو بیڑوں سال ہوتے ہیں۔
یہاں شاعر کا خود کو ایک عظیم عاشق ثابت کرنا مقصود ہے جو ہر پار کی مسرتوں کو برداشت کرتا رہا ہو اور بوڑھا ہو گیا ہو۔



تا بھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا مہر کر گئے آئے جو خواب میں

تشریح: فرماتے ہیں کہ محبوب کا خواب میں آکر آنے کا وعدہ کر چلا تھا کہ وہ کوئی مطلب نہیں رکھتا کہ میں تمام عمر آنے کے انتظار میں جاں گئی رہوں اگر سوچاں تو اس کے سنی یہ ہیں کہ مجھے ان سے محبت ہی نہیں ہے کیونکہ عاشق تو عشق میں دیا نہ ہو ہوتا ہے اور دیا آئے کوئی نہیں آتی اور بھر انتظار پر میں تو نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
اعمال بیان نہایت صاف و صحت ہے جو ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے اور مضمون آخری کا کمال اپنے اندر رکھتا ہے۔



تاسد کے آئے آئے خط ایک اور گھر دکھوں
میں جانا ہوں جو وہ گھسیں گے جواب میں

تشریح: کہتے ہیں کہ تاسد میرا ہے محبوب کا جواب لکھ رہا ہے آئے ایک اور خط لکھ کے دکھوں تاکہ اس کو فورا واپس بھیج دوں اور جہاں کی سزا تیرا بدلہ ملے نہ ہو، مجھے معلوم ہے جو کہو دوسرے خط کے جواب میں لکھیں گے۔
محبوب کی مہرانی میں اس قدر اضطراب اور بے چینی کا اظہار قطعی سے اعجاز سے کیا گیا ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں پایا جاتا۔



مجھ تک کب آگئی بزم میں آتا تھا وہ جام
ماتی نے کچھ طمانہ دیا ہو شراب میں

تشریح: عاشق نے غلط مزاج ہوتا ہے چنانچہ لک کی بھی راجا ہو گئی فرماتے ہیں کہ آگئی بزم میں ہم تک جام شراب کب آتا تھا میں کون یا پتا تھا آج جو یہ میرانی ہوئی کہ ہم تک وہ جام آ گیا جو نہیں سوچتے پر مجبور کر رہا ہے کہ ہمیں دانہ

چشمیہ کہیں کسی گل کرنے کا خواہش نہیں ہے۔ شراب میں اس خیال سے ساقی نے زہر ملا دیا اور جو ہمارا کام ہی تمام کر دے۔



جو نگر وفا ہو، رقیب اس پہ کیا چلے

کیں بدگمان ہیں دوست سے دشمن کے ہاب میں

نگر = انگار کرنا۔۔۔ رقیب = دھوکہ۔۔۔ وفا = غلطی۔۔۔ ہاب = بارے میں چلنے میں۔

تشریح:- جو رے سے وفا کا نظاری ہو اس سے زیادہ دھوکہ باز اور کون ہو سکتا ہے؟ اس پر کسی کا رقیب کیا چلے گا؟ میں رقیب کے چلنے میں خواہ مخواہ محبوب سے بدگمان ہو رہا ہوں رقیب (دشمن) جو خود ایک پُر رقیب آدمی ہے وہاں کہ محبوب کو میرے خلاف لڑکانے کا بھی تو اسکا ہونا چلنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہار یا آزمایا ہوا ہے اور محبوب خود نگر وفا ہے اور اس بات کو خود بھی خوب جانتا ہے۔



میں مغرب ہوں اصل میں طوف رقیب سے

اللہ ہے تم کو دم نے کس سے داپ میں

مغرب = بہمن۔۔۔ اصل = طاقت خصوصی۔۔۔ رقیب = دشمن۔۔۔ داپ = شش درخ۔

تشریح:- ہمیں جو غائب رقیب ہے کہ کہیں دنیا کڑا ہو جسے ہمیں ناکارہ ملا دیا ہے میں اس بات سے بہت ڈرا رہا ہوں۔ میں یہ سحری کے موقع پر محبوب کا شش درخ میں پڑ جانا عاشق کے لئے اسطراب کا سبب بنتی ہے چنانچہ مطلب براری کے لئے فرما رہے ہیں کہ کلو کس دم نے داپ میں ڈال دیا ہے وہ یہاں آئے والا نہیں ہے۔ اس قسم کی عکس پائی اس دور میں محبوب ہے۔



میرا دل خدا ساز بات ہے

جاں نذر دینی بھول گیا، اضطراب میں

دل = کلف۔۔۔ خدا ساز = خدا کی طرف سے۔۔۔ نذر = بھینٹ۔۔۔ اضطراب = پہچانی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں جلدی وصال یا دینی مشغول و مصروف ہو گیا، بہت ہی عجیب معاملہ ہے یہ کہ نذر دینی

کی طرف سے ہے ورنہ میں اور لا جہل و اعتقاد ہا میں ہیں مجھے اپنی جان کا خدشہ نہیں کہ تھا جو خطر اب کے عالم میں بھول گیا خطہ صاف فرمائے۔



ہے تھری چڑھی ہوئی اعلیٰ بھاب کے

ہے اک ظہین چڑی ہوئی طرف بھاب میں

تشریح:- نہایت غصہ کے عالم میں محبوب کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ بھاب کے اعلیٰ ہوا لگا ہے کہ تھری چڑھی ہوئی ہے کیونکہ بھاب ایک طرف سے سنا ہوا صحن بارو کوئی دے دے ہے ساتھ خبر کرے۔ شاعر کی نگاہ محبوب کے جذبات پر کمال کی حد تک ہے اہل اپنی ذہنی اور پارک بینی کی راہ خواہ ہے۔



لاکوں کاڑ ایک پیرانا کا

لاکوں کاڑ ایک گولہ صاب میں

تشریح:- محبت میں ہزاروں لاکھوں اعزاز محبوب میں دل فریب پائے جاتے ہیں جس میں ایک اعزاز اس کا گولہ چھپا ہوا ہے اور یہ اعزاز نعلہ ادا کی پر بھاری ہے اور دنگل ہے اس کو بے پناہی اور مختلف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس طرح لاکھوں کاڑ گنگھار ایک طرف اس کا غصہ میں بگڑ جائیک طرف اکس بگڑاوری کیفیت پائی جاتی ہے جس کو مشتاق ہی خوب سمجھتے ہیں۔



وہ تار دل میں شمس کے برابر جگہ نہ پائے

جس تار سے کلاف چڑے آفتاب میں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا وہ تار جو سورج میں کلاف زائد ہے اس قدر زوردار ہو مگر محبوب کے دل میں ایک ذرا سا نیچے برابر بھی اثر اعزاز نہیں۔ محبوب کی سنگ دلی و عاشق کی فریادوں کی کاغذی تحریف ہیں دونوں کی انتہا بیان کی گئی ہے جو کمال شاعری کی مظہر ہے۔



وہ سر مڑا مٹھی میں نہ کام آئے

نہ سر سے سینہ رواں ہو سراب میں

سحر = چار۔ لڑا = مطلب۔ سینہ = بڑا۔ سراب = دھوکا، بھروسہ اور وہیں جس پر پانی کا دھوکا ہو۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ وہ چار دھوکے اور سے کٹتی سراب میں تیرنے لگا اس قدر سخت انگیزہ ضرور کھانے والا چار بھی جب محبوب کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو وہ دھوکے، محافل اور بے نیازی کے سامنے بے اثر ہو جاتا ہے۔



غالب اچھٹی شراب، پر اب بھی کبھی کبھی

چتا ہوں روزِ ابد شبِ ماہ تاب میں

تشریح :- حضرت اپنے گئے گزروے اور میں بھی اپنی رندانہ سرسختی کو بھپانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ یکساںانہ اعمال میں اپنے معمولات کا ذکر وہ نہایت خصوصیت اور حسین الفاظ میں بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے غالب اس تباہی کے سبب شراب تو ہم سے بھڑکتی کی مگر میری اگر موسماں آگ و دھواں کا ماحول پسند ہو اور رات شب بھی اور چاندنی ہو تو نکل کر لیتے ہیں۔

غزل (۷۸)

دلوں جہاں دے کے وہ مجھے یہ خوش رہا یاں آ چڑی یہ شرم کو بھگوار کیا کریں
تھک تھک کے ہر مقام پہ وہ چار رہ گئے میرا چتا نہ پائیں تو نہ چار کیا کریں؟
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ ال بڑھ؟ ہو ختم ہی چاہی گوار تو ختم خواہ کیا کریں



دلوں جہاں دے کے وہ مجھے یہ خوش رہا

یاں آ چڑی یہ شرم کو بھگوار کیا کریں

تشریح :- صریحاً تو یہ ہے کہ ہادی تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کائنات کو انسان کے لئے پیدا کیا اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے (انہیں برداری کے لئے) پیدا کیا اور یہ کہ میں نے زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ (نائب) بنا کر بھیجا ہے اور کائنات کی ہر مخلوق کو اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ غایت کا کام سنگین اور مشکل ترین ہے کیونکہ نائب کو بھی کام کرنا

ہے جو اصل مالک کو کرنا تھا اور یہ کہ مالک تمام کائنات کا نظام چلا رہا ہے انسان کو صرف ذہن کا نظام مالک کی مرضی کے مطابق چلاتا ہے اور یہ کام کسی قدر مشکل ہے کہ خواہاں مالک نے فرمایا ہے کہ اگر تم یہ چار پہاڑ پر رکھ دیتے تو دور رخ دور رخ ہو جاتا اور فرمایا کہ اگر تو اس امتحان میں پہرا اترتا ہے تو تجھے اس جہاں میں بھی عزت و درگا اور مرنے کے بعد دوسرے جہان میں بھی عزت و درگا اس طرح آستے دونوں جہاں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہاں حضرت، غائب فرما رہے ہیں کہ اس کار عظیم کے عوض دونوں جہاں کوئی مہیبت نہیں رکھتے اور تو دونوں جہاں دیکھتا ہی کہ یہ سمجھا کہ اس مقام پر فرض ہو گیا چنگا یا نہیں ہے میں تو مالک کے دروہو گشتی کے خوف سے ٹکرانہ کر سکا اور اپنی حقارت پر غرور منگی سے سر پر لب ہو گیا۔ اس کار جہاں کی اہمیت کو ماسا قابل اس کو نہ فہم ہونے والا کام کر کر انکی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

بارہا مہیبت سے مجھے غم سزدیا تھا کہیں

کار جہاں دور ہے لب میرا انتظار کر



تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار وہ گئے

تیرا پتا نہ پائیں تو تا چار کیا کریں؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس دنیا کے ہر گوشے اور مقام کے کچھ لوگوں نے تیرے وجود کو پانچے لئے طرح طرح کے جنم کئے اور بحث و لمباٹنے کئے کہ آیا وہ ہے بھی کہ نہیں اور آج تک بیشتر لوگ اس بحث میں جھگڑا ہیں وہیں وہیں اور کچھ دیگر سماج نے تو تھک کر انکی مذاات سے انکاری کر دیا کہ وہ سکا و جردی نہیں محض ایک وہم ہے یہ حکو ام نے خدا تصور کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک کیورنٹ شاعر فراق گورکھ پوری نے انکی ذات کی اس طرح لکھی کی ہے۔

خدا کو تہل جہاں جب بنا چکے تو فراق

پار اٹھے کہ خدا نے ہمیں بنایا ہے

فرض یہاں فرمائے کا مطلب یہ ہے تیرے وجود کو لوگ جب نہ پائے اور تھک کر بیٹھ گئے چارے کرتے بھی کیا جب آنکھیں ترا پھری نہیں لگا تو تھک کر بیٹھ جانے کے علاوہ چار بھی کیا تھا۔



کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خوار اہل بزم؟

ہر غم ہی جہاں گداز تو غم خوار کیا کریں

ہوا خوار = ہمدرد۔ اہل بزم = محفل والے۔ جہاں گداز = جہاں کو گھسٹا دینے والا۔ غم خوار = ہمدرد۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل بزم شمع کے دود سے تار تافت ہیں اور اس کے پھٹنے سے انھیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے مگر ان کے پاس شمع کے دود کا کوئی عدا نہیں ہے اس لئے کہ وہ جیسا ہی لئے ہوئی ہے کہ خود کو آگ کے سپرد کر دے اور اپنی روشنی سے ماحول کو روشن کر دے اور خود فنا ہو جائے۔ اسی پر قیاس کرتے ہیں کہ ہر غم و مشق بھی شمع کی طرح جاگداز ہے جلا جاتا ہے۔ میں بھی بہت غم خوار اور بچی خوار رہتا ہوں مگر وہ سب مجھ پر لا ہار ہیں۔

غزل (۷۹)

نہیں ہے دُغم کوئی بچہ کے درخو در مرے تن میں ہوا ہے تار لٹک یاں اس رشتہ چشم سوزن میں
ہوئی ہے مانج ذوقِ تماشا خانہ ویرانی کھ سلاپ پاتی ہے، برگ چنبرہ روزن میں
ورایت خانہ بے دار کاٹش ہائے مڑکاں ہوں آنگین نام شلہ ہے مرے ہر فکر و غول تن میں
جہاں کس سے ہو طہمت ٹسوی میرے شہتاش کی شب ہو جو کھدی چنبرہ باموں کے روزن میں
نکھنل مانج ہے دہلی خور جنوں آئی ہوا ہے شکارِ احباب، بلیہ بیب و دامن میں
ہوئے اس سرورِش کے جلوئے سمٹال گئے آگے پُر انکھوں جو ہر آنکھ میں آوازِ روزن میں
ندہاؤں تک ہوں بامبہوں پر بہت مخالف ہے جھگڑاؤں میں گھٹن میں، چرخوں میں گھٹن میں
بزموں دل دے جوتی جنوں عشق نے لہو کہ یہ ہو کر سوچا ہو گیا ہر قطرہ غول تن میں

آوازِ دعاؤں تاثیرِ اہل خانہ خوار ہوں

غیم دستِ لڑائی ہو گیا ہے طوقِ گردن میں



نہیں ہے دُغم کوئی بچہ کے درخو در مرے تن میں

ہوا ہے تار لٹک یاں اس رشتہ چشم سوزن میں

درد خورد۔ لایق۔ اٹھک پاس = ناسپیدی کا آئسو۔ رشتہ = دعا کا تعلق۔ چشم سوزن = نوکریں کی آنکھ۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے بدن میں کوئی دھم دھم نہیں ہے جس کو سپاہیاں کئے کیلک و ہنوائی جس سے سپاہیاں سکھاتا
 اس میں ناسپیدی کے اٹھک کا دعا کرے اسی کا دعا کرے اس کا تعلق نہیں ہے جو دھم کوئی تھے۔
 ہمارا شرمناک کے حالات پر ایک حسین داستان ہے واقعہ یہ ہے کہ عاشق کے دل میں عشق کی مجلس سے جو دھم
 ہو جاتے ہیں یا درد بخور ہو جاتی ہے اس کو کوئی نوائی ہی نہیں تھی بجز وہاں پر کے۔



ہوئی ہے مہرِ زوقِ تماشا خانہ ایرانی
 کتب سیلاب پائی ہے ہر گ پنہ روزان میں

زوق تماشا = کھیل سے دلچسپی۔ خانہ ایرانی = گمر کی دکان۔ کتب سیلاب = سیلاب کے ہماگ۔ پنہ = زوئی۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ لوگ میری دکان اور برہادی اور دیہاگی کا تماشا میرے گمر کی دکان پر دیہادوں کے نواساؤں
 سے ہماگ ہماگ کر دیکھتے تھے۔ میری لذت کو یہ سے ایسا سیلاب آیا کہ میں سوراخوں سے ہماگ کر لوگ میری
 دیہاگی کا تماشا دیکھتے تھے ان سوراخوں کو سیلاب کے ہماگوں نے روٹی بھر بند کر دیا اور تماشا کی لذت سے محروم ہو گئے۔
 مشکل پسندی اور مہالہ آرائی کی انتہا ہے جو صرف آپ ہی کا ہے۔



ودیت جاتے ہے دلو کاوشِ ملے مڑگان ہوں
 نگین نام شاہ ہے سرے ہر فکر و غول تن میں

ودیت = عطا۔ خانہ = گمر۔ عیداد = علم۔ کاوش = کوشش۔ مڑگان = پک۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے غول کا ایک ایک فکر و انگلی کے گھیز کی طرح چمک کر میری دکان پر برہادی کی گوی
 دے دے کہ میرا شاہدہ جسم محبوب کی مڑگان تھہر ہمار کی غلامانہ کوششوں کا نتیجہ ہے اور یہ سب اسی کی عطا اور بخشش
 ہے جو مجھے عزیز ہی نہیں بلکہ بہت افکار ہے۔



جاں کس سے ہو غلت گسری میرے شبتاں کی
 شب سر ہو جو رکھ دیں پنہ دیہادوں کے روزان میں

علت گسری۔ اندھیرے کی کار فرمائی۔ شبستان۔ راتیں گزارنے کی جگہ۔ شب۔ چاندنی رات۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے خاتمہ وہاں کی تار کی کوچان کرنے کی کس میں طاقت اور صلاحیت ہے۔ اس قدر
 اندھیرا ہے کہ لامان و انقیاد کا اگر کوئی میرے بھرے کی دریاہوں کے سوراخوں میں روئی رکھوے تو اس روئی کی سفیدی
 اس تار کی کوچاننی رات میں بدل دے گی۔



نور اہل مانع ہے رطلی شور جنوں آئی

ہوا ہے شہداء احباب بچہ بیب و دامن میں

کوکبش = سردش، طاقت۔ بے رطلی = بے دامن ہیں۔ شور جنوں = دریاہ کی کا شور۔

شہداء = دوستوں کی امی۔ بچہ = سلائی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دوست احباب کی سردش اور طاقت نے حرام ہو کر مجھے پائل پن کی حرکات سے روک دیا۔
 دوستوں کی طرح امی میرے پچھے ہوئے بیب و دامن پر جیہ کا کام کرے گی۔



ہوئے اس سردش کے جلوہ مصال کے آگے

نہ افشاں ہو ہر آئینہ۔ نکل ذرا روزوں میں

سردش = سورج کی مانند (محبوب)۔ قشال = قصور، بیکار۔ پر افشاں = بکھرا۔ جو ہر = روز۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے سورج جیسے حسن و آفتاب محبوب کے جلووں کی کیفیات کے سامنے آئینہ اپنے جوہری
 نکالت اس طرح کھیر نے لگا ہے جس طرح آفتاب سورج کی کرنیں چلنے سے سوراخ میں چڑھا اور سردش ہو جاتا
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے محبوب کا حسن آئینہ کو کچھ بخلا ہے اور وہ اس قدر مستحسین ہے کہ اس کی مثال سورج ہی سے دی
 جانی چاہیے۔



دہ جانوں نیک ہیں یا بدہوں پر محبت خائف ہے

جو گم ہیں تو ہیں گمگن میں، خوش ہیں تو ہیں گلشن میں

گمگن = بھٹی۔ خوش = جگہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ میں ایک ہوں یا بد ہوں مگر آقا خدوں کی میری قسمت میری صحت کے اعتبار سے۔ اگر میں ایک ایک پھول کی مانند ہوں تو مجھے گلشن میں ہونا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ مجھے گلشن کے آرام و راحت میسر نہیں ہیں، برخلاف اسکے مخالف اور ٹھکرات میں مگر اہل ہوں۔ اور اگر میں بد ہوں تو اہل ہوں تو ایک گلے کی مانند ہوں مجھے کسی بھٹی یا آتشکدہ کی نذر نہ رہو جانا تھا مگر ایسا بھی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے خود نہیں بے ملوم کہ میں کیسا ہوں کون ہوں اور میرا کیا مقام ہے۔



ہزاروں دل دے جوئی جنوں عاشق نے کھ کو

یہ ہو کر سو گیا ہو گیا ہر قطرہ طوں تن میں

سویڈن:- کہتے ہیں کہ بطن اور گلشن کے ہاٹ عاشق کے دل میں ایک داغ چڑ جاتا ہے جسکو سوچا کہتے ہیں۔ برخلاف اسکے مولیٰ نے کرام اور فقیر حضرات فرماتے ہیں کہ جب انسان پہلا گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اسکے دل میں چڑ جاتا ہے اور پھر جتنے گناہ کرتا جاتا ہے نقطے بڑھتے جاتے ہیں۔ اور بالآخر دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ دانش عالم

فرماتے ہیں کہ میرے جسم میں خون کا ہر قطرہ ایک دل کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ کیلیت عاشق کی جدت تھی مگر کیا کروں جنوں عاشق نے مجھے جاوڑا کر کے رکھ دیا اور خون کا ہر قطرہ وہ ایک دل کی حیثیت رکھتا تھا اصل بھٹکر سوچا کی صورت اختیار کر گیا۔



اتقا زندانی جاشیر الفت ہائے خرواہاں ہوں

غم و سچ فوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

زندگان = قید خانہ۔ خرواہاں = حبیبان عالم۔ غم = موڑ۔ فوازش = کرم۔ طوق = ہار۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے آندھیرے میں ان جہاں کی محبت کا دکھ ہوں وہی کیفیت میں گرفتار ہوں اور اب عالم ہے کہ ان کے انھوں کا ملکہ چراگئی کہ کرم فرمالی کا مظہر ہے میری گردن کا ہار میں کیا ہے۔



غزل (۸۰)

کل کے لئے کر آج نہ بخت شراب میں یہ نوحہ کن ہے ساقی کاڑ کے باب میں
 ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند عسائی فرشتہ تیری جناب میں
 جاں کیوں نکلے گئی ہے تن سے دم سدا گردہ صدا سہلی ہے چنگ درباب میں
 دامن ہے زنجیر کمر، کہاں دیکھے تھے نے اتھو باگ پر ہے نہ پاپے رنگاب میں
 آتا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے کہد ہے بتا کہ دیم فیر سے ہو چچ دتاب میں
 اصل شہود شہود مشہور ایک ہے حیراں ہوں، پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
 ہے مشکل نمود تصور پر وجود نگر یاں کیا دھرا ہے فکرہ صوبہ وحاب میں
 شرم اک لہائے چڑ ہے اپنے ہی سے کسی ہیں کتنے بے حجاب، کہ ہیں یوں حجاب میں
 آرائش بھال سے مارا نہیں ہنوز فوج نظر ہے آئینہ دائم خطاب میں
 ہے عیب غیب، جس کو گھنٹے ہیں ہم شہود ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

غائب اندیم دوست سے، آتی ہے نوے دوست

مشغول حق ہوں، بندگی کو قراب میں



کل کے لئے کر آج نہ بخت شراب میں

یہ نوحہ کن ہے ساقی کاڑ کے باب میں

بخت = بکھری۔ نوحہ = بدگمانی۔ ساقی کاڑ = حضور پرورد کا نکات۔

تشریح:- حضور کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ آپ نے بھی کوئی چیز کل کے لئے بچا کر نہیں رکھی۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں کہ کل کے لئے کوئی چیز بچا کر رکھیں تو اُن کی شان میں بدگمانی ہوگی کیونکہ ہم کو ایک مومن کی حیثیت سے اُٹھا انہماک کرنا چاہئے۔ شراب نوشی کے معاملے میں بکھری نہ کرنے کا جو حضور پاک کی حدیث سے لینا حضور پاک کی توہین ہے اور ہر لحاظ سے شعر کا انہماک یہ کسی ہے۔ خاتم بدین۔



ہیں آج کیوں دلیل؟ کرکل تک دھکی پند

شمعانی فرشتہ ہماری جناب میں

تشریح :- دوئے قرآن کریم عالم بالا میں پہلے آدم بنانے کے بعد رشتہ اور فرشتوں کو اللہ پاک نے حکم دیا کہ وہ سب اس آدم کو سجدہ کریں جو مزارِ ایل (ابلیس) کے سب نے سجدہ کیا اور آدم کی بزرگی کو تسلیم کیا۔ مزارِ ایل نے اللہ پاک کا مقبول بندہ ہونے کے باوجود انکار کر دیا اور اس بنیاد کے کلام میں ماننا دو گنا کر دیا گیا۔ فرشتوں نے بھی دُعا سنا اعتراض کیا تھا کہ اسے معبود تیری مہادت تو ہم کر رہے ہیں انکی کیا ضرورت ہے کہ زمین پر تو اپنا خلیفہ بنا کر کسی اور مخلوق کو بیچے اور وہ زمین پر نساہ بیلانے اسکے جواب میں ہادی تعالیٰ نے سختی کے ساتھ یہ فرما کر غاصوشی کر دیا کہ تم نہیں جانتے جو کچھ ہم جانتے ہیں۔

حضرت غائب اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ کل تک تو میرا یہ عالم تھا کہ فرشتوں کی ہماری شان میں شمعانی تجھے پسند نہیں تھی مگر آج ہم اس دنیا میں تیرے دشمنوں کے ہاتھوں دلیل و خوار ہو رہے ہیں اور تو برداشت کر رہا ہے۔ کیا کیوں ہے؟



ہاں کیوں لگے گئی ہے تن سے دم سراج

کہو صدا سانی ہے چنگ درباب میں

سراج = سنا۔ صدا = آواز۔ چنگ درباب = سارا (ہا ہے)۔

تشریح :- جب تمام سازوں میں اسی کی آواز نہجھوں ہوئی ہے تو میرا کئے گئے تن سے ہمارے بدن سے جان کیوں لگنے لگتی ہے ایک سوال

واقعہ یہ ہے کہ محبوب کی آواز عاشق کے لئے ہے نہایت دلچسپ اور دلکش ہوتی ہے اور عاشق اس کو سننے کے لئے نگہاں رہتا ہے اور جب وہ آواز اس کو سننے کو مل جاتی ہے تو وہ غریب المذا ہے اور لڑا خوشی سے اسکی مزاح تن سے نکلے کے لئے خطاب ہو جاتی ہے۔



دلی ہے زخبل کر، کہاں دیکھے تھے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے دکاب میں

زود = زلزلہ = رخس = گھوڑا = باگ = کام = پا = پاؤں = رکاب = پائیدان۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مر کا گھوڑا تیزی سے رواں دواں ہے دیکھئے کہاں جا کر کڑتا ہے ہمارے جنم میں
 کہو نہیں نہ ہمارے ہاتھ میں اس گھوڑے کی کام ہے اور نہ ہمارے پاؤں پائیدان میں ہیں بے اختیار نامعلوم
 منزل کی طرف چلے جا رہے ہیں۔



آگاہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بہت ہے

بتا کر دہم غیر سے ہو بچ دتاب میں

بہد = بدی = دہم = گمان = بچ دتاب = خشخشا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں اپنی حقیقت سے اصلیت سے اسی قدر زور ہوں جس قدر دہم حقیقت سے دور ہوتا ہے۔
 خصوصاً دہم جو عاشق و معشوق کے درمیان برواقیت ملاقات رقیب کے آجانے کے خوف سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 مجھ اپنی حقیقت سے جو دوری ہے وہ غفلت کے سب سے ہے اور نہ کہ میں اپنی اصلیت کو سمجھوں اور غور کروں تو معلوم ہوگا
 کہ میں زمین پر اللہ رب العالمین کا خلق ہوں بجز در بالہائیں کے سب سے بڑا ہوں اور عظیم ہوں۔ اور عظیم ہونے پر میری
 ذمہ داریاں اور لڑائیاں بھی عظیم ہیں مگر میں نے اس سخت کو سمجھ لیا ہوتا تو دنیا کے اس لہو لہب میں گرفتار نہ رہتا جبکہ یہ لہب
 تو امانت سے ذرا احتیاط نہیں رکھتے۔



اصل شہود شاہد مشہور ایک ہے

حیراں ہوں بھر مشاہد ہے کسی حساب میں

اصل = بنیاد = شہود = حاضر ہونا، کھانا۔ شاہد = گواہ۔ مشہود = جسکی کوئی دلی جائے۔ مشاہد = نگار۔
 تشریح :- مولانا نے کام کا نظریہ ہے (برداشت) جسکے سنی میں سب کچھ دی ہے کائنات میں جو کچھ اور ہے جو ہوتا
 ہے، جو کچھ کمال اور ہے اور جو دیکھنے والے ہیں سب اسی واسطے گما کی جملہ فرمائی ہے جسکے مختلف نام رکھ گئے گئے
 ہیں۔ اسی فکر کے کی نام لے اپنی ایک مختصر نظم میں اس طرح وضاحت کی ہے ملاحظہ فرمائیں اسکو پڑھنے کے بعد حضرت
 کے شعر کو دیکھنے میں قناعت نہیں رہے گی۔ ملاحظہ کریں۔

دُشمن بھی وہی تخلیق مائی بی وہی ہے قاتل بھی وہی اور مسیحا بھی وہی ہے

عاشق ہے کوئی اور نہ مستحق ہے کوئی ہنس بھی دہی اور دلچا بھی دہی ہے
 خوشبو ہو کہ ہو رنگ ہوا کچھ بھی نہیں ہے ظاہر بھی دہی اور پس پردہ بھی دہی ہے
 سب کچھ ہے دہی کچھ بھی نہیں اُسکے علاوہ راحت بھی دہی دلدرد چلیپا بھی دہی ہے
 وہ بھوک ہو یا پیاس ہو دھشت ہو کہ دھشت سب درد اُسی کے ہیں عداوہ بھی دہی ہے

دل جائے اگر وہ تو نہ دیکھوں میں کسی کو

جینا ہوں مری دینے کا فضا بھی دہی ہے

حضرت کا فرماتا ہے کہ جب سب کچھ دہی ہے تو پھر یہ شریعت، سوال و جواب، جزا و سزا کا کیا مطلب ہے۔
 شاعر کا نظریہ یہاں صوفیائے نظریہ کوڑا کرتا ہے۔



ہے مشتعل نمود نمود پر وجود حشر

ہاں کیا دھرا ہے قطرہ دسوج احباب میں

مشتعل = منحصر۔ نمود = عبور۔ نمود = صورتیں۔ بحر = سندھ۔ احباب = باہل۔

تشریح:- چاندیار معلوم شعر پر پچھلے شعر کے معلوم کی تصدیق و تفسیح میں کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ خلف صورتوں کے
 عبور پر سندھ کے درجہ کا انحصار ہے۔ در نہ قطرہ دسوج احباب کچھ الگ کی چیز نہیں ہیں۔ یہی تمام اشیاء کر ایک مصدر کا
 وجود میں جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مثال کی روشنی میں ہم دیکھ رہا ہوں کہ کبھی تو (عراستہ) کا نظریہ کہنے میں کوئی
 قیامت ہوتی نہیں رہتی۔



شرم آگ اداے باز ہے اپنے ہی سے کسی

ہیں کتنے بے گلاب کہ ہیں یوں گلاب میں

اداے باز = مستحق قانا عدا۔ بے گلاب = بے شرم۔

تشریح:- شرم ایک مستحق قانا عدا ہے پچھلے ہی دو اداوں سے ہو۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اگر کسی کو دیکھ کر اختیار کیا جائے تو
 بے گلابی کی دلیل ہے۔ شرم تو محسن غریبوں کے لئے ایک ایسا درجہ ہے جس سے انکو صداقت آتا سہوتا جاتے۔ کسی کو دیکھ

کر اختیار کیا جائے تو صفت اور عادت ہے جو خواب کی نہیں ہے حال کی دلیل ہے۔



آرائش جمال سے فارغ نہیں ہوا

وہ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

آرائش = سنوارا۔ جمال = حسن۔ فارغ = فرمت۔ ہوا = ایک۔ دائم = ہمیشہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کا ایک اپنے محبوب کو سنوارنے سے ہی سے فرمت نہیں دوسرے کی طرف متوجہ کیا ہوگا۔ جبکہ عالم ہے کہ نقاب میں بھی آرائش ہی کے ذریعہ کسی آئینہ دیکھتے ہیں مصروف ہے۔



ہے حبیب فیب، جس کو دیکھتے ہیں ہم ضرور

ہیں خواب میں ہوا، جو جاگے ہیں خواب میں

فیب = پہچاننا۔ ضرور = ظاہر۔ ہوا = ایک۔

تشریح:- حضرت احتضار مہم کے افسار کہتے ہیں شعر یہ امیں (ہدایت) کے مضمون کی ترویج میں فرماتے ہیں کہ جو فیب ہوا فیب ہے لیکن وجود باری تعالیٰ فیب ہے اور وہ فیب ہی ہے اور وہ ایسی قوت کا ہوا ہے جس کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ عقل وہ ان دونوں سے ماوراء ہے اور بے شکل ہے اس کے باوجود کہ ہم ہوش میں ہیں اور ہماری عقل وہاں نے حقیقی شخصیت میں کمال کی حد میں پار کر دی، لیکن وجود باری تعالیٰ کے سلسلے میں ابھی تک عذاب نہیں ہیں کو ابھی تک جاگنے کے باوجود خواب میں ہیں۔



عقاب الہم دوست سے آتی ہے کدے دوست

مشغول حق ہوں، بندگی کو قرب میں

عقب = دوست۔ سہمی = بندگی۔ عبادت = یو قرب = حضرت علی کہ ہاتھ کا لقب۔

تشریح:- شعر یہ امیں حضرت اپنی شیعیت کا مکمل کر مکارہ فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دوست کے دوست سے بھی دوست کی خوشبو آتی ہے اس دعوے کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ میں علی کو دوست دیکھتا ہوں اور علی خدا کو دوست دیکھتے ہیں اسلئے مجھے علی کی عبادت میں خدا کی عبادت کا لطف آ رہا ہے اور میں اسی میں مشغول و مصروف

ہوں۔ جبکہ یہ گھسا ہوا شرک ہے۔ یہاں شاعر نے اپنے شرک کو خوبصورت دلیل کے پردے میں جواز کا پہلو دکھایا ہے جو کمال شاعری ہے۔

غزل (۸۱)

دیوانگی ہے، دوش پہ ڈکار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
دل کو نیاز مرست، دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
لگتا تھا اگر نہیں آساں تو کسل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
ہے عشق مرست نہیں سکتی ہے اور یہاں
طاقت بہ قدر لڑتے آزار بھی نہیں
شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سرد ہال دوش
صبرا میں اے خدا کوئی دیدار بھی نہیں
محبی کل عداوت افکار یک طرف
ہاں دل میں ضعف سے ہوں یار بھی نہیں
ڈرتا رہے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغ کر قرار بھی نہیں
دل میں ہے یار کی سبب حنا کاں سے روکھی
مالانکہ طاقت عشق خار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لاٹے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا آئندہ کو غلوت و بھلوت میں بار بار

دیوانہ مگر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں



دیوانگی ہے، دوش پہ ڈکار بھی نہیں

یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

دوش = کاغذ۔ ڈکار = بھگ۔ وہ دھاک جو برہمن لوگ ناپاکی کے عالم میں کان میں ڈال لیتے ہیں اور پاک ہونے پر کان سے اُٹا دیتے ہیں۔ یہ دھاک مشکٹل آگے گئے میں چار ہوتا ہے۔

تشریح۔ فرماتے ہیں کہ عشق کی ہدایت علامہ اعلیٰ غلام علی نے ہے کہ اللہ نے جسم پر دیوانگی نے جیب میں گہریاں کھدائی ہیں۔ اللہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتا ایک تار کی ہڈی تو ہماری کوئی (۲۲) لپٹل کر لیتے ہیں اور اللہ سے ہوش ہو چکا کیسے شہوت مند۔



دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے

دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

نیاز = حلیم کریدار۔ حسرت = آرزو۔ دیدار = دیکھا۔

تشریح :- دیدار کی آرزو میں پہلے ہی ہم اپنا دل اس کو بطور نیاز خود کر چکے جب دل ہی نہیں رہا تو دیدار کی حسرت ہی کیا رہ گئی۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے دیدار کی حسرت ہی میں طرہ کو ضعیف اور قریب المرگ کر لیا۔ اب اگر دیدار ہوا بھی تو ہمارا کیا حال ہو گا، جبکہ دیدار کی طاقت ہی نہیں رہی۔



منا ترا اگر نہیں آساں تو کسل ہے

خوار تو بھی ہے کہ خوار بھی نہیں

تشریح :- فرماتے ہیں کہ محبوب کا یہ کہنا کہ میں حاصل کرنا کوئی آساں کام نہیں ہے ہمارے لئے غشی کا باعث ہے کیونکہ ہماری مشکل پسند طبیعت کے لئے یہ کہ مشکل نہیں ہے، بہت آسان ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں ہے ہمیں تو مشکلات سے لکھو بھٹا اور اسکا آساں بنانے میں الحظ آتا ہے۔



ہے مطلق حرکت نہیں مطلق ہے اور یہاں

طاقت پہ قدر لذت آزاد بھی نہیں

تشریح :- تمام مطلق و ماضی میں گذاری ادب اخیر میں ضعف نے اس قدر طحال اور بے حوصلہ کر دیا کہ اب یہ فعلی مطلق و ماضی نا ممکن سا ہو کر رہ گیا مگر طبیعت جو شرور ہی سے اس فطرت کی عادی رہی ہے اسکا تحفظ بھی ہے کہ اس کا رد بارگاہی رکھا جائے مگر مصیبت یہ ہے کہ ضعف کا یہ عالم ہے کہ اب آزاد مطلق سے لذت لینے کی طاقت بھی ادھر سے جسم میں نہیں رہی۔



خوار یہ کی کے ہاتھ سے ہے سر پہاں دوش

صرا میں اے خدا کوئی دیدار بھی نہیں

شوریدگی = دیوانگی۔ دوش = کاغذ۔ صحرا = جنگل۔

تشریح :- یہ فیض عشق دیا گئی سے سر بھی کاغذوں پر بار ہو کر رہ گیا ہے اور رخت مصیبت اور پریشانی کا عالم ہے یہ وہ مقام ہے جہاں انسان خود کشی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر استاد کے سامنے بڑی مجبوری یہ ہے کہ لاکھ خلق صحرا کو روکے اور صحرا میں کوئی دیوانہ بھی نہیں جس سے لگا کر وہ اس سر کو چھوڑ لیں اور اس زندگی سے نجات مل جائے۔



مکالمات عداوت اخیار یک طرف

یوں دل میں ضعف سے ہوں یاد بھی نہیں

عداوت = دشمنی۔ اخیار = جمع پیر کی۔ ضعف = کمزوری۔ ہوں = خواہش کی علامت۔

تشریح :- رقیبوں اور دشمنوں سے دشمنی و عداوت تو دور کنارہ بہت ہماری کمزوری کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی پر چھوڑ دیا تو کھاسل کر تکی خواہش بھی دل میں نہیں رہی۔

یہاں شاعر نے نہایت پیار سے اعجاز میں ہمیں سکھا دیا کہ زندگی میں یہ دور آتا بھی لازمی ہے جب انسان کسی کام کا نہیں رہتا عشق مجازی لہو لب اور سارہ مطراق دھرا رہ جاتا ہے کیوں نہ ہم شروع ہی سے اپنی زندگی کو انسانی القہر سے آراستہ کریں تاکہ آخر میں مایوسی اور شرمندگی نہ ہو۔



دور نالہ دے زار سے میرے خدا کو مان

آخر نوائے سرخ گرفتار بھی نہیں

نالہ = فریاد۔ زار = رونا۔ نوائے سرخ = گرفتار۔ میرے میں چاہے ہو۔

تشریح :- محبوب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ خدا کا خوف کرنا ہے مان اور میرے نالہ و گریہ کے اثر کا خیال کر کہ یہ مجھے ہمارے یاد بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ ایک عاشق کے دل سے نکل ہوئی آہ ہے کسی شجرے میں لپے ہوئے پرندے کی تائیں تائیں نہیں جو چہاڑہوتی ہے کیونکہ اسکی چیخ و پکار کامیاب کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔



دل میں ہے یاد کی صبح حرا کاں سے روشنی

حالا کہ طالعہ غلغلی خدا بھی نہیں

صفت مڑیاں = پکوں کی صفت۔ روکشی = چہرہ پھرا دینا۔ خلش = بکھن۔ خار = کاغذ۔
 تشریح:- اس کے باوجود کہ اب ہم میں ایک کاغذ کی بکھن برداشت کر سکتی بھی طاقت نہیں، مگر دل میں اب بھی یہی
 خواہش ہے کہ خوب کی صفتیں پکوں کی صفات سے لطیف و جامعہ آٹھواں۔
 تبصرہ:- مصرعہ اولیٰ میں روکشی اسکی طرف رخ کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ اکثر روگردانی نہ بھیج
 لینے کے معنی میں مستعمل ہے۔



اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اسے خدا!
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 تشریح:- شعر برائے شعر ہے کوئی خاص مضمون نہیں رکھتا نہایت سادہ اور سلیس ہے کسی تخریج کا محتاج نہیں۔



دیکھا اسد کو غلوت و جلوت میں پاردا
 دیوانہ کر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 غلوت = تباہی۔ جلوت = غلوت کی ضد تھیل۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم نے اسد کو تباہی میں غلوتوں میں ہر اعزاز میں دیکھا ہے مگر وہ دیوانہ اور ہنگامہ نہیں ہے تو کچھ
 ایسا ہوش مند بھی نہیں ہے جسکی تعریف کی جاوے۔
 شعر ہذا میں قافی اور آکساری کا استعمال انعامی زبان تکلف دے رہا ہے۔

غزل (۸۲)

کعب میں جا رہا تو نہ دھڑکنے کیا کہیں بھولا ہوں حق صحبت چلی کلفت کو
 طاقت میں تار ہے نہ سے ناگہیں کی لاگ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
 ہوں مغرب نہ کیوں رو دم خواب سے یلحاذا کا ہے قد قہیم سر نوشت کو
 عجب کچھ اپنی سہی سے کہا نہیں مجھے
 خرمی چلا، اگر نہ غل کھائے کلفت کو



کعبہ میں جا رہا تو نہ دھلتے کیا کہیں

بھلا ہوں جی صبیحہ اہلی گشت کو

کعبہ بیت اللہ۔ گشت بہ نیکانہ بکیرا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب کیا کہیں، کچھ کہنے کی بات نہیں جب ہم نے نیکانہ والوں کی صحبت ہی چھوڑ دی اور بیت اللہ کی سکونت اختیار کر لی اور ایک عہد اسے واحد سے درخو جزا لیا تو اس کا خلاف بھی ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے کوئی واسطہ نہ رکھوں۔

اب انکی صحبت کا حق ادا نہ کروں اور آپ مجھے اس کا ملحد میں ہرگز مانتے نہیں۔



طاعت میں تار ہے نہ سنے مانگیں کی لاگ

دورخ میں ذلیل رو کوئی لے کر بہشت کو

طاعت = عبادت۔ سنے = شراب۔ مانگیں = شہد۔

تشریح:- واقع یہ ہے کہ ہم لوگ بہشت کے لالچ میں یا دورخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ فرض

عبادت نہیں کرتے۔ کاش میرا ہو کہ کوئی بہشت کو دورخ میں بھیک دے تاکہ یہ لالچ اور خوف باقی نہ رہے پھر دیکھیں بے

فرض کون انکی عبادت کرتا ہے۔ سنا ہے کہ یہ حضرت داجر امیری کی روایت ہے کہ وہ ایک ہاتھ میں پانی دوسرے میں آگ

لے ہوئے دورخ میں راستہ میں حضرت مسن امیری سے ملاقات ہو گئی انھوں نے دریافت کیا راہجو یہ کیا حالت ہے

انھوں نے فرمایا کہ حضور کچھ لوگ دورخ کے خوف سے اور کچھ بہشت کے لالچ میں انکی عبادت کرتے ہیں۔ کوئی غلطانہ

محض اللہ کی محبت میں انکی عبادت نہیں کرتا جب یہ دونوں چیزیں نہ ہونگی تو دیکھتا ہے کہ کون انکی عبادت کرتا ہے؟ میرا

خیال ہے کہ ان دونوں کو ختم کروں۔ حضرت مسن امیری نے فرمایا کہ آپ کو اللہ کا راز عالم کے کاموں میں دکھیں جو دنیا

کرنے حق دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے آگ پانی کو بھیک دیا۔ واللہ اعلم



ہوں مغرب نہ کیوں دھرم خواب سے

نیر حاکم ہے قدیم سر نوشت کو

مغرب = چاند۔ خواب = نکل۔ قدیم = قلم کی دھک کا۔ سر نوشت = کتبہ تحریر۔

تشریح:- کہیں میں آج بھی سروے وغیرہ کے علم ہائیکہ رواج ہے یہ چاقو سے تراش کر نکالیا جاتا ہے اور اسکی نوک کو
کھینے کے قائل ہانے کے لئے کاٹا جاتا ہے جسکو کھڑکنا کہا جاتا ہے۔ اور نیز حاضی کا کاٹا جاتا ہے۔ اگر سیدھا کاٹا جائے تو
کھینے میں پریشانی ہوگی اور گرم ٹھیک نہیں چلے گا۔

کہتے ہیں کہ جس کلم سے میرا کتبہ نظر رکھا گیا ہے اسکا قادی نیز حاضی کاٹا ہوا ہے اس لئے جو بات بھی میرے حق
میں کہی گئی وہ غلطی ہی ہے اسی لئے میں نیز حاضی کاٹا ہوں اور ہر خواب کے کام سے مجھے غراف ہے۔
بڑی خواہش رہتی ہے اپنی کمزوری کا جواز نکالنا ہے اس کا نام شامری ہے۔



غالب یکم اپنی سنی سے کہتا نہیں مجھے

خوش چلے، اگر نہ طبع کھائے کشت کو

سنی = کوشش۔ خوش = دھیر۔ طبع = لڑی۔ کشت = کہیت۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے غالب میری کوشش یا خواہش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ
میری قسمت ہی غراب ہے کہ میری کھین کو اگر لڑی دل غراب نہ کرے اور نہ کھا جاوے تو کوئی آگ ضرور دے
جاوے گا اور میں ضرور مرنے جاؤں گا۔

مطلب یہ ہے کہ کمزوری میرا مقدر ہے۔ میری کوشش مقدر پرورد خواہش پر میری مدد کی کا انحصار نہیں ہے۔

غزل (۸۳)

صدمے سے دل اگر اندر ہے گرم تھاں ہو کہ چشم تنگ، شاید، کثرتِ نگاہ سے دہاو

ہاتھ دھرتے دل، چاہتے ذاتی معاش بھی۔ بھروسہ یکے گوشہ دامن، کہ آبِ ہمت دریا ہو

اگر وہ سرافقہ، گرم فرامِ باز آہوے۔ سببِ ہر خاکِ گلشنِ فلکی قمری تار فرسا ہو



صدمے سے دل اگر اندر ہے گرم تھاں ہو کہ چشم تنگ، شاید، کثرتِ نگاہ سے دہاو

کے چشم تنگ، شاید، کثرتِ نگاہ سے دہاو

نکند = بلیں کسی کی ترقی پر۔ آخر دہ = نر بھایا ہوا منہ۔ گرم تھاں = جگہ گرم۔ دہاو = کھانا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر تو لوگوں کی قریٰ اور خوشی پر بند کی آگ میں جل رہا ہے اور اس وجہ سے افسردہ ہے تو کمرے باہر نکل کر کچے کتے لوگ اپنی دنیا میں ایسے ہیں جو تھو سے زیادہ بدترین حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اُسے نکارے سے شاید تیری بند کی آنکھ کھل جاوے اور اپنی موجودہ حالت پر معذور حقیقی کا شکر گزار ہو جاوے۔



ہر قدر حسرت دل، چاہئے ذوق معاشی بھی

بھروں یکہ گوشہ دامن، مگر آبِ ہفت دریا ہو

ذوق معاشی = گناہ کی لذت۔ گوشہ = کونہ کنارہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں جہاں اور بہت کام ہیں وہاں آرزو کے ہر قدر گناہ کرنا اور ان کی لذت اٹھانا بھی ضروری ہے اور مجھے تو گناہ سے اس قدر دلچسپی ہے کہ اگر سات دریاؤں کے پانی بھر گناہ میں چائیں تو اپنے دامن کے ایک کونے میں بھروں بظاہر نہایت نرا خیال ہے، مگر جو لوگ دہ عالمین کو منظورِ رحیم بھی سمجھتے ہیں اور ادھر شیعہ کمال رکھتے ہیں ان کے لئے اس قدر گناہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ حدیثِ شریفی ہے کہ فرمایا ہمارے تعالیٰ نے کہ اگر تو تاب ہو جاوے تو بھلے ہی تیرے گناہ اس قدر کے بھانگوں کے برابر ہوں ہم معاف فرما دیں گے۔



اگر وہ سرِ قد، گرم خرامِ ناز آ جاوے

کب ہر خاکِ گلشنِ فگارِ قریٰ چار فرساو

سرِ قد = سر جیسے قد کا خوبصورت محبوب۔ گرم خرامِ ناز = اترتی ہوئی چال کیساتھ۔ کف = تھیلی

قریٰ = فالت۔ ناز فرسا = فریاد کرنا ہوا۔

تشریح:- سرِ ایک سیدھا اور خوبصورت صفت ہوتا ہے قریٰ اس سے محبت رکھتی ہے اور اکڑا پنا مسکن (گھونسلہ) اسی پر رکھتی ہے اور فالت کی ہی خوش آواز سے اس پر تفسیر اترتی ہے۔

یہاں حضرت اپنے محبوب کو نہایت خوش ثابت ثابت کرنے کے لئے سرو سے کھدوے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ میرے گلشن میں آ جاوے تو مجھ کی ہر فگارِ خاک اٹھ کر اس کے حضور بطورِ استقبالیٰ قریٰ کی طرح تفسیر ہو جائے یا ان کی محبت میں گریہ و زاری کرنے لگے۔



غزل (۸۳)

فوجِ ہالفت کو دور سے مت دکھا کر یوں یوسر کو بچھتا ہوں میں مد سے مجھے دکا کر یوں
 نہ سبٹل طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کے اس کے ہواک شدے سے گلے ہے یہاں کہ یوں
 رات کے وقت میں چنے ساتھ دقپ کو لئے آئے وہاں جدا کرے پرگرے خدا کہ یوں
 غیر سے مات کیا نیا یہ جو کہا تو دیکھئے سامنے آنِ بضعا اور یہ دیکھتا کہ یوں
 بزم میں اس کے وہود کیوں نہ غموش چلئے اس کی تو خاموشی میں بھی ہے بکرا مد کا کہ یوں
 میں نے کہا کہ بزم باز چاہئے غیر سے حتی نسیم کے حتم طریق نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
 مجھ سے کہا جو بار لے جاتے ہیں ہوش کس طرح دیکھ کے بھری بے خودی چلے گی ہوا کہ یوں
 کب مجھے کوئے بار میں رہنے کی وضع یاد آئی آئینے دار میں گئی، حیرت نقش پا کہ یوں
 کرتے دل میں ہونچالِ وصل میں شوق کا زہل صبح ہو چلا آپ میں مد سے ہے دست دبا کہ یوں

جو یہ کہے کہ رشتہ کیوں کر ہو رنگ قاری

مکھڑ غائب ایک بار چمکے اسے سنا کہ یوں



نوٹ:- یہی غزل شاعری رعناؤ فرستیں کی منظر ہے انکی ادھاحت کے لئے بھی شاعر کو بیاک اور گستاخ ہونا پڑتا
 ہے اسلئے میں ضروری نہیں سمجھتا کہ شرح کی جلد سے اور ویسے بھی ہر شعر صاف دلچسپ ہے۔ البتہ آخری چار اشعار اس
 قابل ہیں کہ انکی شرح کی جلد سے۔

مجھ سے کہا جو بار لے جاتے ہیں ہوش کس طرح

دیکھ کے بھری بے خودی چلے گی ہوا کہ یوں

تشریح:- میرے محبوب نے مجھ سے پوچھا کہ میں دیکھ کر آپکے ہوش کس طرح اٹھ جاتے ہیں۔ تو یہاں اسلئے کہ میں
 اسکا جواب دوں بھری بے خودی دیکھ کر ہوا چلے گی اور اس نے زبانِ حال جواب دیا کہ یوں اٹھ جاتے ہیں۔



کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی

آئینہ داری گئی، حیرت نقش پا کہ یوں

کوئے یار = محبوب کی گئی۔ وضع = احکام۔ آئینہ دار = راستہ دکھانا۔ نقش پا = پاؤں کے نشان۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مجھے محبوب کے کوئے میں رہنے کے آداب اور احکام کب یاد تھے؟ میں کیا جانتا تھا کہ وہاں کس طرح رہا جاتا ہے وہ تو محبوب کے پاؤں کے نشانات نے مجھے بتایا اور آئینہ دکھایا، رہائی کی اور بتایا کہ میری طرح خاموش حیرت زدہ ایک جگہ چارواکی میں عاقبت ہے۔



کرتھل میں، ہونہال وصل میں شوق کا زوال؟

موج ٹپا آب میں مدے ہے دست دیا کہ یوں

وصل = ملاپ۔ شوق = ازدواجی رشتہ۔ زوال = کراہٹ۔ محیط آب = بخور، گرداب

تشریح :- اگر حیرے دل میں یہ خیال ہو کہ دوران وصل شوق کا زوال کن کیفیت کا مظہر ہوتا ہے تو موج کی حالت کو بخور میں دیکھ کر کس قدر پریشان اور بدحواس ہوتی ہے۔

دراصل یہ حضرت غالب کی عکس بانی ہے جس کو اس سے زیادہ کوکل بیان کرنا ادب ہے۔



جو یہ ہے کہ ریت کیوں کر ہو رنگ قاری

گھٹا غالب ایک بار چمکے اُسے تھا کہ یوں

ریت = آلودہ۔ دراصل ہر زبان کے الفاظ اس زبان میں موجود ہیں بہت سے الفاظوں کو جو ملنے میں کثرت تھے آٹھ کچھ قلع برے کے بعد مثال زبان کیا گیا، جس طرح استاد کو استاد یعنی ذوال کفایت بنا کر مثال کر دیا گیا اس لئے اس زبان کو شروء میں ریت کا نام دیا گیا۔ رنگ = عکس۔ گھٹا = کہا ہوا۔

تشریح :- اگر کوئی یہ کہے کہ آلودہ زبان قاری سے زیادہ شیریں اور اچھی کیسے ہو سکتی ہے تو اس کو غالب کا کہا ہوا (اکھام) دے دے کہ کچھ اس طرح ہوتی ہے۔ آلودہ زبان شیریں اور حردار۔

دراصل قاری کو شمش زبان کہا گیا ہے اور یہ نکتہ فیصلہ ہے۔ دلو رام کوڑی کا مصرعہ ہے۔

نقش پہ ہندو گھبرا یاں لر و عجم

اس نظریہ کی لٹی کرتے ہوئے حضرت غالب بطور تحفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اردو کو وہ شیرینی
 بخش دی ہے کہ اب اس پر فارسی کو رشک ہے۔

غزل (۸۵)

سب کہاں! کچھ لالہ دل میں نمایاں ہو گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگ رنگ بزم آماں میں
 تھیں بختِ عشق کدوں دن کو پودے میں تھاں
 قید میں معتوب نے لی کوڑ پست کی ظہر
 سب رقبوں سے ہیں ناخوش پر زبانِ مصر سے
 جوئے غولِ آنکھوں سے پہنچے وہ کہہ خامِ فراق
 ان پر ہی زانوں سے تھیں گے خلد میں ہم انتقام
 نیرا سگی ہے داغ اس کا ہے داغ اس کی ہیں
 میں جہن میں کیا کیا گیا گویا دہشتاں کھل گیا
 وہ لگا ہیں کیوں ہوئی جالتی ہیں یا رب دل کے پار
 بس کہ دکھ میں نے اور جہنم میں ابھریں پہ پہ پہ
 داں کیا بھی میں تو اس کی گالوں کا کیا جواب
 جاں فزا ہے بارہ جس کے ہاتھ میں نہام آ گیا
 ہم موجد ہیں ہمارا کشیش ہے ترکِ رسوم
 رنج سے خنجر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

یوں ہی کہ روتا رہا غالب تو اسے اہل جہاں

دیکھتا ان ہستیوں کو لم کہ دیاں ہو گئیں



سب کہاں! کچھ لار و گل میں لہایں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

لار = ایک سرخ پھول۔ گل = گلاب کا پھول۔ لہایں = خاہر۔ پنہاں = پوشیدہ۔

تشریح:- نہایت المناک کچھ میں خاصیت کے منور سے حضرت لہار ہے ہیں کہ کتنے ہی انسان اس زمین میں دفن
ہو گئے اور کیسے کیسے شاندار اور حسین لوگ ہو گئے سب تو نہیں ان میں کچھ تو اس قدر حسین ہو گئے جو مرنے اور دفن ہونے
کے بعد اب گل و لار کی شکل میں زمین سے براہِ ہر ہے جس ایک شاعر نے ظاہر ہے جو حقیقت سے باز ہے۔



یاد تھیں ہم کو بھی رنگ و رنگ بزم آراہیاں
لیکن اب نقش و نگار طاقہ بنیاں ہو گئیں

بزم آراہیاں = محفلیں جہاں۔ رہیاں = بھول۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم بھی کبھی رنگین طراز انسان تھے اور رنگ و رنگ و شاعری بیکٹی اور زندگی فرضِ لہلہ کی
بہت محفلیں آراستہ کیں ہیں لیکن اب وہ سب بھول کی الماری کی زینت بچھیں۔

نقش و نگار طاقہ لہیاں کہ کر ایک خوب صورت اندازِ جان کا اظہار ہے وہ نہ مطلب صرف اسی قدر ہے کہ وہ بھول
کی خبر ہو گئیں۔



تھیں ہاتھ انھیں گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے بی کیا آیا کہ حریاں ہو گئیں

ہاتھ انھیں = قلب کے گرد گھومنے والے سات۔ پارے جھکو شعر کی اصلاح میں آسمان کی ڈیلیاں کیا گیا ہے۔

گردوں = آسمان۔ نہاں = پوشیدہ

تشریح:- جب اپن ساتھ پاروں کو جو قلب کے گرد چکر لگاتے ہیں آسمان کی ڈیلیاں تصور کیا گیا تو ان کے ساتھ پردہ اور حجاب
کا سطر بھی لازمی ہو گیا، اس لحاظ سے کہا گیا کہ ان آسمان کی ڈیلیوں کو کیا ہو گیا کہ دن کو کھپ جاتی ہیں اور رات کو بے حجاب
ہو جاتی ہیں۔ شعر کوئی خاص مفہوم نہیں رکھتا صرف ہاتھ انھیں کا تلافی کرنے کے لئے شعر کہا گیا جو محض شاعری ہے۔



قیہ میں یعقوب نے لی گونہ یوسف کی طرح

لیکن آنکھیں روزانہ دیکھ رہی تھیں

نتیجہ:- شہر دار میں سیدنا یعقوب اور سیدنا یوسف کی صحیح استعمال کی گئی ہے جو مشہور قرآنی واقعہ ہے کہ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے باقی دس بڑے بھائی سو چھپا اور دوسری ماں سے تھے۔ حضرت یوسف دنیا کے حسین ترین انسان اور اللہ کے ذخیرہ تھے، دس بڑے بھائی ان سے حسد رکھتے تھے چنانچہ باپ سے دل بہلانے کے بہانے حضرت یوسف کو اپنے ساتھ بکریاں چرانے لے گئے اور انکو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا اور اللہ کا کر بھائی کا خون آلودہ کپڑا (کرینا) لاکر دکھایا کہ اسکو بھیڑنے لے جاؤ ڈالا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ ایک مصری قافلہ اصر سے گذر رہا تھا اسے کنویں میں دیکھا کہ لڑکا چرا ہے اسکو کھال لیا اور مصر کے بازار میں لاکر فروخت کر دیا جسکو مزہ مصری بیگم نے لیا لے خریدا اور اپنا غلام بنا لیا۔ دلینے حضرت یوسف پہ الزام لگایا کہ سدا اللہ انھوں نے کسی بری نیت سے دلینا پر دست درازی کی اس چھوٹے الزام کی جا کر فریج مصر نے آنکھ نہ کھالے میں ڈال دیا اور ایک مرد تک قتل میں محرم ہے گناہی کی سزا ملنے لگے۔

اس واقع کی طرف حضرت غالب اشارہ فرما رہے ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے کی قید خانے بھنگ کوئی خبر نہیں لی اور وہ محل بھی کیسے سمجھتے تھے وہ تو بیٹے کی بددلی میں روتے روتے بیٹھا ہو گئے تھے اور آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ حضرت غالب روزانہ دیکھ رہا تھا زعمان سے تشبیہ سے ہے ہیں کہ روزانہ سے اپنے روحانی کمال کے ذریعہ اپنے بیٹے کی تمام کلیات کا نظارہ فرماتے رہے۔



سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زبان مصر سے

حق دینا خوش کر مجھ ماہ کھلاں ہو گئیں

رقیب = مخالف، دشمن۔ زبان مصر = مصری عورتیں۔ ماہ کھلاں = حضرت یوسف۔ زبان = بھانجری کی
تشریح:- دلینا = مزہ مصری بیگم نے سیدنا یوسف کو کوئی نیت سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس سائلے میں لاکھ پچھلا دامن بھی پھٹ گیا تھا اس الزام کے تحت انکو زعمان میں ڈالا گیا مگر وہ مصر میں بنام ہو گئی کہ وہی محرم ہے اور حضرت یوسف بے گناہ ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں کہ جب دلینا نے خود کو بیگم صاحبہ کے لیے ایک محل برپا کیا اور مصری عورتوں کو نہ ہو کیا پھر بھری محل میں اس نے جملہ عورتوں کو ایک ایک لیٹو دیا اور کہا کہ جب میں کہوں تو تم اس لیٹو کو چاتو سے تراش کرنا۔ یہ سمجھ کر وہ ہانک حضرت یوسف کھانگے سامنے لے آئی تمام عورتیں حضرت یوسف کے

محسن سے اس درجہ متاثر ہو گئیں اور اتنی محبت ہوئی کہ اب جب انھوں نے لیونٹز اسٹاٹو سب نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا تب سب مردوں نے ایک آواز یہ کہا کہ ذلیخ کی کوئی خطا نہیں جو سب حسین علی اس قدر ہیں کہ کوئی بھی جہانِ مورت ان کو حاصل کرنے کی کوشش کر سکتی ہے اور یہ کوئی خرمناک بات نہیں ہے۔

اس واقع سے ذلیخ کو بہت خوش ہوئی اور دونوں قیوں سے کون خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام عورتیں بھی تو حضرت یوسف کو چاہتے اور پسند کرنے کا ثبوت دے چکی تھیں اس لئے وہ سب ذلیخ کی رقیب تھیں۔



جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق

میں یہ سمجھوں گا کہ دو ضمیریں دو مردوں میں ہو گئیں

لوئے خون = خون کی خبر۔ شامِ فراق = جدائی کی رات۔ فرداں = روشن

تشریح:- کہتے ہیں کہ جدائی کی شام ہے مجھ کو دے دو میری آنکھوں سے خون کی خبر بہنے دو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ آنکھیں نہیں ہیں بلکہ دو ضمیریں میں جو روش ہو گئی ہیں۔

چونکہ میں بھی کھل کر آنسو پاتی ہے اس لئے آنسو کا پانی آنکھوں سے قسیم دی ہے کہ اس کا رونا اور دیکھنا چنگا احوال کو سزا دے رہا ہے اور لوگ روشنی سے ڈا کہ مانتا ہے میں اور میرا دماغ بھی لوگوں کے لئے بہت حاصل کرنے کا موقع دیتا ہے مجھے مت روکو۔



ان پر ہی زادوں سے لیں گے غلہ میں ہم انعام

قدرت حق سے ہیں عورتیں اگر وہاں ہو گئیں

پر ہی زادوں = حسینوں۔ غلہ = بشت۔ انعام = دلا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ان حسینوں نے ہمیں بہت پریشان کیا ہے ان سے بشت میں دلا لیا ہے کہ اللہ کی قدرت سے یہی عورتیں وہاں عورتیں گئیں تو عزتہ جائیگا۔

یہاں دیکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت کا اپنے بیٹے ہو چکا بایں دماغی وستی کتنا یقین ہے۔



نیدا آنگی ہے زباغ آس کا ہے راتیں اس کی ہیں

تیری دھنیں جسکے شانوں پر پریشاں ہو گئیں

شانہ = کامیاب۔

تشریح :- محبوب کی طوفانی ماحول کرنے کے لئے اس سے اس طرح غائب ہیں فرماتے ہیں کہ تو جکا ہو گیا اسکو زندگی کا ہر راز پر اظہار حلق حاصل ہو گیا اسکی راتیں اسکا سونا اسکا جاگنا سب اردوں کے لئے ہمسبہ رہی ہے۔



میں جہن میں کیا کیا گواہ بتاں کھل گیا
بہلیں سن کر مرے ڈالے غزل خواں ہو گئیں

دہستان = مکتب

تشریح :- فرماتے ہیں میری دیکھیں مراہی کو کیا ہو چنے ہو کہ میں جب گھٹاں کی میر کے لئے کیا تو تمام جہن مرے استقبل میں ہنگامہ آوا ہو گیا گویا دوسرے جہن نہیں ہے تمام بہلیں میر سے تال فریاد کو نگر جو میں اپنے محبوب کی نسبت سے کردہ ارتقا سے ہو کہ غزل مرا ہو گئیں ہوا ہے اپنے عشق کے ترانے الاپنے لگیں۔



وہاں ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں وارپ دل کے پار
جو میری کوتاہی قسمت سے مڑ گاں ہو گئیں

کوتاہی = کی، کمزوری۔ مڑگان = پلک۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں اپنی قسمت کی کمزوری یا نقصی کے سبب اسکی مڑگان کو ایک چھوٹی سی چڑھتا تھا لیکن مائے خدا ان پکوں کے چھپے جواں کی لگا ہیں ہیں وہ تو تیر دختر سے بھی زیادہ ہلک ہیں جو میرے دل کے پار ہوتی جا رہی ہیں۔



بس کہنا میں نے اور چند میں ابھر میں پہ پہ ہے
میری آہیں بچہ پاک کر یاں ہو گئیں

پہ پہ = مسلسل۔ بچہ = سٹائی

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہر جہ کہ میں آنکھوں کے کی کوشش کرتا رہا مگر آہیں میرے چنے میں مسلسل ابھرتی رہیں اور وہ اتنی ہلکی تھیں کہ (کام آفرین نے اختیار ہی گیا) محبوب آنے پر مجبور ہو گیا۔ اور اُن کے فراق میں دیوانگی کے عالم میں جو کہ جان ہاک ہو گیا قاضی آنکھوں نے گویا سکویا دیا اور سب دیوانگی ڈھونڈ گئی۔



وہں کیا بھی میں تو اس کی گالیوں کا کیا جواب

یاد تھی جتنی دُعا تھی صرف وہاں ہو گئی

تکبریا:۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں قسمت آزمائی کے لئے آنگے در پہ جاؤ تو اُنکی گالیوں کا میرے پاس کیا جواب ہے جس
تو گالیوں کا کر دُعا تھی دے سکتا ہوں۔ سو جس قدر دُعا تھی میرے پاس تھی وہ میں پہلے ہی آنگے وہاں کو دے چکا۔
اب میرے پاس کیا ہے۔ وہ دُعا سنگدہاں دونوں نہایت سنگد دل اور جا غلاتی ہیں، اسلئے وہاں جانا ہی لامحالہ ہے۔



جاں فرزا بادہ ہے جس کے اتھو میں جام آ گیا

سب لکیریں اتھو کی گویا رنگ جاں ہو گئیں

جاں فرزا = دودھ پودہ۔ بادہ = شراب۔ جام = ساغر

تکبریا:۔ حضرت چونکہ شراب کے دلدادہ ہیں اسلئے اُنکی تعریف میں فرماتے ہیں کہ شراب ایک ایسی نعمت ہے
(معاذ اللہ) جو دودھ کو بڑھاتی اور طاعت بخشتی ہے جسکی تعریف تاہلک ہے مگر یہ کہ جسکے حشر میں اسکا جام آ گیا اُنکے اتھو
کی تمام رگیں اور لکیریں گویا رنگ گردن کی اہمیت کی حامل ہو گئیں۔ گویا تمام دودھ سے مگر ان لکیروں میں آ گئی۔ مطلب یہ
ہے کہ ہر درگاہ میں زندگی کی ہر دھڑکی۔



ہم سوچہ ہیں اللہ اکیش ہے ترکہ دوسم

بختیں جرم تھیں اجڑائے ایساں ہو گئیں

موتحد = ایک خدا کو ماننے والا۔ اکیش = مذہب۔ ترکہ دوسم = دوسم باطلہ کو چھوڑنا۔

تکبریا:۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک خدائے واحد کے ماننے والے ہیں اللہ رب العالمین ہے جو دوسم باطلہ کو چھوڑنے کی
تعلیم دیتا ہے تمام بھرتی نے کجا فرمایا کہ ہم دوسم باطلہ کو چھوڑنے کے لئے آئے ہیں اور جن قوموں نے اُنکی اس تعلیم کی
تعالف کی دُنیا سے مٹا دی گئی اور وہ ہمارے ایساں کا جزو بن گئیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ نہیں کہہ دیتے ہیں اپنی نافرمانیوں کے
سبب جاؤ نہ ہو کر اُنھیں عاقبت عاقبت کا شکار ہو گئیں تو ہمارا ایمان بجا رہے گا۔ کیونکہ قرآن کریم اُنکی تصدیق کرتا ہے کہ ہمارے اپنی
نا فرمانیوں کے باعث تباہ کر دی گئیں۔ اور قرآن کے خلاف اللہ اُٹھلا کر ہے۔



ربیع سے غور ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے ربیع

خشکیاں مٹی چڑی مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

تشریح:- ربیع سے غور کرنے کے سنی ہیں خود کو ربیع کا عادی بنالیتا اس سے مانوس ہو جاتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان خود کو ربیع سے غور کرے تو پھر ربیع ربیع ہی نہیں رہتا اور ایک معمولی بات ہو کر رہ جاتا ہے۔ مجھ پر اس قدر مشکلات نے پلٹا کر کیا کرشمے پریشان ضرور ہو مگر مردانہ داما لکھتا ہوں کیا اور رہا غور کوئی مشکل ایسی نہیں رہی جو آساں نہ ہو گئی ہو۔



میں ہی کر رہتا رہا غالب تو اے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو جم کہ دیراں ہو گئیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دنیا والو یہ غالب کہ اسی طرح رہتا رہا تو تم دیکھنا کہ ایک دن یہ سب آبادیاں ختم و بیکر ہے اور اب رہا ہو چاہیگی۔ اگر انکی نوست سے چٹا چٹے ہو تو انکی بددعا اور دوائے سے روکو۔

غزل (۸۶)

مرے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
مگر غبار ہوتے پر ہوا اڑا لے جاتے وکر نہ تاب و توان ہاں وہ پر میں خاک نہیں
یہ کس بہشت شمالی کی آمد آمد ہے پہ چپو جلوہ گل، رنگور میں خاک نہیں
بھلا اسے نہ سہی کچھ بھی کو دم آتا اڑ مرے غمیں بے اثر میں خاک نہیں
خیال جلوہ گل سے غراب ہیں میکش شراب خانہ کے دیوارہ در میں خاک نہیں
ہوا ہوں عشق کی عادت گری سے شرمندہ سوائے حسرتہ قہر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل گئی کے استوا

گھوٹا کہ ناکہ عرض ہر میں خاک نہیں



حرے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں

سوائے غریب جگر سو جگر میں خاک نہیں

تشریح:- کہتے ہیں کہ اس دنیا کا کلف اب ہماری نظر میں ابھل نہیں رہا ہے جہاں سوائے اگلے کچھ کچھ کھٹکے کا ہلکا سا کھٹکنا اور غریب پائے کا دوسرا پائے۔ اب جگر میں ابھی جگر دھار ہم پر دھنسا کر رکھ دئے ہیں۔



مگر غبار ہونے پر ہوا اڑالے جانے

وگر نہ تاب و توان ہاں اوپر میں خاک نہیں

تشریح:- کہتے ہیں کہ اب ہمارے حق جان میں کیا رکھا ہے ہمارے معیار میں (بال و پر) میں کچھ طاقت باقی نہیں رہی، ہماری حیثیت ایک کڑوا اور پھان (حاجے سے زیادہ) نہیں کہنے نے جانے کے لائق بھی اب تو ان باقی نہیں رہے۔ بھلی ہو اڑا کر ہمیں کہیں یہاں سے ہمارے اس کتاب کچھ نہیں، انتہائے بہانہ کہ تین لاکھ کوٹھڑا لے جانے کا مل شامی ہے۔

یہ کس بہشت شیل کی آمد آمد ہے

یہ غیر جلا وطنی، رہبر میں خاک نہیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کون کون رہبر فروں آنے والا ہے کون کون غمخیز آ رہا ہے کہ تمام گلی کو بے آرامتہ ہیں، تمام رستے بھول ہی بھول، بچاؤ دئے گئے ہیں، خالی زمین کہیں دکھائی نہیں دیتی۔



ہوا اسے نہ کسی کچھ بھی کو دم آتا

اڑ کرے نہیں بے اثر میں خاک نہیں

نکس = سانس۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ گرامے کچھ ایک آنکھ دمت گدرا نہیں تھی کچھ ہوا خیال نہیں تھا تو پھر سے ہوا میں وہاں ہوا ہونا کہہ کچھ چلے آتے ان میں بھی کوئی اثر نہیں، ایسا لگتا ہے کہ سنے کی خواہش دل سے نہ نہیں ہے، نہ مجھے محبت ہی نہیں محسوس ہوتی ہے۔ حاصل یہ کیفیت بھی کبھی کبھی ہماری ہوتی ہے۔



لیالِ جلوۂ نعل سے عراب ہیں نکیش

شراب خانہ کے دیوارِ در میں خاک نہیں

تشریح:- یہاں جلوۂ نعل بطور استعارہ محبوب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ آگے دیکھنے کے لئے رخِ استدار چاہ ہیں کہ نصیر نکیش کا بھی ہوش نہیں ہے۔ شراب خانے کے دروازے پر بھی ہندوئی معلوم ہو رہے ہیں کوئی اس طرف توجہ ہی نہیں کر رہا۔



ہوا ہوں عشق کی عادت گری سے شرمندہ

سوائے حسرتِ قہیر گھر میں خاک نہیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ عشق نے وہ جا ہی پھیل ہے کہ میرے پاس بکھو نہیں چھوڑا اب کچھ پاس رہا ہی نہیں اسبابِ واقفِ صاحبِ میرے پاس آتے ہیں تو بڑی شرمندگی اٹھائی پڑتی ہے۔ مکان کی تنگگی کا یہ عالم ہے کہ حوصلہ آزاری ہے۔ جگہ جگہ سے غلتے ہو گیا ہے اور حسرتِ قہیر کا غلطہ کر رہا ہے اور میرے پاس علاوہ حسرت کے کچھ بھی نہیں رہا۔ جو حسرت کا کام ہی کر سکوں۔



ہمارے شعر ہیں اب صرف دلِ لگی کے استعارے

کھسا کہ قلمِ عرضِ نثر میں خاک نہیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے استعارہ ہمارے اشعار اب صرف دلِ لگی کے لئے بہت سادہ اور سلیس ہونے لگ گئے ہیں اور ہم نے وہ اشعار کہنا چھوڑ دیے ہیں جن میں صنعت اور کارگیری وقتِ پسندی ہوا کوئی تھی جن سے نثرِ شاعری کا اظہار ہوتا تھا۔

چہ چلا کہ اس سلسلے میں زیادہ ضرورتی دکھاتا ہے کارِ محض ہے اور اس میں کوئی قلمِ نثر نہیں کیونکہ عوام سلیس کلام کی قدر کرتا ہے اور اس کلام کی قیمت نہیں دیتا جو ترقی کی بات سے آگاہ ہو۔



غزل (۸۷)

دل ہی تو ہے دنگ و خشتِ درد سے بھرنا آئے کیوں؟ روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟
 وہ نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں بیٹھے ہیں روگرد چہ ہم غیر ہمیں اداغائے کیوں
 جب وہ جمالِ دل فردوزِ صورتِ ہر نیم روز آپ ہی وہ نگارِ روزِ پدے میں نہ چھپائے کیوں؟
 دھڑے غزوہ ہاں ستاں، ٹاؤک باز پے پاناں تیرا ہی عکسِ رخا کسی سامنے میرے آئے کیوں؟
 قیدِ حیات و بچہ غمِ اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے لہجائے کیوں
 محسن اور اس پہ محسنِ سخن رو بھی ہو اہوس کی شرم اپنے پہ افسار ہے غیر کو آزمائے کیوں
 دلاں وہ فردوزِ خزاں باز یاں یہ حجابِ پاس و شمع رواں میں ہم نہیں کہاں، دم وہ نکلائے کیوں
 ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا کسی جسکو ہوریں دہل مزجہ آنکلی گلی میں جائے کیوں؟

غالبِ بخشہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
 روئے زار زار کیوں؟ بکچے ہائے کیوں؟



دل ہی تو ہے دنگ و خشتِ درد سے بھرنا آئے کیوں؟
 روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دنگ = خمر، بخشہ = اہنہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ لوگ ہمیں رونے لگی نہیں دیتے اور خود غم سے باز نہیں آتے تا غمِ محاسنِ دل رکھتے ہیں کوئی ا
 اہنہ، خمر تو ہے نہیں جس پر غم ہڈ پاتی کا اثر نہ ہو، ہم ہزار بار روئیں گے آخر کوئی ہمیں ستاتا کیوں ہے۔
 کہانہ شاعری یہ ہے کہ نہایت منقولہ مان لہجہ اختیار کیا گیا ہے جو واقعہ کے عین مطابق ہے اور راکھڑا ایسا ہوتا ہے۔



وہ نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں
 بیٹھے ہیں روگرد چہ ہم غیر ہمیں اداغائے کیوں

دیر = نقاد۔ حرم = کعب۔ آستان = چوکٹ ماسخان۔ رنگور = گزرے کا راستہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم سرکاری راستے پر بیٹھے ہیں جو کسی کی حکمت نہیں ہے جو کوئی ہمیں یہاں سے اٹھائے کہ کوئی نہ بچاؤ ہے نہ کعب ہے جس سے کوئی بے حشر حق کا احترام لگائے اور یہاں سے اٹھائے کسی کو یہاں سے ہمیں اٹھانے کا کیا حق ہے۔ ایک بار بار دہر دہر کے ساتھ کام کا جو رونا دکھاتا ہے نا کام پر مظلوم کا کیا کیا ہے۔



جب وہ جمال دل فروں صورت مہر نیم روز

آپ ہی ہو نگار و روز پرے میں منہ چھپائے کیوں؟

جمال = محسن۔ دل فروز = دل کو بڑھا دینے والا طرحت بخت۔ مہر نیم روز = دوپہر کا سورج

تشریح:- محسن کو محسن کہنے کے معنی اس کو جو میں کہنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ اپنا محسن ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔

فراتے ہیں کہ وہ محسن جو دوپہر کے سورج کی مانند محسن دکھائیں اور اپنا محسن دکھتا ہو جو چھپائے نہ چھے اس کو خود کھٹکائے گا کیا سورج ہے۔



روزہ فزہ جاں ستاں، تاک باز پہ پناہ

تیرا ہی گھس رہا کسی سامنے تیرے آئے کیوں؟

روزہ = فزہ۔ فزہ = مشق کا چشمہ اور سناٹا رکنا۔ جاں ستاں = جاں گزار۔

تاک باز = باز کا تیر

تشریح:- فراتے ہیں کہ اے خداوند یہ محبوب کے فزہ کا تیر جاں لینا اور اس کی تاک باز کا تیر جس سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں یہ سب تیرے ہی چہرے کے گھس ہیں ان سب میں تیر کی ہی صنعت ہے تو ہی جلوہ فرما ہے جب میں حلیم ہے کہ سب تیرا ہی گھس ہے اور تیرا ہی جان کے لئے خطرناک ہے تو ہمیں سامنے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ غلامی کرنا کہ تیرا ہی "سے بہت جلوہ دکھا تیرا ہی تیرا ہی ہے جبکہ ہمارے گھر تیرا ہی کے گھس کی تاب بھی نہیں لایا ہے تو اس قدر ظاہر ہے کہ گھس سے ہزاروں گنا زیادہ طاقتور اور تیرا ہی ہو گا اس کی تاب کیسے لاسکتے ہیں۔



قید حیات و جو ٹم اصل میں دلوں ایک یہا

سوت سے پہلے آدمی ٹم سے نجات پائے کیوں

قید = بندش، بھلائی۔ بند ٹم = غم کی بھجوریاں۔ نجات = بھٹکارا۔ حیات = زندگی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ زندگی کی بھجوری ہر آدمی کو بھٹائی دلوں ایک ہی قسم کے دھنسو ہیں مگر زندگی ہے تو
ٹم و آدمی کا ہر ملازنی ہے اس لئے سوت سے پہلے ٹم و آدمی سے بھٹکارا مانگنا ہے۔



محسن اور اس پہ محسن عین رہی برابری کی شرم

اپنے پہ احسا ہے غیر کو آزمائے کیوں

محسن عین = اچھا گناہ۔ برابری = ذلتی بدکار۔ احسا = محروم۔

تشریح:- ہمیں اپنے پر محروم ہونا چاہئے اگر اپنے کردار پر آدمی کو محروم ہے تو دوسرے کو آزمائے کی ضرورت ہی نہیں
اور جیسا بھی ہو ہمارے ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔ یہ تو برابری اور بدکاروں کا کام ہے کہ وہ صرف اپنی مطلب برابری
کے لئے اپنے محسن کی تحریف کرتے ہیں۔ وہ محسن کو محسن ہے اس لئے محسن ہی طوطی کے ہیں، اس کی تحریف کا کیا موقع ہے
یہ ہے ہی اچھی چیز۔ اس کو آزمائے کی ضرورت ہی نہیں۔



وہں وہ فرد و فرد ہاں پہ حجاب پس وضع

راہ میں ہم طمس کہاں، بزم وہ نکلائے کیوں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ انھوں نے محسن پر ہمارے وہ فرد و فرد ہاں پہ حجاب پس وضع
دلوں کے پس ملاقات نہونے کی حصول و درجات ہیں اس کی صورت میں وہ اگر راستے میں ملے گی ہیں تو ہم ہر جہتی فکر
گزر جاتے ہیں، کیونکہ ہمیں اپنی وضع کا بھی خیال رکھنا ہے۔ یہ عزتی سے ڈر لگتا ہے اور وہ ایسے کہاں ہیں کہ ہمیں اپنی
مخلوق میں مدعو کریں، انھیں اپنی جگہ شرم ہاں سکیر ہے۔ ان ملاقات میں مفاہقت و محبت کی گواہی دینا ہے۔



ہاں وہ نہیں خدا پرست ہاں وہ ہے دعا سخی

جسکو ہر دین و دل میں آگے گل میں جائے کیوں؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جس کو پناہ دین (مذہب اسلام) چاہی یا نہ چاہی وہ اس کی گلی میں کیوں جاتا ہے اس کی راہ میں تو ان دونوں کٹر دہان کو چاہوتا ہے۔ اگر آپ اس بھار کی وجہ سے خواہ مخواہ اس پر پہنچنا ہی کا اثر ناممکن ہے چر کہ لگاتے رہیں بے شک۔ ہاں ایک بات ہے جسے ہم اب رہتی سے کیا واسطہ ہے وہ یہ ہے کہ بے وفا ہی کسی آپ اس سے واسطہ نہ لگے۔



غالب جس کے بغیر کون سے کام بند ہیں

روئے زہر زار کیوں؟ کیجئے اپنے اپنے کیوں؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ غالب فتنہ عامل (مجلس اورند) کے بغیر کیا کا کوئی کام بند نہ ہو رہا ہے جس کے لئے زامہ نگار روکا جاوے مگر کیا جانے وہ "شش کم جہاں پاک" نہ تھا نہ اکھڑا کا مظاہرہ ہے۔

غزل (۸۸)

ہار ہر کسین طلب اے مہم ایجاد نہیں	ہے تھکانے بنا شکوہ ایجاد نہیں
مشتق و مزدوری مشرت مہر خسرو کیا خوب!	ہم کو حلیم کو نامی فریاد نہیں
کم نہیں وہ بھی مراد میں پہ دست مظلوم	دشت میں ہے مجھے وہ بیش کہ گمراہ نہیں
دل بیش کو نہ طوقان حوراث کعب	نہر موج کم ادنیٰ افسار نہیں
وای عمر دہی حلیم دہا حال وفاق	جانا ہے کہ ہمیں طاقبت فریاد نہیں
رجب چمکنا گل ولالہ پرچیں کیوں ہے؟	کہ چماکانا سرور گزار یاد نہیں
سو گل کے تھے بند کرے ہے گھنچن	خود اے سرخ! کہ گزرد میں میاد نہیں
لٹی سے کرتی ہے اٹھاتے ترویش گویا	دی ہی جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں
کم نہیں بلوہ گری میں ترے کو پہ سے بہشت	یہی تھو ہے دلے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس نہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو ہے مری پادشاه دہن یاد نہیں؟



ہاں جو کسین طلب اے ہم ایجاد نہیں

ہے قصدا نے بظاہر ظہور پیدا نہیں

نالہ = فریاد۔ کسین طلب = مانگنے کی غول۔ ختم ایجاد = علم کا سہرا۔ جہا = علم۔ ظہور = ظاہر۔ پیدا = علم۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اے عالم اے بے علم اے اعلان دالے ہماری فراودزاری تجھے حاصل کرنے کے لئے ہے
ایسا نہیں کہ ہم علم و فراودنی کو برداشت نہیں کر پار ہے ہمیں اسکی کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ مزید اپنے ارسائی کی خواہش ہے۔



مطلق و محدودی عزت کہ خسر کیا خوب!

ہم کو حلیم کو نای فرہاد نہیں

عشرت = پیش۔ خسر = شادمان کا لقب۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ مطلق اور پارشاہ کے پیش و آہام لازم کرچکے لئے اُنکے علم سے پہاڑ کاٹ کر نہر کاٹنا وہ متضاد
ہوتا ہے۔ چونکہ ماضی کسی کا مزدور نہیں ہوتا نہ یہ کام اسکی شان کے مطابق ہے۔ ہم ایسی ماضی کے تامل نہیں ہم ہرگز
فراد کو ایک نام و رنگ ماضی ماننے کے لئے چاہتے ہیں۔



کم نہیں وہ بھی لڑائی میں پہ دعت مظلوم

دشت میں ہے مجھے وہ پیش کہ گمراہ نہیں

دعت = پھیلانا، پہنائی۔ دشت = جنگل، صحرا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ گمراہ صحرا میں جنگ نہیں کہ جہاں تک لڑائی اور برادنی کا معاملہ ہے دونوں ایک دوسرے
سے کم نہیں ہیں لیکن صحرا کی دعت میں مظلوم ہے جہاں گمراہی چلی کا احساس نہیں ہے مجھے اس صحرا میں وہ پیش و آہام ہے
کہ گمراہ نہیں آتا۔



اہل پیش کو ہے طوقان عداوت کعب

طوق سوج کم از سبلی استاد نہیں

اہلی پنشن = بڑا ملک، اہلی بصیرت۔ نظر = تپا۔ سلی = بائری کی جگہ۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اہل بصیرت کے لئے حادثوں کا طوفان دور رس کی سختی سے زیادہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قدر سختی ہے اس کا سکول میں ہو سکتی ہے اہل نظر مردوں کے لئے حادثوں کے طوفان میں سختی اور مشکلات و مصیبت اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

طوفانی تجویز ان کے لئے اس بات کی تھی کہ برابر ہے اس بات کی تھی کہ طوفان میں اہل بصیرت کی جگہ ہے جس سے بچے آداب زندگی اور ہمیشہ وسعت کے کر پختے ہیں اس طرح حوادث سے اہلی نظر مسیتوں کو برداشت کرنا سہی حاصل کرتے ہیں۔



وایں عروای حلیم رہا حال دقا

جانا ہے کہ ہمیں طاقت فرما نہیں

تشریح: انہوں نے مجھے اپنی عروای حلیم سے اور اسی عروای پر فرما اور انہوں کی طاقت بھی نہیں ہے نہ ہی فرما دیا کہ طاقت ہے اور اس کا سبب بھی معلوم ہے کہ عروای مانگ ہے یہ حال اور سرگرمی کی بدولت ہے اگر اس کا شہاد اور طریاں بردار بندہ ہو تو ہرگز عروای کا شہاد نہ ہوتا۔ ہم اسی روحانہ دانش اور کبروی پر قائم ہوں۔



رکب حسین کی دلا پریشاں کیوں ہے؟

کہ چہ لکھن میرا گز بار نہیں

رکب حسین = عزت و شہنشاہ۔ میرا گزور = راستے کے کنارے۔ ہاؤ = ہوا

تشریح: فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں کا عزت و شہنشاہ کیوں پریشان ہے۔ کیا ان کی وجہ یہی نہیں ہے کہ ان کے شہنشاہ کی مراد شہنشاہ روز سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر ان کو شہنشاہ کا مقام ہو تو ان کا عزت و شہنشاہ بھی مستحکم اور جاہز ہوگا۔ اگر ان کا تاج بھاری اور شہنشاہ کا احساس ہی ان کی پریشانی کا اصل سبب ہے۔ اگر ان کو دنیا کا احساس ہوگا کہ وہ راستے کے چلتے ہوئے چھانوں کے ماتھے ہیں ہرگز پریشان و غمزدہ نہ ہوتے۔ اور یقین ہوگا کہ تم ہی نہیں دنیا کی ہر شے غالی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس راستے کے چھانوں کو کب ہوا کا ایک جھوٹا بھانجرا کر دکھائے۔



ہو گی کے تے بند کرے ہے گھنٹن

خود اے مرزا کہ غلزار میں مباد نہیں

نہ۔ دہری۔ نکل۔ بھول۔ گھنٹن۔ بھول پٹہ وہ۔ خورشیدی۔ غلزار۔ بھن۔
مباد۔ دہری۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اے طاہران بھن خورشیدی ہو کر آج بارش میں غلزاری سو جو نہیں ہے جہاں چاہو آؤ ادا ہے پر دار
کہ لیکن بھری ہو شیار ہے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر گل بھن کے بھی ہاتھ آگئے تو وہ بھی ضرور بھولوں کے دکرے کے
پے بند کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی بھی حال میں بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔



نہی سے کرتی ہے اثبات تراش کوا

دی ہی جائے دہن اس کو دم ایجا نہیں

نہی۔ دکرہ۔ اثبات۔ حلیم ثبوت کے ساتھ۔ تراش۔ اخذ۔ دہن۔ نمہ۔ دہن

دم ایجا۔ پیدا کرتے وقت۔ دم۔ طون مدوح۔ جاوہر۔ بکر۔ غیرب

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ خلاف کے نمہ میں نہیں رہا جاوے تاکہ وہ غلزاری کا ثبوت اور دشمنی سے دکرہ ہوا ہے۔ نہیں بلکہ
اس کا ثبوت کر لے دی جاوے کیونکہ خلاف سے اس کا جزو جزو ثبوت پانچا کیونکہ گنتی سے اثبات کا پہلا لکھا ہے مثلاً اگر ہم
نہی کریں اور کہیں کہ سزا دلائے گا انہیں ہے تو دیکھو دوسرے لوگ کہیں گے کہ ہے تو اس طرح اگر وہ نہیں بھی ہے تو غلزاری اس
بحث کے دوران تو آہی کیا اس کے معنی ہیں کہ وہ ہے جس پر یہ منظر چل رہی ہے۔

مطلب یہ کہ کیا گنتی سے بھی اثبات کا پہلا لکھا ہے۔ خلاف کا ثبوت کر لے دی جائے اس کی خوشامد بالکل نیکی ہوا ہے۔



کم نہیں ملوہ گری میں ترے کو ہے سے بہشت

بھی تھو ہے دے اس قدر آباد نہیں

تشریح:۔ شعر ہذا الہامیت علیہ السلام ہے کہی و مناصت کا حجاج نہیں اس میں ایک بات یہ ہے کہ شاعر نے محبوب کے کو ہے
کہ بہشت پر ترجیح دی ہے جو قائل ایک عاشق کا طریقہ ہے مگر یہاں ترجیح دلیل کے ساتھ ہے کہتے ہیں کہ بہشت بھی بہ
اقتدار دہائی و سامان و غیرہ حیرے کو ہے سے کی طرح کم نہیں ہے لیکن وہاں اس قدر دہائی نہیں ہے کیونکہ وہ کم آباد ہے۔

کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ ایک سختی کے حصہ میں ہر شخص آجلی و سہولت و سبب پہنچ ہوگی جس میں ہر قسم کے کھانے پھل، شرابات، ہو گئے اور چند حوری، چند غلام ہو گئے۔ اسے کم الملو کے لئے جنت کا وسیع ہونا کم آیا دی اور بے دریغی کی دلیل ہے۔



کرتے کس نہ سے ہر غربت کی شکایت غالب

تم کو بے سہری یادان وطن یاد نہیں؟

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ وطن میں رہ کر حضرت اپنی رعنا سرستوں کے افراطیات پرے نہیں کر پا رہے تھے اور کرتے بھی کیسے انکو تو کیا کا کوئی شوق یہاں نہیں تھا جو نہ ہو۔ مثلاً شراب نوشی، جوا جس میں سزا بھی ہو پہلی قسمی اسکے علاوہ ملاحوں سے رہا خطہ آمد و رفت اور بھی پاکی میں ایسی ذمہ کی گزارنے کے لئے تو چہرہ کا خزانہ بھی شاید نکالت ذکر کیے۔ ان حالات نے حضرت کو وطنی بھڑنے اور ادا پور ملک کے سفر کیلئے مجبور کر دیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اب کس نہ سے اس غربت کی شکایت کرتے ہو وطن ہی میں تمہیں یاد اس نے کوئی وقت وہی کیا تم ناکی بے سہری بھول گئے۔

غزل (۸۹)

حیرے توں کو صبا ہاندے ہیں ہم بھی مضمون کی ہوا ہاندے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے! ہم بھی اک اپنی ہوا ہاندے ہیں
حیری فرست کے حافل اسے مرزا برق کو پا ب جا ہاندے ہیں
قید ہستی سے رہائی معلوم اقب کو بے سرد یا ہاندے ہیں
نور رنگ سے ہے دلجو گل مست کب بید تھا ہاندے ہیں
قلبی اپنے مضافین مست پوچھ لوگ ہالے کو رسا ہاندے ہیں
الل تضر کی ہامد گماں! آجوں بے بھی جا ہاندے ہیں
سادہ بے کار میں خواہاں غالب! ہم سے بیان وفا ہاندے ہیں



میرے قوس کو سہا ہاتھتے ہیں

ہم بھی غصوں کی ہوا ہاتھتے ہیں

قوس = گھوڑا۔ غصا = پردائی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی سہیلے کی مدد کر دی کہ میرے گھوڑے کو مبارکباد رکھو یا غصہ شاید ایسا نہیں ہے۔ بہتو
سب عادت اپنے غصوں کی ہوا ہاتھتے ہیں۔



آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے!

ہم بھی اک اپنی ہوا ہاتھتے ہیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ آہ کا اثر کس نے دیکھا ہے سب کہنے کی باتیں ہیں اور خصوصاً عاری آہ میں اثر کہاں دیکھا ہے۔ بہتو
صرف یہ کہہ کے کہ عاری آہ تھے چاروں برابر کر گئی اپنی ہوا ہاتھتے ہیں۔



میری فرست کے مقابل اے مرا

برق کو پا پہ جتا ہاتھتے ہیں

برق = بجلی۔ پا = پاؤں۔ جتا = مہندی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مرا انسانی کی مدت کے مقابلے میں ہم بجلی کو لاکھتے ہیں کیونکہ اس کا دور ایک ساعت سے زیادہ
نہیں ہے یا اس بجلی کی پلک جھپکنے کی مدت ہے اور پھر آنکھ پاؤں پہ مہندی لگانا اسے نرا اس مختصری مدت زندگی میں دنیا
میر کے پیش درآرام کے انجام و انتقام کو مٹا رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حصول دنیا کے لئے عاری تک دور بیکار شخص ہے یہاں کے قیام کی مدت ہی کتنی ہے۔



قید جتنی سے رہائی معلوم

ایک کوبے سرد پا ہاتھتے ہیں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں مداح کس طرح مجلس صغریٰ سے نکل کر بھاگ جاتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ
ایک کے سر اور ہاں پکھنکھن ہوتے آئے ہمارے ہمارے ہمارے آگے سے نکل کر بھاگ جاتے ہیں۔ یعنی یہی کیفیت ہماری

درج کی ہے جس پر وہاں کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہی لکھوں کی طرح کل کر عاگ جاتی ہے۔ اور میں ہیذا سنی سے وہاں جاتی ہے۔



نقز رنگ سے ہے دامن گل

مست کب بد قبا ہمارے ہیں

نقز رنگ = حسن کاغذ۔ وا = مکتا۔ کدو = ہوتا۔ گل = پھول۔ بد قبا = کریں۔

تشریح:۔ پھول کا مکتا ہے رنگ و روپ کے نقز کی لذت اور ہوا کے باعث ہے کچھ اپنی مرضی سے لکھیں۔ جس طرح مست اور ہزدوپ لوگ خود کو اپنی مرضی سے برہنہ لکھ رکھتے بلکہ نقز معرفت حق کا نظارہ اور دریاگی آگے لکھ جاتی کا باعث ہے۔ یہ لوگ اس درجہ آگے ذات میں گم ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی خواہش ہی باقی نہیں رہتی۔ قبا اور بد قبا تو ہوش مندوں کیلئے ہے مستوں کو اس سے کیا کام۔



قلبی اپنے مضامین مت بچ

لوگ اے کہ رسا ہمارے ہیں

بالہ = غرض قرار آرام۔ گھیرا، جھپٹا۔ رسا = ہتھا ہوا۔

تشریح:۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی مصنف شاعر کی قلبی پر ضرر ہوا میں طر کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے کسی بھی سنی کے اعتبار سے کہیں جانے یا پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جب تک اس کو یہاں نہ جائے۔ اسکی صورت میں اگر کوئی شاعر دے گا رسا ہمارے ہے تو اصولی قلبی کار کا کتاب کرتا ہے۔ اس کی قلبی سے دے دے کہ ہمارے لکھ دیا گیا حضرت خود انکھرم حقائق کی صف میں شمار کرتے ہیں اس لئے حیرت سے فرما ہے ہیں کہ لوگ دے لے کو نہ دیا پہنچے والا کہتے ہیں یا اثر کہتے ہیں جبکہ ہم نے اپنے دلوں میں کوئی اثر بھی نہیں پایا۔



دل قہر کی دامن مکیاں

آجوں بے بھی ہمارے ہیں

دامن = پیار کا ہوا۔ آجہ = چھل۔ حنا = ہندی۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ آجوں پر حنا کا پیاڑ لکھ ہے کیونکہ ایسا تاریک قول نہیں کر سکتا اور اگر قول بھی کرے تو سنی اور کے لئے جب دہریت ہمارا رنگ بھی شرم ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ

بائنس تدبیر کر کے اسے کٹر مخالف حمل بیٹے لیتے ہیں۔



سادہ پر کار میں خوبیں غالب!

ہم سے چنانہ وفا دانتے ہیں

سادہ پر کار = سادگی میں فریب نہ تھا۔ خوبیاں = حسین رنگ۔ چنانہ = بہ۔

تفسیر:۔ فرماتے ہیں کہ اسے غالب یہ حسیان جہاں کہ سادگی کے ساتھ ہمیں فریب دینا چاہتے ہیں جیسے ہم آگے چلا کیوں کہ کھینچے ہی نہیں۔ ہم سے چنانہ وفا دانتے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو وفا کے پابند ہیں گے اور وہ سارا راجہ اتصال و استحصال کرتے رہینگے۔

غزل (۹۰)

دائم چڑا ہوا حیرے وہ پر نہیں ہوں میں خاک اپنی زندگی پہ کہ پھر نہیں ہوں میں

کیوں گردنِ مدام سے گھمرا نہ جائے دل؟ انسان ہوں چلا، ساغر نہیں ہوں میں

یا رب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے؟ لوبہا جہاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں

مہ چاہتے سزا میں محبت کے واسطے آخر کیا بکار ہوں کار نہیں ہوں میں

کس واسطے سوز نہیں جانتے مجھے؟

مسل وہ جزوہ زود گوہر نہیں ہوں میں



دائم چڑا ہوا حیرے وہ پر نہیں ہوں میں

خاک اپنی زندگی پہ کہ پھر نہیں ہوں میں

تفسیر:۔ محبوب سے غالب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ حیرے وہ پر خوشامدی بنا چلا ہوں میرے اس کی بات نہیں ہے کیونکہ میں انسان ہوں کوئی دشمن نہیں ہوں چراک چکر چلا ہوں گا۔ اپنی زندگی کیا خاک زندگی ہے۔ میں کہنے کہ ہم اپنی زندگی پر خاک ڈالتے ہیں۔



کیوں گردشِ عام سے گھرا نہ جائے دل؟

انسان ہوں پیارا، ساغر نہیں ہوں میں

تشریح:- اس سے پہلے شعر مطلع میں حضرت نے ایک جگہ چلنے سے بڑائی کا اظہار فرمایا ہے، اس شعر میں اُنکے برخلاف بیٹھ کر گردش کر رہے گھبراہے ہیں اور فرماتے ہیں انسان ہوں کوئی عام و سافر تو نہیں ہوں جو بیٹھ کر گردش میں رہوں۔



یا رب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے؟

لوہجہ جہاں پہ حرف نکلز نہیں ہوں میں

لوہجہ = حقّی۔ حرفِ مکروہ = دہار کا کیا حرف۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں تمہا ہوں میں کوئی لفظ قیصر شدہ نہیں ہوتا جو زمانہ مجھے مٹانے پر لگا ہوا ہے۔ جیسے حرفِ لٹا یا مکروہ گئے گئے حرف کو مٹاتا ضروری ہوتا ہے۔

کس شان سے حضرت نے اپنی یکجائی بیان کی ہے کہ میرا جیسا دوسرا نہیں ہے، پھر زمانہ میرے مٹانے کے

کیاں رہے ہے۔



عہدِ جاہلے سزا میں حقوت کے واسطے

آخر کا بھگت ہوں کافر نہیں ہوں میں

حقوت = حقّی۔ کافر = انکار کرنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ گناہ گار کو سزا ضرور ملنی چاہئے کیونکہ اگر حقّی نہ ہوگی تو گناہ گار کا عہدِ گناہ کے لئے اور جو عہدِ کفر آگئی کوئی عہد ہونی چاہئے مجھے جو مستقل سزا مل رہی ہے۔ یہاں میں گناہ گار تو ہوں کوئی کافر تو نہیں ہوں نفسی طور سے اسکی ذات کا انکاری تو نہیں ہوں جو مستقل سزا کا مستحق نہیں ہوں اور ایمان کا ایک کیلئے اور سزا شدہ رہو جائے اور اس جہاں میں بھی رہو رہوں۔



کس واسطے مزاج نہیں جانتے مجھے؟

فصل در مزاج اور گوہر نہیں ہوں میں

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے قریباً کس لئے مزاج نہیں رکھئے، کیونکہ میں ایک نامور انسان ہوں اور لوگ اسی سے محبت کرتے ہیں جس سے کسی مال کا نفع دیکر آنید ہو۔ میں کوئی ہیرا موتی تو نہیں ہوں جو لوگ اپنے حصول کے لئے مجھ سے محبت کر چکے۔

غزل (۹۱)

دیکھتے ہو علم قدم مری آنکھوں سے کیوں درخ؟
زنج میں ہر دہانہ سے کتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو بیچ قدم میں کس لیے؟
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

قالب! دغینہ خوار ہو دوشاد کو دُعا

وہ دن مجھے جو کہتے تھے توکر نہیں ہوں میں



نوٹ:- مندرجہ بالا اشعار الگ سے کوئی غزل نہیں ہے بلکہ غزل ہی کا حصہ ہیں جو کتابت کی غلطی سے جدا کیے گئے۔

دیکھتے ہوں علم قدم مری آنکھوں سے کیوں درخ؟

زنج میں ہر دہانہ سے کتر نہیں ہوں میں

درخ = آنکھوں کا نمودار ہر دہانہ = سوراخ یا نرہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھ سے بچ کے کیوں چلے ہو میری آنکھوں سے ڈار رہنے کی کیوں کوشش کرتے ہو، کہا دانقو میں اتنا ہی حقیر ہوں کہ مجھ سے پناہ ہی مانگتے۔

واضح ہو کہ میں درجہ کے اعتبار سے ایک عظیم انسان ہوں اور میرا درجہ ہر دہانہ سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ میں اشرف المخلوقات ہوں۔



کرتے ہو مجھ کو بیچ قدم میں کس لیے؟

کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

قدم بوسی = پاؤں چومنا۔

تشریح :- واقعہ یہ ہے کہ آسمان زمین کے چاروں طرف محیط ہے یہ ہمارے سر کے اوپر بھی ہے اور پاؤں کے نیچے بھی اسی لئے یہ تصور کیا گیا کہ آسمان ہمارے قدم چوم رہا ہے کیا میں اس کے برابر بھی نہیں ہوں۔ میں تو اس سے کہیں افضل و اعلیٰ ہوں اور اشرف المخلوقات ہوں مجھے کیوں قدم بوسی سے متوجہ کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ :- یہاں کمال شاعری یہ ہے کہ شاعر اپنے محبوب کے قدموں میں آسمان جیسی بلند چیز کو جھکا دیتا ہے اور آہستہ آہستہ رتبہ کی بلند کی بھی جان کرتا ہے اور ساتھ ہی والہانہ محبت کا اظہار بھی۔



غالب! ولینہ خوار ہو دو شاہ کو دانا

وہ دن گئے جو کہتے تھے تو کر نہیں ہوں میں

تشریح :- کہتے ہیں کہ اسے غالب آپ شاہ سے ولینہ پار ہے جو تمہیں اس کا شکر گزار اور دانا گورہنا چاہئے۔ وہ دن رخصت ہو گئے جب کہدیا کرتے تھے کہ تم کسی انکس کی محفل میں کیوں جائیں اپنی خودداری کے تحت انکار بھی ممکن تھا مگر اب یہ خیال رکھو کہ تم اب ایک لڑکی حیثیت میں آ گئے ہو۔

غزل (۹۲)

دارت اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو	کہتے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
پھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ افتخار کا	ہے دل پہ ہر شخص محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تھ سے تذکرہ غیر کا بگھ	ہر چہ بریکل فکارت ہی کیوں نہ ہو
بچا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر مرد کی دوا	ہوں ہو تو ہمارا فیم الفت ہی کیوں نہ ہو
اٹلا نہ ہے کسی نے کسی سے سارا	اپنے سے کھینچا ہوں غفلت ہی کیوں نہ ہو
ہے آرزو بھائے خود اک خیر خیال	ہم انجمن کہتے ہیں غفلت ہی کیوں نہ ہو
پچھلے زبانی نیت ہے انصاف	حاصل نہ کہتے دہر سے مہرت ہی کیوں نہ ہو
دارنگی بھائے بچاگی نہیں	اپنے سے کرنے غیر سے دھت ہی کیوں نہ ہو
بٹکا ہے نیت فریب ہستی کا فم کوئی	ہر طرح صرف عداوت ہی کیوں نہ ہو

اس جھوٹے لوگ سے آپ اچھے نہیں سمجھا
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو



دارست اسی سے ہیں، کہ بہت ہی کیوں نہ ہو
بچتے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

دارست = آزاد۔ عداوت = دشمنی، دشمنی

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم آزاد و مفلس ہیں کسی کے پابند نہیں چاہے معاملہ بہت ہی کا کیوں نہ ہو، ہم بہت کے معاملے میں
بھی کسی کے پابند نہیں اگر آپ کو ہمارا یہ مدعا یہ گوارا ہے تو آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ ہم سے عداوت رکھیں ہمیں کوئی
امراض نہیں۔



چھوڑا نہ مجھ میں طعن نے دیکھ اختلاف کا
ہے دل پہ بار نقشبت ہی کیوں نہ ہو

بصفت = کمزوری۔ اختلاف = ہم جنسی (محبت) ہمارے برہم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کمزوری نے اس دور پر نا کارہ طاریا ہے کہ اب محبوب سے اختلاف کی خواہش ہی نہیں رہی اب تو
کلیت یہ ہے کہ بہت کا لفظ بھی دل پر مارا گزرتا ہے۔



ہے جھکو تھ سے تذکرہ طیر کا بھ
ہر چہ برکتل انت ہی کیوں نہ ہو

گکہ = انت۔ برکتل = راست، سبب

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے تھ سے انت ہے کہ تو میرے سامنے غیر (دقیب) کا تذکرہ کرتا ہے کھلی ہی تو برائی میں۔
اس کا تذکرہ کرتا ہے لیکن مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے۔



پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا

ہیں ہر درد کا دوا علم الفطرت ہی کیوں نہ ہو

چارا = علاج۔ علم الفطرت = صحت کا علم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہر مرض ہر درد کی دوا پیدا ہوئی ہے۔ مگر یہ سچ ہے تو پھر مرض علم الفطرت ہی کا علاج کیوں نہ کیا جاوے اس کو کہتے ہیں یہ مرض کا علاج ہے۔



ڈالا نہ ہے کسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

خجالت = شرمندگی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ کمزوری اور ناداری نے ہمیں دو کدو کھا ٹود مارے مگر نے گوارا نہیں کیا کہ کسی کا احسان اٹھا کیوں نہ اس سے کہو طلب کریں اور پھر شرمندگی اٹھائی چڑے۔ اپنی ہنگامی اور ناداری سے ہم خود ہی تادم رہیں تو زیادہ بہتر ہے۔



ہے آدمی بھائے خود اک خیر خیال

ہم انہیں سمجھتے ہیں غلط ہی کیوں نہ ہو

مخیر خیال = ہنگامہ سترچے ہزاروں خیالات و معاملات کا مال۔ انہیں = مصل۔ غلط = تباہی

تشریح:- فرماتے ہیں آدمی اپنی ہنگامہ سترچے ہزاروں اور لاکھوں خیالات کا مال ہے ہمیں کسی کے آنے نہ آنے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ہمارے پاس اسے خیالات ہیں کہ ہم مصلے ہی تباہی میں ہیں مگر ایک مصل سے کم نہیں ہیں۔



ہنگامہ زبانی نصیب ہے انضام

ماصل نہ کہتے دہرے جہرت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامہ = عروض۔ زبانی = نواہل۔ جہرت = ہانت۔ انضام = شرمندگی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ شرف زندگی ہماری خدمت کی قربانی اور کمزوری کا ایک پتلا ہے ہمیں تو یہ بھی گوارا نہیں کہ غیر سے جانت حاصل کریں۔ اس لئے تو یہ بھی اہمیت شرم ہے۔



دارنگی بہانہ بیگانگی نہیں

اپنے سے کہ نہ میرے دھشت ہی کیوں نہ ہو

دارنگی = آزادی۔ بیگانگی = مخالفت۔ دھشت = جزاری

تشریح:- کہتے ہیں کہ آزادی کوئی کسی سے مخالفت برتنے کا بہانہ نہیں ہے ہمیں کسی سے جزاری نہیں ہے۔ بلکہ ہماری آزادیت ہے کسی سے کوئی رہنمائی نہیں ہے اور یہ آزادی کوئی مذہبی چیز نہیں ہے۔ مذہبی چیز اگر کوئی ہے تو وہ دھشت ہے اور وہ چاہنے سے ہو یا میرے بہر حال مذہبی چیز ہے۔



ہٹکا ہے فوت (مرگ) ہستی کا ظم کوئی

میر طرح صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

فوت = مرگ۔ ہوت = فرصت ہستی = زندگی کی لذت۔ عمر بزرگ = جزاری عمر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ زندگی ختم ہونے کا ظم یعنی موت کا ظم کسی حال میں بھی دل سے دور نہیں ہوتا بلکہ ہی تمام عمر عبادت میں ہی کیوں نہ گذاری ہو۔



اُس جھوٹے دے اب اٹھتے نہیں اُٹھا

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

جھوٹ = نساہت پیلانے کی عادت رکھنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب ہم محبوب کے دے اٹھنے والے نہیں خواہ نساہت کتنی ہی فقیر برپا کرے اور ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ آت ہے ہمیں اٹھ کر نہیں جاتا۔



غزل (۹۳)

نفس میں ہوں گرد تھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
 نہیں کر ہدی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے؟
 نہ لگا آنکھ سے حیرتی اک آنسو اس جراحت پر
 خدا شرماے ہاتھوں کو کر رکھتے ہیں کشمکش میں
 ابھی ہم قتل کر کا دیکھتا آساں مجھے ہیں
 ہوا چہ جا رہ میرے پاؤں کی زنجیر بنے کا
 خوشی کیا کہیت پر میرے اگر سہارا آدے
 وہاداری بہ شرط استواری اصل ایمان ہے
 شہادت غمی سہری قسمت میں جودی غمی یہ خواجہ کو
 نہ لگا دن کو کہ کب مات کو یوں بے خبر سوتا
 غمی کیا کہ نہیں سمجھتے کہ جہاں ہوں جو اہر کے
 مرا ہوتا نہ کیا ہے لڑا سنبھال نگھٹیں کو
 نہ دلی ہوتی غدا یا آرزوئے دوست دشمن کو
 کیا جتنے میں جس نے خوں چکاں مڑ کا پ سوزن کو
 ابھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 ٹھنک دیکھا شاد جوے ٹوں میں حیرے تو سن کو
 کیا چاہاں کاں میں جنش جو ہرے آہن کو
 سمجھتا ہوں کہ صوطے ہے ابھی سے برقی ٹرسن کو
 سرے بت غلام میں تو کب میں گاؤں برسن کو
 جہاں نکواری کو دیکھا ہنکا دینا قماردن کو
 رہا کھٹکا نہ چوری کا ڈھکا دینا ہوں رہزن کو
 جگر کیا ہم نہیں دیکھتے کہ نکواری جا کے معدن کو

سرے شاہ سلیمان جہاں سے نسبت نہیں غالب
 فریدون و جم و گنگر و دانا پ و بہن کو



نفس میں ہوں گرد تھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
 مرا ہوتا نہ کیا ہے لڑا سنبھال نگھٹیں کو

نفس = بھرا۔ شیون = ناک فریاد درد۔ لڑا سنبھال نگھٹیں = جان میں پہچانے والے پند
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں بھرا ہوں نہ جانیں میرے شیون کو کہہ پاؤں نہ گنگر و دانا پ کو کیا نگہاری ہے میں کسی
 کا کیا نقصان کہہ پاؤں کہ میری لڑا سنبھال نگھٹیں ہے نہ مجھ کو کیوں نہیں کہہ دیتے زانچ سے نہ کیوں نہیں ہوجاتے۔



نہو کر بھی آسان نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے؟

نہ دلی ہوئی غایا آرزوے دوست دشمن کو

ہوردلی = دوستی۔ رشک = ہلن۔ آرزو = خواہ

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر دوستی آسان کام نہیں ہے تو نہ ہو یہ ہلن کیا دوستی کی خواہشوں سے کچھ کم ہے کہ میں میری دوست بھی درکار دار رہتا ہوں کہ اسے ہمدرد کر کم میرے دشمن کو (رقیب) کو میرے محبوب کی آرزو دار کرتا نہ چاہتا ہوں کیا کٹر جاتا۔ یہ ہلن اور غفلت تو دوستی کی صورتوں سے کس طرح کم نہیں ہے۔



نہ لگا آگہ سے تیری اک آنسو اس جراثمت پر

کیا سینے میں جس نے خون چکان مڑ گاں سوزن کو

جراثمت = دہم کی تکلیف۔ رشک = ہلن۔ آرزو = خواہ

تشریح:- میرے سینے کو اندر سے جبری ہلکوں کی خواہشوں نے دہم کی کڑوا اور دل سے خون ٹپک رہا ہے اور تپ رہا ہوں مگر میری اس تکلیف سے تو غفلت رہا نہیں، تیری آنکھ سے ایک بھی آنسو نہیں لگا۔



خدا شرانے ہاتھوں کو کہہ گئے ہیں کشاکش میں

بھی میرے کہہاں کو بھی جہاں کے دامن کو

کشاکش = کشمکش۔ جہاں = محبوب

تشریح:- فرماتے ہیں کہ خدا میرے ان ہاتھوں کو شرم دے کہ انہوں نے مجھے جیب کھینچا بتائی میں جھکا کر رکھا ہے یہ بھی میرا اگر جان بھارتے ہیں تو بھی محبوب کا دامن کھینچتے ہیں اور اسے پریشان کرتے ہیں۔



ابھی ہم قل کہ کا دیکھا آسان سمجھتے ہیں

نہیں دیکھا شمار جوے غلوں میں تیرے توں کو

شمار = حیراک، بہت ہائیک۔ جوے غلوں = غلوں کی خبر۔ توں = کمزور۔ قل کہ = عقل

تشریح:- کہتے ہیں کہ ابھی ہم عقل کو دیکھا بہت آسان سمجھ رہے ہیں کیونکہ ہم نے ابھی پہنچا دیکھا نہیں ہے کہ علم کا

گھوڑا کی طرح خون میں غوطہ زن رہتا ہے۔

منہ پر شام ہے کہ عشق بکھرا سانس کا نہیں ہے۔ عاشق کو بہت غم و غم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ محبوب کا
تو جس غم ہر وقت ہمارے خون کے دریا میں لڑے لگا رہتا ہے۔



ہا جہا جو میرے پاؤں کی زنجیر بنے کا

کیا چاہ کاں میں جنش جو رہے آہیں کو

چاہ = دھڑلہ۔ جنش جو رہے = روح کا کھنکھارہ۔ آہیں = لڑا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ گھوڑا اپنے کو پانی سے غسل کرنے کے لئے یہ ضرورت ہوتی کہ ایک مضبوطی زنجیر بٹوائی جائے تو لڑا
کاں میں رہ پائے گا انکی روح بے گھن ہوگی مجھ عاشق کی پاؤں کے لئے۔



خوشی کا کہیت پر میرے ذکر سے ہر آدمی

کہتا ہوں کہ غوطے سے ابھی سے برق خرمن کو

ابر = بادل، گھٹا۔ برق = بجلی۔ خرمن = آج کا میر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر میرے کعبہ عشق پر سوار گنا گھر کر آئے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہے کیونکہ میں تو یہ کہتا ہوں
کہ بادل میں بھیجی ہوئی بجلی میرے خرمن عشق کو جھلانے کے لئے منڈوا رہی ہے۔

واحد یہ ہے کہ عاشق اس قدر آزاد رہتا رہتا ہے کہ اگر اس دوران کوئی ٹھکرا، مسو، جھال بھی دکھائی دے تو وہ
اُس سے بھی بدگمان ہی رہتا ہے۔



وفا داری پر شرط استواری اصل ایمان ہے

میرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاؤں برہمن کو

وفا داری = نچھٹا نہ دینا۔ استواری = مضبوطی۔ اصل = بنیاد۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ وفا داری مضبوطی کے ساتھ مستحکم ہونا ایمان کی بنیاد ہے اگر برہمن بھی اپنے باطل عقیدے
کے تحت ہی اپنے دیوتاؤں کی عبادت میں بالآخر وفا داری رکھتا ہے اور اسی دوران جنوں کے قدموں میں جان دیتا ہے،

مرجاتا ہے تو وہ بھی اس درجہ قابلِ تکرار ہے کہ اگر وہ بتائے میں رہے تو کعب میں دفن کرنا چاہئے۔



شہادتِ حمیری قسمت میں جہولِ حمی یہ ٹھکانا

جہاں نکور کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

شہادت = گواہی (اللہ کے لئے جان دینا) = عادت

تشریح :- حمیری قسمت میں ہماری تھائی نے شہادت کھسکی تھی مگر تو حمیری یہ عادت تھی کہ جہاں نکور دیکھتا تو وہیں سر کو ہینتا

دیتا تھا۔ میں کوئی خوشامدی یا ازراچھوک نہیں تھا بلکہ شوقِ شہادت علی اسد درجہ بڑا ہوا تھا کیونکہ میں اس مرحلہ سے واقف تھا اور اللہ پاک نے شہادت کو میرا مقدر بنا دیا تھا۔



نہ تھا دن کو تو کب رات کو یوں ہے خبر سوتا

رہا کھٹکا نہ چوری کا کھانا دیتا ہوں درجن کو

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں تو دن میں کاما بیٹھا ہوں اور اب رات کو بے سرو سامانی کی حالت میں بے طوئی کے عالم میں

بے لگری کی نیند سوراہوں کہ اور بڑی کا کوئی غصہ ہی باقی نہیں رہا۔ میں تو درجن کو کھانا دیتا ہوں کہ بے لگری کی نیند سلا یا۔



خمن کیا کہ نہیں سمجھ کر جہاں ہیں جاہر کے

مگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ نکور میں جا کے معدن کو

خمن = بات - جہاں = حلاشی - معدن = کان۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہم خمن کو جہاں ہماری بات سمجھ اور پادریں ہوتی ہے، اسیرے جاہر سے کسی طرح ہم نہیں ہوتی، ہم

دل بکھر رکھتے ہیں شکی گمراہوں سے بچنے کے لئے رہتا ہے۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ کان نکور یا پادریں سے جاہر حاشا کرتے ہیں۔



مرے شاہِ سلیمان جاو سے نسبت نہیں غالباً

فریدانِ دہم و کسر و داراب و بجن کو

شاہِ سلیمان جاو = حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت والا شاہ یعنی بہادر شاہ ظفر حضرت چنگ بہادر شاہ ظفر کے درباری

دعویٰ خود شاعر تھے اس لئے شاہ کی تحریف میں مطلب امتنان ہیں۔

تقریباً:- فرماتے ہیں کہ میرے شاہ یعنی بہادر شاہ ظفر سے ان ایمانی بادشاہوں میں یہ دن بیشک کھنڈر و عذاب اور بھن کو بھلا کیا نسبت۔ میرا شاہ حضرت علی بن محمدی شاہ شوکت کا مالک ہے۔

دراصل ذوق و عاقب کی خوشنود شاہی نے ہی شاہ کو کا کا روٹا کر کھدیا تھا کہ وہ ابن حبش چرتی اور خرم آماجیوں میں مصروف رہے اور اپنی دفاعی صلاحیت بھی کھو بیٹھے اور بالآخر انگریز نے سات سو سو پانچ سو آکر ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور گداز کر کے رنگون کے بندھے میں قید کر دیا اور حکومت کو تاراج کر دیا۔ سبب تو سن کا دامن خوشنود سے قطعی پاک و صاف ہے۔

غزل (۹۳)

رہتے اب ایسا جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
ہے دردِ دل سا اک گھر ٹاپا جاتے کوئی مسخیر نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو
پہنچے کہ چار تو کوئی نہ ہو چارہار اور اگر مر جائے تو کوہِ خواہاں کوئی نہ ہو



رہتے اب ایسا جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو

تقریباً:- ایسا لگتا ہے کہ شاعر عشقِ دہ سے ہار مانچے ماحول سے بلکہ سادگی و انکسار سے جڑا رہے ہیں۔ یہ خواہش ہے کہ اب ایسی جگہ مل کر دے جہاں دردِ دل سے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو کوئی بات کرنے والا نہ ہو اور نہ کوئی ہماری زبان کھٹے والا نہ ہو۔



ہے دردِ دل سا اک گھر ٹاپا جاتے
کوئی مسخیر نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو

تقریباً:- ایسے لائقِ درق میدان میں جا کر ایک ہی گھر قبیر کیا جاتے جس میں کوئی دوا اور نہ درد ہو مطلب قلبی بے گمری کا عالم ہو جس طرح کوئی صاحبِ بسا اور نہ کرتا ہے نہ کوئی چڑھی ہو نہ کوئی محافظ نہ کہ محبوب کی یاد میں کوئی حرام نہ ہو۔



چہے کر تیار تو کوئی نہ ہو چارہ

اور اگر مر جائے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

تشریح:- فرماتے ہیں ایسی جگہ جا کر رہنا ہے کہ اگر ہم چار چاہیں تو کوئی ہماری دیکھ بھال یا سزا سنائی کرنے والا کوئی نہ ہو اور اس حالت میں اگر موت آجائے تو کوئی ہم سے ٹم میں رونے والا بھی نہ ہو۔ خطاری بددعا ختم ہے۔

غزل (۹۵)

وہی پہنچ کر جو غفل آتا ہے ہم ہے ہم کو صدر آہنگ زمین ہوا قدم ہے ہم کو
دل کو میں اور مجھے دل جو دقا رکھتا ہے کہیں قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو
ضج سے غفل ہے صدر ہے طوق گردن حیرے کوسچے سے کہاں طاقت دم ہے ہم کو
جان کر کیجئے قافل کہ کچھ امید بھی ہو یہ کلا لہذا اعزاز تو ہم ہے ہم کو
دھبک ہم طری در در اثر ہانگ حذیر تیرے سرخ سر پہلے دم ہے ہم کو
سر اڑانے کے جو اہلے کو نکڑ چاہا جس کے ہولے کے "ترے سر کی قسم ہے ہم"
دل کے خون کرنے کی کیا وجہ دیکھن ہمار پایا ہے راقی دیا دم ہے ہم کو
ہم وہ نازک کہ غرضی کو نکال کہتے ہو

ہم وہ عاجز کہ قافل بھی قسم ہے ہم کو



وہی پہنچ کر جو غفل آتا ہے ہم ہے ہم کو

صدر آہنگ زمین ہوا قدم ہے ہم کو

ہم = رنج = صدر = سراسنوں سے۔ آہنگ = ادا۔ زمینی ہوئی = زمین پر مٹا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کے درد پہنچ کر جو ہم ہے ہوش ہو کر کہ جاتے ہیں وہ دردناکے سبب چاہے کھڑے ہی بھی ہے کہ نکلوں راستوں اور غراؤں نامک سے ادا اور ادا کیے پاؤں بھی زمین پر نہ پڑتا ہے۔



دل کو میں اور مجھے دل مجھ دلا دکتا ہے

کس قدر ذاتی گرفتاری ہم ہے ہم کو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی غم و آلام میں گرفتار رہنا کتنا مزہ ہے کہ ہر وقت دل میں محبوب کے خیال میں گھورکتا ہے اور ہم بھی دل کو اس کی یاد میں غرق رہنا پسند کرتے ہیں اور محبت کی دل کو تعلیم کرتے رہتے ہیں۔ مطلب ہمیں غم سے کس قدر محبت ہے کہ ہر وقت اس میں غرق رہنا پسند ہے۔



ضعف سے نقشب پے سر ہے طوقی کروں

تیرے کوپے سے کہاں طاقت دم ہے ہم کو

ضعف = کمزوری۔ نقشب = چوٹی کے پاؤں کا نشان۔ طوق = ہار، ستر، بند

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری کا یہ عالم ہے کہ چوٹی کے پاؤں کا نشان بھی ہمیں اپنی گردن میں ریش کا ملوث (بند) سلطوم ہوتا ہے اور بارگزر دہا ہے حیرے کو پے سے پٹے چوڑی سوانی طاقت اور سے باندھ کہاں ہے۔



جان کر بچے تھائل کہ ہم امید بھی ہو

یہ نگاہ اعزاز تو ہم ہے ہم کو

تھائل = غفلت رہنا۔ نگاہ اعزاز = آہستگی یا نظر۔ ہم = زہر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر تم جانو کہ ہم سے غفلت رہو تو اس میں ہمیں بے لگات دو سال بھی نظر آتے ہے کیونکہ اس میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تمہاری یادداشت میں تو تھے اور ہمہر کی غفلت رہتی تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غفلت جذبہ محبت جو مزہ دے جانے کے لئے ہے اور یہ آہستگی ہی اتنا تھکنا پاؤں ہانا تو ہمارے لئے زہر قاتل ہے اس سے بے غفلت کا تمہارا ہوتا ہے۔



دھبک ہم طری و درو اثر باگب حزی

باز مرغا مرغی دم ہے ہم کو

دھبک = دھب۔ ہم طری = ہماری طرح۔ باگب = آواز۔ حزی = رنجیدہ۔ فال = فریاد۔

تج = کوار۔ دوم = دورکاری۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ سرخ سر کی بانگ پر رنگ آتا ہے کہ دورکاری طرح دور کا آواز میں لڑا کرتا ہے ہم تو اس معاملے میں خود کو یکساں اور تھا سمجھتے تھے پتہ چلا کہ کوئی اور بھی دورکاری موجود ہے اس رنگ میں آنکلی آواز ہمارے لئے دورکاری کی علامت ہے۔



سر اڑانے کے جو دھڑے کو مکر چلا

میں کے بولے کہ "تو سر کی قسم ہے ہم" کو

تشریح:- کہتے ہیں کہ جب ہم نے ان سے پوچھا کہ تم نے ہمارا سر اڑانے کو کہا تھا مجھے سر حاضر ہے اڑا دیجئے جو ہمارے انہوں نے منکر فرمایا کہ نہیں ہم نے سر اڑایا اور نہیں کیا تھا بلکہ کچھ سر کی قسم کھا کر آچکا اور کیا تھا۔ سو ہم حاضر ہیں۔



دل کے طون کرنے کی کیا وجہ؟ لیکن ناچار

پاس ہے روٹتی وجہ ہم ہے ہم کو

تشریح:- کوئی وجہ کچھ میں نہیں آتی کہ ہم نے دل کا طون کیوں کیا آخر ہمارا تصور کیا تھا جب اسکا ہمیں کوئی جواب نہیں ملتا تو مجبوراً یہ طے کیا کہ ان کی یاد میں دور کا گھون کو بے نور کر لینا کی بدی یا سمیت رکھتا ہے کہ شاید ستارے رنج کرنا ہمارا امتحان مقصد ہو۔ اسلئے انہوں کی بے وفائی ہمارے لئے بہت اہم ہے۔



ہم وہ نازک... غرضی کو نکال کہتے ہو

ہم وہ عاجز کہ نکال بھی ستم ہے ہم کو

نکال = فرار۔ عاجز = مجبور۔ نکال = غلط۔ ستم = ظلم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم اسقدر نازک ترین واقع ہوئے ہو کہ ہماری غرضی کو بھی فرار دیکھتے ہو اور دورکاری مجبوری کا یہ عالم ہے کہ ہم تمہاری آزادی غلط اور لا پرواہی کو بھی غلط تصور کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا اپنی اپنی جو سخت حساس واقع ہوئے ہیں اسی لئے ایک دوسرے سے بدگمان رہتے ہیں۔



غزل (۹۶)

تم ہانو تنکو میر سے جو دم دواں ہو جھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 بچے نہیں کھائو روز حشر سے قابل اگر رقیب ہے تو تم گناہ ہو
 کیا وہ بھی بے غم نہ کل دج تاجاں ہیں مانا کہ تم ہنر نہیں طوشید دواں ہو
 انہرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار مرنے میں کیسے نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب نیکوہ بھٹکا تو ہمارے کیا جگہ کی قید مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 غنیمت ہے جو بہشت کی قرینہ سب دوست لیکن خدا کرے وہ قرنی جلوہ گاہ ہو

نائب بھی کرتے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دنیا ہو پارہا اور میرا بادشاہ ہو



تم ہانو تنکو میر سے جو دم دواں ہو

جھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تم کہاں کہاں جاتے ہو اور میر سے یعنی ہمارے رقیب سے
 قہر سے معاملات کیسے ہیں تم ہانو تنکو میر سے کہ اس دوران اگر گاہ بگاہ نہیں ملے پوچھتے رہو تو کیا گناہ کی بات ہے۔



بچے نہیں کھائو روز حشر سے

قابل اگر رقیب ہے تو تم گناہ ہو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمارے حشر میں حساب کتاب کے وقت دیکھنا ہے کہ کس طرح تم نے جہاد کے اگر میر سے رقیب
 نے مجھے قتل کیا ہے تو اسے سزا ملنی چنی ہے کیونکہ وہ قاتل ہے مگر قاتل بھی نہیں سمجھتے کیونکہ سارا معاملہ جہی سے وابستہ
 ہے اور تم اس قتل کے گناہ ہو۔



کیا وہ بھی ہے مگر منہ حق و پاس ہیں

ماتا کہ تم بشر نہیں غور شدہ دانا ہو

منہ = منہ سے ماخوذ ہے (مار)۔ حق = حق۔ پاس = چڑھائی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کیا وہ بھی (خدا کے تعالیٰ) ہے مگر وہ کسی مارے گا کیا وہ بھی حق کہ پڑھائی کرنے والا نہیں ہے
ایسا ہرگز نہیں ہے وہ اسلم والا کہیں ہے منصف ہے وہ انصاف کرے گا اور تم حق نہیں سمجھتے۔ مان لیا کہ تم حسین ہو انسان نہیں
ہو چاند سورج ہو مگر جہاں تک انصاف کا معاملہ ہے وہ تو ہوتا ہی ہے اور وہاں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہے۔



اگر ہوا خطاب میں ہے ان کے ایک بار

موتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

تشریح :- ہوتا ایسا ہے کہ چہرے پر جو پردہ خطاب کی صورت میں چڑا رہا ہے وہ آنکھوں سے استقدر ملحق ہوتا
ہے کہ پتلیں اسکو پھوٹی رہتی ہیں ایسی صورت میں بھی خطاب کا کسی صحت میں ابھرنے کا بھی نظر آتا ہے شاعر کی اس
بار کی پر بھی نگاہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اسی ادراہ مرا چار ہوں کہ آگے تجوری چڑھی ہوئی ہے کہیں میری
شامت تو نہیں آگئی اللہ خیر کرے۔



جب جگہ و نمحنا تو میرا اب کیا جگہ کی قید

مجدد ہو مدرسہ جو کوئی خانقاہ

تشریح :- دراصل واقع یہ کہ کینکدہ شراب کی دکان ہے پیسے اور خرید و اور بیع ہو جاوے گا عمارت دکان پر کسی کو کئے نہیں
دیتا اور نہ ہی کر غریبیاں کر چکے تو پھر وہ چاہئے، ساری کو نقصان پہنچا چکے اس خیال کے بد نظر دکاندار بھی کسی پیش کو
دھماکا کر بھی دکان سے رخصت کرتا ہے حضرت، غالب کو ایسے ہی دکاندار سے ساجد چڑا معلوم ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ جب
کینکدہ چھوٹ گیا تو اب جگہ کی کیا قید باقی رہ گئی۔ اب تو کہیں بھی دکان پر لی جاسکے خواہ مسجد ہو مدرسہ ہو یا کسی فقیر کی لاف
گاہ کوئی فرق نہیں چلتا۔



نہتے ہیں جو بہشت کی حریف سب درست

لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

تشریح:- بہشت کے سلسلے میں جو کچھ غلطے میں آیا ہے کہ وہ بہت حسین جگہ ہے وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں ہر قسم کے پھل اور غذا جو چاہی کر پکا لے گی ہر چھٹی کوئی کٹی ہوئی میٹھی کھان خدمت گار ہو گئے جو بہت حسین لڑکوں کی شکل میں ہو گئے اور وہ شراب طہور کے جام لئے دوڑتے بھرتے ہو گئے۔ ہمیں سب تسلیم ہے کہ ضرور ایسا ہو گا۔ اس سب سامانِ بیش کے باوجود اگر کوئی (محبوب) وہاں نہ ہو گا تو وہ کھٹکے مارے لئے کشتہ یی نہیں ہے خدا کرے کہ وہ تیری جلوہ گاہ ہو تو بھی وہاں موجود ہو۔



غائب بھی کہہ نہ ہو تو کچھ ایسا ضرور نہیں

دُنیا ہو چارپا اور میرا ہارِ شاہ ہو

تشریح:- مطلق میں وہی طوطا مانند دق بغرضِ اخصال شاہ جو ہے خمیری کی بدترین مثال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ غائب اگر بزم میں نہ بھی رہے تو کوئی فرق نہیں چتا کوئی نقصان نہیں مگر میرا شاہ (بہار شاہِ فقر) آدمی دلاست رہے اور ساری دنیا ایسی سازگار احوال کے ساتھ قائم رہے۔

غزل (۹۷)

صد جلوہ زد ہو ہے جو مڑگاں اٹھائے طاقت کہاں کہ دیکھا احساں اٹھائے

ہے تنگ پر مہات سٹائی جنوں میں یمن چوڑ خبیث طغیلاں اٹھائے

دیار دار شہب حرور سے ہے تم اے خانماں عرابا نہ احساں اٹھائے

یا میرے دلِ رنگ کو رسا نہ کیجئے

یا پردہ ختم پنہاں اٹھائے



صد جلوہ زد ہو ہے جو مڑگاں اٹھائے

طاقت کہاں کہ دیکھا احساں اٹھائے

مرد جلوه = بیٹکڑوں جلے۔ روزہ = آئے سائے۔ مڑگاں = پگ۔ دج = دیکھا
 تشریح:۔ سبحان اللہ شریک نہ اس رب حق کا خوانہ ہے، فرماتے ہیں کہ روزانہ وہ اٹھا کر اگر دیکھیں تو اسکی قدرت کے
 بیٹکڑوں مناظر ہم کو نظر آتے ہیں جس میں ایک سے ایک جلوه حسین تر ہے اور جس میں خدا نہیں اور طرح طرح کے
 مشروبات حسب ہمارے حق لے ہیں مگر ہم ہیں کہ ان کے ان احسانات کو اٹھانے کی بھی طاقت نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے
 کہ شکر گزاری کی طاقت اور صلاحیت بھی نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہتے کہ صرف ان مناظر کو دیکھنے کا احسان بھی نہیں اٹھا سکتے
 استعمال آگے۔



ہے سب پر برات معاش جنوں معنی

یعنی جنوز عقب لمبلاں اٹھائے

سب = خمر۔ برات = نرادرشی کا جلوس۔ معاش = روزی۔ جنوز = ایک۔

جنوں معنی = معنی کی دیاگی۔ رشتہ = خشتہ۔ خطاں = حق

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ قدرت نے جنوں معنی کی روزی (نقا) کا انھار خمر میں دکھا ہے۔ معنی خواہ جہازی ہو خواہ
 حقیقی بہر حال اسکے جنوں کو خمر افرام کرتا ہے اور کھتا جنوں کا سامنا ہی کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر سونا پینے کے بعد اپنی صحیح
 صورت میں آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے سامنے معنی کے مرکب پٹی جنوں کی داستان ہو یا معنی حقیقی کے آخری طہر ہر سیدنا
 نور مصطفیٰ رسول اللہؐ نہیں دونوں کے جنوں معنی نے خمر سے ہی خدا حاصل کی اور تاقیامت اپنا نام سروراء کی طرح
 روشن اور خفاں بھوز دیا جو ہماری رضائی کردہ ہے اور کرتا رہے گا۔

اسی خیال کے تحت یہاں سامنے واضح کیا ہے کہ اگر ہم اپنے معنی کا احتساب نہ کرتے تو ابھی بھی اسکے لئے
 وہی ضابطہ تھا سو جو ہے کہ ہم سچ گواہ کے لئے تیار کریں کہ وہ خمر اس سے ہماری ترویج کریں۔



دیار بار عقب حرور سے ہے تم

اے خانماں خواب! نہ احساں اٹھائے

یار = بوجہ۔ رشتہ = خشتہ۔ تم = ہم۔ خانماں = خانماں۔ خواب = نرا۔

تشریح:۔ سبحان اللہ کیا معنوں جان کیا ہے خوش معنی کے مرکب آج کے ترقی پسند اسی معنوں کو اپنی حقیقات کا محور

ہائے ہوئے ہیں۔

ہم لوگ بڑے بڑے سادھے اور خوشحال تھے قہر کرتے ہیں جنگی قہر میں ہماری دولت کے ساتھ حردور کا خون
پینے بھی شامل ہوتا ہے۔ جہاں کو ویشتر حردور کا بیٹ کا گری ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ انکو قرار واقعی اجرت نہیں دی جاتی۔
اسی خیال کو ٹھور کھتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ بے غافل حیرے گل کی دیوار حردور کے خون پینے کی محنت کے بوجھ سے جنگی
جاری ہے اس کے نیچے خواب احترامت موت کو رحمت دینے کے حردور ہے لہذا حردور جلد ہو سکے ٹھور کو بچا اور گل کی
زنگی سے باہر آ جا اور حردور کا کیا حسان مست آٹھا۔

حضور کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے اپنے ٹھنڈے دس والا ایک گل قہر کیا۔ حضورؐ نے ان صحابی کے
سلام کا جواب اس وقت تک نہیں دیا جب تک انھوں نے اس کا بیٹان گل کو مس نہیں کر دیا۔

اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا کا کوئی جانور اپنا قہر کرنے میں کسی دوسرے جانور کی مدد ہرگز نہیں لیتا۔ یہ شرمناک
حرکت صرف حضرت انسان اشرف المخلوقات ہی کرتا ہے جو کسی بھی طرح ان کی شایان نہیں۔ بلاشبہ قہر سے
انسان ایک مجبور نڈی سے زیادہ نہیں داسکا اور نہ ہی اس سے زیادہ کی اسکو ضرورت ہے۔ اللہ پس باقی ہوں



یا بحرے زلم رنگ کو رسوا نہ کیجئے

ط ہدۂ ختم پنہاں اٹھائیے

رنگ = ملن۔ رسوا = بدنام۔ پڑاؤ ختم = حسین مناظر قدرت۔ پنہاں = پوشیدہ

تشریح :- یہاں شاعر کو جس رنگ کا ذلم سارا ہے وہ ان حضرات کی خوش نصیبی کا ہے جن کو بدنامی یا قہر
علی اللہ حاصل رہا ہے کاش مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوتا تو میں اپنی عذارت پر کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا رسوا نہ
ہوتا۔ مجھے صرف گل والا کے پردے میں اپنی سکرانہ ہی دکھانا ہے اب ہاتھ اپنے دیوار سے سرفراز فرمایا
اس ذلم رسوائی سے نہات دے۔



غزل (۹۸)

سرکش میں عالم ہستی سے پاس ہے تنہیں کو دے تو یہ کہ مرنے کی آس ہے
 لینا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
 بچے جاں سردا جب فہم کہاں تک ہر نو مرے بدن پہ زبان پاس ہے
 ہے وہ غرور نصن سے بیجا و فاسد ہر چہ اس کے پاس دل حق شاس ہے
 لی جس قدر ملے وہ بہتاب میں شراب اس بقی حراج کو گری ہی پاس ہے
 ہر اک مکان کو ہے کہیں سے شرف آمد
 نصنوں جو سرمیا ہے تو جنگل اداس ہے



سرکش میں عالم ہستی سے پاس ہے
 تنہیں کو دے تو یہ کہ مرنے کی آس ہے

سرکش = دیہاگی۔ پاس = ناامیدی۔ تنہیں = سکون، تسلی۔ تو یہ = خوشخبری۔
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ دیہاگی کے عالم میں زندگی کی کیفیات سے ناامیدی ہے مطلب زندگی کے آجہ نظر نہیں
 آ رہے اب سکون کو خوشخبری اور کہ مرنے کی فہم ہو گئی ہے واصل انسان کو سکون مرنے کے بعد ہی ملتا ہے۔



لینا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر
 اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

تشریح:- محبوب سے غائب ہیں کہتے ہیں کہ وہ میرے دل آوارہ کی کوئی خبر خیر نہیں لینے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ
 میرے ہی پاس ہے۔ جبکہ انصاف کے خلاف ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہی اس دل کے چر ہیں اور میرا دل ان کے
 پاس ہے۔ خبر گیری تو ہی کر سکتا ہے جسکے پاس وہ سچ ہو اور خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ انکو مرے دل کو راحت پہنچانی
 چاہئے اور میرے پاس آ جاتا چاہئے۔



بچے ہیں سرورِ رب تم کہاں تک

ہر کو سرے بدن پہ زبانِ پاس ہے

سرور = نستی۔ چپلم = لمبی جلیں۔ کو = بیل۔ پاس = آفراسیاب۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمیں تم میں کس قدر سرور و نستی ہے کہ جان سے باہر ہے تم کب تک انکو جان کر گئے
جہاں سے ہم کا ہر بال زبانِ بکر شہادت دے رہا ہے اور اقراوی ہے کہ تم واکام کی جلیں سے کہ درجہ لطف اعز ہیں۔



ہے وہ فردِ محسن سے بیگناہ وفاق

ہر چند اس کے پاس دل حق شاس ہے

بیگناہ = غیر مانگ۔ دل حق شاس = حق کو بچانے والا دل۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم جاننے ہیں کہ ہمارا محبوب فردِ محسن کی وجہ سے وہاں شکاری سے بے خطر ہے مایا نہیں ہے
کہ وہاں کو ہانتا نہیں ہے انکے پاس جانیں کو بچانے والا دل موجود ہے۔



ہی جس قدر ملنے سے بہتاپ میں شراب

اس جتنی حجاج کو گری ہی داس ہے

تشریح:- چاہوئی رات کا دھوکھ ہوا کہ تجھے خیر آئے تو جس قدر وہ شکاری ہر کے دوش کر کے کہ یہ حرجے حق
میں منیہ ہے کہ کہ تو جتنی حجاج رکھتا ہے اور یہ حجاج سرور دہتا ہے انکو گری ہی داس آتی ہے۔ حضرت نے اپنی
جئے دوشی کا تاج ہزار نکالا ہے۔



ہر اک مکان کو ہے یمن سے شرف آمد

بھوں جو سر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ مکان کی عزت و مالک اور مکان میں رہنے والے سے ہے جنگل جو اداس اور اہل نظر آتا ہے اس کا
جب کیا ہے کہ اس کا جنگل میں رہنے والا بھوں ہی سے تھک رہا گیا۔



غزل (۹۹)

گر خاموشی سے قائمہ افغائے مال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھیں حال ہے
 کس کو سناؤں مسرتِ اعتبار کا گھاؤ؟ دل فروریخ و غرقِ زبان ہائے دل ہے
 بکس پردہ میں ہے آئینہ ہندو اے خدا رحمت کہ بخورِ خواہد ہے سال ہے
 ہے ہے خدا خواست وہ اور دشمنی اے شوق! منتظر یہ تجھے کیا خیال ہے؟
 حلقیں لباسِ کبودِ مل کے قدم سے جان ناف زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
 دشت پہ میری عرصہ آفاق نگ تھا دریا زمین کو مرنی انشمال ہے
 ہستی کے مت لرزہ میں آ جائیں آمد

عالم تمام حلقہ نام خیال ہے



گر خاموشی سے قائمہ افغائے مال ہے
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھیں حال ہے

افغائے مال = راز کو چھپانا۔

تشریح:- حضرت اپنی مشکل پسندی میں شریعت رکھتے ہیں جس پر انھیں غلامی بہت قریب ہے جتنا چاہیں اسی ذلیل میں رہا کرتے ہیں کہ ہر دم ہر سہرے کلام کو نگر حوام پر خاموشی طاری ہو چکا اس راز کو لکھ پانے کے لئے ہے کہ انھوں نے میری بات کو سمجھا ہی نہیں اور میری بات کو خوش ہوں کہ کلام نہایت چکر ہے اس کو سمجھتے ہوئے ہیں۔



کس کو سناؤں مسرتِ اعتبار کا گھاؤ؟
 دل فروریخ و غرقِ زبان ہائے دل ہے
 کلمہ = کلام۔ ال = ننگ۔ فرد = صابِ کتاب کا کلمہ۔

تشریح:- حضرت کو اپنے مال، راز کو انکھار کی بہت مسرت ہے اور اعتبار نہ کر سکتے کی شکایت ہے۔ شکایت اسی بھیری

کے باعث ہے کہ زبان ہوگی ہے اور دل بکھے کی کتاب کی طرح حق و غرض کا کھانا بنا دیا ہے۔ یعنی معاش کے الجھادے میں پھنسا ہوا ہے۔ این حالات میں کسی کو کیا اپنا حال ڈالنا چاہئے اور کس طرح نکالنا چاہئے۔



بکس پردہ میں ہے آئینہ پہلاذائے خدا

رحمت کہ خد خوار لب بے سوال ہے

آئینہ پہلاذ = خورآرا۔ خد خوار = معذرت چاہنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے خد او کریم ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما کہ ہمارا لب جاسوس معذرت کے ساتھ سوالی ہے کہ وہ معشوق خورآرا کو اپنی سے پردے میں ٹھہرا ہوا ہے ہم تجھے حیرتی رحمت کا واسطہ دیتے ہیں کہ ہم آنگاہ کے لئے خطر ہیں اے سامنے لا۔ معشوق خورآرا سے حضرت کی مراد چاہی امام آفرائیں مہدی سے ہے۔ شعر ہذا تنقید لفظی و معنوی سے تحمل کی حد تک ناقابل فہم ہو گیا ہے۔ تاہم میں نے حتی الامکان وضاحت کی کوشش کی ہے۔ واللہ اعلم



ہے ہے خدا خواست وہ اور دشمنی

اے شوقا منتقل ہو تجھے کیا خیال ہے؟

خد خواست = خدا چاہا ہے۔ منتقل = شرمندہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جب شوقا کو حالت انتظار محبوب سے عاجز آجاتا ہے تو طرح طرح کے خیالات قابضہ محبوب کے خلاف آتے ہیں جبکہ دل محبوب کی محبت میں دھونڈ ہے اور کوئی بات محبوب کے خلاف نہ کہہ سکتا ہوگا۔ ان حالات میں فرماتے ہیں کہ ہے ہے نہیں نہیں خدا خواست میں تم سے جو گمان ہوں کہ تم کسی دشمن کی بنا پر خدا کے لئے میں تو اپنے شوق کو اس طریقے میں فروغ دل کرتا ہوں کہ تجھے ایسے گمان بد سے شرم آتی چاہئے۔



ٹھکیں لہاں کبد علی کے قدم سے جان

نافہ زمین ہے نہ کہ نافہ غزال ہے

ٹھکیں = پاؤں خور۔ نافہ = بچہ در میان۔ غزال = آہو بہر۔

تشریح:- یہاں حضرت ہمارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت پیش کر رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جہانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور یہ شرف جہاں انھیں کو حاصل ہوا ہے کہتے ہیں کہ ان کی قدم درخو لرائی کا نتیجہ ہے کہ کعبہ کے لباس کا رنگ سیاہ ظہور دار ہے خصوصاً اس خوشبو سے جو ہر ہر کی ناف سے برآمد ہوتی ہے مگر چونکہ کعبہ زمین کی ناف ہے چنانچہ یہ خوشبو اپنی آنکھ کی ناف کہ ہے ہر ہر کی ناف کی نہیں بلکہ ہر ہر کہتے ہیں کہ یہ کعبہ علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں کی ہے اگر وہ یہاں پیدا نہ کرتے تو یہ خوشبو بھی نہ ہوتی۔ یہ محض شاعری اور حقیقت کی جہالت ہے۔

اور نہ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی کی پیدائش جاہلیت کے زمانے کی ہے اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، خدا نے واحد کی عبادت کرنے والا کوئی قہا ہی نہیں جب آپ کی والدہ محترمہ درودہ سے پریشان ہوئیں اور بچہ کی ولادت پہ ہزار کوشش نہ ہوئی اور معاملہ غلطی اختیار کر گیا اس وقت آپ کچھ دیر محترم حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کعبہ پہ سو بھیجی کہ یہاں کو اسی حالت میں کعبہ پہ لایا جائے یعنی دایرہ کی کرم فرمائی سے یہ مشکل آسان ہو جائیگی وہاں پہنچ کر اتفاقاً بچہ کی پیدائش ہو گئی پہلی غلطی تو اہل مکہ کی یہ تھی کہ اللہ رب العالمین کے مگر کہ جن کی کی نہایت سے آگودہ کر دیا دوسری غلطی یہ ہوئی کہ عبادت نہایت کو نہ چھانہ دیا جویہاری تعالیٰ کی جڑا تھی کا باعث ہوا اور دایرہ کعبہ شرف ہو گئی جسکو قرین جان کیا جا تا ہے جبکہ داستانہی جہالت کی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے بزرگوں نے اسکو چاہی فکر کیا۔

اگر کعبہ میں پیدا ہوتا ہم اللہ محترم ہوتا تو اللہ پاک اپنے نبی آخر الزماں سرور کائنات کو ہاں پیدا فرماتا۔ چنانچہ خاکسار نے اسی دلیل میں یوں عرض کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

علی اندیشہ ہے یہ بھی احتیاج محفل ہے

ہوں علی کعبہ میں اور دایرہ ہو میلاد رسول

نوٹ:- کعبہ امارت دارالخلافہ ہے یہ ثابت نہیں کہ حضرت علی کعبہ میں تولد ہوئے معلوم نہیں ہمارے بزرگوں نے اسی روایت کو نہیں مقرر کیا اور انھیں قریباً مباحات کا کوئی پایلو ہے۔ حاکم دہلی۔



دشت پہ بھری عرصہ آفاق تک تھا

وہا زمین کو مرقع انفصال ہے

دشت = دیہاتی۔ عرصہ = وسعت۔ آفاق = آسمان کے کنارے۔ انفصال = شرمندگی۔

تشریح:- یہاں دشت سے مراد انسانی تک اور دھڑھکیں و تجسس ہے پاگل پن نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مری تک اور دھڑھکیں و تجسس کے سامنے زمین کی وسعت تو کیا آسمان کی وسعتیں بھی کوئی سعی نہیں رکھیں۔ بلکہ ہر ہر کہتے ہیں کہ زمین اپنی

نگی پر لکھ سے شرمندہ ہے اور بہارِ حجاب اس کے چہرے پر چھتے دکھ رہے ہیں اور حقیقت انکی شرمندگی کا پھیند ہے۔ شعری جہد و قریب کچھ اے کم ہے۔



ہستی کے مت قریب میں آ جائیں آمد

عالم تمام حلقہ نام خیال ہے

استی = وجود۔ قریب = دھوکا۔ نام خیال = خیالات کا ہال۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے آسا اپنی ہستی کے قریب میں مت آجانا کہ مجھے پیشہ رہتا ہے اور اس دھوکے میں مقید حیات کو مت نکلا دینا۔ یہ دنیا خیالات کے ایک ہال سے زیادہ بگھونٹیں ہے لیکن اس کا وجود خود کوئی حقیقت نہیں دکھتا صرف دیکھ و خیال کی بات ہے کیونکہ یہاں کی زندگی چند روزہ ہے۔

غزل (۱۰۰)

دھوکا ہوں میں جب پہنچے کو اس ہم تن کے پاؤں	رکنا ہے جند سے کھینچ کر ہمارے گلن کے پاؤں
دی سادگی سے جان چڑوں کو کہن کے پاؤں	وہاں کیں نہ ٹوٹ گئے ہزاروں کے پاؤں
بھاگے تھے ہم بہت سو اپنی کی سزا ہے یہ	ہو کر اسیر رہتے ہیں راہزن کے پاؤں
مرہم کی جتنی میں بھرا ہوں جو دور دور	تن سے ہوا نکلا ہیں اس خستہ تن کے پاؤں
اٹھ رہے ذاتی دھبہ لورہ کی کہ ہند مرگ	بچے ہیں خود بخود مرے اندر گلن کے پاؤں
ہے جیٹنگی بہار میں ہاں تک کہ ہر طرف	اڑتے ہوئے اچھٹے ہیں مرغِ جہن کے پاؤں
شب کو کس کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں	ڈکھتے ہیں آج اس بید نازک بلن کے پاؤں
غائب مرے کام میں کیں کہ حزن نہ ہو	چچا ہوں دھوکے خس و شیریں سخن کے پاؤں



دھوکا ہوں میں جب پہنچے کو اس ہم تن کے پاؤں

رکنا ہے جند سے کھینچ کر ہمارے گلن کے پاؤں

کسم کن = چاندی جیسا بدن رکھنے والا کو فارسیوں سے۔ گھن = ب۔

تشریح:- شعر بدلتا ہے سادہ ہے شاعر کی بڑی خوشی اور خوش مزاجی کا مظہر ہے غزل کی یہ شعر ضرور ہے مگر ابھی پہلے دیکھا۔



دلی سادگی سے جان چوں کو بکن کے پاؤں

جیہات کیوں نہ لوٹ گئے جیڑن کے پاؤں

کو بکن = پہاڑ کو دہانے والا سراسر ادا و باطن شیریں حکیم پر دین شاہ ایران کا لقب۔ جیہات = انگوٹھی۔

جیڑن = بڑی عورت جس کو شاہ ایران نے فرہاد کے پاس شیریں کے مرنے کی بھولی خبر کے ساتھ بھیجا تھا اور بچہ فرہاد نے اسے سر میں پیٹ لیا تھا اور وہ اس غرب سے مر گیا تھا۔

تشریح:- پہلا شعر شیریں ادا کی جگہ سے آراستہ ہے۔ واقعہ کہ اس طرح ہے کہ فرہاد ایک غریب بڑھن کا بیٹا تھا جس نے کبھی ملک ایران کو دیکھا ہی نہ تھا اور فریخت ہو گیا اور اُنکے وطن میں دیر انداز شعر میں شیریں شریں کرتا مگر اتنا تھا اس طرح شیریں ہوا کہ بدنام ہو رہی تھی جبکہ اس کو فرہاد سے کوئی محبت نہیں تھی شیریں کا ظہر پر دین ایک منصف ذرا بے آبی تھا اور نہ وہ جیل میں بھی ڈالا جاسکتا تھا اور مرد بھی سکتا تھا مگر یہ اس کا مخالف انصاف سمجھا اور اس کو دیر انداز کہ طرح دینا جب شاہ زیادہ پریشان ہوا تو اسے ایک ترکیب سوچی کہ فرہاد کو کلا کر اس سے کہا جائے کہ تو فلاں پہاڑ کو کا گھر نہر کال دے تو میں شیریں کو خیرے حوالے کر دوں گا۔ وہ پریشان ہوا تو تھوکر پہاڑ کا کٹنے میں لگ گیا اور بالاخر پہاڑ پر ایسا زکات لگا کہ قریب تھا کہ نہر کال دے اس کی اطلاع شاہ کو دی گئی تو شاہ بہت پریشان ہوا مگر اس کو بروقت ایک چال سوچی کہ جو صبا کو فرہاد کے پاس بھیجا جائے جو جا کر اس سے کہے کہ جیڑن جس کے لئے صحت کر رہا ہے اس کا چائے اٹھا لے اور گیا چائے ایک جو صبا کو اس کے پاس بھیجا گیا اس نے نہایت فخر و اہم میں ہار کا کہا کہ جیڑن جس کے لئے صحت کر رہا ہے اس کا آج چائے ایک اٹھا لے ہو گیا۔ فرہاد نے یہ سنتے ہی جیڑا سے سر میں لیا لیا اور مر گیا اس طرح فرہاد سے شیریں پر دین کو نہات مل گئی۔ فرہاد کو شیریں سے یک طرفہ عشق تھا جس کو دیکھا ہی کہا جا سکتا ہے عشق نہیں۔

اس واقعہ کو شاعر کہتا ہے کہ میں اس کی سادگی پر گڑبان جاؤں کہ فرہاد نے (کو بکن) نے اپنی جان دے دی بڑا ظلم ہوا اس بڑھن کے پاؤں کیوں نہ لوٹ گئے جس نے جا کر اسے دھوکہ دیا اور فریب کی جان لے لی۔ شاعر کہتے انگوٹھی ہے جو اپنی جگہ درست ہے کیونکہ واقعہ نہایت المیہ ناک ہے۔ لیکن شاعر نے کہا ہے کہ میں اُنکے پاؤں چوں یہ کبھی میں نہیں آؤں تو قطعی ہے گل ہے ہوشک ہے کہ معلوم ہر ترس کھانے پر یہ ملے بطور دعا اور استعمال ہوا ہو۔ واقعہ ظلم



بھاگے تھے ہم بہت سرائی کی سزا ہے ۔

ہو کر اسیر راجے ہیں ماہرین کے پاؤں

اسیر = گرفتار بندی۔ ماہرین = ڈاکو کبیرو۔

تشریح :- کیونکہ ہم ماہرین کو دیکھ کر بھاگے تھے اور ساتھ بل نہیں کیا تھا جو ایک مرد کی طبیعت سے کرنا چاہئے تھا اور ہمدردی کا ثبوت دہانہ وانگی بھی سزا ہے اور وہ قطعی درست ہے کہ ہمارے ہم گرفتار ہوئے اور اب انہی ماہرین کے پاؤں صاب رہے ہیں جس سے بھاگے تھے۔ لکھائی صاف ستھارہ ہو گئی۔ شعر کا لڑکھائی کی چیز دقتی اور اپنے فرار کا آئینہ دار ہے۔



مرہم کی بجھتو میں بھرا ہوں جو دور دور

تن سے جوا نکار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

بجھتو = تلاش۔ نکار = مجروحہ زخمی۔ خستہ تن = نوجوان جسم تھا کھانا کھانا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میں اپنے مجروحہ جسم کے علاج کے سلسلے میں مرہم کی تلاش میں دور دور بھاگا بھرا ہوں۔ میرے پاؤں باقی اور جسم کے مقابلے میں زیادہ زخمی ہیں اسی لئے اخیر عمر میں چلنے میں دشواری کا سامنا کر رہا ہوں۔ یہاں مرہم کی تلاش سے مراد محبوب کا نفس وادھ تلاش ہے۔



اتھ رہے ذوق دشت نوروی کہ بعد مرگ

چلتے ہیں خود خود مرے اندر کفن کے پاؤں

ذوق = دلچسپی۔ دشت نوروی = جنگل (چاندنی)

تشریح :- کہتے ہیں کہ مجھے بار بار یہ بھائی سے کہہ کر دلچسپی تھی کہ اب مرنے کے بعد بھی میرے پاؤں کفن کے اندر چلے ہوئے خود بخود دل رہے ہیں اور چلنے پھرنے کیلئے تفرار ہیں۔

شعر کا شعر ہے کوئی خاص منہ ماہرین کے اندر نہیں رکھتا تاہم ہمارا آرائی کے کمال سے آراستہ ہے جو شعر گوئی کا خاص پہلو ہے۔ مگر کفن کے اندر پاؤں کا ہلنا بہادری کی بات ہے۔



ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف

اڑتے ہوئے اُلختے ہیں سرخ جہن کے پاؤں

شعر ہذا نہایت صاف اور سادہ ہے اور کوئی سخی خاص نہیں دکھاتا ہم شاعر حذت بہار کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ

استاد نگار باری درختوں سے ہورہی ہے کہ سرخ جہن کو پٹلے میں بھی دشواری ہورہی ہے۔



شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں

ڈکھتے ہیں آج اس نیت نازک بدلیں کے پاؤں

تشریح:- نازک خیالی شاعری کا قبل داد ہے رنگ کا یہ عالم ہے کہ اپنے محبوب کو کسی کے یہاں خواب ہی میں بھی جانا

گوارا نہیں ہے اور محبوب کے پاؤں ڈکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہیں خواب ہی میں بھی نہیں گیا ضرور ہے اور محبوب کسی

قدر نازک مقام ہے کہ خواب میں جاتے سے اُنکے پاؤں دکھ رہے ہیں۔



عاقب مرے کلام میں کیوں کر حزن نہ ہو

چتا ہوں دھوکے خس و شیریں سخن کے پاؤں

تفسیر:- بادشاہ (میرزا بہادر شاہ ظفر سے)۔ شیریں سخن = مٹلی گفتگو کرنے والا بولنی گستاخ۔

تشریح:- مطلع میں حضرت عاقب میرا اپنے درباری شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں چنانچہ خوشامد میں لڑتے

ہیں کہ اسے عاقب مرے کلام میں لذت کیوں نہ ہو کیونکہ میں اپنے مہربان اور خوش گفتار شاہ کے پاؤں دھوکہ دھو کر جو چاہوں

نہراؤں تم بھی سے ہے۔

غزل (۱۰۱)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو کہے سے جگہ نہ ہوا ہر کوئی تو کیوں کر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال کہ گرد ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو

دوب ہے اور یہی مٹکلیں تو کیا کیجئے حیا ہے اور یہی گو گفتگو تو کیوں کر ہو

حصیں کہو کہ گزارہ مسلم پرستوں کا جنوں کی ہو اگر ایسی ہی نحو تو کیوں کر ہو

اچھے م لم اگر دیکھتے ہ آئینہ کلم سے شرمیں ہوں ایک۔ دو تو کیوں کر ہ
 جسے نصیب ہ دوڑ سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہ
 ہمیں بھرائن سے امید لورا نہیں بھری قدر ہماری بات ہی پر ہمیں نہ دو تو کیوں کر ہ
 ملا نہ تھا ہمیں غلا پر گاہیں تسلی کا نہ مانے دیو دیوار جو تو کیوں کر ہ
 ہا اس مڑا کو دیکھ کر کہہ کر قرار یہ نہیں ہو رنگ ہاں میں فر تو کیوں کر ہ

مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول حضور

لڑائی یار میں تھیں م تو کیوں کر ہ



گئی وہ بات کہ ہو منظر تو کیوں کر ہ

کہے سے کہ نہ ہا ہا کہ تو کیوں کر ہ

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم بروقت بھی سوچتے رہے ہیں کہ ان سے منظر ہو تو کیسے ہو کیا شکل لگائی جائے اور ہم
 ہا ان لوگ کہ چن چن گئے اور میر کر لیا۔ مگر دل ہے کہ ہر تھکافی ہے کہ ان کی طرح رابطہ قائم کیا جائے، مگر جب پہلے
 بہت بگڑ سنی بیٹھ پر بھی کوئی تیار ہے حق میں نہیں لگاؤ اب ہر کہہ کہتے تھے سے کیا ہو گا۔ وہ منظر دل ہے اس پر
 جو رہ چکے والی نہیں ہے۔ شعر لہا اس شاعر نے اپنے خوشی ملاقات اور محبوب کی بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے جو بظاہر
 زبان و بیان لطیف ہے۔



اور سے ذہن میں اس فکر کا ہے عام اصال

کہ گرد ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہ

تشریح:- اصال یاد کی تھکافین کو ضرور کھتی ہے اور دل اس کا تصور رہتا ہے اسی بار سے میں سوچتا رہتا ہے جب تک
 اصال منتر نہیں آتا تو سر چٹا ہوتا ہے کہ کہاں جائیں کیا کریں؟ اور جب اس کا ہے تو دوسرے اندیشے گھبرے گھبرے
 ہیں جو سوالی کا باعث ہوتے ہیں اور کہتا ہے کہ اب کہاں جائیں جو ہاں ہے؟ آخر کا کہتا ہے کہ اسی فکر کا نام ہمارے
 ذہن میں اصال ہے کیونکہ ہر وقت محبوب صورتوں میں ہی آگے آتا رہتا ہے۔ نہانت لیب خیال ہے۔



اوپ ہے اور بھی نکلتی تو کیا کچھ

نیا ہے اور بھی کو کر تو کیوں کر ہو

نکلتی = نکلتا ہوں۔ حیا = شرم۔ گنگو = کھوں یا نہ کھوں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جاس نکلتی میں جھار کھے ہوئے ہے کہ محبوب ہے جس مطلب کہوں یا نہ کہوں اب کا حال

محب نکلتی اور پریشانی میں ڈالے ہوئے ہے اور پتہ کیسے ہو بات ہے تو کیسے ہے۔



قصیں کہہ کر گزارا سنم پرستوں کا

جوں کی ہو اگر ایسی ہی غوغا کیوں کر ہو

سنم پرست = جوں کا بھاری۔ غوغا = عادت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر میدان جہاں کہ عادت اور طبیعت بھی ایسی ہی ہو جیسی بھاری ہے کہ تنہا بہ اور نکلتی میں

جھار دیتی ہے تو پھر ہم جسے میدان جہاں کے پا ہے وہاں کی گزراوات کیسے ہو اس کا تہیہ تو دائمی سفارت ہو جائیگا۔



اچھے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئندہ

جو تم سے شرم میں ہوں ایک اور تو کیوں کر ہو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جب تم آئندہ دیکھتے ہو تو مسلسل یاد دیکھتے ہو، جے ہو جسے کوئی دوسرا کام ہے ہی نہیں۔ خود

آرامی کے بعد کہیں جانا آتا بھی تو ہوتا ہے کوئی تہیہ یا شکر ہو گا اچھے جملہ پروگرام ز کے چے ہو گئے تم گھنٹوں سے آئندہ ہی

میں اچھے چے ہو، اگر تہیہ سے جسے شرم میں اور ایک دوسرا ہو تو کیسے کام چلے۔

شعر لڑا میں ایک خاص بات ہے کہ حضرت اپنے محبوب کی افراعت قائم کرنا چاہے ہیں، اسلئے (ایک دو)

کا شمار استعمال کیا ہے بجز موزون (دو پار) کا استعمال ہوتا ہے ایک لڑکے کا یہ تا مقصد ہے ان جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔



جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا

وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

روز سیاہ = کاہل دن نہ رات نہ نصیبی ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کبھی بھی قسمت ملے کہ میں تمام عمر ایسوں کا شکار رہا اور میرا بدن تاریک رہا تو وہ ان کو رات نہ کہہ دیکھا تو اور کیا کہیگا؟ کیونکہ آٹے جو دن دیکھا ہے وہ رات سے کھیں دیا وہ تاریک رہا۔ یہاں خدا کا حق کی اپنی بد قسمتی کے مظاہرے سے ہے۔



ہمیں بھرنے سے اُسیہ اور اُنہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پہ بھیجیں نہ وہ تو کہیں کر ہو

تشریح:- کہتے ہیں کہ اب تک تو جیسا قتل رہا کہ کوئی اُنہیں برائی کی اور بچا کر قلعہ اوقات رہی اب بھر وہ ہمیں نہ رہے ہیں اور ہماری قدر دانی فرما رہے ہیں کیونکہ ہمیں بھی اُسیہ نظر آرہی ہے۔ کیا یہ سلسلہ اسی طرح چلا رہیگا اور ہماری عمریں ہی ضائع ہوتی رہیں گی اگر وہ ہمیں نہ نکالیں اور بات ہی نہ پہنچیں تو اُنکا کیا ہرج ہے۔ ہم تو ایک طرف ہمیں دامنِ مہمان سے ہٹنے دیجئے۔



ظلم نہ تھا ہمیں خط پر کہاں تھلی کا
نہ مانے دیو دیوار نہ تو کہیں کر ہو

دیو = آگ۔ دیوار جو = دیوار کی کلائی۔ نحاش

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ان۔ خط پر ہم چلے گئے مگر انہوں نے کوئی تو چہ خاص نہ فرمائی۔ ہم پہلے ہی سمجھ رہے تھے کہ یہ خط جو ہمیں بھیجا گیا ہے وہ سنا: نے تھلی ہے اور صرف ہمیں اُنہیں نے رکھنے کے لئے ہے۔ اگر ہم نہ آتے تو بہتر تھا۔ مگر کیا کریں کہ ہماری آگہ جوائے عدا کی آواز دہش ہمیں پہنچیں کہ کتنی قحی لے گئی اور ہمیں جانا چاہا اور پھر نکلی اور نکلتے کا احساس لے کر وہاں آجہا۔



تاؤ اس حزمہ کو دیکھ کر کہ کچھ کو قرار
یہ بخش ہو رگہ ہاں میں فریاد کہیں کر ہو

مزہ = بلکہ۔ بخش = دیکھ بھل۔ فرو = جھٹکا۔

تشریح:- حضرت محبوب کے حسن کی تعریف میں رطب اللسان میں چنانچہ فرماتے ہیں کہ وہ علم انکی حیرتوں میں بھی

چلوں کہ کچھ کرتاؤں کہ کیا میں آگے چاہوں یا غائب ہوں؟ کیا وہ میری رنگ جان میں خوشی کے طرے ہی سے نہیں ہو گئی ہیں۔



مجھے جوں نہیں غائب دے بہرہ منور

فرات پار میں تھیں ہو تو کیوں کر ہو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے غائب میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں لہذا فرات پار کا دارا ہوں آپ کے فرمان کے مطابق مجھے کیسے قرارا سکتا ہے۔

غزل (۱۰۲)

دور سے میرے ہے تھو کو جہ فراموشی ہے	کیا ہوئی عالم تری غفلت شعاری ہے
حیرے دل میں گزرتا تھا آشوبِ غم کا حوصلہ	تو نے پھر کیوں کی تھی میری شکستاری ہے
کیوں مری غم خودی کا تھو کو آیا تھا خیال	دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہے
میر بھر کا تو نے بیان دیا باعدا تو کیا	میر کو بھی تو نہیں ہے پاکداری ہے
دہر گنتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی	یعنی تھو سے تھی آسے سازگاری ہے
گھٹن جانی ہے تازہ جلوہ کو کیا ہو گیا	خاک پر ہوتی ہے حیرت لالہ کاری ہے
شرم رسوائی سے جا پہنچا بختِ خاک میں	قسم ہے الفت کی تھو پر پردہ داری ہے
خاک میں ناموس بیجانِ محبتِ مل گئی	اتھ گئی دنیا سے رملہ درم باری ہے
اتھ ہی قطع آرا کا کام سے جاتا رہا	دل پہ اک گئے نہ پایا دلم کاری ہے
بکس طرے کائے کوئی شب ہے تار بر مثال	بے نظر غور کردہ اختر شہری ہے
گوشِ مجبورِ حیا و چشمِ محرومِ جمال	ایک دل تیس پر یہ امیدداری ہے

محبوب نے پکڑا نہ تھا غائب ابھی دھشت کا رنگ

رو گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خودی ہے



غزل ہذا احسن و کمال ایک مرثیہ کی صورت اختیار کر گئی ہے جو ایک لڑکی کے عشق میں اُسکے مرنے کے بعد لکھی گئی۔ اس عشق کا تذکرہ خود حضرت نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ عشق ایک طوائف سے تھا حضرت نے لڑکی کو کہہ کر اپنے حرم کو بلایا کرنا چاہا ہے ورنہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ بازاری عورت سے عشق کوئی سنی نہیں دیکھتا یہ صرف ہوس کاری ہے۔

اور اسے میرے ہے تھو کہ بے قراری ہائے اے

کیا ہوئی ظالم تری نظمت شعاری ہائے اے

نظمت شعاری = لاجرم اسی اور بے نیازی کی عادت۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تجھے سے کتنی محبت ہے کہ وہ مجھے ہر دے اور دے ہے لیکن تو ہے یا کبھی یہ کیفیت تھی کہ باری طرف کوئی تو جتنی ہی نہیں میری، و نظمت شعاری اور بے نیازی کیا ہوئی کہاں چلی گئی کہ اب میرے لئے بے چین و بے قرار ہے۔



میرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ

تو نے بھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے اے

آشوب = ذہن، تکلیف۔ غم گساری = امدادی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر میرے دل میں غم کو برداشت کرنا حوصلہ اور ہمت نہیں تو تو نے میری امدادی اور محبت کا ارادہ ہی کیوں کیا تھا۔



میر کو بھی تو نے بیان وفا باندھا تو کیا

میر کو بھی تو نہیں ہے باندادی ہائے اے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر تو نے میر کو کئے لئے ذاتی تاج کا ہمدسم سے کہی لیا تو اس سے کیا حاصل کیونکہ میر کو بھی تو کبھی حاصل نہیں ہے یہ خود تاجا بنیاد اور ذاتی ہے۔



دیر گئی ہے مجھے آپ دہرائے زندگی

یعنی تم سے جی اُسے ناماد کاری دے دے

تشریح:- کہتے ہیں کہ مجھے س زندگی اور اچھے ماحول کی ضرورت تھی ہے میرے دل کو نہیں بھاتی کیونکہ اس
فدا کو تم سے حالات تھی تو میرے خلاف سے مجھے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ کیسے اچھی لگ سکتی ہے۔



مختلفاتی دے باز جلوہ کر کیا ہو گیا

خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری دے دے

مختلفاتی = گل باری، پھول کھیرنا۔ باز جلوہ = اعجاز جلوہ برائی۔ لالہ کاری = ہانپنا۔

تشریح:- افسوس کہ، تیری بازو ادا کے ساتھ جلوہ برائی اور گھباری کو کیا ہو گیا وہ کہاں چلی گئی۔ اب میرے بعد تیری قبر
پر قدرت کی طرف سے لالہ کاری کا ہونا پھولوں کا آگیا یہ شاید تیری اسی جلوہ آماجیوں کا عکس ہے۔



شرم رسوائی سے جا بھرتا کتاب خاک میں

قسم ہے الفت کی تم پر پردہ داری دے دے

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبت کو بھائی کی کوشش تم پر قسم ہے کہ رسوائی کے خوف سے اور شرم پر دنیا کے تھانے نے تجھے سلی
کی کتاب داڑھنے پر بھجور کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ نے رسوائی کے شرٹہ خاک اندیشے کے باعث زندگی پر صحت کو ترک کر دیا۔



خاک میں ناموس کیا محبت بل گئی

اتھ گئی دنیا سے راہ و رسم باری دے دے

ناموس = عزت۔ کیا = بھان۔ محبت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ناموس میرے راجے سے مہرہ قادری کی عزت خاک میں لگی اور دنیا سے رسم و رواج ہی گموا ہونے لگی۔



ہم ہی خلق آقا کا کام سے جاتا رہا

دل پہ اک گئے نہ پایا دلم کاری دے دے

تشریح:- اے افسوس کہ موت نے تیرے افسوس کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا اور تم تیری سچا آزمائش کے جوہر نہ دیکھ سکے اور
 ذلم کاری اٹھانے سے محروم ہو گئے۔ اگر وہ ذلم کاری میں نصیب ہوا تھا تو آج تم تیرا رخ اٹھانے کے لئے ذمہ دار نہ بنے۔
 کبھی کے مر گئے ہو تے وہ اصل ذلم کاری وہی ہے جو یہاں لکھا ہو۔



بکس طرح کالے کوئی شب اپنے تاریک حال

ہے نظر و کردار آخر شہری اپنے اپنے

شب اپنے تاریک اندھیری راتیں۔ بریکال = برسات۔ ٹھوکر دہ = عادت پانا۔

آخر شہری = نکاح دہ ہے۔ تاریک رکھنا = نیند نہ آنا۔

تشریح:- اپنے اپنے افسوس کہ برسات کی پاء اندھیری راتیں تیرے بغیر کیسے کالے شب تو اندھیری نگاہ نے رات کو تاریک
 کئے کی عادت پال ہے مطلب یہ ہے کہ تیرے فراق میں نیند حرام ہو گئی ہے۔ اور ایک سو جوگی میں آخر شہری کا فضل بھی
 نہیں کر سکتے جو رات کٹ جائے۔ برسات میں بار بار کاہنہ گاڑی ہے۔



کوش بگور خام و چشم محروم حلال

ایک دل تیرا یہ تا امیدواری اپنے اپنے

کوش = کان۔ بگور = ہیر زدہ فراق کا لہرا۔ محروم حلال = نفس کے استحقاق سے محروم ہو جانا۔

تا امیدواری = یہیں ہو جانا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اپنے اپنے اب ہمارے کان تیرا نظام سننے سے اور آنکھیں تیرے دیکھنا نفس سے محروم
 ہو گئیں۔ اپنے افسوس ہم دل صرف ایک رکھے ہیں اور اس پر یہ ہمارا دل طرف تا امیدواری اور خامی کا دباؤ قابل برداشت
 ہوتا ہے۔ چاکخت افسوس ہے۔



مجنن نے بکرات لقا کا تب بھی دھشت کا رنگ

رو کیا حال میں جو یکھو دل خواہی اپنے اپنے

دھشت = دہانگی۔ ذوق خواہی = رسوائی سے دلچسپی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے غالب ایسی ہماری محبت نے دیہانگی کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا ورنہ اسے رسوائی کی لذت اٹھانے کی حسرت ۸۸ سے دل میں روگنی چکا سخت مال ہے۔

غزل (۱۰۳)

کسی کو دے کے دل کوئی تو اپنا لگاں کیوں ہو
وہ اپنی خود چھوڑیں گے ہم اپنی دینا کیوں بدلیں
کیا تم طوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
وفا کیسے کہاں کا عشق جب سر پھوڑتا طرا
قلص میں مجھ سے رو رو جان کہتے نہ دار ہوم
یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں یہ ہٹاؤ
لفظ ہے جذب دل کا شہو دیکھو جرم کی کا ہے
یہ فتوہ آدمی کی خانہ دیہانی کو کیا کم ہے
بجھا ہے آزمائش تو سنا کیسے کو کہتے ہیں
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
نہو جب دل ہی جتنے شوق پھر نہ میں مذاں کیوں ہو
سبک سرین کے کیا پوچھیں کہ کم سے سرگیاں کیوں ہو
نہ دے چاہ جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو
تو پھر اسے سبک دل تیرا ہی سبک آستان کیوں ہو
گمراہ ہو جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو
کہ جب دل میں تھیں تم تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
نہ کھینچو کہ تم اپنے کو کشافش دریاں کیوں ہو
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آستان کیوں ہو
ہر کے ہوئے جب تم تو میرا آستان کیوں ہو
بھاگتے ہو جگہ کہتے ہو پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو

بکاہ ہاتا ہے کام کیا طعنوں تو غالب
جسے ہے ہر کہنے سے وہ تھکے ہر ہاں کیوں ہو



کسی کو دے کے دل کوئی تو اپنا لگاں کیوں ہو
نہو جب دل ہی جتنے شوق پھر نہ میں مذاں کیوں ہو

تشریح:- کہتے ہیں کہ جب دل ہم نے خود کسی کو دیا ہے تو پھر اب دلوں کا کرینکا کیا سوچ ہے اور جب دل ہی ۸۸ سے جتنے میں ہو جو انہیں ہم کسی کو دے چکے پھر نہ میں مذاں ہی کیوں ہے ہمیں خاصوں رہنا چاہئے۔

خود کو درو اعلا ہے نیست



وہ اپنی طرف پھوڑی کے ہم اپنی دشا کیوں پھوڑی

بیک سرخی کے کیا پھمگی کہ ہم سے سرگرمی کیوں ہو

خو = عادت۔ دشا = حادثہ حادثہ۔ بیک سر = پھلنا۔

تشریح:۔ جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ اپنی عادت نہیں پھوڑے گی اُنکی عادت متاقل طور پر نیازی ہے لہذا وہ پھوڑ نہیں سکتے تو پھر ہم اپنا دشا یا بناوٹہ بیک کیوں بدلیں ہم اپنی دشا پر قائم رہیں گے اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ اب وہ تمام حادثات سے کیوں بچتے ہیں کہ کیوں ناراض ہیں۔



کیا تم خود نے دیا گئے آگ اس محبت کو

نہلا دے تاپ جو تم کی وہ میرا دوا کیوں ہو

منقولہ = ہمدردی، مہربانی، مہربانی۔ دوا = دوا۔ دوا = دوا۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ اگر بے ایک دوست نے ہماری ہمدردی میں کسی ہماری محبت کا سارا دلا فاض کر دیا اور کہہ دیا کہ تو کہہ کر کے ہمیں دوا دے کر دیا۔ جب ہم محبوب کی محبت میں ہر گم و زاری کی برداشت کر رہے ہیں تو ہمارے دوست کو بھی برداشت کرنا پڑے گا اور وہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارا ہمدرد دوست نہیں ہے بلکہ ہمارا بدترین دشمن اور مخالف ہے۔ آگ لگے ایک ہمارے ہمدردوں کی زبان زد ہے۔ مگر یہاں خلاف ہے۔



وہ کیسی کہیں کا خلق جب سر پھوڑنا خوا

تو پھر اسے سنگدل تیرا ہی سبک آستان کیوں ہو

وفا = ظور، محبت۔ سنگدل = غمزدہ، ناگوار، ناگوار۔ آستان = دوا، دوا، دوا۔

تشریح:۔ محبت کا جواب اگر محبت ہے تو کیا تو ایک طرف محبت کوئی سنی نہیں دیتی تو تو محض ایک پاگل ہیں ہے جیسا فرما کر شیریں سے خود، خلق بھی بیکلرز تھا۔ ایسے خلق میں وہ ہماری تلاش کرنا محبت ہے اور جب ہمیں اس دہرائی میں سر پھوڑنا ہے تو کیا ضروری ہے کہ تیرا ہی سبک آستان ہو کیوں نہ کوئی اور ہی سبک آستان تلاش کیا جاوے۔



قلس میں مجھ سے رو رو مانی کہتے نہ دارہم

مرکی ہے جس پہ گل بکلی دیر آشیان کیوں ہو

قلس = بٹرو۔ روئیداد = قلق = افسردہ۔ دارہم = ساتھی دوست۔

تکرتاج:- اے ساتھی میری اور تجری حیثیت قطعی ایک ہے دونوں بٹروں میں تہدی ہیں مجھے بھن کے حالات نہاتے
ہوئے سمجھا نہیں جاتے اور پھر جہاں بکلی نے میرا نشین ہی چھوڑ دیا اور وہاں میرا کیا دھرا ہے مجھے اس سے کیا مہبت ہے
نہا کر مڑی ہے؟



یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں یہ غلاؤ

کہ جب دل میں قسمیں تم ہوتو آنکھوں سے نہیں کیوں رو

تکرتاج:- تم یہ تو بہر حال کہہ سکتے ہو کہ تم تارے وال میں نہیں ہیں نہ کسی یہ ایک اہل بات ہے مگر یہ تو غلاؤ کہ تم
دارے دل میں کیوں ہو اور اس طرح ہو کہ بس تم ہی تم ہو تیار سے غلاؤ دوسرا نہیں ہے اتنی قربت پر محبت کی بات یہ ہے
کہ تم ہماری آنکھوں سے پرشیدہ کیوں ہو۔ انشا اللہ تمہیں کے بعد تو جواب ہے سنی ہے مطلب یہ ہے تمہیں دارے پاس آ جانا
جائے تھا۔ شاعر اس قسم کی خوشامداز گفتگو سے محبوب کو اپنی ہوس کے چال میں لانا چاہتا ہے چنانچہ قطع میں اس کا مکمل
ثبوت بھی فراہم کر رہا ہے۔

غلاؤ چاہتا ہے کام کیا مہنوں سے تو غالب ☆ حیرے ہے ہر کہنے سے دو تھوڑے نمبر پاں کیوں ہو

شاعر کہیں مہنوں سے کام لانا چاہتا ہے کہیں خوشامداز کہے۔ عاشق کو فریب سے معشوق کو رام کرنا چاہتا ہے
اسکے لئے شاعر خود آفرامی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں

عاشق ہیں یہ معشوق فریبی ہے مرا کام ☆ مجنوں کو نہ انکھی ہے بکھارے گا



غلاؤ ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے

نہ کچھو کر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

شکوہ = شکایت۔ کشاکش = کھینچنا۔

تکرتاج:- کہتے ہیں کہ دارے جذبہ دل کی شکایت اور آزمائش دغا دکان کا گڑبگڑ ہے کہ تم ہم سے کیوں اٹکتے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس میں غلطی اور کون ہے اگر تم ہم سے ملے اور گزند نہ کرو تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے جو کچھ جانی کریں اور بدعتی جنہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔



یہ فقہ آدمی کی مانند دہائی کو کیا تم ہے

ہوئے تم دھنڈے جس کے دشمن اس کا آہلی کہیں ہو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تمہارا کسی کا دوست یہی چاہا ہی کسی شخصیت سے تم نہیں ہے تم سے محبت کرنے والو تو خودی جٹائے غلابہ جٹا ہے لہذا اس کو کیا ضرورت ہے کہ اس پر معیتوں کے پیراؤں سے اس کے لئے قہری کافی ہو۔



نہی ہے آراء تو غنا کہیں کو کہتے ہیں

ہو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحان کہیں ہو

تشریح:- کہتے ہیں کہ مسئلہ مد سے ساتھ ہی کا رہتا تو حساب نہیں ہے اگر تم اس کا آزمائش کہتے ہو تو برائے کرم بھلاؤ کہ اور ہم اس کے کہتے ہیں آزمائش اور امتحان مستقل نہیں ہو سکتا اور جب تم نے میرے قریب سے رشتہ جوڑ لیا ہے تو بتاؤ اور اس سے جہالم کیا ہو گا یہ ہرگز آزمائش نہیں اگر کو ہم آزمائش سمجھو تو خود کو زبردینے کے مترادف ہو گا۔



کہا تم نے کہ کہیں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی

جہا کہتے ہو جگ کہتے ہو میر کہیں کو کہاں کہیں ہو

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کیا واقعی تمہاری خیال ہے کہ تمہاری غیروں سے ملنے میں کوئی رسوائی نہیں ہو یہ وقار داری کے خلاف یا شرمناک فعل نہیں ہے۔ یہاں ہٹکے کا گناہ زارا میر سے بد برائے یہ مٹو یا غلام ٹھٹھو ہے جو حرام ہے۔



اے عاقبت چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو عاقبت

جو سے ہے میر کہنے سے وہ حق پر میراں کہیں ہو

تشریح:- اے عاقبت تو طعن زنی سے اپنے محبوب کو رام کرنا چاہتا ہے اے ایسا وہ میر سے میراں کہنے سے ہرگز میراں نہیں ہو گا خلاف اسکے اور جو میراں چاہیگا۔

غزل (۱۰۴)

سحر کے زیر سایہ غمبات چاہئے مہل پاں اپنے قبلہ حاجات چاہئے
 عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر آخر رستم کی کجھ تو شکایت چاہئے
 دے دے اے شک مل حشرت پرست کی اس کجھ نہ کجھ حلیا نکات چاہئے
 نکھے ہیں ر دشوں کے لئے ہم مصوی تقریب کجھ تو ہر ملاقات چاہئے
 سے سے غرض نکلا ہے کس روپا کو اک گوند ہے خوری مجھے دن رات چاہئے
 ہے رنگ دار و گل و نسروں چاہا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
 سر پائے گم پہ چاہئے ہنگام ہے خوری وہ سوتے قبلہ وقت نکاہات چاہئے
 یعنی پہ صپ گردش بجات بجات عارف ہمیشہ صبت سے ذات چاہئے
 نشو و نما ہے اصل سے عاقب فردا کو
 خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے



سحر کے زیر سایہ غمبات چاہئے
 مہل پاں اپنے قبلہ حاجات چاہئے

قبلہ حاجات = ضرورتوں کے اٹھنے کی جگہ۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ سحر کے کرب و جد میں اصل بات یہ کھیل جاتے ہوئے چاہئے ان سے غلصہ غمزدگی کی نواز
 میں اور اسکی یکسوئی میں کوئی فرق نہیں جتنا اگر غمزدگی کی یہ یعنی اعجاز کے ساتھ مصروف مہارت اتنی ہے تو کوئی قاتل اسکو
 اپنی طرف حو ج نہیں کر سکتا۔ میری رائے میں سحر کے زیر سایہ غمبات کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ عجز علی اللہ کی سلی اور
 خشیت الہی مہارت کو قبولیت کی بلندی تک پہنچا سکے۔



ماشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص ہے
 اور جسم کی جگہ تو ملاقات چاہئے
 ملاقات = سزا، بدلہ، راز کا۔ جسم = علم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ماشق تھے تم سے پیار اور محبت کرتے تھے تو ہم انکے معنی ہم پر علم
 و ذیادتی کرتے تھے۔ اب ہم بھی کبھی اور پر ماشق ہو گئے ہو۔ اب مشق کے علم و جسم کو کے تو بچہ چیرکا کر میرے
 ساتھ جو تمہارا سلوک تھا وہ کس حد تک درست تھا۔ اچھائی مہاکرم کبھی کے ماشق ہو گئے آخر تمہارے اوپر علم و جسم
 کرنے کا کچھ بدلہ تو ملنا ہی چاہئے تھا۔



دے دلائے فلک دلِ صرست پرست کی
 ہاں کچھ نہ کچھ خلائی ملاقات چاہئے

داد = مدد، تحریف، تادیب۔ فلک = آسمان۔ صرست پرست = آزردہاں کا پجاری۔ خلائی = بدلہ ملنا
 ملاقات = سابقہ کار گزاریاں

تشریح:- شعر کا کیا مصلوہ ہے کہ کبھی باری تعالیٰ کے حضور گستاخی نہ ہو جائے، اسلئے ہر علم و جسم کو کھانا کی طرف سے نہ
 کہہ کر آسمان سے منسوب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے خدا ایسی ہی آسمان سے مخاطب ہے کہ آسمان صرست پرست
 پرست (صرست زندہ کمال کی داد سے) تحریف کر کے صرست پرست نہیں کہتا تو کم از کم میرے جو صلے کی تو داد دے۔ آخر
 کچھ گزشتہ علم و جسم کا بدلہ تو ملنا ہی چاہئے۔



تکے ہیں رہ رگوں کے لئے ہم معصومی
 قریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

مذبح = ہاتھ بیاہرو۔ معصومی = تصویر بناؤ۔ قریب = بھگت، شادی، فیرو۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم نے معصومی اسی لئے بھی ہے کہ معصوموں سے ملاقات کا کوئی ذریعہ کوئی رہا نہ تو ہو ورنہ کون
 قریب تھوڑا۔



سے سے غرض نکلا ہے کس دھیاد

اک گنہ ہے غوی گھے دن رات چاہتے

مئے = شراب۔ نکلا = غرضی مرد۔ دھیاد = ذلیل و خوار۔ اک گنہ = ایک ذرا۔ بے غوی = بیوش۔
تشریح:۔ شراب کی شوقین ہیں اسی اہرام سے بچنے کے لئے کہ کونک میں ہرست کھیں فرماتے ہیں کہ ہمارا فضل
مئے نوشی مستی اور غرضی حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے ہمارا نکلا ہرست بیوش رہتا ہے تاکہ غم و آلام کا
احساس نہ ہو۔ جو ہمارے لئے چاہتا ہے۔



ہے رنگ لالہ رنگ و نری جا جا

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہتے

لال = ایک نہایت سرخ رنگ کا بھول۔ گل = گلاب کا بھول۔ نری = مٹیلی کا بھول۔ اثبات = ہنگام۔
تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب لالہ گل نری اپنی جگہ نہایت حسین ہیں اور انک انک اپنا حسن رکھتے ہیں اور دل کو
لکھانے والے ہیں لیکن ہیں سب بے اثبات کمزور اور قافی۔ پس تو ان میں بہار کا احکام چاہئے کہ یہ سب بہار لائی ہو۔



سر پائے گم چہ چاہتے ہنگام بے غوی

نہ سہے قبلہ وقت نہا ہات چاہتے

گم = ہنگام۔ بیغوی = بیوشی کے وقت۔ نہ = نہا۔ چہرہ۔ نہا ہات = درخواست۔
تشریح:۔ شراب سے حضرت کو کتنا شغف ہے کہ فرماتے ہیں کہ بیوشی کے عالم میں لالہ ہمارا شراب کے شعلے کے
پاؤں پر ہونا چاہئے کہ وہ طالب کا دستور ہے کہ اپنی حاجت کے لئے قبلہ ہو کر کھڑے پاؤں سے درخواست کرتا ہے اور ہم
چونکہ ہر وقت شراب کے طالب ہیں اور ہمارا قبلہ کب شراب کا گم ہے اسلئے ہمارا سر گم کے پاؤں پر ہونا چاہئے۔ تاکہ
بیوشی کے عالم میں لالہ سمجھا جائے کہ شراب کی طلب کر رہا ہے اور عاشق اپنے معشوق کے قدموں پر ہے۔



یعنی چہ مپ گردن چاہتے بھلا

عارف بیکس مپ سے ذات چاہتے

گردش = چکر۔ چٹا = جام۔ عارف = جاننے والا خدا پرست۔ ذات = نرا اور اے تعالیٰ ہے، خدا پرست۔
 تشریح:- چلا دلوں میں شراب اور کھچے شراب سے شکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک خدا پرست اس دنیا کی ہر
 چیز میں صفت الہی تعالیٰ کا نظارہ کرتا ہے اور انکی ذات میں نما اور مست رہتا ہے اس طرح ہمیں شراب اور شراب خانے
 کی ہر چیز سے محبت کرنی چاہئے تاکہ یہ چہرے کہ ہم شراب کے عاشق ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چٹا مقامات کی گردش کے
 مطابق شرابی کو شراب خانے کی طرف اور عابد کو گھر کی طرف ہی سمجھنا چاہئے۔



نثر و نثر ہے اصل سے غالب فروغ کو

خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے

نثر و نثر = دیکھا و سنا۔ اصل = چلا و چر۔ فروغ = شامیں۔

تشریح:- فرماتے ہیں خاموشی اور پردوں کا آگاہ و سنا اور ظاہر ہونا اور سے نقل رکھتا ہے جو زمین کے اندر
 ہے اور قطعی خاموشی ہے یہ چلا کہ خاموشی ہی اصل چیز ہے اور اسی سے ہر کام نکلے ہیں اس لئے ہمیں بھی
 خاموشی سے اپنا کاروبار نکالنا چاہئے۔

غزل (۱۰۵)

بہاؤ بخش تھا ایک دل یک فکر، غم وہ بھی سو رہتا ہے امانت چکیوں سرگرمی وہ بھی
 رہے اس شوق سے آرزو ہم چہرے مختلف سے مختلف ہر طرف تھا ایک اعجاز جنوں وہ بھی
 خیال مرگ کب تھکیں دل آرزو کو نکلے ہرے نام تھا میں ہے اک مپہ زبوں وہ بھی
 نہ کتا کاش جاؤ مجھ کو کیا معلوم تھا ہوم کہ ہوگا حادث افزائش درد دلوں وہ بھی
 نہ اتنا نرس بھی بجا ہر ہر لڑا میرے ہیائے چلبلی میں ہے اک سوچ غلوں وہ بھی
 سے محنت کی خواہش ساتھی کروں سے کیا کیجئے لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام ہڈیوں وہ بھی

ہرے دل میں ہے غالب شوق اصل و شکر، جبریں

خدا وہ دن کرے مجھ اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی



بساطِ محراب میں تھا ایک دل یک قطرہ طرب و دہلی

سہ رہتا ہے باعزاز چکیدن سرخوں وہ بھی

بساطِ محراب = نادری کے عالم میں۔ باعزاز = طرح۔ چکیدن = ٹپکتا ہوا۔

تشریح:- اس نادری کے عالم میں ہمارے پاس لے دے کے دل کی دولت ہمارے پاس تھی اور اسکی حیثیت بھی خون
کے ایک قطرے سے زیادہ نہیں تھی اس پر بھی اسکے محراب کا یہ عالم ہے کہ وہ کچھ چلنے کے امتیاز محراب کے بل ٹھکا ہوا ہے۔



وہ اس شرح سے آرزو ہم چہرے تلخ سے

تلخ ہر طرف تھا ایک اعزاز جنوں وہ بھی

آرزو = مرہمات سے ناراض ہے۔ چہرے = چہرہ۔

تشریح:- کہتے ہیں ہم اپنے محبوب سے چند دن بدلتی اعزاز میں درخیز رہے مگر ہمارے اعزاز اگر ایسا اعزاز سے پوچھو
ہماری دیوانگی پر ہمارے خورشید کی طرح مناسب نہیں تھا۔ بھلے اور محبوب کو اپنی طرف مائل دھڑچہ کرنے کے لئے ہو۔



لیال مرگ سب تھکیں دل آرزو کو بٹھنے

برے نام تھا میں ہے اک صوبہ زبوں وہ بھی

مرگ = موت۔ تھکیں = تھکیں۔ آرزو = رغبت۔ نام تھا = آرزو کا بہانہ۔ صوبہ = شہار۔

زبوں = بُرا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ موت کا تصور دل آرزو کو سکون نہیں دیتا ویسے میری آرزوؤں کے ہال میں ایک بدترین شکار
یہ بھی موجود ہے مطلب یہ ہے کہ خود کوئی کارنامہ نہ چاہتا غرض فعل کا ارتکاب میرے ذہن میں ہے جو حد سے فم سے تنہا کی صورت
الغیاہ کر گیا ہے جو آخری حرب ہے۔



نہ کتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہوم

کو ہوم باعث افزائش درد و دواں وہ بھی

کاش = کیا اچھا ہو۔ نالہ = فریاد۔ ہوم = محبوب، ساتھی۔ باعث = سبب۔ افزائش = زیادتی۔

درد و دل = امدادی درد اور دل نہیں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کیا اچھا ہے کہ میں مراد زاری نہ کر جاؤں دوست مجھے کیا معلوم تھا کہ اس کا اثر میرے خلاف پڑے گا اور اس سے حریف ناراض ہو جائیگا اور میرے دوست میں جو دل کے اندر چھپا ہوا ہے اور منافق ہو جائیگا۔



د. انا نوشی کبھی کبھی ہے نہ فرما

میرے دیوانے چلی میں ہے اک سوخ غم و دہی

دش = کٹ۔ قح = جھکا۔ غم کی تکرار۔ جھکا = غم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ کلمہ اپنی غم کی تکرار کی تھی یہاں تا کثرت کہ۔ میری سوت کیلئے چالی میں ایک تیرہ بتے دیئے گئے ہیں۔ میرے دل کی ایک سوخ تھوڑے تمام غم کو کھینچ لے لے غم کرنے کے لئے کافی ہے۔



مے سوت کی خواہش ساتھی گدوں سے کیا کیجے

لے بیٹا ہے اک دہ چار ہام ناؤ گوں دہی

مے سوت = شراب میں۔ ساتھی گدوں = شعرا نے لکھ دیں، غم و دم کا سارا کام سے منسوب کر دیا ہے
انما بسوت سے اسکو یہاں ساتھی کہا گیا ہے۔ ہام = سار۔ ناؤ گوں = ٹھکانا اور امداد دہی ہے۔

تشریح:- یہاں شاعر ساتھی گدوں سے منسوب کر دیا ہے کہ ہم میں دوستی کی شرابی خواہش یا طلب آہیں سے کیا کریں انکے پاس کیا رکھا ہے وہ چار ہام شراب لے بیٹا ہے وہی غل اور نامہارک ہیں۔ اگر انکے پاس ہام لے کر شراب کی کثرت ہوتی تو ہمیں دینے میں مل نہ کرتا۔



میرے دل میں ہے غائب شوق وصل و فکروں ہواں

تھوڑا دن کرتے جہاں سے میں یہ بھی کہوں دہی

شوق وصل = وصل کی خواہش۔ فکروں ہواں = بھلائی کی فکارت۔

تشریح:- اے غائب میرے دل میں محبوب سے ملاقات کی تمنا اور بھلائی کی فکارتیں بھری پڑی ہیں۔ تھوڑا دن لادے کہ سال ہوا اور میں اس سے دل کی بکریاں نکالوں۔

یہاں شروع ملاقات کی پہلی اور آسان بیان قابل ملاحظہ ہے اس کے علاوہ کج روایات پر شام کی لگا، گنتی نیز ہے اور
 کج روایات کا اظہار باقاعدہ زبان میں گویا آپ ہی کا حق ہے۔

غزل (۱۰۶)

ایک جا حرف دقا کھٹا تھا سو بھی مت گیا ظاہر کا غد ترے خط کا غلط بردار ہے
 ی جے ذوقِ نا کی پائلی پر نہ میں ہم نہیں جلتے فیس ہر چہ آتش بار ہے
 آگ سے پانی میں ٹھنکے وقت اٹھتی ہے صدا ہر کوئی دریاہنگی میں تار سے تا چار ہے
 ہے وہی بدستی ہر لڑکا کا طوطا خروار جس کے جلوہ سے زمین تا آسمان سرشار ہے
 مجھ سے مت کہ تو نہیں کہتا تھا اپنی زندگی زندگی سے بھی مرانی ان دنوں بے زار ہے
 آنکھ کی تصویر سرباز پر کھینچی ہے کہ تا
 مجھ پر کھل چلائے کہ اس کو صرت دھار ہے



ایک جا حرف دقا کھٹا تھا سو بھی مت گیا
 ظاہر کا غد ترے خط کا غلط بردار ہے

جا = جگہ دقا = پائلی زبان غلط بردار = غلطیوں کا اٹھانے پھرنے والا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ترے غلام صرف ایک جگہ صرف دقا تو رہتا رہی ڈھلا اور سدا ہوا سا جگہ کی طرح بھی پہلی
 ۱۰۶ نہیں بھلا میرے خط کا کھٹا کھٹا دقا پندہ ہے جس میں کوئی بات پہلی پر پائی نہیں ہے۔ نرا دشاہری گنبد کی خوشیاں
 جان کر ہے کہ یہ جس تو میرے یہاں ہے ہی نہیں۔



ی جے ذوقِ نا کی پائلی پر نہ میں
 ہم نہیں جلتے فیس ہر چہ آتش بار ہے

ذوقِ نا = مت ہانگی خواہش۔ نا کی = ناکی۔ فیس = سانس۔ آتش بار = آگ پر مانتھالا۔

تفسیر:۔ فرماتے ہیں کہ کلمہ عاشق زاد کی پڑھری کا جب عالم ہے کہ میرا ذوق فنا (سمت کی آرزو) پوری نہیں ہو رہی اس ناکامی پر میرا دل کیوں نہ بٹے۔

ہر چند کہ دل جل رہا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ میرا سانس آگ پر سارا ہوا ہے مگر میں ہوں کیا بھی تک زخمی ہوں۔



آگ سے پانی میں ٹھیکے دہشتِ افسی ہے صفا

میر کوئی دردِ اعلیٰ میں مار سے مار سے تار ہے

دردِ اعلیٰ = بہاری میں۔ تار = فریاد۔ تارِ چار = مجبور۔

تفسیر:۔ یہ قدرتی بات ہے کہ آگ پر جب پانی چڑتا ہے تو ایک آواز اٹھتی ہے جو لازمی ہے صید کی صورت چاہری ہے کہ اگلے ذرا ہی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے۔ ہمیں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ میری گریہ و زاری پر مجھے اصرام نہ دیں بلکہ وہ جان لو جو کہ ضرور اٹھ کر تاروں میں ملے میں مجھے رازِ بگڑی میں اس کے لئے مجبور ہونا چاہوں۔



ہے وہی بدستی ہر ذوق کا خود بخود غم

جس کے جلوہ سے زمین تا آسمان سرشار ہے

بدستی = بیوقوفی، احساسِ بے بسی۔ طرزِ خواہ = غرض پیش کرنے والا۔ سرشار = بھرپور۔

تفسیر:۔ فرماتے ہیں کہ جو بدستی ہے کہ کائنات کا ذوق و ذوق اپنے خالق کے جلوہ سے بدست ہے اور خالق ہی کو اکی بدستی یا اعتراض ہے۔

تاکہ کہہ سکا ہے خاکِ خالق کا اعتراض سستی پر نہیں بدستی ہے اور بدستی پر طرز ہونا چاہی نہیں ہے۔ زمین سے آسمان تک جلوہ ان کا غم و سرور ہی کے لئے ہے۔ بدستی کے لئے نہیں۔ حاکمِ دین۔



مجھ سے مت کہتے ہیں کچھ خدائیِ ذمگی

ذمگی سے کبھی میرا ہی ان گلوں پر زار ہے

تفسیر:۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے اب یہ مت کہ کہ میں کبھی تمہارا اپنی ذمگی کچھ تھا۔ اس ضرور کچھ غمزدگی کوئی تو نہیں

دعا تھا کہ کسی طرح بھی میرا نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ میں اس حال کو پہنچ گیا کہ اب اپنی زندگی تک سے بڑھ کر ہوں۔ تو واقعی میری زندگی ختم ہو کر مجھے مل جاتا ہے۔ میری ہرگز اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب بھی اگر تو میرا وہ چاہے تو مجھے زندگی مل جائے۔ بلاشبہ میری زندگی ختم ہو رہی ہے اور رہے گی۔



آنکھ کی تصویر سرباز پہ کھینچی ہے کہ تا
نہجہ پہ کھل چلائے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ خط کے کنارے پر خط کی پیشانی پر میں نے آنکھ کی تصویر اس لئے بنوائی ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ مجھے حیرت دیدار کی آرزو ہے۔ شعر نڈا نہایت سادہ ہے مگر مضمون بجا ہوتا ہے۔

غزل (۱۰۷)

مری ہستی نکلے حیرت آباد تھا ہے جسے کہتے ہیں تار وہ اسی عالم کا مٹکا ہے
میں کیا فصلی گل کہتے ہیں کسی کو کوئی موسم ہو اسی ہم ہیں جنس ہے اور اتم ہال و پرکا ہے
دھنکے لہروں ہے اتھلی دھنکے اے اہم اثر فرما دہل اے حریف کا کس نے دیکھا ہے
نہ لالی شوئی اندیشہ تاب رنج فوسیدی
کب ہنسوں ملتا مجھ پر تھپو تھا ہے



مری ہستی نکلے حیرت آباد تھا ہے
جسے کہتے ہیں تار وہ اسی عالم کا مٹکا ہے

مٹکا = ایک فرض پرندہ۔ جرجر کیاب یا دیاب ہو جاتی ہے اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ کھاس جھ مٹکا ہو گی۔

ایسے ایک روایت مٹکا کے سلسلے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ واقعی ایک پرندہ تھا جس کی گردن بہت لمبی ہوتی تھی اور اس کا جود اتنا بڑا تھا کہ وہ اسی کا اپنے بالوں میں دبا کر اڑ جاتا تھا۔ اس کا عالم

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا وہ چھوٹا بھائی کی ہستی کی مانند ہے اور اس کی نکلے میرا لئے اسی دنیا سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ لوگ جسے لہرا کہتے ہیں وہ اسی ہستی کا ایک مٹکا پرندہ ہے اور وہ میری لہرا جیڑ کر وہی کے باعث مٹکا ہو گی ہے یعنی

غائب ہو گئی ہے اور میں نفسی خاموش ہو کر رہ گیا ہوں۔ گویا میرا جواب ایک ہاتھ اور چاندنی کی مانند ہو گیا ہے۔ عجیب
اعلانِ جان ہے۔



نواں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو

وہی ہم ہیں نفس ہے اور ماتم ہل دہکا ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ نواں ہو گیا ہر کوئی بھی موسم ہو اورے لئے سب یکساں ہیں کیونکہ ہم ہر گھرے ہندے کی
بات نہ بھرے میں تہہ ہیں ہمیں تو ہر موسم میں اپنے ہل دہکا ماتم ہی کرتا ہے اور نفس کی ٹھکانہ زندگی کا دار ہے۔



دوائے طبریں ہے انسانی دہن اے ہم

اثر فراہ دل دے تیریں کا کس نے دیکھا ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ یہ مہمان چہاں کس کے ساتھ وقار دیست جائیں تو وہ ایک انسانی امر ہے دہن دل غمزہ کی آہ
درازا کاں پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔



نہ لالی شوخی اندیشہ تاب رنجِ نومییدی

کب افسوس ملتا مجھ کو تھپہ تھا ہے

شوخی اندیشہ = فکری شرارت۔ تاب = طاقت۔ رنجِ نومییدی = نامیدی کا رنج۔

کف = جھیل۔ تھپہ = سرے سے کام کرنا، بے اعمازی سے کرنا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ فکری جہلانی نامیدی کے رنج کو برداشت نہ کر سکی تو ہم رنجیدہ اور اندر ہو گئے۔
مطلب یہ ہے کہ جب انسان غمزدہ اور کوشش کے بعد بھی کامیاب نہیں ہوتا تو رنجیدہ ہوتا لازمی ہے اور وہ
ناکامی پر کب افسوس مٹا ہے مگر یہ کب افسوس مٹا سکے کہ اپنے جانے کی تعلیم نہیں دیا بلکہ یہ آرزو کو مزید ابھارنے
کی بے اعمازی سے کسی کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔



غزل (۱۰۸)

ہے بزمِ تاس میں عکسِ آرزو لہوں سے نگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد ظہوں سے
ہے وارِ قدح وچ پریشانی مہربا یک بار لگا دو ٹیم سے میرے لہوں سے
رعنا ہر دم سے کہہ گسترخ ہیں زلف زلف نہ ہوتا طرفِ بان لے اویں سے
ہے وارِ وفا دیکھ کر ہاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربطِ لہوں سے



ہے بزمِ تاس میں عکسِ آرزو لہوں سے
نگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد ظہوں سے

شرح :- کہتے ہیں کہ عیناں جہاں کی مغل عینوں کی بزمِ لڑکھائی سی زبان اور مرہمات ہوئے سے ہونٹوں کی
خوشامد و محکمو اور فرمائشوں سے ہم عکس آگئے۔ ایک انھیں دایں نے ہمیں جامہء باد کردیا۔



ہے وارِ قدح وچ پریشانی مہربا
یک بار لگا دو ٹیم سے میرے لہوں سے

قدح = شراب پیچے کا جواہر۔ مہربا = شراب۔ نیم سے = شراب کا ملا۔

تقریب :- کہتے ہیں کہ چارہ سالہ میں بار بار لگانے میں شراب چھوٹتی اور نکرتی ہے بلکہ نقصان ہوتا ہے کیوں نہ
میرے منہ سے ایک دفعہ ملائی لگا دو کہ میری ہوس کو تسکین ملے اور نہ جانے اور نہ ہادی شراب کی بے مصلحتی ملے نہ ہو۔



رعنا ہر دم سے کہہ گسترخ ہیں زلف
زلف نہ ہوتا طرفِ بان لے اویں سے

رعنا = اوباش شرابی، آوارہ۔ عکس = شراب خانہ۔ عکس خفی = چادری۔ زلف = پاکوان، ہرکار

طرف = مقابل، طرف سمت

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے ذرا شراب خانے کے در پرچہ سے دے دالے اور ہاٹ لوگوں کے سر نہ لگائے خانے پر مصائب یہ لوگ سخت ٹھنڈا اور پتھر ہوتے ہیں ان سے اٹھنا اپنی عزت کو خطرے میں ڈالنا ہے۔



ہے دار دفا دیکھ کر ہائی دہی آخر

بر چہ مری جان کو قہا رہا لیوں سے

بیاد = فلم، یاد دہی۔ ہر چہ = بہر حال۔ رہا = بھل، قتل۔ لب = ہونٹ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دفا نام کی شے اپنے اندر کوئی احتکام نہیں رکھتی یہ بھی بالآخر ایک دن دفا دے جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری ساری کہ ہوشوں سے کتنا کہہ افسوس تھا مگر جب یہ ہمارے قتل سے قتل تو انھیں ہوشوں کے ساتھ نکل گئی اور ہوشوں نے اس کو سند کا ساری دفا داری ختم ہو گئی۔

غزل (۱۰۹)

رنگ مر قلع رو اضطراب ہے اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

میتا سے مجھے ہے سر دکھا بہار سے بال تودہ جلوہ موج شراب ہے

رنگی ہوا ہے پاش پاشے نبات کا نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

ہارو بارہ خوشی دماغ ہے شغل جہت غافل گھٹی کرے ہے کہ تھکی غراب ہے

نکارو کیا حرف ہو اس برق حسن کا جوش بہار جلوے کو جسکے غلاب ہے

میں تا سرحد دل کی تسلی کو کیا کروں انا کہ حیرے رخ سے نگہ کا سیاب ہے

گزارا اسوۂ حسرت پیغام بار سے

تجسس پہ مجھ کو رنگ سوال و جواب ہے



١٠ / قطع و الخطرات

اس سال کے حساب کو حق القاب ہے

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اس سرطے میں ہیں جنہیں ہماری عمر کی رات اس سال تک کی رات ہے۔
 نظام فکری حساب نہیں ہے اور نہ ہی یہ تجزی کے ساتھ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سو سے قریب سے
 قریب تو ہوگی۔


$$e \in \mathcal{K} \text{ ist } 1/\epsilon \in \mathbb{Z} \text{ mit } e \in \mathbb{N}$$

ہاں خود جولو سوچ شراب ہے

جاء = آگے۔ مئے = شراب۔ نمر = بڑا مالہ شراب پیئے گا۔ نکالے = فتنی مہر۔

مال = مال و برہنہ و جان و نفس و ثمن۔ قردو = قیمت تک۔

تشریح :- موسم بہار کی خوشی سے شراب پلے سے پیا لے لگ آگئی ہے اور لوگوں تک آنے کی ہدایت ہے ہمارے لئے یہی
 ہے یہاں تک دھار کی فصل میں شراب کا آنا اور چلت تک آنے کا خطر ایک مسکین اور مکمل جلوہ ہے کہ ہم دل وہاں
 اس پر کار کرنے کو تیار ہیں۔ یاد کی یہ جلوہ علی مدار اول وہاں ہے۔ شعر لہذا کا ایک منہم بھی یہی ہے جو دیگر حضرات نے
 اختیار کیا ہے مگر انھوں نے یکجا انھوں کو دہل کر کے منہم نکالا ہے۔ مثلاً ان حضرات نے پہلے مصرع میں دعا کے بعد
 (سے) کو (جے) یاد دیا ہے اور مر کو ذکر دیا ہے جو ایک مسکین بدعت کے معنی میں لیا ہے ہم نے (مرد) کو یہاں لے کے
 معنی میں لیا ہے۔ دوسرے مصرع میں (بال) کے معنی انھوں نے یہ کے لئے ہیں ہم نے دل وہاں کے لئے ہیں۔ ہم نے
 جو رو کو ہی اور مست کہا ہے جسکے معنی (بازار) جب تک کہ چلت تک نہ پڑو ہمارے دیگر حضرات نے اس کو (تذکرہ) کہا
 ہے اور حال کے لفظ کا تذکرہ کر لیا ہے جو ایک خوبصورت پر ہے اور لگی رنگ اس میں ہوتے ہیں جو آرزو باخیاں اور
 بازعدان کے ساتھ ہیں، کمزرتے یا جاتا ہے۔ جبکہ اصل کتاب میں حال پر لفظ نہیں ہے۔ اس طرح جو منہم ان حضرات
 نے نکالا ہے اس سے شعر قلمی ہو جاتا ہے جو شارح کے مزاج کے خلاف ہے۔

منہدم اس طرح ہے کہ شراب کی بوتل، بہاؤ کی خوشی میں سرور جیسا اور لذت معلوم ہو رہی ہے اور اس کی دھواؤں کا چلنا۔
تکڑے کے پر کی مانند حسین و خرم صورت معلوم ہو رہا ہے۔

اس معلوم میں ایک کی فہمائش ہے کہ وہ یہ کہ شراب کی بوائے بہادر کی خوشی میں مراد کے دست کی طرح حسین معلوم ہو رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کبھی بوائے بھول میں سوچ شراب کا سحر کہاں سے نکلتا ہے اور رہا ہے۔ تو مجھی نکلن

ہے جب شراب دل سے کسی دوسرے دھن میں بھگیل کی جاوے۔

بہر حال شعر پڑا کے دونوں معلوم قابل فہم ہیں مگر کیا ہے یہ شاعری بتا سکتا ہے جواب اس دنیا میں نہیں ہے۔



دلی ہوا ہے پاشنہ پائے ثابت کا

نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی جانب ہے

پاشنہ = ایڑی۔ ثابت = قرار، مقام، ثبوت۔ گوں = رنگ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمارے مضبوط و محکم پاؤں کی ادھی دلی ہو گئی اب نہ بھاگنے کی کوئی صورت ہے نہ ہم کریم کرامت کا مقابلہ کر سکیں طاقت ہے۔

یہاں پائے ثابت کی ادھی دلی ہونے سے مراد کم ہمتی اور استغناء کی کمزوری ہے جب پڑ پڑ بکا عالم ہے۔



جادو بارہ نوشی رعداں ہے شش جہت

غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خواب ہے

جادو = جادو۔ بارہ نوشی = ششگوشی۔ رعداں = ادبائش۔ شش جہت = ہر سمت۔ گیتی = زمین۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس زمین پر جس سمت سے نظر ڈالو وہاں ہمیں دیکھنے والے پچھلے پہلے مبالغہ کی منت کرتی کا دھم دھم کوئی دیتا ہے اور یہ سب ہم رعداں خانہ خواب شراب نوشوں کی جاگیر ہے ہر سمت سے یہ دنیا حسین ہے اور اُنکے ہر حسین حشر کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں جہاں دل چاہے اس طرح بے غفلت ششگوشی کیا جائے یہ سب ہمارے لئے ہے اور ہم رعداں کی جاگیر ہے۔ وہ لوگ جو اس زمین کو خواب کہتے ہیں غفلت اور نادانی کا مظاہر ہیں۔ واقعہ یہ ہے زمین آدم اور اولاد آدم کی جہاں کا ہے۔



حریف کیا حریف ہو اس برقی حسن کا

جوئی بہار جلوے کو نکلے خواب ہے

حریف = مقابل۔ جوئی بہار = موسم بہار کا خواب۔ برقی حسن = حسن کی کئی براد حسن ذات ہے۔

تشریح:- شعر پڑا صرف انہی کا آئینہ دار ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس شخص اہل یعنی باری تعالیٰ کے حسن کے دیکھنے کی تاب کسی کو کیا ہو سکتی ہیں جسکے چہرے پر
 اُنکے جلوے کو چھاننے کے لئے موسم بہار کے رنگارنگ پردے کی خوب چڑی ہوئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس بھاری حسین
 صنعت ہی میں صالح چھپا ہوا ہے۔ ہرچہ کہ مضمون شعر عام ہے مگر احوال بیان بہ نہایت اچھوت ہے قابل تحریف ہے۔



میں تا نرادر دل کی تسلی کو کہا کروں

باتا کہ تیرے رنگ سے نگہ کا سیلاب ہے

تشریح:- شعر بڑا بھی معرفت افی کا آئینہ دار ہے اور سیدنا ابراہیمؑ کے واقعہ کی یاد دلاتا ہے کہ انھوں نے باری تعالیٰ سے
 عرض کیا تھا کہ تیرے ان نردوں کو کس طرح جلا کر کچا کرنا اور جو قلع طور سے خاک ہو کر مٹی میں مل چکا ہوگا فرمایا کیا تجھے
 یقین نہیں ہے عرض کیا باری تعالیٰ یقین تو ہے مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ فرمایا تو تو وہ پردہ پائل لے اور اُنکھاپے سے
 مانوس کر لے جب انھوں نے وہ پردہ پائل لے اور وہاں سے مانوس ہو گئے تو فرمایا کہ اب آگي جکا ہوئی (قیر) کر کے
 اور ادرہ پھینک دے انھوں نے حکم کی تعمیل فرمائی پھر فرمایا کہ اب آگے آواز دے انھوں نے آواز دی اور وہ پردہ نکڑ نکڑ ہو کر
 سیدنا ابراہیمؑ کے پاس آگئے فرمایا تو نے دیکھا یا ہم کس طرح نردوں کو جلا کر کچا کر گئے۔

یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے تسلیم ہے تو نے مجھے کا سیلاب دیکھا تو دعا فرمائی ہے اور میری نگاہ تیرے جلوے
 محسن کے مقابلے میں کا سیلاب ہے تاکہ نہیں ہے کیونکہ میں نے کائنات کے ذرہ ذرہ میں چیزے جلوے اس کا نگارہ کر لیا ہے
 اور مجھے یقین ہے کہ تیرے جتنا اور عظیم ہے خالق و مالک ہے مخلوق اور اداغنی ہے۔ مگر میں بد نصیب دل کے اطمینان کی خاطر
 مشاہدہ چاہتا ہوں۔



گزارا سدا! سحر تہ بیغام بار سے

قاصد پہ مجھ کو دھک سوال و جواب ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ یار میں ایسی خوشخبری سے ہار آیا کہ قاصد محبوب کا بیغام وصل اکر نہائے۔ مجھے تو تکلیف اس
 بات پر ہو رہی ہے کہ میرے محبوب سے قاصد نے سوال و جواب کر کے گفتگو کا تلف آفتابا ہوگا جو مجھے قطعی گوارہ نہیں۔
 دھک یعنی حضرت غالبؒ کا قصہ ہے جو اس وقت کے یہاں ایجاب تو نہیں کیا ہے۔



غزل (۱۱۰)

دل سے تری تھو بکر تک اتر گئی دلوں کو اک ادا میں رخصت کر گئی
 حق ہو گیا ہے سید خوش لالت فراغ تکلیف پہلو داری زخم بکر گئی
 وہ بادۂ شانہ کی سرمستیاں کہاں اٹھنے میں اب کہ لالت خواب سر گئی
 ازنی ہمارے ہے خاک مری کوئے پار میں ہارے اب اے ہوا، ہوں ہال و پر گئی
 دیکھو تو دل فرسی اعجاز نقشب سوچ خام پار بھی کیا گل کتر گئی
 ہر بو ادھس نے نخب پرتی شہار کی اب آہدے شیعہ اہل نظر گئی
 طارہ نے بھی کام کیا وہاں خواب کا سستی سے ہر گھر ترے زراغ پر بکر گئی
 فردا و دی کا تفرق یک پار بست گیا کل ٹم گئے کہ ہم پہ قیامت گزار گئی

اما زمانہ نے آمد اللہ خاں جہیں

وہ طارے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی



دل سے تری تھو بکر تک اتر گئی

دلوں کو اک ادا میں رخصت کر گئی

شعر پد انشراح طلب جس نہایت سلیس ہے اور حضرت کے مزاج کے خلاف ہے آگے مشکل پسندی کی وجہ
 ہے اور شاید تمام غزل ماہر کی شکایت ہو کرنے کے لئے کی گئی ہے۔



حق ہو گیا ہے سید خوش لالت فراغ

تکلیف پہلو داری زخم بکر گئی

حق = پختہ۔ خوش = خوش ہوا۔ لالت فراغ = لالت کی بیبات۔ پہلو داری = نہایت۔

تشریح:۔ اے دل خوش ہو جا کہ لالت آزاد کا ہوا ہوا کا کھانا کھانے کا قے سوچ لی گیا کہ اب لذت آسام سے ہوا

سینہ پھٹ گیا ہے اور اب دھم کو گھسانے کی درست جگہ اٹھائی نہیں چڑی۔



وہ بادۂ شہانہ کی سرمستیاں کہاں

اُٹھنے بس اب کر لاتو طراب سر مگی

بادۂ شہانہ = رات کی شراب۔ سرمستیاں = رقص و سرکات۔ خواب سحر = صبح تک سوتا۔

تشریح:- ایسا لگتا ہے کہ شعر مذکورے نوشی کے بعد کہا گیا ہے کہ اب وہ رات کو بڑی کمر سستی نہیں بلکہ فرسستی کے کلف اٹھانے کا دور گذر گیا کہ ہم شراب کے نشو میں صبح کا ذہن تک سونے کا لطف اٹھاتے رہتے تھے اور صبح کے واجبات اور فراہم سے بے نیاز چلے گئے تھے۔



اڑتی پھرے ہے خاک مرنی کوئے یار میں

بارے اب اسے ہوا، ہوس ہل و پر مگی

تشریح:- سہانہ مضمون کی پاکیزگی اور جذباتی حاکمیت ہے اور فکری کی دلیل ہے۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے محبوب کے عشق میں خود کو فنا کر لیا اور اب ہماری خاک اٹکے کوچ میں اڑتی پھر رہی ہے۔
سے گل ہماری یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ اگر ہمارے ہاتھ جا نہیں تو اڑ کر اٹکے کوچ میں جلد از جلد پہنچ جائیں یہ خواہش اب
بعد مرگ پوری ہو گئی اور اسے ہوس ہل و پر مگی پر پڑانی ڈال دی گئی۔



دیکھ تو دل فرسی اعجاز نقش پا

سوج خرام پار میں کیا گل کتر مگی

دل فرسی = دل نشی۔ اعجاز = اسرار۔ نقش پا = پاؤں کا نشان۔

سوج خرام پار = محبوب کے چلنے کا اعجاز۔ گل کتر مگی = نقش و نگار مگی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کے چلنے کے حسین اعجاز سے دیکھ کر میں اٹکے پاؤں کے نشانات سمجھنے والی شہ دل فریب
ہی کہیں دیکھنے ہی کے لائق ہیں اسکی دھن رنڈا کر ہا زمین پر پھول پاتی اور دیکھ کر ہماری کرتی جلی گی۔



ہر ایک انہوں نے حسن پہنچ شہار کی
اب آہوئے شیعہ اہل نظر مکی
یواہوس = جس بڑے کا شہار = شہار = طریقہ، عادت = آہو = عزت۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اب اہل نظر لوگ جو حسن کی قدر و منزلت کو سمجھتے تھے جو صنعت کو دیکھ کر مصالح کی صورت بیان کرنا چاہتے تھے اُن کی عزت ناک میں مل گئی کیونکہ اب ہر عیاش اور ہوسکار اور کو حسن پرست کہنے لگ گیا ہے۔ اب ایک عیاش ہوسکار اور اہل نظر صوفی میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔



نظارے نے بھی کام کیا وہاں خطاب کا
سستی سے ہر تکہ حیرے رنگ پر کھر مکی

تشریح: کہتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں نے ترے انداز پر کیا کا شہار کیا گائیگا میں حیرے حیرے پر کھر مکی اور حیرے حسن کو ٹھیک لیا اور نگاہیں خطاب بن گئیں۔



فرما دہی کا تفرقہ یک بار دست کیا
کل لم مجھے کہ ہم پہ قیامت گزر مکی

فرما = آندھاں۔ دہی = مختلف، ہر دکان میں کدو شکل۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ کل تم سے ہوا اور کیا مجھے کہ ہم پر ایک قیامت لوٹ چلی ہم اس وقت سے آج تک ہمارے کدو دکانی میں مصروف ہیں حالانکہ ہوائی کدو شکل کی بات ہے مگر ہمارے لئے وہی اون چاری ہے کیونکہ ہماری کدو دکانی کی مصروفیت اسی رفتار سے اب تک چاری ہے جسے کدو شکل اور آنے والی کل کا جھڑا ہی کھر ختم کر دیا۔



ہمارا زمانہ ہے اسو اللہ خاں قصیں
وہ دلوں کہاں، وہ جوائی کدو مکی

تشریح: فرماتے ہیں کہ اسو اللہ خاں قصیں گردش روزگار اور اہل زمانہ نے مار کر رکھ دیا اب تمہارے وہ جوش و خروش مزہ داروں سے اور ایک غرور صورت جوائی کہاں بچ گئی۔

جو حاکم کی بجائی اور جوائی کا نام تار ہا ہے کہ شاعر زندگی کے آخری مرحلے سے گذر رہا ہے۔ حقیقتاً یہ وقت نہایت احمقانہ ناک اور تکلیف دے ہے حالانکہ پاک ہر سو میں کی دہر فرماتے۔ اور یہ مشکل آسان فرماتے۔

غزل (۱۱۱)

کوئی دن کر دنگان اور ہے اپنے ہی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوز غم ہائے نہانی اور ہے
 بارہ دیکھی ہیں ان کی رنجش پر یکہ اب کے سرگانی اور ہے
 دیکے غلام نے دیکھا ہے ہمارے یکہ تو نظامِ اہل اور ہے
 طبعِ اعداد ہیں اکثر نجوم وہ بٹائے آسانی اور ہے
 ہر جگہیں غائبِ بانیں سب تمام
 ایک مرگِ ناکہانی اور ہے



کوئی دن کر دنگان اور ہے
 اپنے ہی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 تشریح:- مطلع ہذا شعر برائے شعر سے قیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ معنی اعتبار سے بھی شعر بے معنی ہے۔ چاکر کا وہ
 منزل کا ہے مطلب کوئی رکھا گیا ہے جسے شعر کو مکمل بنا دیا ہے۔ خاتمِ بدیں



آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
 سوز غم ہائے نہانی اور ہے
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ آتش دوزخ کی گرمی اُن کا تھا بلکہ نہیں کر سکتی جو گرمی دل میں نہجے ہوئے غم کے اند ہے اسکی
 جلیں کچھ اور ہی مخصوص ہے جتنی اپنے اند رکھتی ہے جو زبان سے باہر ہے۔



بارہ دیکھی ہیں ان کی رنجش
 پر یکہ اب کے سرگانی اور ہے

تشریح :- احادیث پر محبوب کا ناراض ہو جانا ہم نے سنکر اس بار نہ کیا ہے اور ممکن ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ شیعوں کی عادت بن گیا ہے اور ہمیں تشویش میں مبتلا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس بار ان کی ناراضگی کا اندازہ بہت مختلف ہے اور انہوں نے سرکاری طور پر یہ کی اور ان کی بے نیازی بتا رہے کہ انہیں ان کا اندازہ و ترکیب تعلقات کا تو نہیں ہے وہ کسی دوسرے پر تو مانگ نہیں ہو گئے کہیں وہ خدا خواستہ ہمارے کو نہیں میں طرح طرح کے خیالات پر بیان مگن کی آمد رفت جو کبھی پہلے نہیں ہوئی ہے سنی نہیں ہو سکتی۔



دیکھئے علامہ دیکھا ہے ہمارے

بکہ تو پیغام ڈھائی دور ہے

تشریح :- روزمرہ کی ملاقات خواہ محبوب سے ہو ہمارے سے ہو یا کسی دیگر سے اس میں گفتگو کا جواز ہوتا ہے شعر ہمارے میں شاعری لکھا انہیں بارہا کسی کی طرف ہے گفتگو کے جذبات اور جراثیم جان کر شاعری مہارت اور استادانہ فنکاری کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمارے محبوب کا خطا ہمارے حوالے کر کے ہمارا دھوکہ دے دیکھ رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمارے اور کہتا جاتا ہے جو انہوں نے ہمارے سے دور ان ملاقات ڈھائی گفتگو میں کہا ہے۔ شعر بلا داعی کی بے چینی کا مظہر ہے کہ تمنا خط سے میری نہیں ہو رہی وہ گفتگو بھی سننے کے لئے وہاں چاہ رہے جو انہوں نے ہمارے سے ڈھائی کی ہے۔



قاصد احمد ہیں اکثر نجوم

وہ ہلائے آسانی اور ہے

قاصد = قاصد کرنے والا۔ اعمار = قاصد مری۔ نجوم = قاصد سے کی۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ لوگ حصاروں کی طرف سے آسانی زندگیوں میں آنے والے واقعات اور حالات کا پتہ لگاتے ہیں اور ہمیں ایک نہیں بلکہ سویت کا بھی سراٹھاتا رہے ہیں کہ ہر کس طرح واقع ہوگی۔ مگر ہم محسن ہمیں ہلائے آسانی کا شمار ہیں لہذا یہ حصارے بھی کوئی پتہ نہیں بتائے کہ ہمیں کب تک اس مصیبت سے نجات ملے گی۔



ہو بھی قاصد ہاں میں سب تمام

ایک مرکز ہاں میں اور ہے

تشریح :- شعر مذکور ہو کر دہ گیا ہے مگر اس کی زبان نر ہے۔ جب ہم انسانوں میں سے کوئی شخص کار کا دلے دنیا سے فراغت پا جاتا ہے مثلاً بچوں کی تعلیم و تربیت کی جگہ شادی سے فارغ ہو جاتا ہے جب اکثر بچی کہتے ہیں کہ لو اب تمام زندگی کی مصروفیت اور مشغولیت سے ہم فارغ ہو گئے اور اب ایک جگہ کام رو گیا ہے وہاں تک آ جانے والی موت کا ہے جگہ ہمیں انتظار ہے۔

غزل (۱۱۲)

کار کاو ہستی میں۔ لار داغ ساماں ہے برقی خرمین راحت غول کرم دہقان ہے
 فلف : قلقلن ہا برگ مافیت معلوم با جود دل عسی غولپ گل پر پیچاں ہے
 ہم سے رنج ہے تابی کس طرح اظہار جائے
 داغ چیت دست بگر شطرس پہ دہقان ہے



کار کاو ہستی میں۔ لار داغ ساماں ہے
 برقی خرمین راحت غول کرم دہقان ہے

کار کاو ہستی = عالم ہست (دنیا)۔ لالہ = لیکس مرغ پھول۔ برقی = بجلی۔ خرمین = امیر۔ دہقان = رکان۔
 تشریح :- اس عالم غلی میں کوئی بھی آدمی دروغ و کذب سے فارغ نہیں ہے چنانچہ ہم لالہ کو کہتے ہیں کہ وہ نہایت خوب صورت پھول ہے اور اپنے حسن پر جڑاں ہے مگر اپنے سینے میں سیاہ داغ رکھتا ہے جو اس کی عاقبت ہے کہ مجھ تک روز بقیعہ موت کے سنگین مرحلے سے گزرنا ہے۔

کار کاو کے غول کی گری جب اس سے کھنکھارے کے انداز میں یہ کہلا دیتی ہے کہ میں جو سامان راحت و فراغت اپنے پاس رکھتا ہوں وہ میرے غلوں کی بدولت ہے بالفاظ دیگر اللہ پاک کی نوازش و کرم کا منکر ہو جاتا ہے۔ جو تمام سامان راحت کو منسوب انہی بجلی بکھرنا مسترعاوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے خالی ہے یہاں کی مالدار کی یا غربت کوئی سستی نہیں رکھتی یہ سب دجالین کی دین ہے اس پر غم نہ کرنا خالی اور بھالت ہے۔



نہی : ہاتھوں پر ایک عالیت معلوم

ہو جو دل میں خواب گل پر چسپاں ہے

غنیہ = کل۔ ہاتھوں = ہین بکسلا۔ برگ = پتہ۔ عالیت = خیریت۔

تشریح :- ہر گل کہنے سے پہلے اس راز سے واقف ہے کہ مجھے ایک روز پتہ پتہ ہو کر نکھر جائے اور فنا ہو جاتا ہے اس کے ہر جو کہ وہ بھی کئی نہیں اور اپنی جگہ کئی ہوئی مطمئن حالت میں ہے مگر گل نکھر جائے خواب بہر حال انکس پر چسپاں کا باعث بن جاتا ہے۔



م سے رنج ہے تالی کس طرح اٹھایا جائے

دارغ پختہ دسب لکڑ شطرنجس بہ انداز ہے

دارغ پختہ = کر کا دارغ۔ دست بجز = کڑوی کا اٹھو۔ شطرنج = چنگاری۔ شس = کٹا۔

دعاں = دانت۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اس فاعلیت کے لم کو جو ہمیں بروقت پہنچن وہ ضرور رکھتا ہے کس طرح برداشت کریں اچھا اس رنج سے چاب ہو لٹری امر ہے کیونکہ ہماری کس پر دسب ناک کی چھاپ (نمبر) لگی ہوئی ہے کہ سوت چینی ہے اور ہماری کیفیت ایسی ہے جیسی چنگاری کے نمہ میں (اُنکے دانتوں میں دسب ہونے لگے کا وجود کہ اُنکا جل جاتا چینی ہے۔ چنانچہ اسی بے چینی کا ذکر حضرت ایک شعر میں اس طرح فرماتے ہیں۔

سوت کا ایک دن مقرر ہے ہم غینہ کیوں رات بھر نہیں آتی

غزل (۱۱۳)

حسں کو ہم نہ دیکھی جو ادنیٰ نظر لے خرداں قلد میں تری صورت مگر لے

اپنی گلی میں بھ کو نہ کر دن بعد قل میرے پتہ سے غیر کو کیوں خیرا مگر لے

ساقی مری کی شرم کو دہن آج ہم ہر شب بیاہی کہتے ہیں سنے جس قدر لے

تھ سے تو بہت کام نہیں لیکن اے علم میرا سلام کہوں اگر نامہ ہ لے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ بھوں نے کیا کیا فرصت کئی کئی ہم پہچاں سے کر لے

لازم نہیں کہ غصہ کی ہم جلدی کریں جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سڑے

اے ساکھانی کوہ: دلدار دیکھنا

تم کو کہیں جو غالب آفتاب سڑے



تھکنیں کو ہم نہ روئیں جو ذاتی نظر سڑے

حورانی قلند میں تری صورت مگر سڑے

تشریح:۔ اب تک تو حضرت کا غرور و دیگر شعرا کا یہ طیر و رہا ہے کہ اپنے محبوب کو حورانی قلند پر ترجیح دیتے آئے ہیں مگر یہاں معاملہ کچھ برعکس ہے یہاں ایک نئی بات، محبوب انداز سے کہی گئی ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں ذاتی نظر جو غالب ہے مل جائے تو ہم حورانی بہشتی پر اپنے محبوب کے عکس کو ہرگز ترجیح نہیں دیتے کیونکہ اللہ پاک نے جن الفاظ میں حورانی بہشتی کی تعریف فرمائی ہے اس پر یقین نہ کر کے محبوب مجازی کی تعریف کرنا اور انہی پر اسکو ترجیح دینا کفر ہو جائے گا۔ کیونکہ ہمارے یقین کی کڑوری سی تو فرمانِ خداوندی کے خلاف ہم کو محبوب کی تعریف و ترجیح کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ اگر ہمیں یقین کامل مل جائے تو ہمارا ذاتی نظر بھی صحیح اور کامل ستائش ہو اور ہمارا یہ خیال کہ حورانی قلند میں جیری شکل ہمیں نہ ملے تو ہماری تسلی نہ ہوگی کیسرا ایک قلند اور عقلمند خیال ہو جائے۔ ایک مظلوم سامنے کا یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ یقین دلایا جائے کہ حورانی بہشتی میں ہمارے محبوب کی شکل کی بجائے کسی اور کی مل جائے گی تو ہماری تسلی ہو جائے گا کہ یہاں محبوب سے وصال ممکن نہیں تو وہاں ضرور ہو جائیگا اور ہماری تجویز زور ہو جائیگی۔

یہاں شاعر اپنے محبوب کے عکس کو حورانی بہشتی پر ترجیح دے رہا ہے۔ جو شعرا کی عام عادت ہے۔



اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دلیں بعدِ حق

بھرے چہرے فیر کو نہیں تیرا مگر سڑے

تشریح:۔ شعراء اور دہک کا یہلوبت لایا ہے کہتے ہیں کہ اب جب کہ تو نے مجھے تنگ کر دیا ہے تو اب مجھے نہ کہہ دینی گلی میں مجھے نہ کہتے کہ یہ کہ مجھے اپنے گلے سے لگی ڈپاؤ، تکلیف اس بات کی ہوتی ہے کہ اگر وہ جب میرا یہ مظلوم کر چکے ہوتے تو اگلے ہی کہیں گے کہ اس تجھے میں غالب کے حراز کے سامنے نہ آتا مگر ہے میری کو تھکے ملے کا سونے ملے اور وہ بھی میرے ہی چہرے کے گلے کی طرح گونا گوں ہیں۔ یہ ہر دہک کا پہلا دھوکہ حضرت نے کجا کجا سے ملے ہمارے میں بیان فرمایا ہے۔



ساقی گری کی شرم کر دھڑ آج، ہم

ہر شب پیا کرتے ہیں جے جس قدر ملے

تشریح:- آج چونکہ ہم پارسہ ہو تو تمہیں اپنی ساقی گری کی توجہ رکھتے ہوئے اپنی پانی پانے کے ساری عقلی دور ہو جائے اور کوئی نگہ باقی نہ ہے ورنہ یوں تو ہم کمرے دن رات چٹنی مٹی ہے پیتے ہی رہ جاتے ہیں۔



تجہ سے تو کچھ کام نہیں لیکن اسے علم

ہوا سلام کہوں اگر نامہ ہر ملے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے دوست کو کچھ سے اس سنا ملے کو کوئی واسطہ نہیں ہے مگر ہماری خاطر سے اگر تجھے اتنا ہمارے برکتیں مل جائے تو اس سے اتنا سلام ضرور دیکھنا تا کہ اسکو کچھ احساس تو ہو کہ کسی نے اسکو اپنے جذبات کی تسلی کے لئے کئی کسے پاس بیٹھ کر بھیجا تو خود بخود اس کے عشق میں جھکا ہو کر رہ گیا۔ یہ خطبات کا بدترین ارتکاب ہے۔

یہاں شاعر یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہر محبوب ہے لی انعامین کہ جو بھی اسکو دیکھے گا اسکا باطن بد چاہے گا۔ میں جو اس پر جان مار کر تاملوں ہے ہائیں ہے۔ ذرا لگا کو اپنے گوم کو مجھ پر ہی حضرت میں بد لئے کا اندازہ لیاں اچھا نہیں تو۔ حضرت کا اندازہ بہت حسین اور کمال شاعری کی دلیل ہے۔



تم کو بھی ہم دکھائیں کہ بھنوں نے کیا کیا

فرست کتا کبھی ہم پہناں سے کر ملے

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ بھنوں ہم دور اس سے بے نیاز تو صرف لکھا کا ہم دکھاتا تو اور ہم آئے ہر کس محبوب کے علم کے ساتھ ساتھ ہم دور آگاہی رکھتے ہیں کہ ہمیں اس علم سے نہات ملے تو تمہیں بتائیں کہ بھنوں نے معنی لکھا میں کس طرح اوقات کڑائی کی اور ہم کیا لگ کر کھاتے ہیں۔



لازم نہیں کہ فخر کی ہم ھو دی کریں

چاہا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

تشریح:- جواب فخر کا نہ کہ تو اپنی کریم میں تحصیل سے آیا ہے کہ وہ ایک خاص شخص تھے مگر خود اور کریم نے علم،

خست اور اپنے دل پہ سراسر سے نوازا تھا یہاں شاعر کا کہنا ہے کہ ہمیں جناب غفر کی بڑی رحیم ہے اور ہم ان کے عظیم مرتبہ سے واقف ہیں مگر ہم پر ان کی پیروی کرنا بیکہ ضروری نہیں ہے کیونکہ ہم اپنی جگہ شرف الملوکات اور زمین پرانے رب المعزت کے نائب اور ظیفہ ہیں۔ ہماری شان کے بھی خلاف ہے کہ ہم ان کی باحقی قبول کریں۔ کیونکہ جناب حضرت کے بارے میں ہم کو طے شدہ نہیں کہ آیا وہ انسان تھے یا مشیت تھے یا اور کوئی دیگر حقوق۔ بہر حال ہمارے لئے یہ امر مسئلہ ہے کہ ہم ان شرف الملوکات اور عظیمہ اللہ فی الارض ہیں۔



اے ساکنانِ کوہِ ولداد دیکھنا

تم کو کہیں جو غائب آشفہ سرے

کوہِ ولداد = محبوب کی گلی۔ آشفہ سر = دیکھنا (سر پہرا)

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے کوہِ محبوب کے رہنے والوں ذرا اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں وہاں انوار سر پہرا غائب تم کو مل جائے تو اس کے ساتھ میرانی کا پر تاؤ کرنا اور ہمیں ان کی اطلاع کرنا مسلم نہیں کہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

غزل (۱۱۳)

حق مجھ کو نہیں دشتِ ی کی میری دشتِ تری شہرتِ ی کی
 قلعِ کچنہ نہ تعلق ہم سے کہہ نہیں ہے تو عداوتِ ی کی
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ہے وہ مجلس نہیں غلطِ ی کی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تھ سے محبتِ ی کی
 سر ہر چہ کہ ہے نعتِ غلام دل کے خوں کرنے کی فرصتِ ی کی
 ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں نہ کسی شوقِ مصیبتِ ی کی
 کہہ تو دے اے ملکِ انصاف آہ و لہجہ کی دلچستِ ی کی
 ہم بھی حلیم کی تو راہیں کے ہے غباری تری عداوتِ ی کی
 ہمارے پیچھے چلی جائے آہ

مگر نہیں دہل تو صرستِ ی کی



مطلق کو نہیں دھت ہی کسی

ہماری دھت تری شہرت ہی کسی

تشریح:- اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ میان میں جہاں ہوا اپنے مطلق سے ٹکرائے ہے وہاں کر آپ کو کم سے کوئی بہت نہیں ہے بلکہ یہ غلط فہمی ہے اور مطلب برائی کے لئے دیا گیا ہے سو بھی بد دلانے کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں کہ ہادی دیا گیا اور بہت بد دل ہی کسی میں حلیم ہے کہ یہ دیا گیا شہرت کا باعث ضرور ہے اس لئے آپ کہہ رہے ہیں کہ ہوا نہیں ہوتا ہے۔



مطلق کیجئے نہ مطلق ہم سے

کہہ نہیں ہے تو عداوت ہی کسی

تشریح:- کہتے ہیں کہ آپ ہم سے مطلق برائے کر ضرور قائم رکھیں اور مطلق نہ کریں اگر بہت کا جواب بہت سے نہیں دے دیتے تو دشمنی اور عداوت ہی کے ذریعہ کسی مطلق تو قائم رکھئے۔ یہ بھی محبوب کو کم کرنے کا ایک اعلا ہے۔



ہم نے میں ہے کیا رسوائی

اے .. ہمیں نہیں غلط ہی کسی

جلاس = مصل۔ غلط = تھائی۔ رسوائی = بدنامی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں اگر تمہارے قریب ہوں تو انہیں تمہاری کیا بدنامی ہے اگر کہہ ہے تو مجھے مصل میں جہاں اور لوگ بھی ہوں احتیاطاً ہے۔ ہاں کچھ لوگ مشکوک ہو گئے تھائی میں ساتھ رہنے میں یہ غلط نہیں ہے۔

اس میں کمال شام رہا ہے کہ شہر مطلق کی نیت کا اکھار بہت ہی ہادفاً اعداد میں کر رہا ہے کہ تھائی سے قائم ہوا اعلان کی خواہش اور جو بات کی تسکین کا اکھار شاید اس سے بہتر اعداد میں ہوا ہی نہیں ملتا۔



ہم بھی جنس تو نہیں ہیں اپنے

غیر کو تم سے بہت ہی کسی

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر تمہارا ہماری بہت کا یقین نہیں ہے تو ہر حال یہ کہہنا ہی چاہئے کہ ہم جو سے دشمن تو نہیں ہیں بھلائی اور سدا بہت کو کم سے زیادہ تم سے بہت ہو۔



اپنی آہنی سی سے ہو جو کچھ ہو

آہنی کر نہیں غفلت ہی سہی

تشریح:- اگر نہ صرف انہی یا صرف انہی دیکھتا تو یہ بات حیرے لئے باہل قائمہ میں نہیں ہے۔ ان سے غفلت برکات خدائی اور خلاف انسانیت ہے۔ اگر انسان اپنی ذات سے غافل رہتا ہے تو اس کا نفع نقصان اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ خدا اور اہل دنیا سے غفلت رہنے میں سب کا نقصان اور حق تعالیٰ ہے اس لئے ان سے کبھی غفلت نہیں رہنی چاہئے اگر غفلت ہی رہتی ہے تو اپنی ذات ہی سے بہت بے مالا لک پہ بھی کچھ اچکی بات نہیں ہے۔



مگر یہ کہ ہے نہ تو عمام

دل کے خوش کرنے کی فرست ہی سہی

برقی کرام = بجلی کی طرح تیز رفتار۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری عمر کی رفتار اگرچہ بجلی کی رفتار کی طرح تیز ہے اور کم سے کم عمر کے لئے ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے تاکہ ہمارے جی کی کمالات دل کو تھما دے اور ہمارے دل کے لئے توبہ کا ثانی ہے۔



ہم کوئی شک نہ کرتے ہیں

نہ کسی عشق صحبت ہی سہی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دستورِ عشق کے خلاف یہ تو بہر حال ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنا شعارہ قادیان چھوڑ دیں بیکلے ہی ہمارے عشق ہمارے لئے نصیحت ہی کیوں نہیں جانتے۔



کچھ تو دے اے نلک : انصاف

آہ و فریاد کی دھست ہی سہی

تشریح:- جب شاعر کوئی شگافی کی بات یا گزارش دے گا کہ تو بھائے خدا بھائے خدا کے نلک سے غائب ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور شگافی کا مجرم نہ ہو۔

شعر پرداز میں شاعر نے بھی انداز اختیار کیا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ اے نلک : انصاف تو نے مجھے کچھ نہیں دیا رنج

ہالم کے علاوہ خوشی کا ایک لمحہ بھی نہیں دیا تو مجھے قحطی طور سے ایسے دوست کر سزت نہیں دیا تو کم سے کم اتنا تو کر کر مجھے
ابن مسیح جس اور علم و اسلام پر گریہ زداری اور فریاد و غماں کی حرج مہلت تو دیدے۔



ہم بھی حلیم کی غزلیں کے

بہ نیازِ تری عادت ہی تھی ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم بھی اب راضی رہنا رہنے کی عادت ڈالیں گے کیونکہ اب تک تو جو ہم نے مانگا ہمیں نہیں
دیا اور میری ذات ہے نیاز کا ہر فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق ہی ہوا تو پھر اب کیوں نہ ہم میری مرضی کو اپنی مرضی جانیں تاکہ
آئندہ کوئی شکایت ہی باقی نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا یہی مسلک ہے۔



یار سے پیچھے چلی جائے آند

کہ نہیں اصل تو حسرت ہی تھی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ زور دینے کے لئے بھوکہ مشق ہونا ہی چاہیے اگر وہ اصل پارہیز نہیں ہے تو کم از کم اس سے
پیچھے چھاؤ تو جاری رہنی چاہئے نہ کہ قحطی کے بعد تو زور دینا اور جا بجا تکی اور سہو کے لئے بعد ازل کے امکانات زیادہ ہیں
اس سے تو بہتر ہے کہ حسرت و یاس ہی کی پیچھے چھاؤ تو پختی رہنی چاہئے۔

غزل (۱۱۵)

ہے آرمید کی میں عمر بھل گیا مجھے سچا دہن ہے خدۂ دغاں نہا مجھے

وصوفے ہے اس مٹنی آتشِ نفس کو جی جنکی صدا ہو جلاؤ برقی کا مجھے

مستاد ملے کہوں ہوں رو دہلی خیال ۲ بازگشت سے نہ رہے مڑنا مجھے

کنا ہے بلکہ ہارِ میں تو ہے کجا بیاں آئے گی ہے کہبت گل سے چپا مجھے

گھٹتا جسکی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے اعجاب نے رسوا کیا مجھے



ہے آرمیہ کی جیسی فکر اہل بھانجے

سج دہن ہے شہرہ دہان لہا مجھے

آرمیہ کی = پیش و آرام۔ گھوڑے = برائش و انت بھگوار۔ شہرہ = ہنس۔ دہان = دانت۔

تشریح :- واقعہ یہ ہے کہ شرابی جب رات کی شراب پیکر سو جاتا ہے تو صبح صادق کو بیدار نہیں ہو پاتا اور دن چڑھے تک شراب کے ہمارے کونٹوں پر لگا رہتا ہے اور ایک لہری کی طرح چار پائی سے الٹا ہی نہیں جاتا ایسی صورت میں اگر کوئی اسکو ڈانت پھٹا دیا تو برا ہو جاتا ہے تو وہ جانتا نہیں کرتا۔

چنانچہ اسی کزوری کا اعتراف شاعر کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ صبح صادق اس غلوسٹ پر مجھے دانت چڑا رہی ہے کہ بد نصیب صبح کے فرائض اور واجبات سے بے نیاز ہو کر غروہی اور لغت کا شکار رہ گیا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے حلقہ میں ہی میرے اہل فعل پر مجھے سوا حق نہیں کر رہے بلکہ پورا ماحول میری اس حرکت پر ملامت کر رہا ہے اور مجھ سے ناخوش و بیزار ہے۔



دھولے ہے اس غفلت آتش فکس کو سی

جسکی صدا ہو جلتی برقی کا مجھے

آتش فکس غفلتی = کہتے ہیں یہاں میں کسی ایک پرندہ ہوتا تھا جو کبھی ہم نکلتے تھا اسکو موسیقار بھی کہتے تھے جو شاید اب نہیں پایا جاتا مشہور ہے کہ اسکی چونچ میں تین موسیخہ سوراخ ہوتے تھے ہر سوراخ سے تیاراگ کا ٹکڑا نکلتا لوگوں نے گانا اسی سے سیکھا ہے۔ اسکی ماویں نہیں ہوتی تھی اور اسکی عمر ایک ہزار سال ہوتی تھی۔ جب وہ اخیر عمر کو پہنچ جاتا تھا تو اپنے آشیانے میں بیٹھ کر آتش راگ گاتا تھا جس سے اسکے منہ اور جسم سے آگ نکلتا شروع ہو جاتی تھی اور ہوا وغیرہ اس آگ میں جل کر ناکسٹر ہو جاتا تھا۔ قدرتی حق سے جب بارش ہوتی تھی تو اسکی آبی راگ سے ایک تباہ کنس جہم لے لیتا تھا۔ واللہ اعلم۔

یہاں حضرت صاحب مشق کی مصحفوں سے دل برداشتہ اور بیزار ہو کر اس آتش فکس پر (غفلت) کی تلامش میں ہیں کہ اگر وہ کبھی جل جائے تو راکہ وہ آتش راگ نسوں اور اسکے ساتھ میں بھی اسکی دردناک اور آتش بار صدا سے حشر ہو کر فکے گھٹا ہوا آواز ہو گا اور اس تکلیف دہ دنگی سے نہات پا جائیں۔



مستاز ملے کہیں ہوں رو دانی خیال

تا ہر لغت سے نہ رہے لڑا مجھے

بازگشت = دوبارہ پلٹ کر آنا۔ ممد جا = مطلب۔

تشریح:- لڑاتے ہیں کہ میں ایک ہی مضمون کو اپنے اشعار میں بار بار لکھیں اور اتنا لکھے یہ بات پسند ہے برعکس
اسکے ہر شعر میں نیا مضمون پیش کرتا ہوں۔ جس لطائف کی راوی میں مستندہ مکتوحہ ہوں تاکہ گزشتہ مضمون پلٹ کر میرے
ذہن میں نہ آوے۔ اگر میں مستندہ وار نہ لکھ دوں علیحدگی سے گزروں تو گزشتہ بات میرے ذہن کے کسی گوشہ میں گھونکا
رہیگی اور کسی اہل وقت دوبارہ پلٹ کر آ جائیگی اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت غائب کے یہاں مضافات کی بازگشت نہیں ہے۔



کہتا ہے بلکہ بار بار میں تو ہے کا وہاں

انے گی ہے کبھی گل سے جیا لکھے

کھبت = خوشبو۔ گل = پھول۔ جیا = شرم۔

تشریح:- شعر ہذا میں ایک خوب اور نیا باب خیال کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب میر بار بار کہتا ہے اور
گل و چمن میں گھومتا ہے تو بار بار ہمارے سامنے درجہ سادہ حاضر ہوتا ہے کہ تیرا دور جاتا ہے اور اس بیخودی میں اپنے قباب اور پردہ
راوی کو بھول جاتا ہے سستی کے عالم میں نہر پر ہند کا خیال رہتا ہے نہر پانی جسم کا تیری اس کیفیت کا مشابہہ پھول
اور آگ کی خوشبو کی کرتی ہے کیونکہ وہاں کوئی اور نہیں ہوتا مگر یہ خوشبو جب میرے منظر جسم کی خوشبو سے آلودہ ہو کر میری
چمن سے باہر آتی ہے تو اور لوگ بھی اُس سے گھونکا و مستفید ہوتے ہیں اس لئے مجھے اس خوشبو سے شرم آتی ہے کہ کوئی
بیر میرے محبوب پر وہ نشیں سے کیوں گھونکا ہو۔ کیونکہ میں اپنی جگہ اپنے اس خیال پر غاناں ہوں کہ تو اور تیری ہر چیز
صرف میرے ہی لئے ہے۔



کھبت کسی پہ کیوں مرے دل کا حاملہ

شعروں کے انقلاب نے دھوا کیا مجھے

تشریح:- شعر چونکہ شاعری شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور جس طرح کا آس کا سراج ہوتا ہے اور جیسے جذبات اپنے دل
میں دھو کر نکلتا ہے وہی شعر بکھر دیاں پڑ جاتے ہیں اسی نظریے کے تحت حضرت فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے میرے اشعار خصوصاً
وہ اشعار جو میری محسن پرستی کے مظہر میں بنیں جن کو اپنے ذہنوں میں گھونکا کر رکھے ہیں۔ مگر وہ موقع بہ موقع بیان کرتے
رہتے ہیں جو میری رسوائی اور بدنامی کا باعث ہو رہے ہیں اور میری عاجزی کا راز کا شہسواں ہے۔



غزل (۱۱۶)

گرم فریاد رکھا قل نہائی نے مجھے جب اباں ہر میں دی بڑا لیل نے مجھے
 نیسہ دھو دو عالم کی حقیقت معلوم لے لیا مجھ سے مری سمیت عالی نے مجھے
 کھڑت آہائی وحدت ہے پرستاری دہم کر دیا کا فریں اسنام خیالی نے مجھے
 ہوں گل کا قصور میں بھی کھکا نہ رہا
 جب آنام دیا ہے ہدایاں نے مجھے



گرم فریاد رکھا قل نہائی نے مجھے
 جب اباں ہر میں دی بڑا لیل نے مجھے

گرم فریاد = مصروف کریداری۔ قل نہائی = حسین چروچھا ہوا۔ اباں = امن اپنا۔ بڑا = سر۔
 لیل = جمع لیل کی راتیں۔

تشریح :- تھوڑا سا مصلحت لفظی کا مظاہرہ بھی شعر لہذا میں موجود ہے جو بڑا دی نظر میں کسی نہیں ہوتا مصروف لیل میں
 گرم کا استعمال ہوا ہے دوسرے میں اسی رعایت ہے بڑا استعمال کیا گیا ہے جسکے متضاد کے ہیں اور اسی لفظ گرم سے
 قافیہ اخذاتے ہوئے سرد راتوں کو گری پہنچائی گئی ہے۔

فرماتے ہیں کہ دہم میں کہنے کو اس حسین قل نے جو وحدت میری نظروں میں رہتی تھی اسے مجھے بھر کی سرد
 راتوں میں گرم رکھا کہ میں اسکی طلب میں گرم فریاد را کر پے واری کی حدت نے سرد راتوں میں گرم رکھا اس طرح مجھے
 سرد راتوں سے امن واسطی دی ورنہ ان سرد راتوں میں میرا جانا جتنی تھا۔



نیسہ دھو دو عالم کی حقیقت معلوم
 لے لیا مجھ سے مری سمیت عالی نے مجھے

نیسہ = بھولا ہوا، جو مل چکا۔ لفظ = جو مل رہا ہے، جو ستر ہے یا جسکے ملے کا وعدہ ہے۔

تشریح :- جس جج کا وعدہ اللہ پاک نے دینے کا کیا ہے وہ اسلئے لفظ ہے کہ وعدہ کا وعدہ ہے یا کہ اس پر یقین نہ کریں تو

کفر واقع ہو جاتا ہے اور ایمان کے معانی ہے اسلئے وہ کسی خدائی کے برابر ہے۔

کہتے ہیں کہ گزشتہ میں ہمیں جو کچھ مل چکا جسکو ہم بھول چکے ہیں اور جو عالم عقبہ میں ہمیں ملے گا ہے جسکا ہم سے وعدہ ہے اسکی اصلیت سب مجھے معلوم ہے۔ مجھ سے میری امت عالی اور انکو آخری نے یہ سب مجھ سے سمجھ لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اسودہ حال صحت رہا گزشتہ کبھی باطن کا قلم نہ کیا نہ مشعل کی فکر، تلخ، بے نقصان سے بے نیاز ہو کر اور راہ حیات طے کر رہا ہوں اور گرد پا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ عمل صالحہ خالی ہوں۔



کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستاری و ہم

کر دیا کا فرماں اسام خیالی نے مجھے

کثرتِ آرائی = اشیائے عالم۔ وحدت = اللہ کے ایک ہونے کا تصور۔ پرستاری و ہم = وہم کو بوجہ۔ اسام = حق مسلم کی معرفت۔

تشریح:- سو فیائے کام کا خیال ہے کہ باری تعالیٰ ہر بھول میں ہر بے حق میں ہر جانور میں ہر بے جان میں فرض کائنات کے ذرا ذرہ میں موجود ہے۔ لیکن اللہ انکے خلاف ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں اسکی مخلوق اور صنعت ہیں اسکی صنعت میں مبالغہ کی تحریف تو کی جاسکتی ہے اور کرنی چاہے مگر اسکی پرستش کرنا انکو ہم بتا رہے ہیں کہ عزائم ہے جو حرام ہے کیونکہ اس خیال سے اسکی وحدت کثرت بھی بدل جاتی ہے۔ ہمارے اس خیال نے کہ صنعت میں مبالغہ موجود ہے اشیاء کو بوجہ بنامادہ کر دیا جو ہر اسرار اسی ہے ایک مسلم قوم کے جو اس تمام اقوام عالم میں اس تمام خیالی کی پرستش میں مشغول و مصروف ہیں اور اللہ پاک یا اللہ رب العالمین کی مہارت سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔



ہوئی گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا

جب آرام دیا ہے پر دہائی نے مجھے

ہوئی گل = استعارہ ہے محبوب کی خواہش کا۔ بے پرواہی = استعارہ ہے بے حساسیت کی مجبوری۔

تشریح:- مطلب یہ ہے کہ بے حساسیت کی مجبوری نے مجھے اس مقام پر لے کر لایا ہے جہاں اب مجھے محبوب سے ملنے کا تصور بھی نہیں رہا اب مجھے اس سلسلے میں کوئی تشویش ہی باقی نہیں رہی اس بے حساسیت کی مجبوری میں (بے پرواہی) نے تو مجھے عجیب طرح کا آرام پہنچایا ہے۔

غزل (۱۱)

سادگی پر آنکی سر جانے کی حسرت دل میں ہے بس نہیں چن کر بلبلز کب قال میں ہے
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 گرچہ ہے کس کس نمائی سے دلے ہا ایں ہر ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
 بس جھوم تا افسیدی خاک میں فل جائے گی یہ چراغ لذت امدادی کسی لا حاصل میں ہے
 رنج وہ کیوں کھینچ دلائی کو حلق ہے اٹھ نہیں سکتا اٹھا جو قدم منزل میں ہے
 جلوہ زہر آتش روزخ دھارا دل کسی تھو شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے

ہے دل شور و غائب ہضم بج دہاب
 دم کر اپنی صفا ہے کہ کس محفل میں ہے



سادگی پر آنکی سر جانے کی حسرت دل میں ہے
 بس نہیں چن کر بلبلز کب قال میں ہے

تشریح:۔ حسرت اپنے محبوب کے ہازک ہاتھ میں ٹھونڈ کر گل ہونے کے لئے ٹھن ہیں اور وہ بھی محبوب کی سادگی پر کہ جانتے ہیں کہ اسکے دست ہازک کی لذت سے یہ فعل باہر ہے مگر تجربات میں ضرور لے رکھا ہے جو صرف مجھے ڈرانے کے لئے ہے اور انکے خیال کے مطابق میں ڈر جاؤں اس سادگی پر میں مرا جا رہا ہوں اور حسرت ہے کہ انکے ہاتھ سے حقیقتاً گل ہو جاؤں۔



دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تشریح:۔ مستحق سے گفتگو کی لذت کو کج حسوں میں عاشق ہی جان کر سکتا ہے اسکی زبان سے فعل ہر بات اسکے لئے مسرور کی دلی ہوتی ہے۔ یہاں شاعر اسی جذب کے تحت کہتا ہے کہ جب وہ بات کرتا ہے تو کد سے بھول بھرتے ہیں آنکی گفتگو کی لذت کا یہ عالم ہے کہ جو بات وہ کہتا ہے تو نیٹے والا یہ صاف کہتا ہے کہ یہی بات میں کہنے والا تھا م نے تو میرے

لوہ کی بات بھڑکی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ کی اور بھاری بات لہا ہے کہ وہ انداز میں بیان کرتا ہے کہ سامع کے ہونٹ
ان کی شیرینی سے چپکے گتے ہیں اور وہ حیرت زدہ خاموش رہ جاتا ہے۔



گرچہ ہے کس کس نہائی سے دلے باہیں ہو

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ چھٹل پار میں میرا ذکر میری طرح طرح کی خدائوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ہوتا تو ہے۔ میرا
ذکر ہر حال مجھ سے بہتر ہے کہ اس کو آگے ہم میں کسی بھی طرح کی شرکت کا لطف تو اٹھا رہا ہے۔ مجھے تو یہ شرکت بھی
نصیب نہیں۔



بس ہوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی

یہ جو اک لذت ہماری سہی لا حاصل میں ہے

تشریح:- یقیناً ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جب ہم اس دنیا میں نہ ہو گئے بھلے آج ہمیں داس اور نا امیدی نے
گھیر رکھا ہے مگر اس نامرادی کے باوجود اصل پار کی ناکام کوشش کی جولانے ہے وہ بھی ہمارے ساتھ خاک میں مل
جائے گی، جس کا لمس شاید ہماری ہمدردی کا نام ہے۔



رہا نہ کہیں کیجئے دامانگی کو شوق ہے

اتھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

دامانگی = پس انداز، بھاری، جھگڑا۔ رہا نہ = راستہ۔ منزل = جائے نزول (نہرنے کی جگہ)

تشریح:- فرماتے ہیں راستہ طے کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی جائے جبکہ ہم منزل پر مقیم ہیں اور ہمارا شوق ہی ہماری
منزل ہے اب ہمارا قدم منزل سے اٹھ نہیں سکتا۔ جواب تو اٹھانا وہاں کی تکلیف کیوں اٹھائی جائے؟



بلو، رہ آتشیں روزِگار ہمارا دل کسی

نقدِ شور قیامت کس کی آپ دہل میں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ امار اول آتش دوزخ کا عظیم خطرہ کیوں نہ ہو بلاشبہ آتش عشق نے ہمیں جسم آگ بھڑکا ہے۔ لیکن یہ بتائے کہ کیا اندر محبوب اپنی سرشت میں شوقِ قامت کا شعلہ نہیں رکھتا اگر ہم آتش دوزخ میں تو وہ شعلہ پر ہمارا بھی کامیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔



ہے دل شوریہ، غالبِ ظہیم سچ دہاب

رجم کر اپنی قوت پر کہ کس مشکل میں ہے

دل شوریہ = دل دیوانہ۔ ظہیم = ہار۔ سچ دہاب = بے پختی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ قوت اپنی قوت پر رجم کر اور غالب کو حاصل کرنے کی آرزو ترک کر دے کیوں کہ غور کو غور دیکھو اور مشکل میں ڈال رہا ہے وہ تو ایک دیوانہ ہے اور جدت اس کا دل حیرت انگیز عجیبوں میں پھنسا ہوا ہے۔

غزل (۱۱۸)

چشم طواہاں خاشی میں بھی نوا پر ہار ہے سرسہ تو کہوے کہ دو فطیہ آواز ہے

یکے مصافق ساز طلیح نامہ ہے ہار گیا گردن پہ سیرابی آواز ہے

دست گاہ دینہ خوں بار بھجوں دیکھنا

یک بیاباں جلوہ گل فرش پا اعمار ہے



چشم طواہاں خاشی میں بھی نوا پر ہار ہے

سرسہ تو کہوے کہ دو فطیہ آواز ہے

چشم طواہاں = عین کی آنکھ۔ نوا پر ہار = بولنا۔ دو فطیہ = پنگاری کا دھواں۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں نے جہاں اگر خاموشی بھی اختیار کر لی تو آگ بھڑک اٹھتی رہتی ہے جیسے کہ ایک کراچی آنکھ میں

لگا ہوا سرسہ آگ آواز کی لہٹ کا دھواں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھ خاموشی میں بھی آگ بھڑک رہی ہے اور آنکھ بھڑکنا کام

الہام ہوتی رہتی ہے۔ آنکھ مصوم بھٹکا ہوا ہے آگ خاموشی میں بھی گویا پانی کا جہاز کا فرد بدلتا ہے۔



نکر مطلق سازِ حلیح ہمار ہے

نار گویا گردشِ ستارہ کی آواز ہے

نیکر = جسم، احاطہ = ساز = باج۔ حلیح = قسمت۔ ساز = ناکام، ناسوائی

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم عاشقوں کا جسم بد قسمتی کے ساز کی مانند ہے اُگی نادر فریادِ قسمت کے سپارے کی گردش کی آواز کی مانند ہے کہ کوئی آسکا نئے والا ہے اور نہ کسی کو نہائی دیتی ہے۔ ایک گوشہ بختی میں، دے عاشق کی آواز اور فریادِ نقصان کو نہ بٹاتا ہے۔



دستِ گاہ دیدہ، خوں بار بھجوں دیکھا

یک جہاں جلّو، گلِ فرشِ پامناز ہے

دستِ گاہ = دھڑل۔ دیدہ = آنکھ۔ خونِ باز = خون برسانے والی۔ جہاں = جنگ جہنم۔

جلّو، گل = داری گل کا جلوہ۔ فرشِ پامناز = پاؤں سے فرش۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ بھجوں (عاشق) کی خوں رونے اور خون برسانے والی آنکھوں کا منظر کاٹلی دیدہ ہے کہ ایک جنگ جہان میں جہاں تک آنکھ تک دو ہے اُسکے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے جہاں جہاں اس فرشِ زمین پر وہ پاؤں ڈالتا جاتا ہے گویا پھولوں کی داری ہاتھ چلا جاتا ہے۔

غزل (۱۱۹)

قسمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی	فلک کا دیکھا تقریبِ حیرے یاد آنے کی
کھیلے گا کس طرح منہوں سرے نکوب کا یارب	قسم کھائی ہے اس کا کرنے کا فائدے جلائے کی
لپٹا پر نیاں میں مصلحہ آفتاب کا آساں ہے	دلے مشکل ہے حکمتِ دل میں سو ظلم چھپانے کی
انہیں منظور اپنے زخموں کا دیکھ آتا تھا	اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھا شوقی بہانے کی
ہادیِ سادگی تھی انکسارِ باز پر مرنا	ترا آتا نہ تھا کالمِ مگر حمیدِ جانے کی
کد کوبِ حوادث کا محفل کر نہیں سکتی	مری طاقتِ کرمناں تھی جنوں کے باز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اور خیر اگلے دن غائب
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی غمی بار ہانگی



غم ڈالنا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
نک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

تشریح:- کہتے ہیں کہ اول تو غم ڈالنا سے سر اٹھانے کی فرصت ملتی نہیں دی اور اگر کسی ایسا ہوا بھی کہ غم دور اس سے چلے
فرصت پائی تو آسمان کی قسم طرے دیکھنے کا اس نے کیا کیا حکم مجھ پر ادا کیا، کس کس نکلے ہوئے واقعہ کا کس طرح مجھے
بادلا دیا جو جہان سے باہر ہے میری حالت حق تعالیٰ کی

تجربہ:- شعر ہذا شعر برائے شعر ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر شاعر کا کردار پہلو ہے کہ اتنے غم جہاں پر غم
دوران کو ترجیح دی اور غم دور اس کے مقابلے میں غم جہاں کو ثانوی درجہ دیا جو عشق کی شان کے خلاف ہے اور عشق بازاری
کی دلیل ہے کہ جب ذرا ناراض ہوئے یا فرصت غم جہاں سے پائی تو انکی طرف متوجہ ہوئے اور اسکو یاد کر کے آنسو بہا
دئے۔ عاشق صادق کے لئے تو غم دور اس کوئی سنی ہی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ شعر گویا کہتے ہیں۔

آلام روزگار کا ساں بھاریا ☆ جو غم ہوا اُسے غم جہاں بھاریا



کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یا رب
ختم کھائی ہے اس کا قریلے کا تھکے کے جانے کی

تشریح:- شعر ہذا اپنی جگہ نہایت سادہ ہے اور تخریج طلب نہیں ہے۔ یہاں صرف محبوب کی برائی قابل ذکر ہے کہ
اُسے خط کے نام پر کاغذ کو جانے کی گویا حکم کھا گئی ہے اسد وجہ مجھ سے بیزار ہے کہ وہ کسی رکاوٹ بنی نہیں جو مٹا جائے
صرف اس خیال سے کہ کہیں یہ اس کا نہ ہو جس سے مجھے بیزار ہے۔ یا لہذا کس طرح نہیں میں اپنے دل کا تھکے جانے پر
داخل کروں۔



ایک چار زبان میں فعلہ آتش کا آسمان ہے
دلے مشکل ہے سخت دل میں سو غم جہاں کی

پر غماں = باریک دشمنیں کپڑا۔ آتش = آگ۔ قلعہ = پٹھاری۔ سو رزم = دلی جلیں۔
 تشریح: فرماتے ہیں کہ باریک دشمنیں کپڑے میں اٹھارے کو بچھا پاتا آسمان ہے ایسا تو ممکن ہے لیکن یہ ہرگز ممکن
 نہیں ہو سکتا کہ دل میں پیچھے ہوئے غم کو بچھا لیا جاوے یہ لازمی غنائش ہو کر رہتا ہے یہاں کوئی شکستہ نہیں ہلتی۔



انہیں منظور اپنے دشمنوں کا دیکھ آتا تھا
 اے تھے ہر گل کو دیکھنا خوشی بھانے کی

تشریح: کہنے میں آیا ہے کہ ادب و اہم کے معانی کا یہ طیرہ وہ ہے کہ محبوب کی گزراہ پر صرف دیوار کے طیلال سے تکرر
 لگاتے رہتے ہیں اور اس طرح آنکھ پر نظر کے کار و معلوم نہیں کئے جاتے ہیں۔ وہ تو آقا حسین ہے کہ جہاں سکو ایک نظر دیکھ
 لیتا ہے ناشق ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں معلوم نہیں کئے آنکھ پر نظر کے دشمنی ہیں۔ اس سیر جہاں کو آنا محض اپنے عشاق
 کو دیکھنے کا ایک حسین بہانہ ہے۔



ہادی سادگی تھی انصاف تار پر مرزا
 ترا آتا نہ تھا ظالم مگر تہیہ جانے کی

انصاف = کرہنمائی، حجاب ہونا۔ تہیہ = شرذمات۔

تشریح: یہ ایک حسین انصاف ہے کرتے ہادی مہارت کے لئے آگیا اور محبت کے ساتھ جاز و اعزاز سے آکر مولا اور ہادی
 حراج پر ہی کی جس پر ہم مرے جا رہے ہیں اور اپنی جگہ خوش ہیں کہ تجھے ام سے یقیناً محبت ہے ورنہ کیوں آتا۔ مگر واقعہ
 اس کے خلاف ہے اصلیت یہ ہے کہ ہم چونکہ ستر مرگ پر ہیں اور محبت باب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے اس لئے رسوا اوروں کی
 طرح تو بھی آگیا حیرا یہ آتا اس حالت میں کچھا آئیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے ہدائی کا اشارہ ہے۔ چونکہ تو نے بکھ لیا ہے
 کہ اب اس کا باہر ہونا ممکن ہے چلو جیسا بھی تھا۔ آخری ملاقات کر لیں آسمان ہر گھنٹی کے لئے ہدائی کے امکان روشن
 ہیں۔ اور یہ آہامیشہ کے لئے ہدائی کی تہیہ ہے شرذمات ہے۔



لکھ کو بہ حوادث کا قفل کر نہیں سکتی
 مری ملاقات کہ فغانی تھی جہوں کے ہزار افغانی کی

لکھ = چمک = چھپ۔ کوہ = چمٹ۔ حوادث = جھج مارنے کی۔ جھل = برداشت۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ سرے ذم بہت بُرائے ہیں اور اب اُن میں چھپ چمٹ ہی ہے اس لئے اب میرا ذم حوادث کی ضرب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یعنی قحطی خود سے کھڑی ہو کر آ رہی ہو چکا ہوں۔ ورنہ میں تو سر و میدان رہا ہوں اور عالم شباب میں محسوس کی تازہ برداری میرا شیعہ رہا ہے۔



کہوں کیا خوبی اوضاع اعلیٰ کے زماں غائب

ہلکی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بار بار تکی

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اے غائب زمانے کے وضع داروں کی کیا خوبی یاں کروں مجھے تو جو بھی وضع دار رکھتا ہو سدا آوی ۱۳۰ ہر چند کہ ہم نے اُسکے ساتھ ہمیشہ نیکی کا برتاؤ کیا مگر اُس نے بدلا برائی سے ہی دیا۔

غزل (۱۲۰)

کیا تک ہم حتم زماں کا مکاں ہے	جس میں کہ ایک بیڑہ سرور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذاتی سے	یہ تم سے آفتاب کے ذرہ میں جاں ہے
حادثہ ہے یہ سبھی خدا سے الگ رنگ	غافل کو میرے خوشے پہ سے کا گمان ہے
کی اس نے گرم بیڑہ اہل ہوس میں جا	آدے نہ کیوں پہنہ کر غضب مکان ہے
کیا غیب تم نے طیر کو ہوس نہیں دیا	لیس پچ رہو اگلے بھی مد میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ ساتھ دیوار دیوار میں	قراں روئے کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی تم نے بنا دیا	کس سے کہیں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے ہمارے اسی و مفاداری اس قدر

غائب ہم اس میں خوش ہیں کہ تا مہربان ہے



کیا تک ہم خم زدگاں کا مکان ہے

جس میں کہ ایک بیڑہ سور آسمان ہے

ہم خم زدگاں = ظلم کے کارواں۔ بیڑہ سور = چوٹی کا اظہار۔

تشریح:- ابتدائی مزمع وصل اور دست دس اور پانچ کے لئے شاعر اپنی زمین کو جس پر اس کو ظیفہ بنا کر بیٹھا گیا ہے جنگ اور چھوڑ دینا کہتا ہے اور اس کی پرہیزگار وصل اس قدر بلند ہے کہ آسمان بھی اس کے سامنے چوٹی کے اظہار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اس کو زمین سے بڑی اور بہت بڑی کوئی جگہ ملتی پائے تھی جس میں پانی حقیقی و حقیقین کے جوہر دکھانا سمجھو اور کی سائنس کی ترقی نے شعر و ادب پر غور و فکر کیا ہے ہم زدہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اس کی ضرورت سے بہت کم جگہ دینے کے لئے دی گئی جہاں اس کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے۔ معاذ اللہ۔

ایک دوسرا مضمون جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جس قدر دنیا کا دایما گزرے ہیں وہ سب دنیا کے ظلم و ستم کا کارہ ہے جس واسطے شاعر خود کو غصہ ایک صانع انسان کے ستم زدہ کہتا ہے۔ ان ستم زدگان کو باری تعالیٰ نے جو مکان ابدی انعام فرمایا ہے ہم ازراہ انکساری یا بطور طرح کہا گیا ہے۔ مگر وہ اختیار ہے جس کو خود افراد میں کچھ ہیں اس رشتہ کے مقابلے میں ہم وہاں سے اگر دیکھیں تو یہ وسیع و عریض آسمان بھی ہم جتنیوں کی نگاہ میں ایک چوٹی کے اظہار ہے جیسا چھوٹا مضمون ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔



ہے کائنات کو حرکت ترے ذوق سے

ہر قے سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ اس تمام کائنات کو جانے، سننے اور جاننے میں حیرت افروز ذوق اور لہجہ کا کارہ ہے بطور مکمل کہتے ہیں کہ ذرہ میں جتنا بانی اور چمک ہے دوسرے کی جانب تو اس کی بدولت ہے۔



مآثر کہ ہے یہ سبلی خارا سے لالہ رنگ

نائل کو میرے شیشے پہ سے کمان ہے

سبلی خارا = خاندان کلوی۔ لالہ رنگ = سرخ لہریل۔

تشریح:- یہاں شیشے سے مراد اس فرنگی لگا ہے ہم سے مراد ہے چونکہ حضرت سرخ سفید اور ایک خواہش و تم

رکھے تھے۔ تاراج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سرفریضے نوشی کے باعث ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے، اصلیت یہ ہے کہ یہ سرفریضے اڑانے کی خاطر اڑ گھڑی کی مستقل ضرورتیں کھانے کے باعث ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے اس قدر مصیبتیں اہل دنیا کے اقصاء الہائی ہیں کہ شرم مستطاع ہو گیا ہے۔



کی اس نے گرم چیز اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ طعنا مکان ہے

تشریح:- گنا ہے کہ شاعر کا محبوب کسی غیر کے حوالے چڑ گیا ہے اور اس سے محبت کی نیکیں بڑھ چکا ہے کیونکہ کابلوس کی محبت چند ساعت رہا کرتی ہے، مطلب برادری کے بعد سب گری کا فرو ہو جاتی ہے اسلئے اس کو طعنا مکان کہا ہے اور خود کا عاشق صادق سمجھتے ہیں اور عاشق صادق میں وفا کی گری ہوتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی اس لئے اپنے کو گرم اور سرد کو بولا ہوس اور طعنا مکان سے تعبیر دی ہے اس لئے لطیف ٹھکرایا گیا ہے کہ وہ کیوں پسند نہ ہو طعنا مکان ہے۔ اور طعنا سے مکان کو عام طور سے پسند کیا ہی جاتا ہے۔



کیا طوب تم نے غیر کو بوسہ ٹھیک دیا
بس بپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

تشریح:- مطالبہ عادت روزمرہ کی زبان میں شعر کہا گیا ہے۔ رنگ بقول کچھ ضرورت سے زیادہ ہے اگر قش کلائی کیا جاسے تو بچا نہ ہو گا مگر اُنکے دور میں یہ مذاق جا خور ہا ہے آج اور سے دور میں نہایت درجہ محبوب اور طالب لب ہے شعر لطیف و مہم بہت سادہ ہے مزہ کی تشریح کا محتاج نہیں۔



بیضا ہے جو کہ سائیہ دیوار پار میں
فرماں دوائے کشور اندر احسان ہے

فرمانروا بادشاہ سربراہ اور شاہ فقیر سے ہے۔ کشور = ملک

تشریح:- معلوم نہیں کن حالات کے تحت یہ شعر کہا گیا ہے، جبکہ یہاں شاہ فقیر کی شخصیت لطیف و دین داری ایک بزرگ صوفی سے کسی طرح کم نہیں رہی۔ یہ شعر اگر جہانگیر کے لئے کہا گیا تو شاید ایک حد تک قابلِ یقین بھی ہو سکتا تھا لیکن اس

ہذا کے دور میں تو شاہ القریٰ دکن و ہندوستان کے فرمان روا تھے اس لئے کسی دوسرے کی طرف گمان جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ شاہ ایک استدارہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ عقل عاشق کا معاملہ ہی ایسا ہے کہ یہ اس شاہ گدا سب برابر ہیں اور ایک بادشاہ بھی کسی کی محبت کا فکار ہو سکتا ہے اور وہ اس کی دیکھ کر سایہ میں اُن کا منتظر ہو تو درست ہے لیکن شعر کے الفاظ اور انداز بیان سے یہ قطعی ثابت نہیں ہے۔ گمان یہ ہے کہ شعر نڈا شاہ کی گرفتاری کے بعد کہا گیا ہو اور یہ اس وقت کا منظر ہو جب انگریز کے سپاہیوں نے پانڈنہر کی دیکھ کر سایہ میں حاضر فی طور سے بیٹھا رکھا ہو۔ واضح ظلم



ہستی کا اعتبار بھی غم نے بٹا دیا
کس سے کہوں کہ دماغ بھر کا نشان ہے

تشریح: فرماتے ہیں کہ غم و اklam کی فراوانی نے میرے وجود ہی کو مٹا کر دکھ دیا ہے اب جو کچھ ہے جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ صرف ہستی نہیں ہستی کا نشان ہے اور میں یہ کس طرح سمجھاؤں کہ یہ نشان عقل کی بھرپور فاضل معوجوں کی بدولت ہے۔



ہے بارے امار و قادری اس قدر
غائب ہم اس میں غرض ہیں کہ نامہ زبان ہے

امار = مہر و بار = بوج۔ و قادری = غلوں محبت۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اے غائب ہم اپنے پاس استدار غلوں و و قادری قابل مہر و رکھتے ہیں کہ اگرچہ محبوب ہمیں مان ہے اور امدادی طرف کوئی تو نہیں رکھتا تاہم اس پر بھی خوش ہیں اور اس کی طرف کوئی گمان نہیں رکھتے۔

غزل (۱۲۱)

کہتے تو وہ غم سب کہ نیت عالیہ مآئے
یہ مرتبہ گھرا گئے کہ کوئی کہ وہ آئے
ہاں کھینچ نزع میں ہیں جذب محبت
کہ کہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاف جھٹلے و سیلاب کا عالم
آتا ہی کچھ میں مری آتا نہیں گو آئے
ظاہر ہے کہ گھرا گئے نہ بھاگیں گے گمیرن
ہاں نہ سے اگر بادہ دھند کی آئے

ملا دے دارتے ہیں نہ ملاحظہ سے بھڑکتے ہم بکے ہوئے ہیں اسے جس بھیں میں جڑ آئے
 ہاں ہلی طلب کوئی نئے تھوڑے تا یافت دیکھا کہ وہ مٹا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
 اپنا نہیں وہ شہرہ کہ آرام سے بیٹھیں اس وہ نہیں ہار تو کبھی ہی کو ہو آئے
 کی ہم غصوں نے اثر کر یہ میں تقرر اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو رو آئے
 اس انجمن ہر کی کیا بات ہے عاقب
 ہم بھی مجھے وہاں اور تری نظیر کو رو آئے



کہتے تو ہو ہم سب کہ نبی علیہ السلام آئے
 یک مرتبہ گھرا گئے کہ کوئی کہہ آئے

تالیف: خوشبوئے مشک و فیروزہ۔ اردو۔ جنگل

تشریح:- اس وقت تو ہم سب یہ خواہش رکھتے ہو کہ کسی طرح وہ نامور و مسر مسر دلفنوں والا آجائے اور ہم ان کے دیدار
 سے لطف اندوز ہوں۔ مگر کوئی تو ہم میں ایسا نکھڑا ہو جو اس خیال سے گھبرا کر ان کے دیدار کی تمنا نہ کرے کہ ہم ان کے دیدار کی
 تاب نہ لائے۔ لیکن ہمیں ان کی طرح ہم بھی مراد و لہو چاہی۔



ہوں کشکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت
 کچھ کہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں تو موت و حیات کی کشکش میں مبتلا ہوں اور بولنے یا جناب دینے سے بھی قاصر
 ہوں۔ اے جذبِ محبت اس عالم میں وہ مزاج ہستی کے لئے آئے ہیں کچھ تو ہی نہ دکر کہ میں اکیلی تشریف آوری کا
 شکر یا داد کر سکوں۔



ہے صافِ خط و سیما کا عالم
 آنا ہی کچھ میں مری آتا نہیں گوا آئے

صاف: کلی۔ خط: جگہ۔ سیما: پارہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اس طرح آتما بھی بکھا ہے مری تو اس طرح آنے کا مطلب کہ جس میں نہیں آتا کہ بجلی اور شعلے کی لپک اور پارہ کی مانند ہے جتنی سے آئے اور چلے گئے۔ کہہ کہنے نئے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مری ہے جتنی میں حریہ اضافہ کر کے چلے گئے۔



ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے غیرین

ہاں نہ سے اگر ہارو دودھینہ کی نہ آئے

گھیرین = دھڑکتے ہوئے مری اگر سوال جواب کرتے ہیں۔ ہارو دودھینہ = شراب و دھند

تشریح :- کہتے ہیں کہ یہ دشمن نہیں کہ عکس گھیر مری بھیا تک کل دیکھنے کے بعد ذکر بھاگ جائیں ہاں یہ بات مسلم ہے کہ اگر میرے نہ سے شراب و دھند کی چیز بدبو اٹھیں محسوس ہوتی تو یقیناً بھاگ جائیں گے۔



جوار سے ڈرتے ہیں نہ واسطے سے بھڑکتے

م کہے ہوئے ہیں اسے جس بھیں میں جاتے

تشریح :- ہم نہ جاب ہمارے سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں نہ کسی جوار سے غور و زور ہیں کہ وہ ہمیں آگ کر دیا ہم ان کو

جاتے ہیں غور و زور کسی بھی شکل میں آدمی ہم جو کہہ کر ہے جس خوب سوچا کہ کر رہے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو

اور مخالف ہے۔



ہاں اہل طلب کن نئے طعنہ : پانت

دیکھا کہ وہ ملا نہیں اپنے ہی کو کو آئے

اہل طلب = نھاوش۔ پانت = ہا کا سوال جو ہاتھ نہیں آیا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اہل طلب ہم نمن لوٹا ہے جنہیں اس سے بہت سبق ملے کہ ہم تو اس خیال سے کہ لوگوں سے

اپنی بات مری اور ان کی کے لئے کن نئے کہ انکی حاش میں سرگراں اور پریشان ہمارے جب اس کو نہ پائے تو خود کو کو کر

آگئے اور اب جس پانت و پانہ دیکھتے ہمارے ہیں اس حالت میں کوئی کیا ہمیں صحت دیا اور کیا ہم سے کہہ پائیں گے۔



اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے نہیں
اس دہ پہ نہیں ہار تو کبھی کی ہو آئے

شیوہ = طرح۔ ہار = ہتھی

تفسیر:۔ کہتے ہیں کہ ہمارے شیوہ نہیں کہ آرام سے بیٹھ بیٹھ رہیں ہمیں تو ہر حال ہکونہ کچھ کرنا اگر محبوب کے وہ ہار پائی نہیں ہو مطلق تو کبھی کی ذہانت کا ارادہ کر لیا اور جیت لیا مگر حق کرتے۔ یہاں دیکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ شاعری نظر میں جیت لیا مگر انوی وہ دھڑکنا ہے محبوب کے مقابلے میں۔ شاید یہ بات جانچ کے لئے بطور طور کی گئی ہو کہ یہ لوگ جب عشق پرستی سے لڑاغت پاتے ہیں اور کسی قابل نہیں رہتے تو جیت کرنے چلے جاتے ہیں اور یہ بات بڑی تک رس ہے۔



کی ہم غصوں نے اڑ رہیہ میں تھری
اٹھے رہے آپ اس سے مگر کچھ کوڑا آئے

تفسیر:۔ فرماتے ہیں کہ ساتھیوں کی حرکت قابل ملاحظہ ہے کہ غصوں نے میری گریہ و زاری کی داستان مٹھ گئی کہ کسی کی برائی کے ساتھ نہائی اور میرے محبوب کو کچھ سے دشمن کر دیا خود اپنے من کے اور مجھے زور کر دکھا یا اور کہیں کا نہیں چھوڑا اب شاید مجھے زندگی بھر فرات پار میں رہنا پڑے۔



اس دلہن باز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی مجھے داں اور تری تھری کو رو آئے

تفسیر:۔ فرماتے ہیں کہ اسے غالب محبوب کی بڑے تکلیف محفل کی کیا بات ہے مگر وہ بزم بھلے ہی ہاک میں ترین بزم ہو لیکن وہاں کوئی کسی کو پہنچے وہاں نہیں کسی کی کوئی قیمت نہیں ہم بھی وہاں مجھے تھے مگر کوئی بڑے شش اور چڑائی نہیں ہوئی تیری تھری کو رو کر چلے آئے۔



غزل (۱۲۲)

ہر کچھ اک دل کو ختمواری ہے سید جویاے زلم کاری ہے
 ہر جگر کھولنے کا دامن آئید فصلِ کارِ کاری ہے
 قلیق مقصد نیاز ہر وہی پردہ کاری ہے
 چشمِ دلال جنسِ رسوائی دل خریدارِ ذوقِ خوارِ کاری ہے
 وہ ہی صد رنگِ کارِ فرسائی وہ ہی صد گونہِ انقلابی ہے
 دل بھلے تمام تاز سے ہر عشرِ ستارن ہے قمری ہے
 جلوہ ہر عرضِ تاز کرتا ہے روزِ بازارِ جاں نپاری ہے
 ہر اسی ہے وفا پہ مرتے ہیں ہر وہی زندگی کاری ہے
 ہر کھلا ہے درِ صاف تاز گرم بازارِ فوجداری ہے
 ہو رہا ہے جہاں میں اندیر زلف کی ہر سرشتِ کاری ہے
 ہر دیا پارہ جگر نے سوال ایک فریادِ دہاہِ کاری ہے
 ہر ہونے ہیں گواہِ عشقِ طالب ایک پاری کا عجمِ جاری ہے
 دل درگاہان کا جو مقدر تھا آج ہر اس کی روپکاری ہے
 ہے غوری ہے سب نہیں جانب
 کچھ تو ہے جسکی پردہ کاری ہے



ہر کچھ اک دل کو ختمواری ہے
 سید جویاے زلم کاری ہے

نہ پایا = نکلائی۔ زلم کاری = مہلک دلم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دل ہر دستارِ ہر دہاہ کسی کاری اور مہلک دلم کا نکلائی ہے۔ دیکھو پاری کی خواہش ہے
 لیکن کئے ہوئے۔



۴ بحر کھولنے کا ہاتھ

آبد فصلی لار کاری ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ موسم بہار کی آمد آدھ ہے اسی لئے دیوانگی کی شروعات ہو گئی ہے چنانچہ میراثیں دیوانگی دل دیکھ کر
کھولنے اور کھولنے لگا ہے۔



نہد مقبوضہ لگاؤ ہند

۴ دھڑا ہند غماری ہے

لگاؤ نیاز = محسن کے آگے سر تسلیم کر دینے والی لگاؤ۔ غماری = وہ ہندو جو ہاتھی یا اونٹ کی سواری پر ہوتا ہے۔

تشریح:- کہتے ہیں غماری لگاؤ تسلیم و نیاز کے مطلب و مقصد کا مرکز بحر محبوب کی سواری کا پردہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نظر
کسی عمل کی محتلائی ہے کہ کسی طرح محبوب کا رعبا ہو جائے۔



ہم دال جنس زسائی

دل فریاد فوج غماری ہے

ہم دال = اشارہ کرنے والی آنگھ و لڑنے والی آنگھ۔ غماری = زلت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اشارہ دیکھنا کہنے والی آنگھ بنام کرنے والی چیز ہے کہ وہ طرفین کو شہوت دہانی کی طرف مائل
کرتی ہے اور اندر دل ہے کہ اسکا فریاد رہا ہے یعنی اسکا سحاشی ہے اور ذلت و غماری کا خواہش مند ہے اور پوری پوری
دل چاہی رکھتا ہے۔



۱۱ ہی صدک ہار فرسائی

۱۱ ہی صدک اٹھاری ہے

صدک = سطر سے پہرہ نوح۔ ہار فرسائی = فریاد و زاری۔ صدکوت = سطر۔

اٹھاری = آٹھویں

تشریح:- کہتے ہیں کہ بھاری سنگوں کی تعداد سے روزانہ چٹا کر دیا دھاری کرنا اور انکب بھانا معمول بن گیا ہے نہیں
 معلوم کہ اندر کیا مشہور ہے لفظ خیر کرے۔



دل ہواے خرام تار سے ہر

مغز ستار ہے قرامی ہے

ہوا۔ جرم۔ خرام تار۔ ستارہ چال۔ مغز ستار۔ قیامت تجری۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اندر سے دل نے خرامی کے عالم میں عالم ذاری سے قیامت برپا کر دی ہے اور دل بے غمرا
 اس خرام تار (محبوب) کے دھار کے لئے جرم بھانا کا کاروبار چاہتا ہے۔



ہوا ہر رخی تار کرتا ہے

روز بازار ہاں نہاری ہے

بازار۔ جائے خرید و فروخت۔ تجر و نرم۔ جاں نہاری۔ جاں بھر دکرنا۔ جلوہ۔ لٹک کرنا۔ خرام مشوق
 تشریح:- کہتے ہیں کہ دل کا اب عالم ہے کہ روزانہ محبوب پر جاں بھر کر کے لئے سرگرم رہتا ہے اور ہات
 خوشامناسی انداز میں جلوہ بازی کی درخواست کرتا رہتا ہے۔



ہر اسی ہے وفا پہ مرتے ہیں

ہر دی زندگی بھاری ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ جانے ہوئے کہ وہ وفا ہے مگر اسی بھاری جان دینے کو چاہیں اور زندگی جو پہلے دھوک
 میں دھو رہی تھی ہے بھاری اور میں حاصل ہوئی بھاری ہے۔

ہر گھسا ہے دروہاج تار

گرم بازار فوجاری ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کا دروہاج تار ہر گھسل گیا اور جلوہ بازی ہوا ہے دیکھئے کس کے حق میں کیا فیصلہ ہو لے
 والا ہے گویا فوجاری خدمات کا بازار گرم ہے ہر شخص اپنی جگہ پہنچا ہے اور اپنے حق میں فیصلے کا منتظر ہے۔



ہو رہا ہے جہاں میں احمق

ذلف کی پھر سرشت داری ہے

پریشانی داری = دعا گندی، بندھا کھلا

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کی ذلالت یہاں تک کہ جہاں میں اندھیرا چھا گیا ہے آج وہ پھر خود آرائی میں مصروف و مشغول ہوئے ہیں وہ دیکھنے چاہئے والوں پر کیا کیا ست گذرتی ہے۔



پھر دیا پارہ بکھر نے سہل

ایک فریاد دہاؤ داری ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ پھر اس بکھر کے ٹکڑے (محبوب) نے اپنے چاہنے والوں کے سامنے کوئی سوال رکھ دیا جو اس قدر عین ہے کہ اس کا حل کوئی نہیں کر پا رہا۔ یہی معنی عشاق فریاد و غماز اور گریہ و زاری میں ملتا ہے۔



پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب

الٹک باری کا حکم جاری ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ سہل عشق میں جو لوگ گواہ تھے وہ خود بھی محبوب کے مددگار بن گئے اب چاہئے کہ وہ داری اور اٹھ باری کے کیا چارہ کار دے گیا ہے۔ گویا ہمارے لئے حالات محسن سے پیش کے لئے اٹھ باری کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ عروہی اللہ را ستور ہو گی ہے۔



دل دھڑکان کا جو مقدمہ تھا

آج پھر اس کی رو بکاری ہے

دھڑکان = چوک = رو بکاری = کام کی طرف رجحان کرنا۔

تشریح:- ہمارے اور محبوب کے درمیان محبت کی دھڑکات کا جو مقدمہ تھا وہ محبت محسن آج پھر ان کی طرف رجحان فرما رہی ہے محسن سہل کی حالت میں خوش ہے اور ہم فیصلہ نئے کے لئے مضطرب ہیں یہ آنکھ اور دل کی لڑائی ہے حریف و غلبہ

اس کا اثر ہے (یعنی کوئلہ ۷۷۷ کے تحت سزا کا قوی امکان ہے) وہ لوگوں کا طاعت کا انتظام کر ضروری ہے۔
حضرت غائبؑ کو ایک بار کے سزا یافتہ ہیں برداشت کر لیں گے مگر محبوب کے لئے سخت رسوائی کا سامنا ہوگا اگر مقدمہ
درجہ حسن کے علاوہ کسی دیگر عدالت میں پیش ہوا۔

حضرت غائبؑ خود چونکہ نہایت خوش حال ہیں میری اس محفل سے ہرگز داخل نہ ہو سکتے دیگر حضرات سے اس
تفریح اور تہنیت کے لئے معافی کا عتاب ہوں۔



بے غولی ہے جب نہیں غائب

بکہ تو ہے جسکی ہوا داری ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں غائب گھبراہٹ سے بے ہوشی اور بیخودی ہے معنی نہیں ہو سکتی ضرور کوئی راز ہے جس کو
نہجوانے کے لئے یہ خاموشی اختیار کی تھی ہے۔ ہرناپ خاموش رہے ہاے کہاں ہیں۔

اصلیت یہ ہے کہ اگر آدمی خاموش یا بیخودی اختیار نہ کرے اور زبان کھل دیکھے تو یہ بہت ممکن ہے کہ راز کی
بات بلا ارادہ منہ سے نکل جاوے اور بعد میں سخت آغوشی پڑے برخلاف اسکے بیخودی اور خاموشی اختیار کر لینے میں یہ
اندیشہ ہی نہیں رہتا کوئی لاکھ بکت کرے آپ خاموش رہے مقابل جبکہ مار کر بیٹھ جائیگا۔ اسلئے حضرت نے بیخودی ہے
دیکھیں اختیار کی (یعنی کوئی خاص راز ہے خاص بات ہے جس کو نہجوانا منظور ہے۔

غزل (۱۳۳)

جو نہ نقد دارغ دل کی کرے شط پاسبانی تو سرور کی کہاں ہے چہ کہیں ہے زبانی
مجھے اس سے کیا تو قیچہ چہ زبانی کہی کو کی میں جس لے نہ سنی مری کہانی
ہوں ہی دکھ کسی کو دنیا نہیں خوب رونے کہتا کہ مرے حد کو یا وہب طے میری زندگانی



جو نہ نقد دارغ دل کی کرے شط پاسبانی

تو سرور کی کہاں ہے چہ کہیں ہے زبانی

نقد = آمارہ کا پانچواں ہر درگاہ پر نیم و زور مجاز اسمعیل دل بذات نفی اللال۔

کھین = چمپا ہوتا، پاسہائی، گھمبائی۔ فسر دگی = ماری خضہ سے مرعھا۔

تشریح:۔ یہاں شعل سے مصائب و آلام کی وحدت مراد ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر کارا دل کی جو مصافق کے دل میں ہو جایا کرتا ہے ہم وہ آلام کی چنگاری اگلی گھمبائی مگر یہاں لفظ و نگہ داس شاد سے اس نچے ہونے زلم دل کے لئے بڑی ماری کن بات ہے مگر اس بات کو زلم دل چنگر خود چمپا ہوا ۱۱۱ ہے ہاں ہے وہاں نہیں کر سکا۔

ایک مفہوم شعر ہذا کا یہ بھی ہے جہز ہوا قری مثل ہے۔ کہتے ہیں کہ کارا دل جو مصافق کی دولت ہے اگر شعل اگلی گھمبائی نہ کرے یعنی ہم وہ آلام کی وحدت اگلی پاسہائی مگر یہاں سمجھ لو کہ دل کے دماغ میں کہیں خضک بھیجی جلی ہے جسے اس دماغ کو نمر جھاویا ہے اور وہ خضک کہیں (دشمن) کی طرح لٹھی ہوئی اس دولت کا سرقہ کر رہی ہے۔ اور وہ خضک ہوس کی ہے جو مصطفیٰ صادق کو ہوس کاری میں بدل دیتی ہے۔



مجھے اس سے کیا توقع ہے زمانہ جہول

بھی کوہ کی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

توقع = فہم۔ کوہ کی = بے مثل کا زمانہ، بچھڑا و شیر خوار کا زمانہ۔

تشریح:۔ شعر ہذا شاعر کی بدعتی و عیاشی اور نا پاک ذہنیت کا نمونہ ہے۔ اس سے ایسا ہوا انسانیت سوز بات نہ اس سے پہلے بھی کہی گئی نہ بعد میں آج تک کسی نے کہی۔ تو یہ تو یہ مہاٹھ ہاتھ ذرا تصور کریں کہ جس بچی کو ہم نے گوہ میں کھلا یا اور بار بار بچا کر کے اپنے دونوں اقصوں سے تنہا ہوتے چہانہ شفقت کے ساتھ اٹھائیں اچھلا اور دل بیٹا یا ہو اس بچی کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کے لئے سوچا بھی جائے۔ اقدام کو ہم ہی قابل کردار زونی ہے چہ جائے کہ ادب کتاب جرم تک پہنچا جائے اور یہ خیال ایک مومن کا ہو سکتے ہیں وہ نام نہاد مسلم ہو یہ تو کسی بھی آدمی کے لئے طواغوت و کفری ہی شیخ اور جہول قوم سے قتل رکنا ہو قتل کا یہاں ہے اور خصوصاً مسلم قوم کیلئے جہاد انسانیت کی مدنی ہوز سوا کچھ اور قابل لعنت فعل ہے ہا پر بدھ و شاعر کو ملامت کی جاوے کم ہے۔ ادب میں اس متحول مضمون کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ کوہ کی کا خیال ہے کہ اس قسم کے مضامین بیان کرنے سے شاعر کا مقصد معاشرے (سماج) کی عکاسی کرتا ہے۔ تو میرے خیال میں اسکا انداز بیان بکھرا اور ہوتا جانے تھا۔ خاکم بدامن۔



جوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب درد کجا

کہ مرے بعد کو تا ادب لئے مٹھریا نہ نکالی

تشریح :- خواب کو دیکھا کسی اچھے منزل کے کسی کو دکھایا جاتا ہے اور سچے دکھ کو (دشمن) کو دکھایا جاتا ہے کہ یارب
 العالمین اسکو میری ہی زندگی دے دے جیسا میں جیتے ہی دکھائے خواب ہوں اسے گی اس خواب کا جزو بنکر رہے جو کچھ پر
 طر کرنا اور غافل اٹا رہا ہے۔

غزل (۱۲۳)

جنوں جست کھل تھکیں نہ ہو گر شادمانی کی شک پاش خواہش دل ہے لالت دنگانی کی
 کشائش ہائے ہستی سے کرے کیا سچی آزادی ہوئی دلچھڑ سوج آب کو فرست روانی کی
 پس از مردن بھی وہاں نہ چہرت گاؤں مٹلاں ہے شراب رنگ نے تربت پہ میری گل فٹانی کی



جنوں جست کھل تھکیں نہ ہو گر شادمانی کی

شک پاش خواہش دل ہے لالت دنگانی کی

جست کش = اڑا ہوا ہے۔ تھکیں = تھکی۔ شادمانی = خوشی۔ شک پاش = شک بھڑکا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر تم نے کسی بھی سوج پر خوشی کا اظہار کیا تو کہیں ایمان نہ ہو کہ تمہارے خون کا مٹی تو تھکی رہی
 کا اڑا ہوا ہے جو عاشق کی توہین ہے۔ کیونکہ عاشق ہر وقت عشق ذریعہ کا صداق ہوتا ہے کہ اس کو کسی گل بچن نہیں
 ہوتی۔ برعکس اس کے زخم ہائے دل پر شک پاشی ہی عاشق کی زندگی کا گچ لٹک ہے۔



کشائش ہائے ہستی سے کرے کیا سچی آزادی

ہوئی دلچھڑ سوج آب کو فرست روانی کی

کشائش = کشا ہوا۔ ہستی = زندگی۔ سچی = سچی۔ سوج آب = پانی کا در

تشریح :- سچا دکھ کتنا عجیب و غریب مضمون پیش کیا ہے اس پر شاعر کو خوش قدمدار حسین سے نوازا جائے کم ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی بھی کس قدر پریشانیاں مصائب و آلام کی کشائش ہے جو سسٹکا ایک ذہن بھری
 حیثیت رکھتی ہے اور کوئی انسان اس سے بری نہیں مگر اس سے آزاری کی کوشش کرے گا سچی لا حاصل تو ہے ہی بدتر ہی کہہ سکتے
 ہے کیونکہ ہادی شمالی نے جہاں انسان کو اس میں جھکا دیا ہے وہاں اس کو بدداشت کرنے کی چوری مصلحت بھی مقرر

فرما ہے اس کے علاوہ یہ مصائب و آلام کی زنجیر اس جسم کی زنجیر ہے جو اس کی تک دو میں مانع احرام نہیں بلکہ سوچ آپ کی یہ روانی مٹا کر مائی ہے ساتھ ہی فرست اہلست بھی سوچ آپ کی روانی کی مانند جو نہ بہت کم ہے نہ بہت زیادہ۔ ایک دوسرا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی کٹاکش رنج و راحت تا حیات چلتے رہتے ہیں اسکا سلسلہ کبھی ٹوٹا نہیں جس طرح سوچ آپ کی روانی جب تک دو رہا ہے تاکہ نہ ہوتی ہے۔



پس از مردن بھی روح نہ زیارت گاہ و مطلقاں ہے

شرار سنگ نے تربت پہ مہری گل فغانی کی

پس مردن = مرنے کے بعد۔ مروت = قبر۔ گھنٹھانی = گھباری۔ زیارت گاہ = احرام اذیکھنے کی جگہ۔

شرار = چنکاری۔ مروت = قبر۔ مطلقاں = حق

تشریح: کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی مجدد جانے کی تربت پھول کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے کہ وہ آ رہے ہیں اور اس قدر دھڑک رہا ہے کہ چنگاریاں بھڑکیں ہیں اور چنگاریاں پھولوں کی شکل میں برسی کر میری عزت افزائی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

غزل (۱۲۵)

کونہل ہے سزا فریادی بیدار دلیر کی
مہا ہا شہداء دغاں نما ہو صبح محشر کی
رگ لیلیٰ کو خاک دھبے ہموں دھنکی بھنے
اگر بودے بہائے دانہ دغاں کوک شکر کی
بہ پہاڑ شایہ ہادیان کشمی سے جا
ہوئی بھل کی گرمی سے روانی دور ساغر کی
کوں ہے دل و ذاتی نہ فغانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت از مکی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی

کہیں تک دغاں اس کے ٹیر کے پیچھے قیامت ہے

میری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیار ہجر کی



کونہل ہے سزا فریادی بیدار دلیر کی

مہا ہا شہداء دغاں نما ہو صبح محشر کی

گھول = سرخس سلامت - فریادی = ہمارے لئے نکال دیا - ظلم = بھاری - دلیر = مشوق -
 تھکوا = کہیں ایسا نہیں - شکر و تحسین کا = من چاہتا ہوں - محشر = قیامت -

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کل دنیا کی سلامت و سیکھواری اس مہاشق کی سزا ہے جو محبوب کے غم و غم پر فریاد و زاری
 کرتا ہے اور یہ سزا اس کو شاید اس دنیا میں اس لئے مل رہی ہے کہ کہیں یا کچھ روز قیامت کے روز وہ کھڑا ہو جائے اور وہاں
 کا سامان ہو اور یہ بہت نعمت ہے۔



رنگ لیلیٰ کو خاک و شہ جنوں رہ چکی تھی
 اگر یوں بھائے دانہ وہاں توک شتر کی

دشت = جنگل - رہ چکی = حرامت - وہاں = کھوار (کسان) کا شکار -

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کا شکار اس جنگل میں جہاں جنوں رہ چکی تھی کے عشق میں دیوانہ دار آ رہا ہو تو وہ کھوٹا تھا یا بڑا تھا
 شتر کی توک بھائے کسی دیگر دانہ کے یوں تو تمام جنگل میں شتر کی کھڑی تھی اور یہاں جہاں جنوں رہ چکی تھی اس جنگل کی خاک
 بھی لیلیٰ کی رنگ پاؤں کی کر دے تاکہ اسے بھی مطلب فراغت ملے۔



پر ہوانہ شاید بادبان کشتی سے تھا
 ہوئی بھل کی گری سے رہائی دور سار کی

بادبان = کشتی کا ہر وہ حصہ ہے اور بادبان لپٹا ہے اور کشتی کو باجھار ہوا کے ذریعہ پر تیزی سے اڑا دیتا ہے۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ کشتی سے کا بادبان ہوانے کے پر کی طرح نہایت کھوار تھا کہ جب کشتی کی گری نے بادبان کی
 تو سارے شراب میں رہائی آئی اور وہ شراب پلا بھل کی گری کا بادبان تو بہت کھوار ہے جو خود بھل کی گری سے چٹا ہے اور نہ
 کھل رہا رہتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت کو بادبان کا کھوار ہوا کشتی سے کتنا گوارا ہے۔ یہ کشتی تو آپ اپنی گری کو بادبان کا
 کہ چکر خود ہم تک آ جاتی ہے چکی اور کھل جاتی ہے جتنی جتنی ہم کھل میں آ گئے تھے تو وہ شراب کھل جاتا ہے جتنی جتنی۔ یہ جو
 کھل کے جہاز کا شکار ہوا کہ کشتی میں نہیں رہ سکتا جو ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہے۔



کہوں ہے ہمارا دل پر لفظی مرض کیا قدرت

کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی

بیچارہ = علم زیادتی۔ ذوق = دلچسپی۔ پر لفظی = اڑنا، ہواؤ کرنا۔ شہر = بار

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے تو یہ قدرت بھی حاصل نہیں ہے کہ میں آذان میں کسی قدر دلچسپی رکھتا ہوں اس کو یاں بھی کر سکوں اور اب تو اسکے یاں سے ہی کیا حاصل ہے جبکہ عالم یہ ہے کہ اڑنے سے پہلے غی میرے بازو سے اڑنے کی طاقت ہی مجھ میں لی گئی جو سراسر ظلم ہے مطلب یہ ہے کہ اس سیر کی طویل مدت ہی نے اڑنے کی طاقت سلب کر لی۔



کہاں تک ملاں اس کے خبر کے پیچھے قیامت ہے

میری قسمت میں بار ب کیا نہ فی دیار ہجری

غیرہ = کپڑے کا ٹکڑا جو سفر لوگ لمبی مسافت کے لئے ساتھ رکھتے ہیں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں کہاں تک اپنی بد نصیبی پر دکاں اور ماتم کروں کہ اب جبکہ میں محبوب کے غیر تک پہنچ گیا ہوں تو اسکے بار کو کس درہاںوں کو دہا بری نہیں ٹکڑا ہوا و شوق دینے کی گنجی کا تقاضا یہ ہے کہ سر پہوڑ کر مر جاؤں مگر یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ محبوب کا مکان کپڑے کا غیرہ ہے اگر تھکا ہوا ہو تو کبھی کا سر پہوڑ کر مر جاتا یا اللہ میرے خیر میں غم کی راہ اڑ گئی نہیں ہے۔

غزل (۱۴۶)

ہے احتمالوں پہ بیک سب سے ہم ہوئے	جتنے ڈیوا ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پہنچن تھا دام سخت قریب آشیوں کے	اڑنے نہ پائے تھے کہ گردنار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی قاب پے دلیل ہے	یاں تک طے کر آپ ہی اپنی قسم ہوئے
خفی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر	وہ لوگ رنڈ رنڈ سراپا الم ہوئے
حیرتی دفا سے کیا ہو حالی کہ دہر میں	حیرے سا بھی ہم پہ بہت سے قسم ہوئے
کھینچے رہے جنوں کی حکایات نون چکان	ہر چہ اس میں ہاتھ ہمارے قسم ہوئے
لغز دے حیرتی تھوئی خواہ جس کے ہم سے	اجڑائے بار دل میں سرے رنڈ ہم ہوئے

اہل ہوں کی فتح ہے ترک نہرو مشق
ہر پاس اٹھ گئے دی ان کے علم ہوئے
نالے دم میں چہ ہمارے سپرد تھے
جہاں نہ گنجائے سودا ہاں آگے دم ہوئے
پھوڑی آند نہ ہم نے گدائی میں دل کی
ساک ہوئے تو ماضی اہل کرم ہوئے



بے احتیالیوں سے سبک سب سے ہم ہوئے
چنے نپاہ ہو گئے اسے ہی کم ہوئے

بے احتیالیوں = مماندہاں سے صحت کر چنے کی عادت (کمزوریوں) شک = ہلکے۔

تشریح :- شاعر اسلوب ہے کہ ہم اپنی بے احتیالیوں اور کمزوریوں کے سبب بہت ہلکا اور بے قیور ہو گئے اور جتنے زیادہ
بے احتیال ہوئے گئے اُسی قدر اور زیادہ حقیر اور بے عزت ہوئے گئے۔ صبر و جاتی میں زیادہ کی نسبت سے کم کی عمر
بہت لطیف ہے۔



پناہ تو دام خست قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گمراہ ہم ہوئے

پناہ = پوشیدہ۔ دام خست = مضبوط جال۔ آشیان = آشیانہ گونسا

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ایک مضبوط جال ہمارے آشیانے کے قریب بچھا ہوا تھا جوں ہی ہمارا گناہ چاہی آنکس
بھنک رہے۔ چہاں شاعر ایک استعارہ ہے کیونکہ مطلع میں یہ عوامی ہے ہمارا دی کا اعتراف کر رہا ہے شعر ہذا اعلیٰ مضمون
اس سے منسلک ہو رہا ہے۔ یہ گمان الہی ہے کہ شاعر آپ جی کہہ رہا ہے کہ جہاں ہم نے ہوشی سمجھا اور جان ہوئے
وہاں کا جال ہی اس قدر خراب تھا کہ گویا وہ جال تھا جس میں ہمارا پھنس جانا لازمی تھا اور کوئی اس سے مگر نہیں تھا ہمارا
لوہا شوں کی صحبت نے اپنی نرا میوں کے جال میں پھانس لیا اور پھر یہ شراب و چہر جیسی ہوشی فرض دنیا کی کوئی نہ انکی
نہیں دی جس کا ہم نکار نہ بنے ہوں۔



حق ہماری اپنی کا ہے دلیل ہے

ہاں تک ملے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ خود انکار اور جھوٹ کا ثبوت لازم کر رہا ہے کہ ہر شے قائل اور ہے ثابت ہے ہم اتنے بڑے کہ
اب انکار اور جھوٹ کے برابر ہے اور ایک دن یہ بھی نہیں رہے گا اس وقت تک تو ہم اس درجہ مت چکے ہیں کہ ہماری قسم کا کوئی
دوسرا ہماری دوسری نہیں کر سکتا ہماری قسم کا کوئی دوسرا اس دنیا میں نہیں ہے۔

تجروہ:- یہاں قسم کو قسم استعمال کیا ہے یعنی (س) کو ترک کیا گیا ہے جبکہ حق قسم ہے یعنی (س) ساکن ہے جو سکا ہے
علامہ امام ہو اس لئے جائز کر لیا ہو یا غیر قانونی کی مجبوری میں چونکہ اساتذہ کو حق حاصل ہے جیسے عطا سابقہ لے گی چکر خضر کو
بختر استعمال کیا ہے۔



حق کشمیں عشق کی پڑھے ہے کیا خبر

وہ رنگ رنڈ رنڈ سراپا الم ہوئے

حق کشمیں = مشکلات بھیلے والے۔ سراپا = سر سے پاؤں تک۔

تشریح:- عشق میں حق اٹھائے والوں کی کیا بات پوچھتے ہو، وہ رنگ رنڈ رنڈ رنڈ جسم رنگ اور دھنکرا رہے۔ اور ہم انہیں
میں سے ایک ہیں۔



تیری وفا سے کیا ہو حنائی کہ دہر میں

تیرے ساتھ ہی ہم پہ بہت سے حق ہوئے

وفا = حتمی عہد۔ حنائی = کائنات۔ دہر میں = زمانے میں۔ حتم = ختم و قیامتی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ نے بھی یہ کہہ کر علم حتم نہیں کے اب کہ وفا ہماری اختیار کر لی ہے تو کیا انکی حنائی ممکن ہے
جو اس وقت کیا والوں نے علم حتم ہمارے ساتھ رکھے ہیں۔ ہم ایک تیری ہی ملکیت نہیں کرتے تو نے ہم پر بہت حتم اڑھائے ہیں
تیرے عطا و دہر کو انہوں نے جو اسے ساتھ صرف تیری ہی وجہ سے علم حتم کے ہیں کیا انکی حنائی بھی ممکن ہے۔



[کھینچے رہے جنوں کی حکایتوں میں چٹاں

ہر چہ اس میں ہاتھ ہمارے گم ہوئے

خوں چٹاں = جس سے خون بہتا ہو۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہم تاحیات اپنی ماسپن جوں میں مشق رقم کرتے رہے اور لوگ ہمارے ہر پتہ پر چھید چھیس کرتے رہے تاکہ ہمارے ہاتھ کھینچے سے رک جائیں یہاں ہاتھ گم ہونے سے نرا وقت حرامت و نکالت سے ہے جو ان کے ہمعصر جاری رکھے ہوئے ہے۔



اللہ کے حیرتی حکمتی قوہ جس کے ہم سے

اجزائے ہمارے دل میں سرے راز ہی ہم ہوئے

حکمتی قوہ = دھڑاچہ۔ علم = خوف۔ اجزاء = جڑ کی شاخ۔ مثال = فرما۔

تشریح :- اللہ کی بناؤ حیرتی قوتی حراچ (دھڑاچہ) کے خوف سے ہمارے دل میں جڑوں اور شاخوں سے باہر نہ آ سکے اور ہمارے ہم و انہم کا راز ہی ہی کے مطلب یہ کہ ہم و انہم اس راز ہی کی فراہمی سے جڑ سے پہلے گئے اور ہم ان کے فرماؤ کر کے دل کی بکراں نہ نکال سکے۔



اہل ہوس کی شاخ ہے ترک ہوا مشق

نہر پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

اہل ہوس = فحوت پرست۔ ترک = چھوڑنا۔ نہر = جنگ۔ علم = بخانا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ فحوت پرستوں کی اسی ہی وجہ سے کہ وہ مشق کی صورتوں اور طریقوں سے جو بھنا اور اٹھنا چھوڑ دیں ماحول ان مظاہر سے گزرتا اہل ہوس کے پس کی بات ہی نہیں ہے تاکہ اس مسئلے میں جوتہ ماضی بھی گئے ہیں اور جوتہ حقیقی برداشت کر لی ہے پس وہی اکی ماٹھی کا نشان ہے۔



ناتے ہم میں چہ ہمارے ہر جے

جوداں نہ بچ گئے سو وہاں آ کے دم ہوئے

تالے = فریادی۔ ہر دم = یحییٰ عالم ہڈیا۔ دم = خون۔ قلم

تشریح:- کہتے ہیں کہ کچھ تالے فریاد عالم ہڈیا میں ہمارے ضمیر دے گئے تھے مطلب یہ ہے کہ طیش کے بعد آدم
۱۰ اکو ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا اور وہ ہیں نالہ و زاری میں مصروف ہو گئے تھے پھر اس دنیا میں بھیج دیا گیا یہاں
ایک مدت تک مصروف گریہ و زاری رہے پھر کلمات باہمی کے بعد یہ سلسلہ قلم ہوا۔



بھڑی آندہ دم نے گدائی میں دل کی

سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

گدائی = فقیری، بیک تنگی۔ سائل = فقیر۔ اہل کرم = خدایک

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس آندہ دم نے اس خانگی اور امیرانہ زندگی کو چھوڑ کر گدائی اختیار کرنی مگر ہماری جو حالت
مشفق و عاشق کی تھی وہ اس حالت میں بھی ہم سے ترک نہ ہوئی اور ہم اہل کرم کے عاشق ہو گئے اُنکے آگے روانے
کو گزرنے لگے ہمیں کے گلے گانے لگے۔

غزل (۱۲۷)

کھٹ کدہ میں میرے لب قلم کا جوش ہے	اک شمع رانگی ہے سو وہ بھی فوش ہے
نے مڑوا دھال نہ نظارہ جمال	خدا ت ہوئی کہ آسچی چنم دکھل ہے
مے نے کیا ہے کہیں خود آرا کو بے کلاب	اے شوق پاں اجازت ظلم و ہوش ہے
گور کو مقبہ کردہ خرابی میں دیکھا	کیا لوح پر سحر گور فردش ہے
دیوار ہارہ حوصلہ ساقی کا مست	بزم خیال بئے کدہ ہے فوش ہے
اے تازہ دار دھانی بھلا ہوائے دل	دنہار اگر قہیں ہوہی کا فوش ہے
دیکھو مجھے جو دیوہ جہرت کا ہو	میری سنو جو کوش نصیحت بخش ہے
ساقی بہ ہلوہ دھین لھان و آگہی	مطرب پہ نف رجزن لھین و ہوش ہے
یاقب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بھلا	دھانی ہانہن دھب گل فردش ہے
کلاب حرام ساقی و ذوق صداے چنگ	یہ جنت کا وہ فردی کوش ہے

یا کج دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں نے وہ سرور وصال نہ بخش دلوں ہے
 دارغ فراق صیبت صیبت کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی غموش ہے
 آئے ہیں غیب سے یہ مضافین خیال میں
 عجب سر پہ خار نوائے سرش ہے



گھٹ کر وہ میں سرے صیبت غم کا جوش ہے
 اک شمع بج گئی ہے سو وہ بھی غموش ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ سرے اندر سے گھر میں شب فراق کا عالم ہے یہاں غم و اکام اور فریاد و زاری کے شور کے علاوہ
 کیا رکھا ہے ایک شمع اداری ہوا آگنی سرور بھی جل ٹھہر گئی۔



نے طرہٴ رسال نہ نظارہٴ جمال
 مذت ہوئی کر آشی چشم و گوش ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ ایک مذت سے تنہا کی اصل پار کی خوشخبری سننے کوئی ہے اور نہ ہی دیکھ کر عین پار ہے عجب طرح
 کے خاموش درد چاکس درد سے گذر رہے ہیں خصوصاً ادا نے آگیا اور کان کو بڑا سکون حاصل ہے۔



مجھے لے گیا ہے کسب خود آرا کو ہے حجاب
 اے شوق یاں اہلاتِ حلیم و ہوش ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ کسب مشرور و مغرور آرا کو اداری شراب نوشی نے بے پردہ کر دیا ایسی حالت میں اے شوق رسال
 مجھے ہوش و درداور بھید کی طرف سے کھلی اہلات ہے کہ اپنے دل کی حسرت نکال لے۔



گوہر کا صو گروں خواہں میں دیکھتا
 کیا لوح پر سحر گوہر فروں ہے

تشریح:- فراتے ہیں کہ میدان جہاں کی کرکٹوں میں سوچوں کا سفر کھدو میں ہے جس کو دیکھتے ہی بنتی ہے۔ گوہر
فرشوں کے خدو کا ستارہ تاج کل بھڑکی ہے اُنکے سرے آگے سوچوں کی شریک دلوشت نے آگے روزی کے سوار اڑے
کھول دئے اور چونک دلوشت ہو گئے۔



دیار بادہ حوصلہ ساقی کا دست

بزم خیال میں کھتا ہے غروش ہے

بادہ = شراب۔ ٹیکدہ = شراب خانہ۔ غروش = آواز دھڑ

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری بزم خیال میں دیار شراب اور ساقی کا حوصلہ اور اُنکی کا دست سب باطن سوجھ
ہیں ان نکل سوجھ کی میں ہماری بزم خیال ایک حسین ٹیکدہ ہے۔ اصل ٹیکدہ اور خیالی ٹیکدہ میں فرق یہ ہے کہ اصل ٹیکدہ
میں شراب اُٹھتا ہے اور اس خیالی ٹیکدہ میں اُنکل کا سوش ہے۔



اے تارہ داروان بیاٹ ہوائے دل

دھار اگر قصیں بھی گا گوش ہے

داروان = آواز۔ بیاٹ = سرمایہ لہرائی۔ ہوا = حس۔ دھار = ہرگز پہنچ۔

گوش = نرا گانے بجانے اور پہنچنے پانے سے ہے۔

تشریح:- اے وہ لوگو جو تارہ دار، خواہشات انسانی کے میدان میں آتے ہو یعنی جوانی کی منزل میں داخل ہوئے ہو
خبردار ہو جاؤ کہ پہنچنے پانے کے شوق سے پہنچ کر تارہ دار ہرگز اُنکے قریب نہ جاتا۔

خاص چونکہ خود اس ذوق کے شکار ہے میں اس لئے نہایت سختی کے اعجاز میں حسیہ و تاکید فرما رہا ہوں۔
چونکہ اُنکے نعرات کا پہلا پہلا تجربہ ہے۔



دیکھو مجھے جو دیباہ ہمت کا ہو

بھری سونو جو گوشت صحت بخش ہے

دیباہ = آگے۔ ہمت = صحت بکرا۔ گوش = کان۔ بخش = بخشنے والا۔

تشریح:- پہلے شعر میں شاعر شراب نوشی کے خلاف نوجوانوں کو خوسا طالب کر کے صبر فرما چکے ہیں اب اس واقع میں مزید زبردستی ہیں کہ اسے صحت قبول کرنے والی آنکھ رکھے دلو میری طرف دیکھو کہ میں نے اس شوق میں طوطا کو کس قدر چاہا اور سہلے قہر کیا اور اسے صحت قبول کرنے والے کان رکھے دلو میری صحت کو غور سے اور غل کرو۔



ساتی ہے جلوہ زمین ایمان و آدمی

مطرب پہ نفخہ ریزنِ صحن و ہوش ہے

مطرب = خوش کرنے والا۔ گانے والا۔ ریزن = ڈاکو۔ صحن = خوردہری۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ساتی کا اپنے پورے ساز و سامان اور بس آرائی کے بعد جلوہ فرما ہوا بظاہر نہایت خوش کی ہے مگر اندر سے ایمان اور حواس کا دشمن ہے اور نفخہ کی سرخی آواز مست و مغرور ہوا دیتے والی آواز ہماری انسانی حیثیت اور انوری کوتاہی کو دکھانے والی ہے گویا ایک ڈاکو ہے۔

تجربہ:- پچھلے اشعار میں جو ان کو انوش سے پرہیز کرنے کی صحت فرمائی تھی اب شعر پڑھیں ان کے معزات بیان فرما رہے ہیں۔ جو شاعر کے ذاتی تجربے پر مبنی ہیں۔



باشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط

دلان۔ بالہاں دکنب گل فروش ہے

بساط = فرش ایرانی میدان۔ دکنب = کتب۔ گل فروش = بھولی۔ بھول بیچنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کائنات کا گوشہ گوشہ خواہ مخواہ میں ہو یا آسمان ہم جب رات کو جدھر بھی نگاہ ڈالتے ہیں تو بالہاں کے دکان کی طرح بھولوں سے بھر ہوا ہوا بھول فروش دکان کے ہاتھ کی طرح کہ بھولوں کا گھدڑتے ہوئے نظر آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عالم میں ہر رات ایک حسین منظر پیش کرتی ہے۔

لف خرام ساتی و ذاتی صدائے چنگ

یہ جبے نگاہ وہ فردوس کئی ہے

خرام ساتی = ساتی کی مستانہ دال۔ صدائے آواز۔ چنگ = ایک ہاجہ (آواز) جس میں ایک طرف بڑا

دوسری سمت خالی ہوتی ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ساقی کی مستانہ دیوار پہاڑ کی خوشی کی آواز، دلوں چڑھیں اس دنیا کی پہلی خوشی بخش ہیں ہم کا پیٹ بھر لیں کرنے کے لئے ایک ادنیٰ کام کے لئے جسے دوسری کانٹوں کے لئے گویا فرما رہے ہیں۔



یا مَیجِ دَمِ جِ دیکھئے آکر تو دَمِ می

لے وہ سرور دوزخ نہ جوش و خروش ہے

سرور = مستی و خروش۔ جوش و خروش = ہنگام۔ سوز = یکن

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم شراب نوشوں کی مَیجِ آپ کر دیکھیں تو انکی عقل میں نشہ و رات بھی مستی اور خوشی ہے اور نشہ و جوش ہے اور نشہ و ہنگام ہے ایک شہر خوشیاں کا شعر ہے۔ جنہایت بھرت ناک ہے۔



دایا فراتِ صحیحہ وپ کی جلی ہوئی

اک شمعِ رہ گئی ہے سو وہ بھی خوش ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ فرات کے پارے کی رات کی صحت والا ایک شمعِ رہ گئی سو وہ بھی شمعِ دایا فرات کی رات کی صحت والا ہے۔ شمعِ رہ دایا فرات کا لہجہ سہا پڑے شعر سے سرور و خوشی ہے۔



آتے ہیں فب سے یہ مضامین خیال می

غالب سر پہ خار نوائے سروش ہے

سر پہ = قلم کے چلنے کی آواز۔ خار = قلم۔ نوا = آواز۔ سروش = خوشخبری دینے والا فرشتہ۔

تشریح:- مطلع میں عقل سے سرشار ہو کر فرماتے ہیں کہ اے غالب میرے قلم کے چلنے کی آواز کو باہر مل کر شمع کی آواز ہے اور دایا فرات کے مضامین فب سے میرے دل و دماغ پر اٹھا کر دیتے دیتے ہیں۔



غزل (۱۲۸)

دیا بہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں سحرانورد
خارہ پا ہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے
دیکھا حالت سرے دل کی، ہم آغوشی کے وقت
ہے ۱۵ آٹھا تیرا سر ہر نو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ طاعت بکمر نہ پاؤں
ہے بکرا بکھر کر لوگوں میں نہ پھیلے تو مجھے



دیا بہ دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں سحرانورد
خارہ پا ہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے

پا = پاؤں۔ دامن = پیچ کا پلہ حصہ۔ سحرانورد = جنگل ناپنے والا (آوارہ)۔ خارہ = کاٹا۔
جو ہر = روح۔ زانو = ران۔ پاؤں کا اوپر کی اور موچہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں آوارہ سحرانورد کی سے ملک کس اس اعجاز سے بیٹھ گیا ہوں کہ پاؤں کو اپنے کرتے کے دامن
میں لٹھکایا ہے اور سرے پاؤں کے کانٹے جو کونوں میں گھسے ہوئے ہیں جو ہر بی راہوں میں جو آئینہ کی مانند ہیں یعنی
صاف تھری اور چمکدار ہیں چونکہ یہ حصہ ہم سر کو لٹاتا ہے اور چھوڑتا ہے اس لئے کہلے ہوئے جسم کے مقابلے میں زیادہ
صاف صلابت چمکدار آئینہ کی مانند ہو جاتا ہے اس آئینہ میں تم کو اس کے کانٹے جو ہر بی گئے ہیں اور روح کی طرح ان
کاٹوں کی پٹھن ہر سزاؤں کو گدے ہیں۔



دیکھا حالت سرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے ۱۵ آٹھا تیرا سر ہر نو مجھے

ہم آغوش = ہوسری۔ آٹھا = ہانچکا (مشتاق) سر = کنارہ (نوک)

تشریح:- یہاں حضرت کی عکس جانی قابل ملاحظہ ہے۔ چنانچہ محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہوسری کے وقت
کوئی میری حالت کو دیکھے کہ میں کن بند بات کے ساتھ سلوک ہو رہا ہوں کہ میرے جسم کا بال بال زواں زواں ۱۵ مشتاق
نکر مجھے بکرا رہا ہے اور مجھ سے ڈھانڈا رہا ہے۔

ہوں سراپا ساز آہنگِ کلاہت کہ نہ پاچہ

ہے بچی بچہ کر لوگوں میں نہ بچلے تو لگے

سراپا = سر سے پاؤں تک ۔ ساز = باجہ ۔ آہنگ = آواز، ارادہ وغیرہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ سر سے پاؤں تک تکمیل کلاہت کا ایک ساز طوطیاہوں جو آواز رکھو سے بھرا ہوا ہے لڑا کی لے بچلڑا تو یہ ساز بجا کر دماغ ہو جائیگا اور ہر رو کے در کے گا بچہ بچی ہے کہ تو مجھے سر نخل نہ بچلے ورنہ تجھے سخت غامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غزل (۱۲۹)

اے کہ مری جان کو قرار نہیں ہے طاقب ہے دار انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنتِ حیات کے بدلے نکلے یہ اعزاء نگار نہیں ہے

مگر یہ ٹالے ہے تری بزم سے مجھ کو اسے اے کہ دلانے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے، مٹ ہے، گمانِ دہش خاطر خاک میں مصافق کی عہد نہیں ہے

دل سے اٹھا تلخ بلوائے سبائی خیر گل آئینہ بہار نہیں ہے

قل کا میرے کیا ہے مہر تو ہے باہر اے اگر مہر استوار نہیں ہے

تو نے قسم سے کبھی کی کھلی ہے غالب

جی رہی قسم کا کہ اقرار نہیں ہے



اے کہ مری جان کو قرار نہیں ہے

طاقب ہے دار انتظار نہیں ہے

تشریح:- ہم فراق سے تنگ ہیں ماضی اپنے گنہگاروں میں چڑا ہے اپنے محبوب کو نگار رہا ہے کہ اب تو آہا کہ شہاب اس مقام پہ آگیا ہوں کہ مجھ میں انتظار کا علم اٹانے کی طاقت بھی باقی نہیں رہی۔ مطلب یہ ہے کہ موت سے بہت قریب ہو گیا ہوں۔



دیتے ہیں جنت حیات کے بدلے

نظر بہ اندازہ نگار نہیں ہے

نظر = بہوش سرور۔ نگار = نظر اترنے کے بعد اعضا، عقل کی کیفیت۔

تشریح:- یہ اصطلاح میں جنت حیات ہماری زندگی کی جنت یعنی شراب واپ کے میوے اور پاک کا وعدہ دیا دلاتے ہیں کہ حرام طوری کے ترک کرنے پر ہمیں جنت میں شراب ٹھہرے سیراب کیا جائے جس میں نظر تو ہو گا نہیں کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر یہ تو تاؤ کا نہیں سرور حاصل کرنے کے لئے اور کیا ہو گا اور اس وعدے کا نقشہ جو ہمیں دیا جا رہا ہے اس نظر کی علامت قرار کا بھی نہیں کوئی اندازہ نہیں ہے اسکی صورت میں ہم اس زندگی میں اپنی جنت حیات کو چھوڑ دیں اور ابھی ایک وعدے کے تحت ہمارے کا سودا معلوم ہوتا ہے جسکے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ میاؤں باللہ۔

شعر: اندامی تعقید لفظی بد چاقم ہے اس میں نہ شراب ٹھہرے گا نہ کرہ ہے۔ نہ وعدہ کا لفظ ہے نہ شراب واپ کا کرہ ہماری کی عقل اور ادراک اس مطلب کو کہانی سمجھ لیتی ہے اسلئے یہ تعقید لفظی کا صیب حسن اختصار میں بدل گیا ہے جسکو اس دور میں طاعتی شاعری کا ہم دیا گیا ہے۔ اور مطلب کو نہ بچا کر جان کر بانی مان گیا ہے برخلاف اس کے جو کہانی کچھ میں آجائے اسکو طبعی لکھ بے وقعت کر دیا جاتا ہے۔



کر یہ نکالے ہے تری بزم سے گلے

ہائے! کہ روئے پہ اختیار نہیں ہے

تشریح:- بزم نشاد میں کسی روئے والے کے لئے کوئی کنجاش نہیں ہے اس لئے مجھے محفل سے نکال دیتے ہیں خواہ یہ ہے کہ مجھے کچھ دے یا اختیار نہیں ہے آنگی بزم میں جائے بلیر بھی نہیں رہا جاتا۔ مطلق نے مجھے ذلت و غلامی کو برداشت کرنے کا مادی دیا دیا ہے۔



ہم سے صیٹ ہے۔ گمگاہ رنجش خاطر

خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

صیٹ = بیکار۔ گمگاہ = خیال۔ رنجش = عداوت۔ خاک = بے بی۔ غبار = ذمحل۔

عشاق = مع ماہن کی

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم نے کائنات اپنا صمت کا خیال خاطر میں لانا بیکار ہے کیونکہ ہم ماشقوں کی مٹی میں دھول ہوتا
ہی نہیں جواز کہ قہارے ہم کو گئے گا اور جنہیں کہیں خاطر کرے گا۔

مطابق کی مٹی میں لہر نہ ہوتا ہے بلکہ بات ہے اور دھڑی ہے بلکہ باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ رقیب کے خلاف
ہر اس مٹی میں غبار کہاں سے آگیا۔ ہر حال بات انسان کی ہے اور یہاں لب گھائی گھائی ہے۔



دل سے اظہارِ طہارت ملو گے معافی

خیر گلی آئینہ بہار نہیں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ دل کہ گمراہیوں سے اظہارِ معافی کا کلف اٹھانے کی کوشش کر کیونکہ میرے اظہار
پھولوں کی مشیت رکھتے ہیں اور پلیر پھولوں کے بہار میں کوئی پنک نہیں رہتی۔ باغیوں کہتے کہ پلیر پھولوں کے بہار
کوئی معنی نہیں رکھتی۔



قل کا میرے کیا ہے مہر تو ہمارے

والے! اگر مہر استوار نہیں ہے

مہر = ارادہ۔ ہمارے = یہی خیال کہ۔ والے = افسوس۔ استوار = مضبوط۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ تو نے میرے قل کا مہر کیا ہے تو اے مضبوط ہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے قل کی
حیرے باتوں بڑی خواہش ہے کہ تو نے ایمان کیا تو مجھے بہت افسوس رہے گا۔



تو نے تم سے کئی کی کئی ہے غائب

حیری تم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اے غائب تو نے شراب نوشی نہ کرنے کی قسم کئی مگر حیری تم کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ شرابی کی
عادہت ہی جاتی ہے کہ اپنے ہمدردوں سے اکثر شراب چھوڑ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور قسم بھی کھاتا ہے مگر اس پر کار نہیں
ہوتا۔ اور بار بار قسم کھاتی کار خطاب کرتا ہے۔



غزل (۱۳۰)

تھوم تھم سے پاس تک سرگونی مجھ کو حاصل ہے کہ ہر دامن دہر نظر میں لڑق مشکل ہے
 رونے دلم سے مطلب ہے لالت دلم سوزن کی کبھی مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے
 وہی جس گستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب چٹکا غنچہ گل کا، صوائے خندہ دل ہے



تھوم تھم سے پاس تک سرگونی مجھ کو حاصل ہے
 کہ ہر دامن دہر نظر میں لڑق مشکل ہے

تھوم = اڑو صام۔ بیلز۔ سرگونی = احمری۔ تھک جانا نوٹ جانا

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ تھوم کی فراوانی اور لذت نے مجھے اس درجہ جاہل و نادار کر دیا ہے کہ میرا دلوں و دلوں کے بارے میں
 میرے کرتے میں اب جو بات تو دیکھا ہے اس کے معنی کس جاننے سے استفادہ کر سکوں گا؟ اس کا جواب اس چاروں
 اور تار نظر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہاں ایک شخص پر قابل ملاحظہ ہے کہ تار نظر کسی کو دکھائی نہیں دیتا اور وہ بھی دکھائی نہیں
 دے گا۔ اسے مطلب یہ ہے کہ میں قلم کی طور پر بہت بڑا چکا ہوں۔ محبوب کے عشق میں اس سال کو پہنچنا عاشق کی سمران ہے۔



رونے دلم سے مطلب ہے لالت دلم سوزن کی
 کبھی مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

رونے دلم = دلہن سنا۔ دلم سوزن = نوئی کا دلم۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں دلم سوانے سے میری نرا دلم کو کھرنے یا اچھا ہونے سے نہیں ہے میں تو نوئی کے دلم سے
 لالت باب جانا چاہتا ہوں یہ مت سمجھو کہ میرا دیوانہ میرے درد کی لالت اور ان کی پاسداری سے غافل ہے۔



وہی جس گستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 چٹکا غنچہ گل کا، صوائے خندہ دل ہے

جلوہ فرمائی = جلوہ دکھاتا۔ صوائے خندہ دل = دل کے ہنسنے کی آواز۔

تشریح:- دو اگل سے نر او شام کی بطور استعارہ اپنے محبوب سے ہے کہتے ہیں کہ اے غالب وہ جس محبت میں جلوہ دکھائے خواہ کیسا ہی خزاں رسیدہ کیوں نہ ہو کیاں چمکتا شروع ہو جائیں اور ہر گل کے چمکنے کی آواز دل کے چمنے کی آواز کی مانند ہو۔ گل کے چمکنے کی آواز کسی نے آج تک نہ سنی تھی اس سے نر او خاموشی ہے کہ نہایت خاموشی سے چشمِ زدن میں جنگل بگڑا رہتا ہے۔

غزل (۱۳۱)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے جاں کا لہب صورتِ دیوار میں آوے
سایہ کی طرح ساتھ بھریں سرورِ صبور تو اس قدر دیکھل سے جو نگار میں آوے
جب ناز کراں مانگی اشک بجا ہے جب لہجہ بھر دینا طوبار میں آوے
وے تھ کہ شکایت کی اجازت کہ حتم کر کہ تھ کہ حزا بھی مرے آوار میں آوے
اس چشمِ فسون کما اگر پائے اشارہ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
کائنات کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب اک آبلہ پادوشی پر خار میں آوے
مرا جاؤں نہ کیوں دیکھل سے جب دہقان نازک آنکھوں کی طم حلقہ زار میں آوے
غارت گناہوں نہ ہو کہ ہوئی زار کیوں شاہ گل باز سے ہزار میں آوے
جب چاک گریباں کا حزا ہے دل تھیں جب اک لہس الجھا ہوا ہر تار میں آوے
آتش کدہ ہے سبز مرا راز تھیں سے اے دانے اگر سرخس الجھا میں آوے
گنجِ سخن کا طعم اشک بکھنے

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے



جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے

جاں کا لہب صورتِ دیوار میں آوے

گفتار = گفتگو، تقریر۔ دل چال۔ کالبد = بدن۔ صورتِ دیوار = دیوار کی مانند ہے جس۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ تارانا کے ساتھ جس عمل میں آپ کھانا پاتے تو بے من جان رکھتے اور اپنے جوار واری
ماتہ ماکتہ چلے غاموش اور بے حس ہیں کسی فرد ہیں جان میں کسی جان بچ رہا ہے۔



سایہ کی طرح ساتھ ہمیں سرد صوف
تو اس تو دھل سے نہ گھرا میں آوے

سرد صوف :- دو خصوصیت اور غشوں کے نام غم و اکڑ و شب کے تھوڑے حالت سے تفسیر دیتے ہیں۔

قد و گلش :- دل کو اپنی طرف اہلی کرنے والا مسکن تر

تشریح :- کہتے ہیں کہ سرد صوف جیسے مسکن اور غشوں کی ترے مسکن تھوڑے حالت کے کیا حیثیت ہے یہ تارنہ گھرا
میں آج رہے تو سایہ کی طرح ترے ساتھ ساتھ ملنے لگیں۔ ترے تھوڑے حالت کی گھل انسانوں ہی کو اپنی طرف نہیں
کھینچتے بلکہ ساتھ ساتھ علالت لگی اپنی طرف کھینچنے کی عادت رکھتی ہے۔ یہاں نہیں مہمانہ قابل رہا ہے۔



جب تار کس مانگی اشک بجا ہے
جب لب نہر دیوہ خوبار میں آوے

تار :- تار نہر بکھر رہا۔ مانگی :- تپتی۔ لب :- تھوڑا۔ دیوہ خوبار :- خون روئے والی آنکھ۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ آنسو کے اپنے تپتی ہونے کا تار اسی وقت بکھر رہا ہے جب خون روئے والی آنکھ سے
خون کے ساتھ بکھر کے نکلے گا وہی وہ پانی کے آنسو روئے تو سب کو آتا ہے۔ اور یہ یاد گاری کا کرشمہ بھی ہو سکتے ہیں
انکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔



وے لکھ کہ عیبت کی اجازت کہ ختم کر
کہ تھوڑا حجاب بھی مرے آذر میں آوے

تشریح :- کہتے ہیں کہ اس ختم کر اپنے ختم کر لینے والے اور عیبت کرنے کی اجازت تو دیدے لکھ تکلیف
میں کہ کہ تھوڑے حجاب بھی تیرے ختم کر لینے والے اور عیبت کرنے کی اجازت تو دیدے لکھ تکلیف



اس چشم فسون کا اگر پاسے اشارہ

طولی کی طرح آئینہ منظر میں آوے

چشم فسونگر = ہمارا دکھانے والی آنکھ۔ طولی = طویا ایک سبز پرندہ۔ منظر = منظر۔ ہونا منظر کو نظر پر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کی ہمارا ہماری آنکھ کا اشارہ ہا جانے تو آئینہ بھی طولی کی طرح ہونے لگ جائے اور اس کے حسن و جمال کی تحریف تو صیف میں رطب لسان ہر ہمارے۔



کاتوں کی زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب

اک آبلہ بادی پر خار میں آوے

آبلہ پا = خشک کھوس میں آبلے ہیں۔ وادی پر خار = کاتوں پر خار لگیں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یارب کاتوں کی زبان پیاس کے مارے تنگ ہو گئی بخیر کے بعد آج تک کوئی مافی دار آہر نہ کر سکا اور اس وادی پر خار میں لپکتا آیا کائے شکر ہیں کہ کوئی آبلہ پا آوے تو بھٹکی زور ہو۔



سرجاؤں نہ کیوں رنگ سے جب دہن تازک

آغوش غم مٹا دناں میں آوے

رنگ = یون۔ آغوش = پیلو۔ غم = غل۔ مٹا = صاف کر دیا۔ دناں = نکار۔ جیو

تشریح:- شعر بد اس قدر اعلیٰ دست کی ہو اسی ہے کہ کج جیو جلی بند میں مرنا ہے گلے میں ڈالنے ہیں اور جس رنگی پاند نہیں ہو غم نہ کی صورت کے گلے میں جیو دیکھنے نہ آیا۔ یہ اس لئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں حضرت کا مشق کوئی برہمن زادہ ہے نہ کہ تین ہزارک پر حضرت رنگ سے مرہانے کو تیار ہیں کہ جیو نے ان کے سین میں اور تازک جسم کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے یہ تو میری آغوش میں ہونا چاہئے تو۔ لاجول و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔



عادت کرنا ہوں نہ ہو کہ ہوئی درد

کیوں شاد گل ہارے سے ہزار میں آوے

عادت کر = برہادر کرنے والا۔ ہوس = مصمت و صفت و یکساں سیاست و یک رنگ ہانگ۔

شاہد ملے۔ = اہول بیچے دلی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر مال و دولت کی ہوس نہ ہو تو بھول بیچے دلی میں دانا سے بھول لکھ پڑا دانا میں خاؤ سے اور اپنی عزت و صحت کی پاسداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دانا سے باز رہاؤ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنکو خیر کالے کی دھن میں دھب ہوتی ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کو بھی بالائے خلق رکھ دیتے ہیں۔ انھیں صرف دھبہ دانا ہے اور وہ جس طرح بھی حاصل ہو سکے۔



جب چاک کر جان کا حزا ہے دل تاناں

جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آؤ سے

تشریح:- محبت جب دیوانگی کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے تو مشق میں جاتی ہے اور مشق اپنے محبوب کے سوا کسی دوسرے وجود کو گوارا نہیں کرتا ہر چیز سے بیزار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے وجود تک سے بھی بیزار ہو جاتا ہے خاؤ سے اپنی آرائش و زیبائش کی فکر ہوتی ہے نہ اپنی دنیا کی تعلقات کی اس لئے تنہی کے لباس تک کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور یا پنی اس سر پرانی تنہی کوئی شرم و حجاب محسوس نہیں کرتا ہے کیونکہ اب اسکو بیزار دلی دنیا سے بکھلے ہوا چاہیے ہے۔

حضرت مشق کے اس جذبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بکہ اور آگے بڑھ کر اپنے مشق کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسے دل تاناں کر جان کو چھوڑنے کا لطف جذبہ صادق کے بغیر نہیں ہے کہ جان کے ہر تار کے ساتھ نفس کا تاریکی الجھا ہوا آنسو رسی ہے۔ اور ہر تار جب کر جان کا ایک تاریکی ہائی نہ رہے تو ساتھ ہی سلسلہ نفس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی جان مزاح کو جان آخری کے خاتمے کرے کیونکہ یہی مشق صادق کی آخری منزل ہے۔



آنقل کہو ہے سبز مرا ناز نہاں سے

مانے مانے اگر معرض اعتبار میں آؤ سے

آنقل کہو = آہں کا گہرا پسلی لگنی۔ ناز نہاں = گھبرا ہوا دانا۔ معرض اعتبار = مصلحت پر آؤ سے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا سبز بچے ہوئے راز مستحق کی گہری کی لذت سے ایک بھٹی جاتا ہوا ہے میں اسکے اعتبار کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ اسکو میں یہاں کر دانا دیکھوں تو مجھے تعجب ہے کہ کوئی ذی روح اس سے حاشا ہوئے بغیر نہ رہے گا۔



گنج: سنی کا جسم اُسو کھئے

جو قلعہ کو غالب سرے اشعار میں آوے

گنجد = گزارد۔ بطعم = ہارو، سر

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے غالب میں اس ترکیب سے اور عجیب انداز سے شعر کہتا ہوں کہ ایک ایک لفظ معانی کا قرآنہ ہوتا ہے اور ہارو گری کے کمال کا مظہر ہوتا ہے۔ شعرا کا دستور رہا ہے کہ وہ غزل کے مطلع میں کبھی حلقی اور کبھی بجز کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں حضرت غالب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے کبھی بجز اختیار نہیں کیا۔

غزل (۱۳۲)

عکس نہ کرچہ بہ بنگام کمال اچھا ہے اس سے میرا بہ خورشید جمال لہتا ہے
بوسہ دے چکے نہیں اور دل پہ ہے بر لکھ لکھ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آنے تو مال لہتا ہے
اور بازار سے لے آئے اکر لوٹ گیا ساغر جم سے مرا جام سلال لہتا ہے
بے طلب وہی تو حرا اس میں سالا تھا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو غمے سوال لہتا ہے
ان کے دیکھنے سے جڑ آجاتی ہے نہ پر وہی وہ دیکھتے ہیں کہ چار کا مال لہتا ہے
دیکھتے پاتے ہیں عاشق ہوں سے کیا فیض اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال لہتا ہے
ہم غن چننے سے فرہاد کو شریں سے کیا جس طرح کا ہو کسی میں ہو کمال لہتا ہے
قطرہ دہا میں جوں جوں جاسے تو دیا ہو جاسے کام لہتا ہے وہ جس کا کہ مال لہتا ہے
خضر سلطان کو رکے تھاق اکبر سرسبز شاہ کے بارگ میں یہ تازہ نہال لہتا ہے

ہم کو معلوم ہے بہت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھے کو غالب یہ خیال لہتا ہے



عکس نہ کرچہ بہ بنگام کمال اچھا ہے

اس سے میرا بہ خورشید جمال لہتا ہے

تشریح :- کہتے ہیں کہ اگرچہ چاند اپنے اندر بہت خوبیاں کمال کے درجہ تک رکھتا ہے اور اس کا حسن منفرد ہے اس کے باوجود میرے محبوب سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں میرا چاند سورج کا جمال اپنے اندر رکھتا ہے۔



میرے دینے نہیں اور دل پہ ہے ہر لکھ ۱۵
 مٹی میں کہتے ہیں کہ ملت آئے تو بل لیتا ہے
 ضرور انہایت سادہ سلیس اور سلی ہے کہ تشریح کا کلام نہیں ہے۔



اور بازار سے لے آئے اگر لوٹ گیا
 ساغر جم سے مرا جام سفال لیتا ہے

سافر جم = شاہ حبیب کے خسرو کا چاند جس میں وہ ملک کے اچھے نرے حالات اور دار معلوم کر لیتا تھا یہ ایک طبعی خیال تھا۔ اور ظاہر۔ جام سفال = مٹی کا پیالہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میرا مٹی کا پیالہ شاہ حبیب کے خسرو کے جام سے بہتر ہے جیسے وہ طبعی تھا میں جب اس مٹی کے پیالے میں مے پیا کرتا ہوں تو سارے عالم کی میر کرتیا ہوں دوسرے یہ کہ میرا یہ جام سفال بکھا یا جاتی نہیں ہے لوٹ جائے تو دوسرا بازار سے فوراً واپس آتا ہے برخلاف اسکے جام جم جتنی چیز تھا اور طبعی کمال رکھتا تھا اس لئے اس کا جلدی سے دل مٹا مشکل تو اس لئے میرا جام سفالی اس سے بہتر حال بہتر ہے۔



بے طلب دیں تو حرا اس میں سوا ہوا ہے
 وہ کہا جس کو نہ ہو خرے سوال لیتا ہے

تشریح :- کہتے ہیں کہ بے طلب کے اگر مسائل کی خواہش کوئی پوری کر دے تو مسائل کا قایم یہ ہے کہ وہ مانگنے کی ضرورت کی سے بچ جاتا ہے اور دینے والے کی غولی اس میں یہ ہے کہ وہ مسائل کی ضرورت کو بغیر قائلے پہچان لے اور پوری کر دے اس میں دلوں کو اب کے سختی ہیں برخلاف اسکے اگر مسائل میں مانگنے کی عادت ہے تو اس کو عادت کی عادت سے دیکھا جاتا ہے۔



ان کے دیکھے سے جو آہلی ہے سو پر راضی

وہ دیکھتے ہیں کہ چار کا حال لگتا ہے

تشریح:- لہاے میں مضمون پیش کیا ہے ایک حقیقت کا مظہر ہے اس لئے زبان ذوق خاص و عام ہے اور صاف سہرا
زبان کا شعر ہے کسی شعر کا محتاج نہیں۔



دیکھتے ہاتے ہیں مثاق جوں سے کیا فیض

اک برائے لے کہا ہے کہ یہ سال لگتا ہے

تشریح:- جوں اور برائے کی نسبت یہاں مراد سہری ہے۔ فرماتے ہیں کہ دیکھتے ہم مثاق کو ان حسیہ تپا جہاں سے
(ان جوں سے) کیا فیض پہنچتا ہے ایک برائے کی چشم کوئی ہے کہ یہ سال ہر لحاظ سے بہت اچھا ہے۔



ہم سخن چیتو نے فرہاد کو شریں سے کیا

جس طرح کا جرحی میں ہو کمال لگتا ہے

ہم سخن = ہم کلام۔ چیتو = حمزہ اسود۔ فرہاد = شیریں کا عاشق۔ شیریں = فرہاد کی مستوث۔

تشریح:- یہاں ہم سخن کا مطلب ہم کلام سے نہیں ہے بلکہ ایک بات سے دونوں کو شغف ہو مگر وہ ہے واقعہ یہ ہے کہ
فرہاد ایک غریب لوبہ کا بیٹا تھا شریں کی مستوث شاہیوں کی نگاہ شیریں تھی۔ (چہ نسبت خاک دایا عالم پاک اس کے بعد اتنی۔
دونوں میں کسی طرح کی مماثلت یا مماثری نہیں تھی اس کے باوجود یہ عشق شیریں فرہاد کا تھا۔ اتنا مشہور ہوا کہ صدیوں سے
اس غریب لوبہ کا نام نگاہیوں کے ساتھ چرا اٹھا آ رہا ہے اس طرح وہ شیریں کا ہم سخن ہو گیا اور یہ سب کچھ چیتو (مضمون ۱۱)
کی بدولت ہوا کہ اسے تیشہ کی مدد سے بادشاہ کے حکم سے اس دھڑے پر کہ کام کی تکمیل پر شیریں کو کھڑی کرنا چاہی پناز
کٹ کر خیر لال دی۔ اگر اسے تیشہ چلانے کا کمال حاصل نہ ہوتا تو یہ واقعہ ظہور میں نہ آتا بلکہ فرمایا کہ تیشہ کوئی بھی ہو نہ
نہیں ہے مگر اس میں کمال حاصل ہو۔ ہر خوشامی ہو چکا ہے۔ ایک جگہ لایا گیا ہے۔

پیش میں عیب نہیں رکھتے نہ فرہاد کو نام

بیمیں آواز سروں میں وہ جوں میر بھی تھا



نظرہ دیا میں جوں جانے تو دیا جو جانے

کام لگتا ہے وہ جس کا کہ نکل لگتا ہے

کمال = نتیجہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ کام کوئی بھی ہو اگر اس کا نتیجہ اچھا ہے تو کام بھی اچھا ہے قطعاً ایک حقیر چیز ہے مگر جب وہ کام میں مل جاتا ہے تو پھر دیدیائی جاتا ہے۔ شاعر کا ذہن دہر کے شعر سے متاثر چلا آ رہا ہے یہ شعرا کے کثوت میں کہا گیا ہے کہ لفظ کی شریں کے مقابلے میں کوئی محنت نہیں رہتا اور آفتاب کا مقابل ہے مگر فریاد و بے شیریں سے جلا جاتا ہے تو اس کا عظیم اور بڑا ہو جاتا ہے کہ تاریخ مصفاق آج تک اس کو بھلا نہیں لگی۔



نضر سلطان کو رکے خالق اکبر سربر

شاہ کے بارگ میں یہ جزو نہال لگتا ہے

تشریح :- یہاں شاہنشاہ کی شان و عروج میں پیدا ہونے والا حق (نضر سلطان) ہے جسکی ولادت کی خوشی میں یہ شعر کیا گیا کہ اللہ بڑا دیر تراں پہ اس کا مسرت رکے یہ شاہ کے بارگ میں اچھا نہال پیدا ہوا ہے۔



ہم کو مسلم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھے کو غالب یہ خیال لگتا ہے

تشریح :- شعر بڑا بہت مشہور اور زبان دلوں کا ہے بہت سادہ سلیس ہے کسی تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ شعر شامی دعائے کارنامہ دینیہ کا عکاس ہے۔ اس کے ہاں جو ادعا شاعر لکھی ہے کہ ایک ریدہ رکھیں بھی اس کو موقع بہ موقع چھنے سے گریہ نہیں کرتا۔



غزل (۱۳۳)

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سی احسان اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سی
 خار غار اہم صرست دیدار تو ہے شوق، گھنگھنی گھنگھنی تسلی نہ سی
 سے پریشان اکہم سے مد سے لگائے ہی بنے ایک دن گزرتا ہوا دم میں ساقی، نہ سی
 نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صورا گر نہیں صبح ایسے خانہ لیلیٰ، نہ سی
 ایک ہنگامہ پہ سوئف ہے گھر کی رانی لوتہ غم ہی سی، کس شادی نہ سی
 نہ ساقی کی حوا، نہ مد کی پرنا گر نہیں ہیں مرے اشعار میں سنی نہ سی

عشرت بہت خواہاں ہی قیمت کھو

نہ ہوئی، غالباً! اگر ہر طبعی نہ سی



نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سی

احسان اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سی

تشریح:- کہتے ہیں کہ اس سے بڑی اور کیا قربانی ہو سکتی ہے کہ میں نے اپنی جان مزید تکتم پر نثار کر دی اگر اس سے
 بھی تم مطمئن نہیں ہو تو نہ سی اور بھی اگر کوئی قربانی اسکے علاوہ باقی رہ گئی ہو تو میں اسکے لئے بھی تیار ہوں مجھے کسی بھی طرح
 کے احسان سے گریز نہیں ہے۔



خار غار اہم صرست دیدار تو ہے

شوق، گھنگھنی گھنگھنی تسلی نہ سی

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری آرزو، ہمیں کے ہاتھوں کو کیسے کی قسمی اگر یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی تو نہ سی نصرت دیدار کا
 کاغذ تو ہمارے دل میں کلک ہی رہا ہے اور یہ کاغذ ہی میں زندگی گزارنے کے لئے بہترین مغلطہ ہے۔



سے پرستان! لم سے نو سے لگائے ہی ہے

ایک دن گرنے ہوا بزم میں ساتی، نہ کسی

مئے پرستان = شراب کے پجاری نرا شراب نوشوں سے۔ قلم مجھے = شراب کا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے سکھو شراب تو آلودگی ہے کہ بزم میں ساتی موجود نہیں ہے اب تو شراب کے شگے ہی سے
نہ لگاؤ سکھو اور اس کے بجائے ایک دن اگر ساتی نہیں ہے نہ کوئی لڑتی نہیں چننا۔ اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے اور حسب
خواہش چل سکتا ہے۔



تھیں قہیں کہ ہے چشم و چہرہ مرا

کہ نہیں مہیا یہ خاتہ لیلیٰ، نہ کسی

تشریح:- کہتے ہیں کہ قہیں (بھون) کا جنوں تو ہے جو جنگل کا حسین سرمایہ اور اس کا چھٹا ہے اگر لیلیٰ کے غلے کر کے
نہ روشن نہیں ہے تو نہ جنگل تو بھون کے دم سے روشن ہے۔



ایک بیکار پہ موقوف ہے گمر کی رات

نوشہ قلم ہی کیا، کس شادی نہ کسی

تشریح:- کہتے ہیں کہ گمر کی رات کا اٹھارہ بیکار آرائیوں سے ہے اور وہ خواہشیں مزا سے ہو خواہش شادی سے یہ
بھی نہ ہو اور بیکار ہو جو حال بہکنہ کو نہ چاہا ہے تاکہ گمر میں رات ہے۔



نہ حاکم کی تمنا، نہ صلہ کی پردہ

کہ نہیں ہیں سرے اشعار میں سنی نہ کسی

تشریح:- کہتے ہیں کہ مجھے نہ کسی سوادہ کی فکر ہے کہ کوئی قدر دان مجھے انعام و اکرام سے نوازا ہے نہ ان کی پردہ ہے کہ
کام کی چہائی ہو اور داد و تحسین ہو اگر میرے اشعار بھل ہیں اور بے سنی ہیں تو چلو یہی سنی انکی بھی مجھے کوئی تکلیف
نہیں ہے۔



مترت بہت لوہاں ی قیمت بھر

نہ ہوئی، غالباً اگر سر طبعی نہ سی

تشریح:- اسے غالب مینوں کی قیمت اٹھانے کو ہی قیمت بھگتھارے لئے تو یہ مشق بہت کافی ہے بھگتی قہاری مرکا
پہرے میں دآمام اور منبر نہوں جنگی جھیں سرست ہے۔

غزل (۱۳۳)

جب نکلا سے جلا کے چلے ہیں ہم آگے کراپے سایہ سے سر پا نو سے ہے در قدم آگے
تھانے تھا مجھے جاوا، خراب بارہ الف نکلا خراب کھا بس نہ چل سکا تم آگے
خیم زمانہ نے مہاڑی، نکلا مطلق کی سستی اگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے
نکلا کے واسطے، ماد اس جونی شوق کی دنیا کراس کے نڈپہ پچھتے ہیں نامور سے ہم آگے
یہ سر لہر جو پریشاںیاں اٹھاتی ہیں ہم نے قہارے آئیو، اسے طرز ہائے لم پہ تم آگے
دل دھجک میں پرالٹاں جو ایک سوہنوں ہے ہم اپنے زلم میں کھے ہوئے تھے اس کو ہم آگے

تم جلا، پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب

بیٹہ کھاتے تھے جو، میری جان کی تم آگے



جب نکلا سے جلا کے چلے ہیں ہم آگے

کراپے سایہ سے سر پا نو سے ہے در قدم آگے

تشریح:- کہتے ہیں کہ شوق شہادت کی خوشی میں انرا عجیب عالم ہے کہ جلا سے آگے کے دواں دواں ہیں اور انرا اس
قلم ہونے کے شوق میں انرا سے سایہ سے لگی در قدم آگے ہے۔



تھانے تھا مجھے جاوا، خراب بارہ الف

نکلا خراب کھا بس نہ چل سکا تم آگے

تشریح:- شاعر نے قصائے انجی کہنے کے بجائے گفتافی کے خیال سے صرف قصاء سے کام لیا ہے جو بہت ہی اچھا طریقہ عمل ہے اور قابلِ تحسین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے حق میں قصا مانگی نے لفظ غراب لکھا تھا اور جس سے آگے اس کا ہم نہ چل سکے گا اور نہ چکے گا اور نہ چکا جائے۔ اسے اُلفت سے مراد کر کے غراب کرنا تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ مجھ سے کوئی کام لینا شاید چاہتا ہی نہیں تھا اس لئے بس لفظ غراب سے آگے بکھڑ نہ کھڑا اور میں اس حکم انجی کے تحتہ بنو کر فنا بہت ہوں اور غرابوں کا کاروبار۔



نیم زمانہ نے بھاری، نکلا عشق کی مسی
دگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لا سے الم آئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ نیم زمانہ نے ہماری نکلا عشق کی ساری مسی بھاری کے رکھ دی مطلب یہ ہے نیم روز گھر کے سامنے نیم جاناں کی لا سے قسم ہوئی اگر نہ جب تک نیم زمانہ سے واقف نہ تھے اور کس ساش یا زمانے کی انگشت نمائی کا کوئی گز نہیں تھا تو جملہ اکام محبت سے تکلف اٹھا دیا ہے۔



خدا کے واسطے، داد اس ہونِ شوق کی دنیا
کس کے وہ پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آئے

تشریح:- شاعر کو شوقِ ملاقات کا جہانِ محبوب کے اور پر نامہ بر سے آگے لے گیا واقعی یہ جذبہ قابلِ داد ہے خدا کے واسطے ہمت و مطلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عجیب فعل پر اور انجس دی گئی تو عاشق کے ساتھ بے اعتدالی ہو گئی۔



یہ عمر بحر پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تہہ ہر آنچیں اسے ٹرہا دے لم بہ لم آئے

طرزِ ہدائے = ہر۔ سب۔ تمام خوشیاں، فلم بہ فلم = بچا اور بچا۔

تشریح:- عاشق بیزار کی کے عالم میں محبوب کو گھر سے کہہ کر ہم نے جو پریشانیاں ہماری خاطر اٹھائی ہیں بچے جنہیں قلبی پاس اور احساس نہیں ہے۔ وہ ساری کی ساری پریشانیاں بچا دو بچا کھدا کرے کہ تہہ ہر آنچیں یعنی جس جس میں بھی اس سے واسطہ چہتا کہ جنہیں دوسرے کی تکلیف کا احساس تو ہو ہوا ہے۔



دل دھجک لیں ہر افغان جو ایک سوہنے خوں ہے

ہم اپنے ذم میں کچے ہوئے تھے اس کو دم آگے

پُر افغان = بکرا۔ سوہنے خوں = طون کی دہار۔ ذم = فخر۔ دم = خوں، دھجک۔ ٹس۔ بات۔ جان

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمارے دل دھجک میں جو طون کی ایک دھار سوہن بنے اسکو ہم اپنے دم کے ٹبر و سر پر پہلے ایک دھجک کچے ہوئے تھے جو لگاتار ہلکے دھندلے ہے کہ جیسا سوہن خوں جو ہمارے دل دھجک میں رواں دواں ہے ہماری ہاوصلہ زندگی کا دھار ہے۔



قسم ہمارا پانے کی میرے کھاتے ہیں غالب

بیٹہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

تشریح:- کبھی دیکھو مجھ سے اس قدر محبت تھی کہ بات بات پر میری جان کی قسم کھاتے تھے آج انھیں اتنی نفرت ہے کہ میرے خیار سے میں بھی شرکت نہ کرنے کی قسم کھا رہے ہیں۔

غزل (۱۳۵)

شکوہ کے نام سے، ہے میر خفا ہوتا ہے یہ بھی مت کہہ کہ جو کہنے تو لگا ہوتا ہے

نہ ہوں میں شکوے سے ہوں راک سے جیسے باجا اک ذرا دھجک نہ ملے دیکھنے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں، پر نصیب جانی دیکھو شکوہ جو ہے، سر گرم جفا ہوتا ہے

مطلق کی راد میں، ہے چرخ نکوب کی وہ پال شست نوا جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ نصیب میں ہلکے ٹوکے پیدا، کہ ہم آپ اٹھا لاتے ہیں گرجہ خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ

کہ بھلا چاہتے ہیں اور بھلا ہوتا ہے



شکوہ کے نام سے ہے سرخا ہوتا ہے

یہ بھی مت کہہ کر جو کہنے لگا ہوتا ہے

شکوہ = شکایت ہے سر = خالم۔ خفا = ناراض۔ گدہ = شکایت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ شکایت کرنا تو درکنار وہ خالم تو شکایت کے نام ہی سے ناراض ہو جاتا ہے اور اسے اتنی ہم سے شکایت ہو جاتی ہے کہ ہم شکوے شکایت کہیں کرتے ہیں۔



نہیں میں شکوے سے یوں راک سے جیسے باجا

اک ذرا ابھیڑے بحر دیکھئے کیا ہوتا ہے

تشریح:- کیا اپنے دل میں اس قدر شکایات لے بیٹھا ہوں اور میرا بیٹھا ہوں جس طرح راکوں سے باجا میرا رہتا ہے آپ ذرا اس باجہ کو بھیڑ کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نیکے نیکے عاجز ہو جائیگے اور ناداری کا تئیں ختم نہ ہوگی۔



کو کہتا نہیں، یہ نہیں جانتی دیکھو

شکوہ جو ہے، سرگرم بنا ہوتا ہے

نہیں جانتی = نہ پہچان سکتی۔ شکوہ = شکایت۔ جو = علم۔ جہا = علم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں اگر اس سے علم کی شکایت کرتا ہوں تو اور زیادہ علم و فیاضی کرنے لگ جاتا ہے میری شکایت کو نہ کرنے کا کوئی عذر اختیار کیا ہے۔



مشق کی راہ میں ہے چرخ ککوب کی دو چال

نسبت تو ہے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

چرخ = آسمان۔ ککوب = ملا اور عار۔ آبلہ پا = آبلوں پر پاؤں۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ مشق و عاشقی کے معاملات میں تو آسمان جب ہم مشاق پر غنی کرنے پر آمادہ ہے تو ایک آبلہ پا انسان کی طرح نسبت و تار ہو جاتا ہے اور ہم کی نسبت و تار ہو جاتا ہے اور جب آرام پہنچاتا ہے تو غنی رہتا ہے تو نیز

دیکھا جاتا ہے اور یہ مدت بہت مختصر کر دیتا ہے۔



کیوں نہ تھریں چلے تاکہ بیدار، کہ ہم

آپ اٹھا لائے ہیں گرجر خطا ہوتا ہے

چلے = بھانے تاکہ = تیر۔ بیدار = ظلم۔ خطا = بڑکنا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں کو نکلتا تیر تم کیوں نہ پایا جائے جبکہ ہماری خود یہ عادت ہے کہ اگر اسکا تیر نکلتا ہے۔ خلاف
جاتا ہے تو ہم خود اٹھا کر لاتے ہیں اور تیر ادا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ بڑھتی تیر تم کرے۔



خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخوا

کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

خوب تھا = بھرا۔ بدخوا = برا چاہنے والا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بھری تھو کہ ہم آپ پہلے سے اسے اپنے بدخوا ہوتے تو ہماری حمایت ہوتی اور ہمارے ساتھ
ایک سلوک ہوتا۔ ہم نے غلط کیا بھلا چاہا اور برا ہوا۔

غزل (۱۳۶)

نار جاتا تھا چمے عشق سے میرا اور اب لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے

خار میرا کہ وہ ہے بارہو بزمِ سخن شہر کی مداح میں ہیں نقد سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہِ کواکب پہ ہر علم تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اہلیم کا حاصل جو سرا ہم کیجئے تو وہ فکر کا ترے فعل بہا ہوتا ہے

ہر نیچے میں جو یہ بند سے ہوتا ہے بال آستان پہ ترے بہرہ نامید سا ہوتا ہے

میں جو کھٹکھٹا ہوں آنکھیں غزل خوانی میں یہ بھی میرا ہی کرمِ اوق فرا ہوتا ہے

دیکھو غالب مجھے اس رخِ نوازی میں صاف

آج کچھ درد میرے دل میں ہوا ہوتا ہے



پار جاتا تھا چلے مرے میرا اور اب

لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے

نار = فرار۔ عرش = مقامِ باری تعالیٰ۔ لب = بوند۔ دسا = کھینچنے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کبھی میرا جو عرش سے بھی پرے نکل جاتا تھا لیکن یہ عشق کے اولین دوزخ کی بات ہے اور اب
بیکہ شاید آخری دور ہے کہ اتنی طاقت بھی نہیں رہی کہ لب سے آگے بھی نہ سکے مطلب یہ ہے کہ نہ سے نکلا ہی نہیں



خاندہ میرا کہ وہ ہے بادِ بزمِ خن

شاہ کی دماغ میں ہیں نذرِ سرا ہوتا ہے

خاندہ = قلم۔ باد = بوجھ۔ بد = بُرا۔ شاہ = بہادر شاہ ظفر۔ بزم = محفل۔ قندہ سرا = غزل گو۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرا قلم شاہ کی محفل میں ایک بُرا بوجھ بنا ہوا ہے بزمِ خن میں غزل سرا ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے
غالب کہ یہ شہادتِ دہی ہے کہ انکو محفل میں قرارِ واقعی دادِ حُسن سے محض نوازا گیا اور ان کی شکل پسندی جو اپنی مادہ قلمی کمال
گوئی کر کر نظر انداز کی گئی۔ بلکہ نئے نئے دماغوں پر ایک بوجھ بن کر رہ گئی۔



اے شہنشاہِ کاکب یہ میرِ علم

حیرے اکرام کا حق۔ کس نے لدا ہوتا ہے

شہنشاہ = شاہوں کے شاہ۔ کاکب = شاہِ کاکب کی ستارے۔ رہے = فوج۔ میر = سورج۔

علم = جہلذا پر ہم ابھریا۔

درباری غزل ہے شاعرِ بادشاہ کی خوشامد میں رطبِ انسان ہے اور یوں اس مرضِ پیداز ہے کہ اے شہنشاہِ عالم پناہ ستاروں کی
ویشا فوج اور سورج جیسی چمک دکھ۔ کچھ دالے پر ہم کے مالک؟ کی حیثیات کا حق کس سے لدا ہو سکتا ہے۔



سات اہلیم کا حاصل جو فراہم کیجئے

تو وہ فقر کا ترے فعل بہا ہوتا ہے

سات اہلیم = افراد میں مدد میں دانشوروں نے دنیا کے آباد علاقے کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے جو نصف کو ادارہ
پر مشتمل ہے اسکو سات اہلیم کہتے ہیں۔ فراہم = اکٹھا جمع۔ فعل = جوت۔ بہا = قیمت۔

تشریح:- یہاں سات اہلیم سے مراد ساری دنیا سے ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت بھی اکٹھی کر لی جاوے تو وہ صرف
تیری فوج کے فوجیوں کے جوتوں کی قیمت ہی کی قیمت کر پانگی۔



ہر مینے میں جو یہ درد سے ہوتا ہے ہلال

آستان پر ترے نیدہ نصیر سا ہوتا ہے

بدرد = پورا جانو۔ ہلال = غروب کی کاپانہ۔ آستان = چوکھٹ۔ نیدہ = چاند۔

نصیر = افتادہ پوشائی۔ سائیکو = کھتا۔ مگرنا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہر مینے میں چاند جو درد سے ہلال بناتا ہے یہ تیری چوکھٹ پہاڑی پوشائی کہنے کے ہام ہوتا ہے۔
ہلال عروض اسکو صنعت تحلیل کہتے ہیں کہ چاند کا گھٹنا ہر صابک نظری مل ہے جو ہلال سے چلا آ رہا ہے مگر اسکو کٹھن نے شام کی
چوکھٹ سے منسوب کر دیا کہ ہمارے ہنگامہ کے ہلال کے ساتھ ہر کٹھن کی چوکھٹ پر پوشائی کہتا ہے یعنی ہمارے ہے۔



میں جو گھٹنا ہوں آنکھیں غزال خوانی میں

یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق نوا ہوتا ہے

گھٹنا = نیدہ پست۔ آنکھیں = قانون۔ غزال خوانی = غزال کہنے میں۔ ذوق نوا = مذاق کو بہ عبادہ ہے ۱۵۱۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں جو بھی غزال کہنے میں گھٹنا کہتا ہوں وہ اصل واصل واصل خوانی کے سبب ہے کہ میں بھی تیرا
ہی مذاق (دلچسپی) کا لڑکا ہے ورنہ میری ہر گز یہ کمال نہ ہوتی۔



دیکھو غائب مجھے اس حلقہ خوانی میں صاف

آج جگہ درد میرے دل میں رہا ہوتا ہے

عزرائی = کروڑ کیلکٹور

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے عابد آج میرے دل میں یکھنوار ہی دعا خود رہا ہے اور میں کروڑ کیلکٹور ہوا کرتا آیا ہوں جسکے لئے سوال کا خواہ سنگار ہوں۔

غزل (۱۳۷)

غیر میں مل میں تو ہے ہام کے ہم رہیں ہیں تھنہ لب پیغام کے
 منگی کام سے کیا شکوہ کہ یہ جھکڑے ہیں چربخ نیلی قام کے
 خط نصیب کے گرچہ مطلب یکھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تھوڑے نام کے
 مات پئی زحزح پہ سے اور صبح دم دھوئے دھنے چاند احرام کے
 دل کو آنکھوں نے چنایا کیا مگر یہ بھی جلتے ہیں تھوڑے نام کے
 تھوڑے کے ہے مطلب صحت کی خبر دیکھتے کب دن بھر میں حرام کے
 عشق نے عابد کھا کر دیا

دند ہم بھی آدمی تھے کام کے



غیر میں مل میں تو ہے ہام کے ہم رہیں ہیں تھنہ لب پیغام کے

و = او

تشریح:- کہتے ہیں کہ کہنے انہوں کی بات ہے کہ غیر لوگ تو میری شکل میں ہام پہ چاہند سے لگائیں جائیں مطلب ہے مطلب دلچسپ ہے چلے جائیں اور جو میر سے اپنے ہیں اور میرا پیغام ہی سننے کے واسے ہیں کہ کب اذن چکلی میں اور ہم اپنی چکلی دور کریں۔



منگی کام سے کیا شکوہ کہ یہ جھکڑے ہیں چربخ نیلی قام کے

مصلیٰ = نوں اکبر۔ شکرہ = عذبت تک۔ مصلیٰ سے = داس چا۔ چرخ = آسمان۔ مصلیٰ مقام = نچلے دنگ کا۔
تشریح:- کہتے ہیں کہ پہلی بد حال اور مصلیٰ کا نام سے کیا شکرہ کریں کہ ایک یہ سب جو تہجدی وجہ سے نکس ہے بلکہ یہ بجا
آج کل جو اور سے ہر مسئلہ ہے اگلی کار فرمائی ہے ہم تو ان کے علم کا کلام ہیں۔



عذبت نکس ہے، اگرچہ مطلب یہ کہ نہ ہو

ہم تو ماضی ہیں تمہارے نام کے

تشریح:- محبت میں ایک ایسا بھی مقام آتا ہے کہ ماضی صرف محبوب سے تعلق بنائے رکھے کے لئے خواہ مخواہ بلا
ضرورت اس کو نکال دیتا ہے اور انکس نکالتا ہے کالعب اخفاتا ہے۔ شکرہ تو اس مقام سے کہا گیا ہے کہ ہم تو تہجد سے نام کے
ماضی ہیں میں کام سے کیا اور حکام کو کہہ دیا نہ ہو ہم جسیں عذبت نکسے اور نکسے رہیں گے۔



رات اپنی دھرم پہ نئے اور صبح دم

دھرم دینے جلتے اہرام کے

دھرم = ایک حیرت انگیز دھرم جس کو کہی انکس ہادی میں سے یہاں طبع کی ایجواں رگڑنے سے ہادی ہوا تھا جو بنو ہادی
ہے۔ اور کاج کا اس کا پانی بعد احرام پہنے ساتھ لاتے ہیں۔

مئے = شراب۔ جامہ = لباس، کپڑا، احرام = ایک مخصوص لباس کاج کا۔

تشریح:- شرابی لوگ اکثر شراب کا انکی عیسیٰ تم کرنے کے لئے عرق میں ملا کر پیا کرتے ہیں چنانچہ حضرت عائشہ نے
طورا پہنے ایک خط میں حکام کا ذکر کیا ہے کہ انکس ملا کر پیتے ہیں یہاں کہتے ہیں رات دھرم پہنے گئے۔ مطلب دھرم
آپنا نئے اپنی فرض حرکت نہایت شرمناک کی اور صبح دم جو دھرم شراب کا اور سے حیرت انگیز لباس جلتے اہرام پہ آگئے تھے
دھرم اور رات کی اہمیت سے پاک ہو گئے۔

معلوم نہیں یہ شرابی اس قسم کے اشعار کیوں کہتے ہیں کیا اس مادہ کوئی سے انکار ہم کہہ سکتے ہیں ہاں ہے۔ نہیں بلکہ
واقعہ یہ ہے لوگ ان پر نظر کرتے ہیں جو پارسی کا دم اہم کرتے ہیں اور نیچے دھرم ہے اس ذیل میں کسی صاحب نے یوں
بھی فرمایا ہے۔

رات میرے اپنی صبح کو پہن کرلی ☆ رات کے بعد ہے ہاتھ سے جنت نہ کی



دل کو آنکھوں نے پھنسا، نہا تر

یہ بھی ملتے ہیں تہارے دام کے

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہمارے دل تہارے آنکھوں کے زیر نظر کا نگار ہوا ہے تہااری آنکھوں نے ہمیں اپنی محبت کے حال میں پھنسا ہے۔ دامن یہ بھی تہارے دام محبت کے چھند ہے ہیں۔ دامن آنکھ عاشق کی ہو یا مستوق کی دونوں طرف داری مستوق ہی کی کرتی ہیں عاشق کی آنکھ بھی محبوب کے حسن و جمال سے حائر ہو کر اپنے مالک (نگار) مشورہ دیتی ہے کہ چرچا جانے کے قابل ہے اس لئے عاشق کی آنکھ بھی مستوق کے دام محبت ہی کا چھند و جوت ہوتی ہے۔



شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر

دیکھئے عجب دن بھر میں ختام کے

شاہ = نر اور بہادر شاہ ظفر سے ہے۔ غسلِ صحت = بیماری سے صحت پانے کے بعد نہانا۔ ختام = مسکنا۔

تشریح :- شہنشاہ عالم پناہ بہادر شاہ ظفر بھاری سے صحت یاب ہو کر آئے ہیں غسلِ صحت کی شہرت ہے دیکھئے مسکنا کی قسمت کب اونچا پر آتی ہے اور اودن کب آتا ہے شاہ کے غسل سے پہلے مسکنا نے کوکاب و کیوڑ سے غسل دیا جا چکا اسکے بعد شاہ مسکنا نے میں داخل ہو گئے اسلئے فرمایا کہ دیکھئے ختام کے دن کب بھرتے ہیں۔ شعر ہذا میں شاہ کی خوشامد کا پہلو تو نمایاں ہے ہی لیکن ایک لطیف سا طعین بھی بچھا ہوا ہے جو اکثر نادار و دوسا پر کیا کرتے ہیں اور جس میں خند کی ہلکی سی بو بھی آتی ہے۔



مثنیٰ نے غالبؔ کھنکھار کر دیا

دنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

تشریح :- بہت مشہور معروف شعر ہے نہایت سلیس دامن حال اور سلی ہے اور نہ بان ذوق و تخی ہے۔ شرح طلب نہیں ہے۔

تبصرہ :- اس میں شک نہیں کہ مثنیٰ آدمی کو کسی اور کام کا نہیں چھوڑتا جیسا کہ مجنون اور فرہاد کی کہانی سے ثابت ہے۔ ہر خلاف اسکے حضرت غالبؔ کا مثنیٰ اُنکی بڑی ہوتی سہاٹی ہے جسے انھیں کھنکھار دیا تھا۔ اور نہ اگر مثنیٰ حقیقی ہو تو وہ آدمی کو بکھر نہیں کرتا بلکہ کام کا پتہ دیتا ہے۔ خاتم بدین



غزل (۱۳۸)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ قصیں کہو کہ یہ اعجاز کھٹکو کیا ہے؟
 نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ آوا کوئی تارا، کہ وہ شوق سے غرق کیا ہے؟
 یہ دھک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے دگر نہ غول پہ آسوزی عود کیا ہے؟
 ٹپک رہا ہے بدن پہ لہو سے جہان ہماری بیب کو اب حلیہ رفو کیا ہے؟
 مٹا ہے جسم جہاں دل بھی مل گیا ہوگا ٹرے سے ہو جو آبِ ناکہ جھڑ کیا ہے؟
 رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم جس کاں جب آگہی سے نہ پڑا تو پھر لہو کیا ہے؟
 وہ چڑ، جس کے لئے ہم کو ہو بہشت مزہ سوائے بارہ کھٹام غفلت کیا ہے؟
 عین شراب اگر خم بھی دیکھ لوں وہ چار یہ شیشہ، انداز و گزہ و سہ کیا ہے؟
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی تو کس امید پہ کہتے کہ آرزو کیا ہے؟

ہوا ہے شہ کا مصائب پھر سے ہے اترا

دگر ہا شعر میں غائب کی آرزو کیا ہے؟



ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟

قصیں کہو کہ یہ اعجاز کھٹکو کیا ہے؟

تشریح:- شعر تہ انہایت سادہ اور سلیس راز و مزہ کی بول چال میں کہا گیا ہے اور سادگی کی برائی اور بھلائی اور جہالت کو
 آئینہ دکھا رہا ہے۔ پہلی غزل میر تقی میر کے اعجاز میں کی گئی ہے جسکا ہر شعر اپنی جگہ سادگی، شہیتہ رکھتا ہے اور زبان زور
 علاقہ ہے اس لئے کسی شرح کا محتاج نہیں ہے تاہم ہر شعر کی ہکونہ مکمل توضیح ضروری ہے۔



نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ آوا

کوئی تارا، کہ وہ شوق سے غرق کیا ہے؟

شعلہ = پٹھاری۔ کرشمہ = کراہت۔ برقی = بجلی۔ منہ خوں = خلت حراش۔

تشریح:- محبوب کی تعریف میں حضرت رطب السنان ہیں لہذا ہے ہیں کہ شعلہ (پٹھاری) میں وہ کمال ہے جو ہمارے محبوب میں ہے اور نہ بجلی میں وہ ادا ہے جو ہمیں ہے کوئی اصل دانش ناکو کچ کرنا ہے تو کسی کرا خروہ ہمارا محبوب ہے کیا چیز کسی چیز سے انکو تشبیہ دی۔ ہمارے جو اس پر پوری اثر کیا اسکی تشریفی (تک عزائی) اور شرفی دونوں ہے مثال ہیں۔



یہ رنگ ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے

دگر نہ خوف بہ آموزی عدا کیا ہے؟

رنگ = جلن زاپاہیت۔ ہم سخن = منگھ کا شریک۔ ہد آموزی = بد ملوی۔ عدا = دشمن۔

تشریح:- دشمن تو بہر حال دشمن ہے اس سے کسی وقت بھی بھڑسلو کی توقع نہیں کی جا سکتی اور وہ جب بھی کوئی اقدام کرے اس سے لئے نقصان وہی ہو سکتا ہے جسکی ہمیں کرنی گز نہیں ہے۔ ہمیں تو یہی ملن بہت ضرور کئے ہوئے ہے کہ وہم سے کیوں ہمکا ہم ہے۔



چمک رہا ہے دن پر لہ سے ہوا میں

ہواری بیب کو اب حاجت روز کیا ہے؟

لہ = خون۔ ہوا میں = کرت لیس۔ حاجت = ضرورت۔ روز = سوائی۔

تشریح:- تھوڑی مشت میں بچوں کی سگ ہادی نے ہمیں اس اور جد فی کر دیا ہے کہ خون آلود پہنا ہوا ہر من جسم سے چمک کر رہ گیا ہے اسلئے ہمیں اب کوئی ضرورت روز کی نہیں رہی ہے مطلب یہ ہے کہ راہ طلب میں اب ہمیں گریانی کا بہش ہے نہ جان ہانے کا خوف بھی شاید عشق کی آخری منزل ہے۔



ہا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

گر یہ تے ہو جو اب ناگہ جھٹو کیا ہے؟

تشریح:- محبوب سے طالب ہیں لہذا ہے ہیں کہ اتقل عشق نے ہمیں نہ کسو ناگہ دکھ دیا ہے جب ہمارا چہرہ جسم ہی

ہل کر رکھ کر گیا تو دل بھی جینا جل گیا ہر گلاب جو اُس رانک کو ہار دیا کہ سنے ہو کس جج کی طعنائی ہے۔



دگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں تامل

جب آنکھ ہی سے نہ چا ۛ پھر لو کیا ہے؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ خون کے دگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم تامل نہیں ہیں یہ تو ہاخوروں کے جسم میں بھی دوڑتا پھرتا ہے اور ہر ہمارے کی زندگی کا نظری اور قدرتی ذریعہ ہے۔

جسم انسانی میں لہو کی بجگہ اور ہی خاصیت ہوتا چاہے اور وہ خاصیت جذبہ محبت کی فراوانی ہے کہ دوسرے کی تکلیف سے اس درد چڑھ کر آگے پہنچتی کی آگ سے خون کو پچا کر پانی بنا دے اور اس کی شکل میں باہر نکال دے۔



۱۱ ج ۱ جس کے لئے ہم کو ہو بہشت مزاج

۱۲ اے بادۂ گھٹام نظم کیا ہے؟

بادہ = شراب۔ گھٹام = گھرگ۔ نمٹک بو = نفا ہو کی خوشبو۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم تو جنت کو بھی اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہاں میں گھرگ اور نمٹک بو شراب یا اطرائی کی۔ اور اگر یہ جج وہاں نہیں ہے تو وہ قول شاعر جنت ہی نہیں ہے۔ سواۓ اظہ



ہیں شراب اگر تم بھی دیکھ لوں ۱۱ چار

یہ شیشہ قدح و کوزہ و سہ کیا ہے؟

گم = گلا۔ شیشہ = ساغر۔ قدح = پڑیا۔ کوزہ = چال۔ سہو = گھڑا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر وہ چار سہے شراب سے مہرے دیکھ لوں تو پہنے کی خواہش بھی کر دیں اور نہ یہ سرائی نکاس باہر جائے پھر تو کیا شیشہ اسیکے تو ہماری نگاہیں ۱۱ دیکھیں ہوگی خواہ ادا ایمان ہی خواب کرنا ہے۔



ہا ہے شہ کا صواب پھرے ہے اترنا

دکرا شہر میں غالب کی آمد کیا ہے؟

مصاحب = ہم صحت، ہمیشگی اترانا = اترنا۔ آمود = لذت۔

تجربہ۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب آب حیات میں لکھا ہے اس غزل کا مطلع مطلع سے پہلے کہا گیا ہے اور
والہذاں طرح ہے کہ غالب صاحب کی دو دکان پر شکر لیا ہے کہ آخر سے حضرت ذوق کا گنہگار ہوا چونکہ دونوں حضرات
ایک دوسرے سے چھکے رکھتے تھے حضرت نے انکو کہہ کر باور نہاد مطلع کا مصرعوں کی چھ ماثروں کو یاد دلائی صاحب
نے انصاف کوئی جواب نہیں دیا لیکن شاہ قمر سے جو انکے شاگرد بھی تھے ہا کر شکایت کی شاہ نے غالب صاحب کو دربار
میں طلب فرمایا اور ان سے کتا فی کا جواب طلب کیا غالب صاحب نے فرمایا کہ حضور غلام تو اپنی غزل کا مطلع پڑھو اور
میں نے شعر فرمایا ہے لے لے کہا ہے ذوق صاحب سے اُن کا کوئی مطلب نہیں اور انھوں نے اپنی غزل شاہ کو سنائی اور انکو مطمئن
کیا اس طرح ذوق صاحب کو شرمندہ ہونا پڑا۔ دھندہ اطم۔

غزل (۱۳۹)

میں انھیں بھیڑوں اور کہہ نہ کہیں
میں رنگے جو سے چنے ہوئے
نہ ہو ڈالا ہو جو کہ ہو کا شے تم برے لئے ہوئے
میرا قسمت میں تم کر ادا تھا دل بھی داب کی دیے ہوئے
آہی جاتا دو راہی غالب
کوئی دن اور بھی چنے ہوئے



میں انھیں بھیڑوں اور کہہ نہ کہیں
میں رنگے جو سے چنے ہوئے

تشریح۔ کہتے ہیں کہ انھیں بھیڑوں اور ناشکی سے بدداشت کر لیں یہ کہات نہیں ہے اور چنے کو سے کہہ لگا کر کچے
ہیں اس وقت ہم شراب پئے ہوئے تو دوسرے اس مذاق پر حریف کے جوہر کچے تھے اور اصل کے مکان روشن تھے۔



نہ ہو ڈالا ہو جو کہ ہو کا شے تم برے لئے ہوئے

تشریح:- دنیا والے ہمیں بھوکے کھیں کہ تم بختم قرعہ طلب ہو۔ ایک بلا ہوا کے چاروں بھری آرزو ہے کہ کاش تم صرف بھرتے لے لو گے۔



بھری قسمت میں تم کراؤ گے

دل بھی پا رہا کی رائے ہوئے

تشریح:- پارٹیاں ملیں اگر بھری قسمت میں آئے اس قدر تم آگاہ رہے تھے تو انکار اٹھانے اور برداشت کرنے کے لئے دل بھی کھینچ دینے چاہئے تھے ایک دل کے لئے تو یہ بڑا عظیم ہے اور ناقابل برداشت ہے۔



آہی چاہتا ہوں مارا ہے غائب

کوئی دن اور بھی بنے ہوئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ غائب تم بہت کراؤ لگائے اور فراق باری مسوحوں کو برداشت نہ کر سکے اور بالآخر خود کو موت کے حوالے کر دیا۔ ہمارا کہہ دو اور برداشت کر لیتے اور جیتے رہتے تو یقیناً وہ تمہارے ہواست پر آجاتا۔ اس لئے اعجاز سے شاعر نے اپنی مراد کا اظہار کیا ہے۔

غزل (۱۳۰)

عقش تازیت طراز پہ آغوشِ رقیب پائے طاؤس بے خندہ بانیِ مائے

تو ہوں کہ حقیر کو توشہ جانے تم دو انسان کہ آشتی بانیِ مائے

”بے عشق کھاتے ہیں کہ ہر صورت طبع

شط تا ہیں بھر ریتِ دانیِ مائے



عقش تازیت طراز پہ آغوشِ رقیب

پائے طاؤس بے خندہ بانیِ مائے

عقش = تصویر۔ تازیت طراز = خوبے کس پہ تراز۔ آغوش = پیار۔ رقیب = دشمن۔

طاؤس = سودا یک پرندہ۔ خنجر = تلوار۔ مانی = ایک مشہور پہلی مصور کا نام۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اس دن کا اور سطر اور حید کے ہاں کی تصویر لینے کے لئے وہ بکرا اور تپ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی ہو
ایک ایسی مصور تھی کہ ضرورت اس بات کی پڑ گئی کہ وہ سور کے پاس کا گلم جائے تب اس کمرہ دھڑکی تصویر کشی کرے۔ کیونکہ
اس دھڑکا بھی ٹھانہ ہے۔ کیونکہ سودا یک صحن پر عود ہے مگر اُس کے پاس کمرہ ہوتا ہے اس لئے اُس کے پاس ہی گلم کے لئے
مستحب حال ہوں گے۔



۱۰ دلو کو خنجر کو قاتل جانے

۱۱ ام افغان کو آشفٹ مانی مانگے

بدلو = نری مارت۔ خنجر = حرمت۔ قاتل = کھیل۔ آشفٹ = پریشان حال۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہم تو حیرت سے حیرت زدہ اور دوجانہ ہیں مگر تو کتا بدلو بد مزاج واقع ہوا ہے
کہ ہماری حرمت زدگی اور دوجانگی کو ایک قاتل اور مذاق جان رہا ہے۔ ہم حیرت محبت میں ایک افغان عشق بن کر رہ
گئے ہیں جسکو جان کرنے کے لئے لڑکھائی ہوئی زبان اور بے دہلی جان کی ضرورت ہے۔ جو ہماری حالت کی کج
ترجمان ہو سکے۔



۱۲ وہ عشق تھا ہے کہ ہر صورت شمع

شعلہ ۱۳ جس جگر ریہہ دوانی مانگے

مپ عشق = مری عشق۔ شعلہ = چنگاری۔ ریہہ دوانی = رگ میں دوا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ آئندہ کی طلب میں عشق کی گری کی خدمت کا مجیب عالم ہے کہ ایک چنگاری ہے جو دل و جگر
کے رگ و ریشہ تک دوڑتی دکھائی دیتی ہے اور میری پہچینت عشق ہوئی شمع کی مانند ہے کہ اسکی چنگاری نہ پڑھتی ہے مگر
اسکی گری سے اُس کے جسم کا ریشہ پڑھتا ہے۔



غزل (۱۴۱)

جس دلم کی ہو تکتی ہو تھیر رف کی لکھ دیجیہ، یارب! اے قسمت میں لکھ دی
 لہنا ہے سرانکھبہ حنائی کا تصور دل میں نظر آتی تو ہے، اک لکھ دیو کی
 کہوں ڈرتے ہو مطلق کنی بے وصلگی سے؟ ہاں تو کوئی سنا نہیں فرماؤ، بسو کی
 دشتے نے بھی نہ لکھا ہو بگر کو خیر نے بھی بات نہ پہنچی ہو مگر کی

سودھ ۱۱ ناکام، کہ اک سر سے غائب

صورت میں رہے ایک بہت مرید، مگر کی



جس دلم کی ہو تکتی ہو تھیر رف کی

لکھ دیجیہ، یارب! اے قسمت میں لکھ دی

تشریح:- یہاں مغزرت کی مشکل پسندی قابلِ مبالغہ و قصین ہے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب دیا کوئی دلم مت دیجیہ جو
 آرام ہو جائے گا ہو یا جسکے آرام کی کوئی صورت تکتی ہو دیا دلم تو میرے ذہن ہی کو دیجیہ۔ دراصل مشکلات کا مقابلہ کرتے
 رہنا ہی مردانگی کی دلیل ہے اور یہ جذبہ ہی کا سبب زندگی کا ضايع ہے۔



لہنا ہے سرانکھبہ حنائی کا تصور

دل میں نظر آتی تو ہے، اک لکھ دیو کی

سرانکھبت = اعلیٰ کا پیلا ہوا۔ حنائی = پسندی والا۔ تصور = خیال۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ محبوب کی پسندی سے وہی سرخ انگلی کا (انکا ہوا) کس قدر ماہے امداد ملی رہتا ہے کہ اس کا
 تصور ہی مست رکھنے کے لئے کافی ہے اور بہت اچھا ہے کیونکہ اس خیال میں تار پڑے کہ انکی ہمارے دل میں خون کی
 کوئی لکھ دیتی ہے اور نہ اگر یہ بھی نہ ہوتی تو دل کو ہرگز انکھبت معانی کا تصور نہ آتا، ہر ایک یونہی کوئی دل میں نظر آ رہی ہے
 اور انکھبت حنائی کا گھس ہے، لہذا نہیں ہے۔



یوں دارتے ہو مطلقاً نہ بے غرضی سے؟

یاں تو کوئی نکتہ نہیں غریبہ کسو کی

تشریح:- غلام کو کاشمال میر تقی میر کے دور تک رہا غائب صاحب کے دور میں مزارک ہو گیا مگر یہاں حضرت نے
کافی کی بھوری میں استعمال کیا ہے جو مردہ سے زیادہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ہم ماضیوں کی کہ عین سے تمہیں دار نے کا کوئی موقع نہیں ہے کیونکہ ہم دست دراز توئی تو کم ہنسی
کے سبب کر ہی نہیں سکتے اسلئے اڑا دیا کہ ہے اور یہاں غریبہ کوئی کسی کی نکتہ ہی نہیں جو اس محل کا دستور ہے۔ لیکن وہ کسی طرح
کا کوئی غمروہ ہے ہی نہیں آج کا بھری طرف سے قطعاً مطمئن رہتا ہے۔



دشنے نے بھی نہ لکھا ہو فکر کو

خیر نے بھی بات نہ پہنچی ہو غلو کی

دشنہ = مجر۔ غلو = گردن۔

تشریح:- شعر بڑا بلا غلطیوں اور بے شعر سے غلط ہے اور جو مضمون عاشق کی بے حوصلگی کا آیا ہے یہ اس
سے جڑا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم مطلقاً کے مجر نے آج تک کسی کے فکر کو نہ لکھا یا کسی کسی کے گلے کو نہیں کا
مطلب یہ ہے کہ ہمارا مطلقاً کا آج تک کار کا راز ہے کہ ہم نے کسی کو گل نہیں کیا ایذا نہیں پہنچائی، پھر ہم سے
دار نے کا کوئی موقع نہیں ہے۔



صوفی وہ ناکام، کہ اک مر سے غائب

حسرت میں رہے ایک بیت مریدہ نو کی

صوفی = صوفیوں۔ بیت مریدہ = مرید لڑکا، بچہ، لڑکھن۔

تشریح:- صوفیوں صوفیوں کہ غائب جیسا کہ ایک مریدہ نے پر مطلب ایک لہجہ کی مدد سے گزارنے پر بھی اس بیت
مریدہ جو تو خیر کرنے میں ناکام چلا آ رہا ہے۔



غزل (۱۳۲)

کب وہ نکلا ہے کہانی میری اور میر وہ بھی رہائی میری
 غلشِ غمزہ خوں رنج نہ پوچھا دیکھ غوتا پھٹائی میری
 کیا جاں کر کے مرا روئیں گے پارے تر آشتِ بیانی میری
 ہوں زخمِ دقتِ بچائے خیال بھول جاتا ہے نکلی میری
 متکامل ہے متکامل حیرا زک گیا دیکھ رہائی میری
 قدم سبک میری دکتا ہوں سخت لڑزیاں ہے کہانی میری
 گرد باد وہ ہے تابی ہوں سرمیر شوق ہے بانی میری
 دہی اس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی چچ دانی میری
 کر دیا ضعف نے عاجز غائب

کب جی ہے جمالی میری



کب وہ نکلا ہے کہانی میری
 اور میر وہ بھی رہائی میری

تشریح:- شعر ہائے سادہ ہے مصرعہائی میں یہ کہ کہ اور میر وہ بھی رہائی میری نے لطف پیدا کر دیا ہے کیونکہ
 محبوب اپنے عاشق کے بارے میں مصروف رہتا ہے اور کہانی اپنے سے حقیق ہے اسلئے اس کے سنے کا سہل ہی پیدا نہیں ہوتا۔



غلشِ غمزہ خوں رنج نہ پوچھا
 دیکھ غوتا پھٹائی میری

غلش = جیسے جیسی غمزہ = چشمِ داغ کا اشارہ۔ خوں رنج = خون بہا۔ غلش پھٹائی = غلشِ غمزہ کو کھیرا
 تشریح:- فرماتے ہیں کہ معشوق کے چشمِ داغ کے اشارے کی غلش تخی خوں بار اور غلشِ غمزہ ہوتی ہے مجھ سے

مست پچ بکھ بھری جانب زاد کو دیکھ اور اندازہ کر کہ میں آئی فخر و محبوب کا شکار ہوں جنوز خون کے آشوروں پر ہوں اور کوئی صورت نہایت کی نظر نہیں آتی۔



کہا جیسا کہ کے مراد دیکھ کے بارہ
مگر آشتہ جانی بھری

آشتہ = پریشان، دہانہ۔ آشتہ جانی = دہانے کی جھنگ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ بارہ دست میرے سر کے بعد بھری کہا بات بارہ کے دیکھنے میں تو اپنے اندر کوئی ایسی غلطی نہیں پاتا جو بارہ کرنے کے قابل ہو۔ مگر اس بھری آشتہ جانی (دہانوں کی کسی جھنگ) کو ضرور بارہ کے دیکھنے۔ دانتہ یہ ہے کہ دہانے کی جھنگ پر بارہ اور پڑھ بارہ کم بھگ میں آنے والی ہوتی ہے اور دانتہ جانی غالب بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ آسانی سے جھل کی گرفت میں نہیں آجاس لے آشتہ جانی کہا ہے جو انتہائی مناسب ہے۔



ہوں زخورد زلف بیدائے خیال
بہول ہاتا ہے، نکالی بھری

زخورد = کھو یا ہوا۔ بیدائے خیال = خیالات کا جنگل۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھ پر جو بہول کا ظہر رہتا ہے یہ نکالی اور علامت اسہت کی ہے کہ میں خیالات کے جنگل بیابان میں کھو پڑتا ہوں۔



نکاتل ہے، نکاتل میرا
دک کہا دیکھ نکاتل بھری

نکاتل = جو تپا لے کی حالت نہ رکھتا ہو۔ جس طرح نکاتل مرکب مشاعر نہیں ہوتا مگر یہ ظم خور۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا نکاتل نکاتل ہے مطلب یہ ہے کہ خرد و فکر و عقائد کر رہا ہے مقابلہ پر آ رہا ہے نکاتل میں تپا لے کی نہایت ہے نہ صلاحیت بھری نکاتل میں کچھ نہ کری دک گیا۔



قدر سبک پرورد دکتا ہوں

خست ارزاں ہے، گرانی ہمیری

قدر = عزت تو غیر بزرگی ماننا۔۔۔ سبک پرورد = راہ کا سفر۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے سفر میں جو گرانی ہے جو سوائے عشق ہے اُسکے علاج کی جو آسان صورت ہو سکتی ہے میں اس سے واقف ہوں۔ کیونکہ میں دانتے میں چڑے سفر کی قیمت اور قدر و منزلت کو جانتا ہوں۔ میں اسکا بھی علاج نہیں کر سکتا اور میرے سفر میں سفر مارے اور طوائف کے اور سوداؤں اور ہوشی خود راہ کے سفر کا استعمال کر سکتا ہوں اور یہ کام میرے لئے بہت آسان ہے۔



گرد باد رو ہے تابی ہوں

مردم شوق ہے ہائی ہمیری

گرد باد = گرد۔۔۔ رو = راستہ۔۔۔ چابی = نگین۔۔۔ مردم = آدمی۔۔۔ ہائی = بڑا اور اہم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں ایک گولے کی مانند نگیناں وہی قرار ہوں جو شوق کی آدمی کی پیداوار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کی ملاقات کا شوق جو آدمی کی سی حذت اختیار کر چکا ہے مجھے گولے کی طرح آوارہ گرد، نگیناں و بختیار اُٹھائے بھرتا ہے۔



دکن اس کا جز نہ مٹوم ہوا

کھل مٹی چچ دانی ہمیری

دکن = نمہ۔۔۔ چچ دانی = کم مٹی، چم۔

تشریح:- نمہ کا چھوڑنا اور بصورتی کی علامت مانا گیا ہے اس لحاظ سے محبوب کو خند دکن بھی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت کے محبوب کا دکن اٹکا چھوڑنے کا نکتہ ہاتھ ہی نہیں آ رہا چھوڑوں کی حادری یا ناگہاری اور مصلحت دھری رہی۔ بلکہ جہالت کا پردہ ناکش ہو گیا یا عمار چھوڑنے اور لاتی چھیننے سے بیکہ مضمون قلم ہے۔



کر دیا نصف نے ماہر، قاب

تک جی ہے جہاں میری

نصف = کنوڑی، بھجوری۔ ماہر = بھجوری۔ تک جی = بھجوری = بھجوری شرم

تکرج :- فرماتے ہیں کہ اسے قاب کنوڑی نے ہمیں بھجور اٹا چا کر دیا ہے اور اب حالت یہ ہے کہ ہماری جہاں سے
نواہا شرم رہا ہے۔

غزل (۱۴۳)

میراں انداز سے بہار آئی کہ ہوئے سرواں درخشاں

دیکھو اے ساکنانِ خاک اس کو کہتے ہیں عالمِ آراں

کہ زمیں ہو مٹی ہے سرسبز روکشِ سب چراغِ جہاں

ہوئے کہ جب کہیں جگہ نہ لی بن گیا روئے آب پر کالی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادِ خوش ہے بادِ جہاں

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی قاب

شاہِ دیدار نے فضا پائی



یہ غزل مصوبیت سے شاہ قہر کی صحت پائی ہو گی ہے جو صرف چھ اشعار پر مشتمل ہے جو شاعر کی بھجوری کی

مطالعہ ہے۔

قاب و قند غلامِ ہندو شاہ کوڑا کا ہواں کے جو کہتے تھے تو کہیں ہوں میں

پوری غزل نہایت درجہ مجلس و سادہ ہے اور اس کی تخریج کی محتاج نہیں ہے۔

تیسرہ :- غزل ہذا کے آخری شعر کا مسرور دینی ملتا ہے۔ اور پہلی اسٹال ہوا ہے جبکہ بادِ بہائی ہونا چاہئے اور بادِ

یہاں شعر کا وزن بجا ملتا ہے۔ بادِ شراب کو کہتے ہیں جو یہاں ملنا طالعہ شعر ہے سوتی ہے۔



غزل (۱۳۳)

چاہنے انھوں کو جتنا چاہتے یہ اگر چاہیں تو ہر کیا چاہتے
 صحبت رنماں سے واجب ہے حر جانے نے اپنے کو کھینچا چاہتے
 چاہنے کو میرے کیا سمجھا تھا دل بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہتے
 چاک مت کریم، بے کام نکل بیکر آفر کا بھی اشارا چاہتے
 دوست کا پردہ ہے بیگانی نہ بچھا، ہم سے بھڑا چاہتے
 دشمن نے میری کھویا ہر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہتے
 اپنی رسوائی بھی کیا چلتی ہے سی بار ہی بنگارہ آرا چاہتے
 مختصر مرنے پہ ہو جس کی امید ت امید ہی اس کی دیکھا چاہتے
 غافل! ان سے ظلمتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اتنا چاہتے
 چاہتے ہیں طرب زوایوں کو آمد
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہتے



چاہنے انھوں کو جتنا چاہتے
 یہ اگر چاہیں تو ہر کیا چاہتے
 نہایت سادہ اور سلیس اور سلی شاعرانہ کی کامیابی کا مظاہرہ ہے۔



صحبت رنماں سے واجب ہے فدا
 جانے نے اپنے کو کھینچا چاہتے

صحبت = سوامی، قدرت، دوستی۔ رنماں = ادب، لوگ۔ واجب = ضروری۔ حذر = چل۔
 شعر: کہتے ہیں کہ ادب، دائرہ لوگوں کی صحبت سے چھا ضروری ہے اور خصوصاً شراب نوشوں کے درمیان جہاں

شراب کا دور مل رہا ہو خود کو کھنچا پاتے ہیں کہ شراب کو بزرگوں نے اقم انہماک کہا ہے تمام برائیوں کی ماں ہے اس لئے اس سے بچنا ہی چاہئے۔ کھنڈ شرابی بھی دوسروں کو شراب کی تعلیم نہیں دیتا۔



پاتے کو حیرے کیا سمجھا تھا دل

بارہ اب اس سے بھی سمجھا پاتے

کہ کربیب ہی قسم کا مضمون شراب دہا میں لٹکا کیا گیا ہے۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جو انکو چاہا اور پسند کیا اور مستحق اٹھائی دوسالوں سے ہے مگر اب آ کر میرے دل نے میری چاہت کو کیا سمجھا تھا کہیں اس کام میں بار بار میرے ساتھ وہاں سے عدل قاتیرا کیا مطلب تھا تو ہی تا کہیں حیرا خنڈ دھال بارہ نہیں مگر وہاں ہی حیرا مطلب بھی ہے تو میں اس معاملے میں حیرا سا بھی نہیں ہوں کیونکہ وہاں تو عشق کی موت ہے اور یہ موت مجھے گوار نہیں۔



چاک مت کربیب ہے کام گل

کہ اہر کا بھی اٹھا پاتے

چاک کرے = چارہ = کام گل = موسم بہار۔

تشریح:۔ اٹھا کے بھول موسم بہار میں سورہی حجاز والے لوگ اکڑ رہا گی میں جٹا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرا سورہا عشق کا موسم ہے یہ بھی انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عشق پار میں بھی کربیب دیکر چان چاک مت کر انھیں ہدائی ہے محبت کا راز فاش ہو رہا ہے موسم گل کا اٹھار کر کہ موسم کا اٹھار بھی ضروری ہے اس وقت اگر کربیب دیکر چان چاک کر چا تو محبت کا راز سر بہت رہے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ یہ بھائی تو کچھ ہے اور موسم بہار کے سبب ہے۔



دوستی کا پردہ ہے بھائی

نہ پہچان، ہم سے چھوڑا پاتے

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ ہم سے نہ پہچان چھوڑ دیتے کیونکہ یہ پردہ دوستی کے درمیان مفاہرت اور بھائی کا پردہ ہے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پردہ نہیں ہٹا دیا اور ہم سے ہٹا چکے ہیں ہم سے نہ سمجھا چھوڑ دیتا پاتے۔



دُشمن نے میری گھبراہٹ کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا نہ ہے

تشریح:- میرا دشمن میری دشمنی میں اس قدر سرگرم رہا کہ اس کو دنیا میں کوئی دوسرا کام ہے ہی نہیں اس کے باوجود وہ
میرا جگہ نہ ہٹا کر خود کو کچا اور بڑا کر لیا وہ میرا کیا دشمن ہے جس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔



اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سی
پار ہی ہنگامہ آما نہ ہے

رسوائی = بدنامی۔ سستی = کوشش۔ ہنگامہ آراء = نوع بہتر مخلص چاہتا ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں بدنامی اور رسوائی کا انحصار دراصل محبت کی روش پر ہے اگر ان کی طبیعت ہنگامہ پسند ہے اور وہ ہم
سے ملنے میں کسی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتا اور ہے جبکہ آمد رفت رکھتا ہے تو وہ ایک دوسرا کی رونق ہے اس میں انہاری کسی
کوشش کو کوئی دخل نہیں ہے اگر ہم چاہیں گی کہ رسوائی سے بچا جائے تو نہیں چاہ سکتے۔



تھمر مرنے پہ جو جس کی امید
تا امید ہی اس کی دیکھا نہ ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ ان کی غمزدگی قابلِ دہ ہے جو یہ عقیدہ لئے بیٹھا ہے کہ مرنے کے بعد اصل نیک کے عیوض جنت میں
یہ بڑے گامدہ ملے گا۔ شاعر کی رہنمائی نصیحت بتا رہی ہے کہ اس کا اشتداد ہی طرف ہے۔ اس امید پر کہ وہاں سب کچھ ملے گا
یہاں محروم ہو جائے تو انسان وہاں بھی محروم ہی رہے گا۔ کیونکہ غمزدگی لڑا کچے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال تھا ہے

جسکا عقیدہ و اعتقاد جذبِ لہر کا لڑنا ہو پھر اس کو کسی طرح کی بھلائی کی امید رکھنا مرنے کے بعد کوئی معنی
نہیں رکھتی۔



خانہ! ان ر طعنوں کے واسطے

ہاتے وہ بھی لیتا ہاتے

تشریح:- فراموشی کر کے ان ہاتھوں پر چڑھ کر دیکھو کہ وہ کتنا ہی اچھا نہیں ہے ہاتھ ہاتھ
میں خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔



ہاتے ہیں خوب ندریں کو آمد

آپ کی صورت تو دیکھا ہاتے

تشریح:- آمد صاحب میں نے کو کہا ہے ہاتے ہیں ادا آگے شکل صورت تو ملاحظہ فرمائیے یاد آ رہی ہے اس قدر کہ
جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا ہے وہی۔

غزل (۱۳۵)

ہر قدم ڈھرتی منزل ہے لایاں مجھ سے میری رفتار سے ہمارے ہے جہاں مجھ سے
دو کی عنوان قاتلہ پہ تھیں خوشتر ہے نگہ رشتہ شیرازہ حراں مجھ سے
دھج آتش دل سے ہیہ غمائی میں صورت زور رہا سایہ گریں مجھ سے
میں عشاق نہ ہو سادگی آسوز تباں کس قدر خات آئینہ ہے وہاں مجھ سے
اگر آہ ہے، ہاتھ میراں ہوں صورت رخصت گریہ ہے جہاں مجھ سے
بے غریب ہجر تہید فراغت ہو جو نہ ہے سانس کی طرح میراں جہاں مجھ سے
شوق دیدار میں، گردن مجھے کون مارے ہوں کہ عقل گل طبع پر تباں مجھ سے
بے کسی ہاتھ ہی ہر کی دھت ہے ہے سایہ طرید قیامت میں ہے جہاں مجھ سے
گرہی ساغر صد جلوہ رنگیں تھ سے آئینہ تاری یک دیدہ جہاں مجھ سے

مجھ کرم سے اک آگ لگی ہے آمد

ہے جہاں، جس دھتاک گستاں مجھ سے



ہر قدم نورانی منزل ہے نمایاں مجھ سے

بحری رفتار سے بہا کے ہے جہاں مجھ سے

تشریح:- کہتے ہیں کہ گویا ایک ایک قدم مشکل اٹھ رہا ہے دیکھتے والا بحری شہسہ رفتاری سے اعجاز دکائے گا کہ منزل سے میں کتنی دور ہوں۔ اگر کسی یہ مانوں کہ اس وحشت ناک جنگل سے بہاگ ہاں تو قطعی ممکن نہیں جنگل بہت مری جانب زار اور رفتار سے وحشت زدہ ہو کر بہاگ رہا ہے۔



دوسری عنوانی تماشاء بہ غافل خوشتر

ہے نگہ رشو شیراز، مڑگان مجھ سے

دوسری = سخی۔ عنوانی تماشاء = منظر کی انوکھی سرئی۔ غافل = غفلت۔ خوشتر = بہتر۔

رشو = دھماکہ۔ شیرازہ = سراپ۔ مڑگان = پلک۔

تشریح:- حیران کیا ایک مومن و مسلم کی نگاہ میں کسی کے پر سے زیادہ مثبت نہیں رہ سکتی برخلاف ان کے کسی دولت دنیا اگر ہم دین سے غفلت اور مقصد حیات سے بے خبر ہیں تو نہایت حسین اور قیمتی ہے کوئی سے کوئی چیز پر جان دینے کے لئے تیار ہیں اور جب غفلت سے بچا رہوں تو باقی زندگی اپنی حقیقت اور لاپرواہی پر رونے میں گزارتے ہیں اور جہول شاعر بگن کا سراپ، عجب غامت کا تسلسل نگاہ کو ایک دھماکی کی شکل دیدتا ہے مطلب نگاہ خیر اور ہوائی ہے اور یہ کیفیت مجھ سے نمایاں ہے۔



دعوت آہن دل سے فب تہائی میں

نور سے دور رہا سایہ گریزاں مجھ سے

دعوت = دہانگی۔ آہن دل = عشق کی آگ۔ شب تہائی = تہائی کی رات۔ دور = دھواں۔

گریزاں = پناہ بھانگنا۔ جڑ فرار۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ عشق میں ہماری دنیا جی کا عالم فب تہائی میں چھپا ہوا رہتی ہے کہ بے چینی مجھے ایک جگہ قرار پکڑے نہیں دیتی جب خود میرا جو ہے لیکن اختصار ہے تو یہ میرا سایہ بھی دھواں کی خاطر پریشان اور مجھ سے گریزاں ہے۔



میں سناں نہ ہو سادگی آموز تھاں

کس قدر خاتہ آئینہ ہے وہاں مجھ سے

مصالح = حق عاشق کی۔ آموز = بلا ہوا۔ تھاں = مراد مہمان جہاں ہے۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ عاشقوں کا فہم صحیح سہوں میں ٹہم ہوتا ہے اس میں کوئی قصص (خطات) نہیں ہوتی جس طرح
حیضوں کی سادگی میں بھی شادیت کی آمیزش ہوتی ہے۔ میرا آئینہ خاندان اس وجہ سے ہے کہ میں جب سے چلائے
عشق ہوا ہوں آئینہ خانہ کو پلٹ کر لکھ رہا ہوں۔



اگر آبلہ ہے، ہانا صبرائے جنوں

صورتِ دھوا گور ہے چہاں مجھ سے

ہادہ = ٹھک راستہ (نیٹا) صبر = جنگل۔ رشتہ = دھاک۔ گور = سوتی۔

تشریح:- عشق محبوب میں جو اہم صبر افروزی میرے پاؤں کے پھالے پھوٹ پھوٹ کر راستے میں ہر قدم اپنی
رطوبت سے ایک کتاب پھوڑتے جاتے ہیں اور ہارے راستے پر گویا سوجن کی لڑی چڑی ہوئی ہے جو چہاں کا
عصر چٹن کر رہی ہے۔



بے غودی بجز قہید فراغت ہو جو

نہ ہے سائے کی طرح میرا شبیہاں مجھ سے

بیغودی = بے ہوشی۔ قہید = شروعات۔ فراغت = (رستہ) بھٹکی۔ نہ = میرا ہوا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بے ہوشی اگر کاروانا سے فراغت پانے اور راننا سے رخصت ہونے کی شروعات ہے تو میرا ستر
شبستان سایہ کی مانند میرا ہوا ہے۔ یعنی اس قول پر پورا اثر ہوا ہے۔ میرا وجود عالم بیوقوفی میری موت کی پہلی پہلی علامات
ظاہر کر رہا ہے۔



خون دھار میں، کرتے مجھے گدگد مارے

ہوں کہ مثل گلِ شمع پر پتیاں مجھ سے

کہ۔ ہر وقت سچ جلدی، چھوڑ۔ گل۔ گل سرخ، پہلو، چنگاری۔

تشریح:- میں تجھے دیکھنے کے لئے دھڑا رہتا ہوں مگر اس جرم میں مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو کڑا دل مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میرا جوتہ پہلے ہی سچ کی مجلس ہوئی شمع کی مانند ہے یعنی غروہ ہے خواہ مخواہ مجھے قتل کر کے عرم بنے سے بہک حاصل نہیں ہے۔ سائے اگلے کسری ذات سے میری پر پتیاں میں اور اضافہ ہو چکا۔



بے کسی دے شبِ بھر کی دھشت ہے ہے

سایہ خود شید قیامت میں ہے یہاں مجھ سے

نکلی۔ لا چاری، کمزوری۔ شبِ بھر = جہاں کی رات۔ دھشت = دیا لگی۔ پتیاں = پوشیدہ۔

تشریح:- دے افسوس شبِ لراق میں میری کمزوری اور لا چاری کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں کہ میں ستر مرگ پر چڑا ہوں کوئی خبر لینے والا بھی نہیں میرا سایہ بھی مجھ سے گرجاں ہو گیا ہے، ابھی خود شید قیامت میں نہ تھا اب ہے یعنی روزِ مشرور بھی میرے ساتھ ساتھ آئے گا۔



گردشِ ساغرِ صد جلوہ، رنگیں تھ سے

آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے

گردش = چکر۔ ساغر = جامِ بقال۔ صد جلوہ = سہلے۔ آئینہ داری = خود آرائی۔ یک = ایک۔ دیدہ = حیرت زدہ، آگے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس صحنہ دنیا کی رنگینیاں اور شراب و ساغر کی گردش اور دیدہ، آراؤں کے لئے طرحتِ خلق نگار سے حیرت زدہ سے ہیں اور ان تمام جلوہ دے رنگیں کو دیکھ کر میں ایک آئینہ کی طرح حیرت زدہ ہو چکی آگے لئے نکڑا ہوں اور یہ حیرت کا مظاہرہ میرے دم سے ہے۔ شعر سحریتِ انقی کا آئینہ دار ہے۔



مگر کرم سے اک آہم چلتی ہے سدا

ہے چراغاں، شمس و خاشاک گستاخ مجھ سے

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اسے سب سے پہلے جسے اس مخلوق کا ایک طرفان رکھتا ہوں اور میری نگاہ کرم سے آگ چلتی ہے اور اس سے گستاخ دنیا کا گستاخ پھر جسے جاتا ہے مجھ تک چراغاں کا شکر پیش کر دے گا۔ لیکن یہ فطری ترجمہ بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ غارت خانہ والے ہیں تو اس سے توجہ ہو نہ لیتے ہیں کہ شام یہ بات تھوڑی ذات سے منسوب نہیں کر دیا بلکہ اس کا مقصد پوری انسان برداری سے ہے۔ مطلب انسانی جان کر دے کہ میری نگاہ کرم یعنی میری کرد کاوش کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا کی ہر اس چیز کو جو بیکار محض تھی جس و خاشاک تھی اس کو بھی محض دنیا کی ذلت بتا دیا ہے اور گویا میری اس منت اور انکسار بڑی نے چراغاں کا حسین شکر پیش کر دیا ہے۔

غزل (۱۳۶)

کون بھی ہے مژم دل اس کو تائے نہ جے کیا ہے بات، جہاں بات تائے نہ جے
میں نکلتا تو ہوں اس کو گمراہ جذبہ دل اس پہ کن جانے کچھ لکھی کہ میں آئے نہ جے
کھیل بھابھ ہے کہیں پھوڑندے نھول نہ جانے کاش! ایوں بھی ہو کہ میں میرے تائے نہ جے
غیر بھرتا ہے، لئے ہیں ترے عطا کر، کر اگر کوئی پوچھے، کہ "تو کیا ہے" تو چہا ہے نہ جے
اس خراکت کا نرا ہو، وہ کھلے ہیں، تو کیا ہاتھ آویں، تو انھیں ہاتھ لگائے نہ جے
کہ سکے کون، کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے پردہ پھوڑا ہے وہ اس نے کہ افلائے نہ جے
سوت کی داہ نہ دیکھوں کہ میں آئے نہ رہے تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ جے
بمیرہ دوسرے گما ہے، کہ افلائے نہ اٹھے کام وہ آں چڑا ہے، کہ تائے نہ جے

معلق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش تاب

کہ لگائے نہ لگے اور نہ بجائے نہ جے



کون بھی ہے مژم دل اس کو تائے نہ جے

کیا ہے بات، جہاں بات تائے نہ جے

تکڑی جگہ۔ ثلاث تلاش کرنے والا کس پر سوال یہ سوال کرتا ہے۔

تشریح:- حضرت کا محبوب بہت باتنی سوال پر سوال کرتا اور امتزاجات متحول غیر متحول کرنے کا یہودی ہے (تکڑی جگہ ہے) اس کے سامنے ہم درویش اور غم و دل بیان کریں تو بات نہیں بنتی اس لئے کوئی توقع رکھنا سہہ ہے۔



میں نکلتا تو ہوں اس کو گمراہ جذبہ دل

اس پہ میں ہائے کھلکی کر میں آئے نہ ہے

شعر بہت سلی ہے تشریح طلب نہیں ہے۔



کھیل بھگا ہے کہیں چھوڑ دے نعل نہ ہائے

کاش اب میں بھی ہو کر میں میرے ستارے نہ ہے

تشریح:- حضرت کا محبوب بہت کم سن ہے اندیشہ ہے کہ ہمارے دل کو کہیں چھوڑ دے گئے دکھا کر بھول نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ انکی طلب نہ ہے پیازنی ہمیں ہمارا دل کرے اس کے نزدیک بہت ایک کھیل ہے کوئی اہم بات نہیں ہے۔ کیا اچھا ہو کہ مجھے تیار ہے اسکی صورت میں اس سے قطع نہ کرے گا۔



غیر بھرتا ہے، لئے ہیں تڑپے خطا کی کر اگر

کوئی پرہیز ہے کہ یہ کیا ہے" تو بھپائے نہ ہے

تشریح:- حیرانگہ (محبوب کا خطا) اتفاق سے غالب کے ہاتھ لگ گیا ہے اور وہ انکو کھلے عام دہام کرنے کے لئے اٹھائے بھرتا ہے کوئی پرہیز ہے کہ یہ کیا ہے ہر روز وہ وضاحت کرتا ہے بھپاتا تو دور کہہ میں ذلیل و سدا کرنے کے لئے چہ چہ کر رہا ہے۔



اس نزاکت کا راز اور وہ کھلے ہیں تو کیا

اتھا آدمی تو انہیں ہاتھ لگائے نہ ہے

تشریح:- اپنی نزاکت بھی کسی کام کی وہاں کہ میں ہیں تو ہوا کریں یہ بات جانی جگہ ہے کہ وہ ہمارے کہیں ہاتھ ابھی گئے

تم کر کے کیا پھر میں کہتا، مگر ابھی سوئی چیز نہ سما جائیگی۔ اس سے آگے کوئی ترقی رکھنا ممکن نہیں ہے۔



کہ مکے کو، کہ یہ جولوہری کسی کی ہے

پردہ پھوڑا ہے وہ اس نے کر اٹھانے نہ ہے

تشریح:- اشیائے کائنات کے نگاروں کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسکی کارگری ہے، کس کی جلد و فرمائی ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ اس صنعت کے پیچھے صنایع چمکا ہوا ہے گویا یہ وہار سے اور صنایع کے درمیان ایک پردہ ہے اور یہ پردہ ایسا ہے کہ اسکو اٹھانے نہیں ہوتی۔



سوت کی راہ نہ دیکھوں کہ میں آئے نہ رہے

تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو جاتے نہ ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ سوت کا اٹھانہ کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ اپنے وقت پر آگے لگا لورا کر دیکھی کوئی اگر یہ چاہے کہ وہ نہ آئے تو یہ ممکن نہیں، مخالف اسکے اہم ضرورت رانی غصیت ہو کہ اگر نہ آئے تو نہ ہم کتنا بھی بچا نہیں تم پر کرنا آئے۔



یہ جو دوسرے کا ہے، کر اٹھانے نہ آئے

کام وہ آں چڑا ہے کہ ہٹانے نہ ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہادی خانی نے جو مسلمان میرے سپرد کی تھی جو بد عادت میرے سر پر رکھا تھا، کسی بد عادت میں اس کو ادھر پر لگے پوری کائنات میں باثری اظہار تھی، کسی وجہ سے میں معزز و محترم تھا، وہ میری ماہر مانتی تھی، میرے سر سے کر گیا اور میری حیثیت اب ایک مدعا باں سرکش اور باقی سے کم نہیں ہے۔ اگر میں اس بار کو پھر اٹھانا چاہوں تو مشکل نہیں بلکہ ممکن ہو گیا ہے کیونکہ میری عمری اور سرکشی اب مجھ سے تمام پر لائی ہے جہاں سے چڑا ممکن نہیں ہے یہ کام ہے جواب ہٹانے نہیں چاہیگا۔



حلق پر زور ملے، ہے یہ وہ آتش قاب

کہ لگے نہ لگے اور ٹھماے نہ ہے

تشریح:- مشرق ماہم ہے مشہور و معروف ہے۔

غزل (۱۳۷)

چاک کی خواہش اگر دھشت پر مریالی کرے صبح کی مانند، رزم دل گریانی کرے

جلوسے کا حیرے وہ عالم ہے کہ گر کچھ خیال دیدہ و دل کو زیارت گاؤں حیرانی کرے

ہے کھنسن سے بھی دل نوسیدہ یارب کب تک آنکھیں کہہ پر عرض کہاں جانی کرے

سے کہہ کر جہیم سب باز سے پاوے کشت موسے شیشہ دیدہ سار کی طرکائی کرے

نظر خدش سے لکھا ہے زلف کو الفت نے ہر

یک قدم محدود ہے جو کچھ پریشانی کرے



چاک کی خواہش اگر دھشت پر مریالی کرے

صبح کی مانند، رزم دل گریانی کرے

چاک = بھڑو۔ دھشت = دہراگی۔ مریالی = برہنگی۔ گریانی = دکھاؤ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میراجوہی حلق پر بند ہو چکے لئے لباس کو بھاڑنے کی خواہش کرتا ہے مگر میرا رزم دل جوہی

حلق کے اس فعل کو پسند نہیں کرتا وہ صبح کی مانند ہے جس طرح صبح کا آہٹا رات کی سیاہی اور اس کے صوب کو اپنے وجود

میں سمجھا لیتا ہے۔ میرا رزم دل اسی طرح رسوائی سے بچانے کے لئے میری پردہ داری کرتا ہے بلکہ گریاں کا کام کرتا

ہے کہ گریاں سب ضرورت کھولا اور بند کیا ہا سکا ہے رزم دل کو اگر ہوا کی ضرورت ہے تو گریاں کو کھول دیا جاتا ہے

اور رزم کو اٹھاتا ہے یا ہوا کی زد سے بچاتا ہے تو گریاں کو بند کر لیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ رزم دل کوئی ایسا رزم نہیں ہے جو میرے لئے زسواں ہو برعکس اس کے وہ میری پردہ داری

کرتا ہے اور دھڑوں کے لئے صبر کا نشان ہے جو گریانی کی خدمت انجام دیتا ہے۔



ہمارے کا حیرے کہ عالم ہے کہ کر کچھ خیال

دیہۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

تشریح:- کائنات کی ہر شے میں حیرتی جلوہ بازی کا وہ عالم ہے کہ میری دیدہ دل حیرانی کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔
یعنی ختم حیران ہوا مشہور ہے۔



ہے گلشن سے بھی دل نوسید یارب کب تک

آکھیند کہ پر مریں کہاں جانی کرے

گلشن = (۵)۔ نوسید = پیچید۔ آب گیند = ساغر شیوہ۔ کوہ = پہاڑ۔

تشریح:- یارب میرا آکھیند (دل) (شیوہ) دل) (خمر سے ٹکرا کر کب تک اپنی تخت جانی (طاقت) کا مظاہرہ
کرے۔ دل تو اپنے کونے کی تہیہ نہیں ادا کر لیتا بھی کیا تو میری راجی تو وہ نہیں ہوگی حیرت زدہ جانگی۔

یہاں خمر باکوہ سے شاعر کی ہر ادھش کی ماد کی صورتوں اور پریشانوں سے ہے اور شاعر کا دل اس قدر مضبوط
اور حالات کا مقابلہ کرنے کا اہل ہے کہ ان پر ابھی مضمتوں سے بھی نونے والا نہیں ہے۔ لہذا راجی کا مضرہ راجی بھی
پریشان کن ہے یارب عالمیں ان پر یہ سلا کب تک جاری رہے۔



ہے کہ کر ختم سب دہ سے پادے گشت

سوائے شیوہ دیدہ ساغر کی مڑ گانی کرے

میکدہ = شراب خانہ۔ ختم = آخر۔ سب دہ = عشق، حین۔ گشت = لڑائی، اور۔ نو = ہال
شیوہ = آکھیند ساغر۔ مڑ گانی = کار پیک۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر محبوب کی سستی میری آگ سے میکدہ گشت کا ہمارے مطلب یہ ہے کہ دیدہ محبوب بخیر اور
سستی میں میکدے سے ہم پار لے لے اس گشت خود میکدے کے ساغر میں آیا ہوا ہال ساغر کی آگ کی پاک ٹکڑا است
کے آئینہ کے۔

تجربہ۔ شریعتی طعن (نوع) کا کمال ضرور ہے وہ نہ کوئی خاص اور اسم بات نہیں کہی گی۔



خطِ ماض سے کسا ہے دلف کو الفت نے مہد

یک غم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

خطِ ماض = ہنزہ، نوغیر (رازی)، زلف = سر کے بال، الفت = محبت، مہد = بچان۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کتنا ہے کدِ خساروں پر اے ہنزہ، نوغیر (دلیش) نے زلیب یا رکبت کا مہد تار لگھ کر دیا ہے کہ بس اب تو کہیں کی بے راہ وری کو ترک کر دو اور بساطِ زندگی پر جمید ہو جاؤ۔ ہمیں دلیش کا یہ مہد تار بگم و کاست قبول و منظور ہے اور الفت کی پریشانی جو چاہے کراسے میں بہر حال کوئی استراخ نہیں ہے۔

غزل (۱۳۸)

وہ آکے خواب میں تمکینِ اضطراب تو دے دے مجھے تپشِ دل بہالِ خواب تو دے

کرے ہے قل، لگاوت میں میرا رو دینا تری طرح کوئی بچے لگھ کو آب تو دے

دکھا کے جھوشِ لب ہی، قیام کر ہم کو نہ دے جو برس تو دے کہیں جواب تو دے

پلا دے لوگ سے، ساقی جو ہم سے نفرت ہے پیالہ کر نہیں دینا، نہ دے، شراب تو دے

آسودہ خوشی سے سرے اچھ پانو پہل گئے

کہا جو اس نے "درا میرے پانو تاب تو دے"



وہ آکے خواب میں تمکینِ اضطراب تو دے

دے مجھے تپشِ دل بہالِ خواب تو دے

تمکین = تسکین، اضطراب = بھگنی، دے = دیں، تپشِ دل = دلی بھگنی۔

بہال = بہلت، اجالت، ازمت۔ خواب = نیند سوٹ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب اگر چھٹا نہیں آسکا تو خواب میں تو آکر میری بے بھگنی کو تمکین دے سکا ہے لیکن یہ

جیسا کہ تمکین ہے کہ دل کی بھگنی گھسے سوئے کی بہلت تو دے، جب تک میں سوئے لگا نہیں رو خواب میں کس طرح آجیگا۔



کرے ہے تھی، لگاوت میں حیران رہا
میری طرح کوئی بھی تھک کر آپ تو دے

لگاوت = محبت۔ تھک لگے = غم کی تھک۔ آپ = دعا۔
تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبت میں حیران رہا بھی نہیں مار کر دکھاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بڑا کسی وجہ کے حیران نہ ہو سکتا تھا
غم کو سراں پہ دکھاتا ہے جو ہم مصائب کو گل کرنے میں آسانی فراہم کر دیتا ہے یعنی ہم موم ہو جاتے ہیں اور پہلے حیرے پاس
جو کمال تک ہے۔



دکھا کے جھٹیل ب ی، غم کر ہم کو
خودے جو ہر بات سے کہیں جھاب تو دے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر تو ہمیں دے نہیں دے سکتا تو خودے مگر کہہ دے کہ بول تو سنی ہمیں تو سر جانے کے لئے میری
جھٹیل ب ی کافی ہے۔



پاؤں دکھ سے آسانی جو ہم سے غرت ہے
یاد کر نہیں رہا، نہ دے، شراب تو دے

تشریح:- شراب کا بہت دیا ہے پتا چھاپنے آسانی سے طالب ہو کر کہتا ہے کہ اے آسانی اگر تو ہمیں یاد نہیں رہا
چاہتا ہوں غم سے آسانی غرت ہے تو دے ہمیں یہ الٹ بھی گوارا ہے مگر شراب تو ہمیں دے ہی دے ہم اوک سے پانی پیئے
یہاں جو بات قابلِ ملاحظہ ہے وہ یہ ہے کہ شرابی کس تک کر جاتا ہے یہ تو بہت کم ہے شرابیوں کے شوق پورا کرنے کے
پڑاؤں تھے غم پر یہاں مذاق زبان و خطا میں ہیں مٹا دینا دیکھ لگے۔



آندا غوثی سے مرے ہاتھ پاؤں بھول گئے
کہا جس نے ”تو ما میرے پاؤں اب تو دے“

شعر نگار نے ”جہ عیسیٰ ہے۔ اس دور میں اس قسم کے مضامین محبوب اور مستول ہیں اس دور میں سکے ہی پسند
کئے جاتے ہیں۔



غزل (۱۳۹)

تجش سے میری دق شب کشی ہوتا ہوا ہوتا ہے مرا سر دیکھ ہائیں ہے، مراقب ہا ہوتا ہے
 سر خک سر پہ سحر دادہ نور الہین دامن ہے دل ہے دست دہا افتادہ بر خودار ہوتا ہے
 غوث اقبال رنجوری عبادت کو تم آئے ہو فردغ طبع ہائیں طالع ہے دار ہوتا ہے
 ہ طوقاں گاہ جزئی اضطراب شام چھائی کھار آفتاب صبح عشرت دار ہوتا ہے
 ابھی آتی ہے بر ہائیں سے اس کی ڈھب منکھن کی ہماری دیکھ کو خواب زلیخا دار ہوتا ہے
 کہیں کیا دل کی کیا حالت ہے ہر بار میں غائب

کہ ہے تالی سے ہر یک تار ہوتا ہوتا ہے



تجش سے میری دق شب کشی ہوتا ہوتا ہے

مرا سر دیکھ ہائیں ہے، مراقب ہا ہوتا ہے

تجش = عین۔ دق شب کشی = کھینچا ہائی کے لئے دق۔ ہائیں = سراپے۔ ہا = راجہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میری تجش مشق سے بھٹی کا یہ عالم ہے کہ میرے ہوتا کا ہوتا کھینچا ہائی میں بھٹا ہو کر رہ گیا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ میرا سر خک کے لئے تکلیف کا باعث ہے اور بدن ہوتا پر راجہ ہوتا ہے۔



سر خک سر پہ سحر دادہ نور الہین دامن ہے

دل ہے دست دہا افتادہ بر خودار ہوتا ہے

سر خک = آنسو۔ دادہ = دیا ہوا۔ نور الہین = آنکھ کا نور۔ افتادہ = چڑا ہوا۔

بد خود دار = بچار۔ سحر = فکر خیال، ذرا فوٹ سحر دار قوم فوقی نظام۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ آنسو کا ہر قطرہ میری سحر افروزی کی مصنوعوں کی دین ہے میرے دامن کی آنکھ کا نور ہے اور مجھ مجبور ماضی کا دل کیا ہے گویا ایک کسب چکی میں گرا ہوا ہے، بدست دہا بیٹے کا بیار لئے ہوئے میرے ہوتا پر چڑا ہوا ہے۔



خوشا اقبال رنجوری عبادت کو تم آئے ہو

فروغ شمع بالین طالع بیدار ہوتے ہے

خوشا = کیا چاہا ہو۔ اقبال = سر بلندی۔ رنجوری = غم زدگی۔ عبادت = پرستش چار۔

فروغ = بزم۔ شمع بالین = سراپہ کی شمع۔ طالع = ستار۔ بیدار = جاگتا ہوا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اسے میرے دل غمزدہ خوش ہو جا کر بختہ اقبال سے اور بادشاہ ہے کہ جری عبادت کو، ملو وہ جس
جس سر پہ لائیں۔ اور میں حیرت زدہ ان سے غائب ہوں کہ تم میری عبادت کو تشریف لائے میں بکتا خوش نصیب
ہوں کہ اسرا لے شمع کا روشن ہو چلا ستر کی خوش نصیبی ہے۔ یعنی تمہاری آدھرا لے شمع روشن ہو جانے کے حوالہ ہے۔



ہ طوقان گاہ جوش اضطراب شام تھالی

شعاع آفتاب صبح محشر تار ہوتے ہے

طوقان گاہ = طوقان کی جگہ۔ جوش اضطراب = جھنجھکی کا جوش۔ شام تھالی = عداوت کی رات۔

شعاع = کرن۔ آفتاب = سورج۔ صبح محشر = قیامت کی صبح۔ تار = دھاک، ادا میرا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ میرا گھڑا (گھڑا ایک طوقان گاہ کی مانند ہے کہ نکلا اس میں مجھ جیہ الزام دار کا بار بار
رہتا ہے۔ یہاں کی ہر شام ہر شب فرات یاری ہے جنہیں کے جوش سے میری ہوتی ہے۔ اور اس گھر کی تار کی کا یہ عالم ہے
کہ آفتاب صبح محشر کی کرن بھی میرے ستر کی تار کی کہ وہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ مزید تار کی کا سبب میں جا لگی۔ کیونکہ ایک
تار کی کا تو پہلے سے غم تھالی اور فرات یاری ہے دوسری تار کی غم حساب کی اور دوسری ہے۔

شعرا نے غم تار کی اور خوشی کو دھڑکی اور نور سے تصویر کیا ہے اس لئے فرات یار اور غم روز حساب دونوں تار یکساں
ہیں جن کو (آفتاب) صبح محشر کی کرن بھی ادا لکھتے دے سکتی۔



ابھی آتی ہے بولہائیں سے اس کی اذف مشکین کی

گاہی دہ کو خواب دلچا مار ہوتے ہے

ہائش = کب۔ اذف مشکین = خوشبو سے مشک سے سطر اذف۔

دلچا = مزہ مہر کی جگہ جو سہنا سوست برعاشق ہو لگی تھی اور اگر عورتی گناہ پاتا تو کتنا چاہتی تھی مگر وہ لطف کے نبی تھے۔

انکے جال سے بچ گئے۔ مگر اتنے اُن پہ اندامِ زندہ کا احترام کا کرپہ خالے میں ڈال دیا تھا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری نظر میں انکا کاہن خوابِ ہلکے سے ستر کے لئے بامِ شرم ہے جس میں وہ سیدھا رخِ سفر
اپنے سترِ ہوس کی لذتِ خانے کی خواہش پر شہدہ کئے ہوئے ہو۔ انکے ہاتھوں کو انکا ہاتھِ ہلکا (شہر) سوجھو ہے اور
انکے سترِ راحت کے ٹکڑے سے اُس کی زلفِ معطر کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ ہاتھِ شہر کے ستر پر کسی غیر کے ساتھ مشغول
ہستی کی خواہش بامِ شرم تو ہے ہی قابلِ لذت بھی ہے۔



کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے بھر پار میں غالب

کہ بے تابی سے ہر یک خار ستر خار ستر ہے

بھرا پار = محبوب کی بھڑائی۔ بے تابی = بے چینی۔ خار = کانٹا۔

تشریح:- مطلع میں فرماتے ہیں کہ اسے غالب بھرا پار میں بھری کیا حالت ہے کسی سے کیا کہوں کہ بے چینی نے خیرِ حرام
کردی ہے اور کیفیت یہ ہے گویا ہر ستر کا ہر تار ایک کانٹا ہے جو ہر پار بکھیر رہا ہے جو آرام سے چلے نہیں سکتا۔

غزل (۱۵۰)

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے تارِ پایہ نے نہیں ہے
کیوں ہوتے ہیں بانیاں تو نے مگر بارگِ گداے سے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے یہ تھو سی کوئی شے نہیں ہے
ہاں کما بختِ قریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
شاہی سے گدازِ مگر ظم نہ ہو اے اندلی جو نہ تو دے نہیں ہے
کیوں بد قدح کرے ہے زہر سے ہے ہر گس کی شے نہیں ہے۔

ہستی ہے نہ کہ ہم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے



فراد کی کوئی لے نہیں ہے

جو پابہ نے نہیں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ فراد روزی کرنے کے لئے کوئی لے یا کوئی مال نہ ضرور نہیں یہ کوئی گیت یا غزلیں ہے جو ہنسی وغیرہ کا پابہ ہو چکے ہیں وہ اپنی پرول سے لگی ہوئی وسعت چچا دیکھ رہے ہیں کسی مشاہد یا قانون کی پابہ نہیں ہے۔
اسے کوئی راک سکا ہے۔



کیوں ہوتے ہیں انہیں تو ہے

کہ بارگ گداے سے نہیں ہے

توجہ:- گدا۔ خری۔ مے۔ شراب۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بارگ بھی شراب کے بھاری مطوم ہوتے ہیں وہ نہ انہیں بارگ میں گدا نہ ہوتے جو کاسے گدا کی بنے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ شاعر اپنے لوم سے خوشی کا ایک جائز فعل قرار دیتا ہے اور اسے شراب سے کہتا ہے کہ قدرت کے نظام ہی سے خوشی کا جائز نکل رہا ہے جیسا کہ ادب بیان کیا گیا۔



ہر چند ہر ایک نے ہی تو ہے

ہر تھو سی کوئی نے نہیں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہر شے میں موجود ہے مگر کوئی ٹھو بھی نہیں ہے تو یہ مثال ہے۔



ہاں کھانچو مت فریب ہتی

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر اور چیز دروازہ ہے جس نے کے بارے میں کوئی کہنا اپنی سوت و حیات پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس چیز پر اپنا اختیار نہ ہو اس کو اپنا کہنا نالا ہے اپنے وجود کو پانچواں گھنٹہ کو دھوکہ دینا ہے تو کیا ان کو کہے

کرتے ہے مگر حقے اجہا نہیں کرنا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں میرا بعد ہو جو کوئی سنی نہیں رکھتا۔



شادی سے گھبرا کر تم نہ ہو اے

آوردی جو نہ ہو تو اے نہیں ہے

شادی = خوشی۔ آوردی = منہم ٹھوس۔ دی = روز گذشتہ۔ موسم سرما (بہار)

تشریح:- کہتے ہیں کہ خوشی کو خوشی مت سمجھا کر تو ایسا کرنا کہ تو لم، غم نہیں رہا، جس طرح کہ اگر موسم گرما میں نہ ہو تو بہار نہ آوے اور موسم ایک بار ہے۔



کیوں نہ قدح کرے ہے زلم

مئے ہے یہ گمس کی تے نہیں ہے۔

روز = ترویج نکات۔ قدح = شراب کا پیالہ۔ زلم = پرہیزگار۔ مئے = شراب۔ گمس کی تے = شہ

تشریح:- زلم شراب کی نکات کیوں کرتا ہے مخالفت کیوں کرتا ہے۔ یہ تو شراب باب ہے اپنے ہاتھ سے اسکی تقدیراں سے نکال دیا گیا ہے یہ کوئی شہ نہیں ہے جسکی وہ تعریف کرتا ہے اور وہ ہے گمس کی تے۔ سدا اظہر حضورؐ نے جسکی تعریف فرمائی ہو انکے لئے حقارت کے الفاظ استعمال کرنا ایمانی نہیں کہینہ پتا ہے۔



ہستی ہے نہ بکھ عدم ہے غالب

آلہ تو کیا ہے اے نہیں ہے

ہستی = ہے۔ عدم = نہیں ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہستی کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ ہمیں اس پر ہذا اختیار ہے نہ ہر دوسرا اور ہر تہ ہے ہی عدم اس لئے یہاں کا عدم جو درجہ ہے تو ہم پر یہ بھی کا بنا کر کیا ہے کہ نہ بکھ ہے ضرور مر گئیں ہے۔ یہ غالب کا مخصوص انداز بیان ہے۔



غزل (۱۵۱)

دیکھ کر وہ پردہ کرم دامن افغانی مجھے کر گئی دہشت تن بیری سر پانی مجھے
 بن گیا تیغ کاو پار کا سبک فداں نرغیا نہیں کیا سہارک ہے کہاں جانی مجھے
 کیوں نہ ہو بے اتفاقی اس کی خاطر مع ہے جانا ہے جو پرسش پاسے پنہانی مجھے
 میرے تم خانے کی قسمت جب رقم ہوئے گی کھ دیا تجھ اسباب دہانی مجھے
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاٹھے اس قدر ذوق نوائے مرغ کھانی مجھے
 واسے! دل بھی شور مچانے نہ دم لینے دیا لے گیا تھا گور میں ذوق تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا دیا کچھ یہ کیا اعمار ہے؟ تم نے کیوں سوئی ہے میرے گھر کی دہانی مجھے
 ہاں نکلا آبد فصل بہاری راہ دوا پھر ہوا ہے تازہ سوائے غزل غروانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے اسیر تو دے دی

میرزا خسرو ہے غالب اسب دانی مجھے



دیکھ کر وہ پردہ کرم دامن افغانی مجھے

کر گئی دہشت تن بیری سر پانی مجھے

در پردہ = پردے میں۔ دامن افغانی = دامن جھکتا۔ دابستہ = مشتعل۔ سر پانی = برقی۔

تشریح:- دامن افغانی دامن جھکتا ہے۔ حواض مشتعل اور جاری ہے کہتے ہیں کہ برقی اور غنا کے مجلس بھی کہ چور کر
 بھاگ گئی اور مجھے اپنا تن ڈھانچہ میں مشغول مصروف کر گئی۔ مطلب یہ ہے کہ مجلس بھی ہے پردہ نہیں ہوتا برخلاف اسکے
 حالت مد کے لئے کر پانی فیشن میں گئی ہے کوئی مار نہیں ہے۔



بن گیا تیغ کاو پار کا سبک فداں

نرغیا نہیں کیا سہارک ہے کہاں جانی مجھے

تج = تکار۔ سبک داس = تکار چرنے کا آخر۔ مرچا = شاہ۔ مگس جلی = جھت جلی۔
 تشریح:- کہتے ہیں کہ میری جھت جلی داک کی سختی چار سو ہارک ہارک کے قابل ہے کہ گار دوست کا مسلسل کھ پرچہ اور
 میرا دوست کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میرا جسم گویا تاج تکار کے لئے اور آخر ہے جس پر تکار چرنی جلی ہے اور
 یہ میری مگس جلی کی دلیل ہے۔

کیوں نہ ہو بے اللہی اس کی خاطر حق ہے

چاہتا ہے مج پرش دے پنہانی مجھے

بے اللہی = بچہ بھی۔ خاطر حق = اطمینان خاطر۔ ٹھوٹہ شش = سراپا پرسان مال۔ پنہانی = نہما ہوا۔
 تشریح:- کہتے ہیں کہ اسکو بچہ بھی رہتی ہی چاہئے کیونکہ وہ میری طرف سے مطمئن ہے کہ میں اپنی پرش مال میں
 اعتمادی طور پر پردہ پر دامن صرف مشغول ہوں بھلے ہی میں زبان سے کہتا کہ میں میرا مال چاہتا ہے کہ میں سراپا پریشان
 مال ہوں۔



میرے فم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی

نکھ دیا مجھے اسباب ویرانی مجھے

فم خانہ = فم کا کمر بکڑا اڑاں۔ فم خانہ اسباب = سارے اسباب۔ ویرانی = بربادی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ روز ازل جب میری اور میرے فم خانے کی قسمت لکھی جا رہی تھی تو لکھنے والے نے سارے ہی
 اسباب ویرانی اور بربادی کے میری ذات سے وابستہ کر دیے۔



بدگس ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کافکے

اس قدر ذوق نواسے مرغ بھاتی مجھے

بدگس = بدمن۔ کافر = انکاری۔ کافکے = کیا اچھا ہوتا۔ مرغ بھاتی = بھگی ہوئی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ لاش مجھے ہر مکان ہمارے نکلتے نکلتے کا ذوق نہ ہوتا کیونکہ میں اس شوق کے باعث باغ میں
 ہاتھوں لگوا کر (محبوب) بدگس ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اپنی جگہ سے باغ میں آتا ہوں۔



واسے! وہیں بھی شور مچنے لگے نہ دم لینے دیا

لے گیا تھا گھر میں۔ دوتی تن آسانی مجھے

واسے = افسوس۔ شور مچنے = شور قیامت۔ گھر = قبر۔ تن آسانی = تسلسل آرام کی خواہش۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرا ذوق راحت و آرام مجھے قبر میں لایا تھا کہ وہاں ہر طرح کا سکون ہے آرام میں کسی طرح کی
 اور تکلیف نہ ہوگی مگر افسوس کہ وہاں بھی مجھے قیامت کے ہنگامے اور اُس کے گھر لے آرام کا سانس نہ لینے یا مناسب کتاب کا گھر
 سنا سنا اور داد و تحسین اور شہرت قیامت نے اٹھا بیٹھا۔



دعویٰ آنے کا دھماکہ، یہ کیا امداد ہے؟

تم نے کیوں سوچنی ہے میرے گھر کی دوبانی مجھے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں سب وعدہ و آگاہی آد کا اپنے در پر کھڑا انتظار کر رہا ہوں گویا آپ نے مجھ سے میرے
 اپنے گھر کی دوبانی کرا رکھی ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ یہ کیسی طرح اپنے گھر کے در پر کھڑا ہوں یہ کس جرم کی سزا ہے آپ کیوں اپنے
 وعدے کو نبھائیں کرتے۔



ہاں نکلو آؤ فصل بہاری داد داد

بھر ہوا ہے جازہ سداے غزل خوانی مجھے

نکاح = خوشی۔ آؤ = آ۔ فصل بہاری = موسم بہار۔ غزل خوانی = غزل کہنا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ آؤ فصل بہاری خوشی ترا کیا کہنا غزل کہنے کا ذوق چارہ دو گھیا تیری آؤ نے طبیعت میں روانی اور
 جوش و انداز پیدا کر دیا اور میں بھر غزل کہنے پر آمادہ ہو گیا۔



دی سرے بھائی کو حق نے ادھر لودھی

میرا نصف، ہے غالب ایسب دانی مجھے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے میرے بھائی کو ادھر لودھی یعنی اسے گھر اور سامان ہے۔ میرے لئے
 مرزا ایسب، ایسب دانی ہیں مطلب یہ ہے کہ مجھے وہ بہت عزیز ہیں جس طرح میرا نصف، ایسب دانی ہے۔

غزل (۱۵۲)

کہ ہے ہاتھ لے لب سے کب رنگ فروغ خطِ پیالہ سرسرا رہا گلچیں ہے
 کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داو ملے! کہ ایک سر سے حسرت پرست بائیں ہے
 سجا ہے، کرتے نئے تالہائے نلیل زار کہ گوشِ گل، ہم خیم سے نچھڑ آئیں ہے
 آہ ہے نزع میں جہل ہے وفا بھائے خدا
 مقامِ ترکِ حجاب و دھواںِ حقین ہے



کہ ہے ہاتھ لے لب سے کب رنگ فروغ
 خطِ پیالہ سرسرا رہا گلچیں ہے
 بادہ = شراب - لب = ہونٹ - کب = کائی، حاصل کرنا۔

رنگِ فروغ = رنگِ بزمِ حناء - سرسرا = مطلق - گلچیں = بھول پھنکے رہا۔
 تشریح:- کہتے ہیں کہ شراب میرے ہونٹوں سے رنگ حاصل کرتی ہے اور شراب کے پیالے میں شراب کا قطر یعنی سطح
 شراب بالکل گلچیں کی لکڑی کی مانند ہے۔
 قہرہ = شراب کے پیالے یا قطر سے گلچیں کو کھلی نسبت نہیں محض پتلی کی مجبوری نے گلچیں کا قطر استعمال کر لیا ہے ورنہ ساقی
 بہ حالِ سوز و مناسب تھا۔ یہاں گلچیں سے مراد مجید و ساقی سے ہے جو عرف کے مطابق آپ قول کر شراب دیتا ہے۔



کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داو ملے!
 کہ ایک سر سے حسرت پرست بائیں ہے

شوریدہ = وحشی - داو = حقین - حسرت پرست = قہتا اس کا مارا رہا۔ بائیں = سراپا۔
 تشریح:- کہتے ہیں کہ عاشق زار قہتا ہے اور کہتا ہے کہ کبھی تو میری دیوانگی کی قدر ہوئی جاوے کہ میں ایک سر سے اپنے
 دل میں یہ حسرت لئے چاہوں کہ وہ پریش حال کو آئیں اور بڑے غلوں و نیاز و مدد سے میرے سراپے آ کر شمعیں۔



ہا ہے، گرنہ نئے نالہائے نعلیل زار

کر گزشتہ گل، ہم خنیم سے بچھ آگئیں ہے

نالہ = فریاد۔ نعلیل زار = روٹی بھاتی نعلیل۔ گوش = کان۔ غم = تر۔ خنیم = اوس۔ پنبہ = روٹی۔

پنبہ = روٹی۔ آگئیں = لگا، لگا

تشریح:- فرماتے ہیں کہ گل اگر نعلیل کے نالے کو نہیں نکالتو یہ قطعی دوست ہے کیونکہ گل کے کانوں میں خنیم کی ٹہنی روٹی بکرگی ہوئی ہے اور سلامت میں نالہ ہے۔



اسد ہے نزع میں گل ہے وفا بڑے خدا

حاجم ترک حجاب و دعار صغیں ہے

نزع = مستودعات کی جنگ۔ ترک = چھوڑنا۔ حجاب = پردہ۔ دعار = چھوڑنا، بھستی چھکیں = بازوؤں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسد اس وقت مستودعات کے نزع میں بھٹا ہے گل کے واسطے دعار سوجھ کر کسی کی یہ تمام قود ہے جہاں شرم و حجاب اور ناز و محنت سب چھوڑ دے جاتے ہیں۔ مگر تو ہے کہانی اس روشن پر قائم ہے۔

غزل (۱۵۳)

یار ہے شادی میں بھی ہنسنے یارب مجھے کچھ زاد ہوا ہے شکر زہ لب مجھے

ہے گھٹا خاطر دایستہ رہی خنیا حق ظہیم قلقل ابھر خانہ کعب مجھے

یا رب اس آشفتگی کی نادر کس سے چاہیے رنگ آسائش پہ ہے دماغیوں کی اب مجھے

ملی ہے عشاق لوت اے حسرت کیا کہوں آرزو سے ہے شکستہ آرزو مطلب مجھے

دل کا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے

مضن سے آتے تھے مانع ہر دماغ اب مجھے



یار ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے

کچھ زامہ ہوا ہے شعروہ فریب مجھے

شادی = خوشی۔ ہنگامہ = شور و میل۔ تھجہ = شہجہ۔ زامہ = پرہیزگار۔ شعروہ = ہشتابہوا۔

ذریعہ = ہوتوں کے پچھلے اور پچھلیوں سے ہوتا ہے (خاصی فہمی)۔ نمسکرا۔

تشریح :- فرماتے ہیں۔ دراصل اللہ پاک کو لوگ معصیت کے عالم میں لاکھوں یار کیا کرتے ہیں اور ہمیشہ راحت کے دور میں لاکھوں سکھ بھول جاتے ہیں اس کو بہار شاد و مقرر نے اپنے شعر میں اس طرح کہا ہے۔

مقرر آدمی اسکو نہ جانے گا ہو وہ بیکتا ہی صاحب ہم و زکا

جسے ہمیشہ میں یار خداوند ہے جسے ہمیشہ میں خوف خداوند با

یہاں حضرت غالب فرماتے ہیں کہ مجھے خوشی کے دور میں بھی اپنے خدا کو یاد کرنا اور یارب یار کا شعروہ لگانا یاد ہے

اور اکثر جب خوشی کے عالم میں ذریعہ ہوتا تھا تو اس آہستہ فہمی میں بھی میرے عدالت پورے پورے طور پر خوشی کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے تھے جو ایک ذہاب کی شہجہ کی طرح مکمل کر اللہ کا شکر و سپاس ادا کرتے رہے ہیں۔



ہے کشاد خاطر وابستہ در رہنمائی غنی

خاظم عقل ابجد خانہ کتب مجھے

کشادہ = کھولنا۔ خاطر وابستہ = بندگی ہوئی طبیعت۔ در رہنمائی غنی = بات کا پانچ۔ خاظم = علم۔

عقل ابجد = ایک خاص قسم کا جلد جو حرف ابجد کے حساب سے بند ہوتا اور کھلتا ہے۔ خانہ کتب = اسکول۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ وہ ناراض ہیں تو ہوا کر میں مجھے آنکی چارہمیں سے خاصی کا تار کو نلے کا نلے آتا ہے آنکی ناراضی اور راضی کا انحصار میری گفتگو سے وابستہ ہے گویا گفتگو کے رہنمائی ہے اور یہ خاظم ابجد میں نے اسکولی زندگی میں حاصل کر لیا تھا۔



یارپ اس آہنگی کی داد کس سے چاہیے

دلف آسانس پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

تشریح :- فرماتے ہیں کہ یارب عالمین میں اپنی اس دیوانگی کی داد کس سے طلب کروں کہ میری دیوانگی یہاں تک پہنچ

مکی کہتے ہیں کوزہ کی اور آگے آمام پر مجھے دھک آنے کا ہے انکی مشقت ایک کھیل معلوم ہو رہی ہے اور میں اس کی خواہش کر رہا ہوں۔



طبع ہے عشاقِ لذت ہاے صرست کیا کروں

آرزو سے ہے فکرتِ آرزو مطلب مجھے

طبع = طبیعت۔ عشاقِ لذت = لذت کا طالب۔ آرزو = آہنا صرست۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ کیا کروں میری طبیعت ہی کہہ چکی ہے کہ وہ آرزوؤں کی لذت کی طالبِ واقعی ہے اور میرا مطلب آرزو کو آرزو سے دلچسپ کرنا ہوتا ہے کہ جب ایک آرزو پوری نہیں ہوتی تو میں دوسری آرزو کے تجسس میں لگ جاتا ہوں اس طرح کھیل آرزو کو کھستہ دیکھ کر بے حد حیران ہوتا ہوں۔



دل کا کر آپ بھی غالبِ تجھی سے ہو گئے

عشق سے آئے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اے غالب دل کا کر آپ بھی مجھ جیسے ہو گئے آپ تو مرزا کی پہلے تیرے آگے آئے تھے اور سخت مزاحمت کرتے تھے کہیں اب آپ کی کیا ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ عشقِ جزی ہی ایسا ہے کہ لگائے نہ لگے اور ٹھکرائے نہ بٹے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان بے قابو

ہو جاتا ہے۔

غزل (۱۵۳)

دیا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے

یہ جند، کہ آج نہ آوے اور آئے ہیں نہ رہے

وہ ہے یاں کہ بے ک، کہ کوئے دستِ کلاب

نہ ہے کرب، کہ یوں اے دیکھا ہے ہم کو فریب

مجھ کے کرتے ہیں، ہزار میں دو، پر سبیلِ حل

کہ یہ کہیے کہ سر وہ گزر ہے کیا کہیے

تھیں نہیں ہے ہر روضہ وفا کا طہال ہمارے ہاتھ میں بکھ ہے مگر ہے کیا؟ کیسے
 انہیں سوال پہ ذمہ جوں ہے کیوں لڑیے؟ ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیسے؟
 صد سزاے کمال غن ہے کیا کیسے؟ تم یہاں سے جا کر ہے کیا کیسے؟
 کہا ہے کس نے کہ عجب نرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشتی سر ہے کیا کیسے



دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کیسے

ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کیسے

بشر = آدمی۔ رقیب = دشمن۔ نامہ بر = ہتھی رسا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اب کیا کہنے کی بات ہے اگر ہے تو وہ آدمی ہی اور وہی اچے چنے میں دل رکھتا ہے اگر وہی
 اللہ سے محبوب ہے عاشق ہو گیا تو اس میں اس کی کیا غلطی ہے ہم نے اس کے ہاتھ خدا ہی کیوں بچھا تھا۔ وہ تو ہے ہی خاص میں کہ
 جو بھی اسے دیکھیں گے دل لائے بغیر نہ بیگ۔



یہ خدا کہ آج نہ آوے اور آئے میں نہ رہے

تھا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کیسے؟

تفاد = موت۔ شکوہ = شکایت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ تفاد (موت) سے ہمیں سخت شکایت ہے کہ ہم فراقِ یار میں بے یمن ہیں اور زندگی سے
 جڑا ہیں موت کی تمنا کر رہے ہیں کہ وہ آجائے اور آج ہی ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے مگر نہیں آ رہی بلکہ یقیناً اُسکو آنا
 ہے لیکن ہماری ضد ہے جہاں اور ساری دنیا ہے وہاں موت کو بھی ہمارے ہاتھ خدا ہے۔



رہے ہے یوں کہ کہے کہ کوئے دوست کو اب

اگر نہ کہے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کیسے؟

کہہ۔ جب۔ ہے کہہ۔ ہے کہ۔ کوئے۔ کوہنگی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کی نگرانی کی شکایت فرما رہے ہیں کہ میں ہی اور دوسرے کہہ کہہ مارا مارا کرتا ہے مگر اپنے گھر میں جیسا کہ صورت میں اگر ہم ان کی نگاہ کو دشمن کا گھر نہ کہیں تو اور کیا کہیں کیے کہ نہیں تو جب وہاں کے اہل سے خبر لے لی کہ جو سٹے تیرا دیا نہ ہوا، اسٹے ہمارے نزدیک تو دشمن کا گھر ہے محبوب کا نہیں۔



زہے کرشمہ کہ میں دے دکھا ہے ہم کو فریب

کہن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے؟

تشریح:- کہتے ہیں کہ جب کرشمہ کے خوفزدہ داری نگاہ سے چھپا ہوا ہے مگر ہمارے ظاہر باطن کو برابر دیکھ رہا ہے ہم اس دھوکے میں ہیں کہ ہمیں کوئی دیکھ نہیں رہا حالانکہ اس کی نگاہ اتنی جڑ ہے کہ ہمارے سینے میں نیچے ہونے والا تک کو دیکھ رہی ہے۔ ہم کہیں یا نہ کہیں وہ سب معلومات رکھتا ہے کہ یہ کیا چاہتا ہے۔ اس کی صورت میں کہ جب اس کو سب کچھ معلوم ہے تو ہمیں کچھ کہنے یا مانگنے اور درخواست کرنے کی ہی کیا ضرورت ہے۔

معلوم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب جب ہم محبوب سے مطلب برداری کی بات کرنا چاہتے ہیں تو فرار و کد جا ہے کہ اس میں ہمیں سب معلوم ہے کہ کچھ کیا چاہتے ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ معشوق جانتا ہے کہ عاشق کے پاس علاوہ وصل کی درخواست کے دوسرا سوال ہونی نہیں سکتا اور کہتا ہے کہ یہ کھنگھریا کی بات ہوگی یہ حال مثال مستقل ایک فریب دینا ہے اور یہ ان کی کرشمہ بازیوں میں سے ایک کرشمہ ہے کیا خوب بہت اچھا ہے۔



مجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرستش حال

کہ یہ کہے کہ میرا گھر ہے کیا کہیے؟

تشریح:- وہاں لوگوں کو ہمارا حال معلوم ہوا داری حواشی پر ہی کرتے ہیں تاکہ ہم نہ سوائی کے خوف سے حقیقت حال بیان نہ کر سکیں اور صرف دوسرا یہ کہ کر گھڑ جائیں کہ لہو لہو لہو ہے اور وہ اپنے فرض سے نکلوا رہے ہیں۔ اس طرح وہ چاہتے ہیں کہ حقیقت کی قطع نہ ہو اور بات بھی آگے نہ بڑھے جو اصل کچھ ہو۔



تمہیں نہیں ہے بر دھوا دفا کا خیال

ہمارے ہاتھ میں دھک ہے، مگر ہے کیا؟ کیسے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم کیا کہیں کہ ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے مگر تم اسکا مطلق خیال نہیں کرتے کہ قادر ہی کے
دعا کے کاسر اہم مطابق کے ہاتھ میں ہے اگر ہم چاہیں تو وہ شعلہ کی طرح کر دیں اور تم دیکھتے رہ جاؤ۔



انہیں سوال پہ لازم جنوں ہے کیوں لڑیے؟

ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیسے؟

ذمہ = فرد و محنت و فکر

تشریح:- فرماتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ اس قدر معذور ہیں کہ ہم سے کسی طرح کا سوال کرنا کیا گفتگو کرنا بھی گویا دماغ سے
سے اٹھتا ہے اور صحت لڑائی لڑتا ہے۔ اور ہم اپنی دھک ہماری ہیں اور اُن کے ہر سوال کے جواب میں یہ سوچ کر قطع نظر کر
جاتے ہیں کہ دماغ کی بات کا کیا جواب دیں دونوں اپنے اپنے میدان میں اُترے ہوئے ہیں اور یہ دعا پرستی رابطہ باہمی
کے دو میدان و پکار دھک مائل ہو گئی ہے۔



صدا، سوائے کمالِ حق ہے، کیا کیسے؟

حتم یہاں سے خارج ہنر ہے کیا کیسے؟

بہاء = قیمت۔ خارج = دولتِ سرِ مایہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں اور کبھی کیا سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمارے کمالِ عظمت کی کچھ سے ہم سے حسد رکھتے ہیں
واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں خارجِ ہنر کی قیمت ہی گھٹ رہی ہے۔



کہا ہے کہ لے، کہ عاقبتِ نما نہیں لیجیں

سوائے اس کے، کہ آفتِ بر ہے، کیا کیسے

آفتِ بر = سرِ بھرا اور پانزدہ حق۔

تشریح:- قطع میں بطور تہلیل مار دیا حضرت فرماتے ہیں کہ یہ کہنے کہا ہے کہ عاقبتِ نما نہیں ہے مگر ایک سرِ بھرا اور

دیوانہ آئی ہے لڑا ہم کی خود کھیں کہ وہ کون ہے جو ہمدانی ذات پر یہود و تنہید کے حجر چار دے اور غالب جیسے عظیم ذکاوار
سرمہر اور دیوانہ کلمہ ادب و انسانیت کی آوازیں کر رہا ہے۔

غزل (۱۵۵)

حضور شاہ میں اہل خن کی آزمائش ہے جہن میں خوش نواہیں جہن کی آزمائش ہے
قدو گیسو میں تیس دکھ کن کی آزمائش ہے جہاں ہم میں وہاں دادوں کی آزمائش ہے
کریں گے کہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر ہنوز اس خستہ کے نیوے تن کی آزمائش ہے
نسیم صبر کو کیا یہ کساں کی ہوا خواہی اسے ہنس کی بوے جہن کی آزمائش ہے
وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیں بھر کہ غافل تھے گھیب و بھر اہل ایمان کی آزمائش ہے
رہے دل ہی میں حیرانچہ بھر کے پار ہو بہتر فرض بصیرت بہت خاک گلن کی آزمائش ہے
نہیں کچھ نیکو رفتار کے پسوے میں کیرائی وفاداری میں شیخ و راسخ کی آزمائش ہے
پڑا وہاں الہایت اسے تالی سے کیا حاصل؟ مگر بھرتاب ڈلب پر گلن کی آزمائش ہے
رگ پہنے میں جب اتارے ہر غم دیکھے کیا ہو ایمان تو غلجی کام و دان کی آزمائش ہے
” آئی کے سرے کمر وعدہ کیا دیکھا غالب!

مے بھوں میراب چہ رخ گلن کی آزمائش ہے



حضور شاہ میں اہل خن کی آزمائش ہے

جہن میں خوش نواہیں جہن کی آزمائش ہے

حضور شاہ = نرو بہادر شاعر ہے۔ اہل خن = نرو شعراء اکرام۔ آزمائش = امتحان۔

خن نوا = اہم کہتا ہے۔

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ بہادر شاہ شاعر خدایک عظیم شاعر تھے اور استاد لڑائی کے شاگرد تھے چنانچہ وہ اکثر مشاموں کی
نسیمی قلم و قلم میں ہر رکھتے تھے اور ہر نشست میں خود ہر شریک رہتے تھے ہر شام ایک دوسرے پر بہت حاصل

کر لے کی جستجو میں رہتا تھا اور وہ اپنی مشاعرہ کا ایک دوسرے پر دلی غماضوں کو طوطا کہتے ہوئے طوطیہ تجزیہ اور ہستیاں کہنے کا ایک طبعاً صورت حقائق چلا رہتا تھا خصوصاً غالب و ذوق ایک دوسرے کے قہقی حریف تھے یہ غزل غالباً طوطی نشست کی غزل ہے جس میں خاص طور سے قہقی محاسن کا مکمل کر منظر ہر کیا گیا ہے۔

اس دلی میں حضرت غالب لڑاتے ہیں کہ آج شاد کے ہار میں بھل غن کی آڑ میں ہے گویا جہن میں خوش گویں کا اور خوش آوازوں کی آڑ میں ہے اور دیکھنا ہے کہ کون کھل میں پتارنگ بھانے اور شاد کو دل چیتے میں کا سیلاب ہوتا ہے۔



قد و گیسو میں۔ قیس رکھ کن کی آڑ میں ہے

جہاں ہم میں وہاں مادر و سن کی آڑ میں ہے

قد = قامت۔ گیسو = گوش اور شمار کے درمیان زلف کا نام۔ قیس = لیلی کا عاشق (بھون)

کوہ کن = شیریں کا عاشق (فرہاد)۔ دار = پانی، گھر۔ رن = رن، پسند۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ یہاں تک قد و گیسو یعنی جسمانی خوبصورتی اور معنی ہماری کا معاملہ ہے اس میں بھون اور فرہاد کا مقابلہ کیا جاتا ہے، لیکن ہم جس مقام پر ہیں یعنی معنی حقیقی کے پرستار ہیں وہاں ہماری آڑ میں کے لئے مادر و سن کا استعمال ہے مطلب یہ ہے کہ اہل اس مقام بلند ہے۔



کر ہی کے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر

خیز اس ملت کے نیروئے تن کی آڑ میں ہے

کوہ کن = فرہاد۔ خیز = اب تک۔ خستہ = ٹوٹا ہوا۔ نیروئے تن = بدن کی طاقت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ابھی تک تو فرہاد کی جسمانی قوت کا امتحان لیا جا چکا ہے مگر اب وقت آگیا ہے کہ ان کے حوصلے اور ہمت کا امتحان لیا جاوے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کے معاملات میں جسمانی طاقت کو دیکھنا ایک بے معنی بات ہے یہاں ہمت و حوصلہ کا ہے جسکو لوگ عام طور سے نظر انداز کر جاتے ہیں۔



سچ سحر کو کیا ہر کھان کی ہوا غوازی

اے یوسف کی رے ہی کن کی آڑ میں ہے

نصیم = صبح کی خطری ہوا۔ جبر کھان = نرا حضرت یعقوب سے۔ ہوا خواسی = طرفداری، ہمدردی۔

یوسف = حضرت یعقوب کے بیٹے اور بطور ہمدردی انہوں نے ایک اندھے کو گم میں پھینک دیا تھا اور مصر جانے والے قہار بنی کا قافلے میں لے کر لائے اور مصر جا کر بحیثیت غلام کے فروخت کر دیا۔ آپ نہایت صمیمینہ و جوان تھے، بطور معصومیت دیکھ کر یہ لایا اور اپنی بیٹی ہوس کا نکاح کرنا چاہتی تھی مگر یہ چار نہ ہوئے اسی نگرار میں جب یہ اس سے خود کو نکھرا کر بھاگتا ہے تو اس صورت (دکھلا) نے انکا پچھلا دامن بکھول دیا اور اسی کے ہاتھ میں رہ گیا پھر انجانے انکا انھیں پرست و رازی کا اہرام لگا کر قید خانے میں ڈال دیا۔ آخر بھائیوں نے باپ سے جا کر رجوت بولا اور بھائی کا خون آلودہ ہونے کی وجہ سے خون میں رنگ لیا تھا کیا کر باپ کو دکھایا اور کہا کہ اس کو بھیڑنے سے بھاڑ ڈالا۔ شعر پڑا میں شاعر اس واقعہ کی روشنی میں کہتا ہے کہ مصر کی نصیم صبح کو حضرت یعقوب سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی جبر کھان جا کر انکو حضرت یوسف کے حالات سے مطلع کرتی وہاں پر آزمائش کر تھی تو اس ہونے کی طرح جو نصیم نے باپ کو ہار دیا تھا اور بکری کے خون میں رنگ کر رجوت بولا تھا کہ یوسف کو بھیڑنے کے کھانے کا یہ رجوت ہے۔ مگر اس ہونے نے بھی حضرت یعقوب کو یوسف کے بیٹے کی رو نہ گھمائی کیونکہ وہاں خون آلود تھا اور بیٹے کی بو پر غم کی نگاہ آجلی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ بڑے بڑے ہونے میں اپنی آزمائش میں پوری نہ آتی اور حضرت یعقوب اپنے بیٹے حضرت یوسف کی موت و دیات کے بارے میں کسی گنج فیصلے پر نہ پہنچ سکتے اور ایک عرصہ دراز تک انکی بھدائی کے غم میں رہتے رہتے رہے اور بالآخر غم بڑھا کر گئے۔



وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہو بارہ کہ غافل تھے

کھپ میرا ہل امن کی آزمائش ہے

بزم = محل۔ غافل = لاپرواہ۔ کھپ = میر۔ اہل امن = اہل محل۔

تشریح :- شعر لہذا اسی واقعہ سے متعلق دھنک ہے جو واقعہ پچھلے شعر میں بیان ہوا ہے اس واقعہ میں آ کے ہال کریں ہوا کر دیا گئے جب دیکھا کہ اس پر حضرت یوسف کو اپنے ہوس کے ہال میں چائے کا مار فاش ہو گیا ہے تو خود کو بے تصور ثابت کرنے کے لئے اپنے کو مجبور رہے کہ ثابت کیا جائے کہ حضرت یوسف صمیمینہ و مسودہ تھے کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا خود کو قاتل میں نہیں رکھتا تھا اور وہی جگہ کرتا جو میں نے کیا۔ چنانچہ اسے ایک محفل مصر کی عینہ اس کی منفردی اور آگے واقعہ میں ایک ایک واقعہ اور ایک ایک لمحہ دیا اور کہا کہ جب میں غم میں تھا کہ اس کو کو تراش تو سب ایک ساتھ بیٹھ کر تراش کر دکھائے چنانچہ اسے پہلے حضرت یوسف کا ہاتھ ان کے سامنے کر دیا اور محمد یا کہ یوسف کو سب نے خوشی کی اور

کوئی کامیاب نہ ہوئی بلکہ سب نے اپنی اپنی انگلیوں کو ملٹی کر لیا کیونکہ گاؤں ہر ایک کی دھار سب سے زیادہ صرف قہر کی
 کچے کھسکا تھا۔

اس واقعہ کو یہاں حضرت جان لمار ہے ہیں کہ دیکھو، آپا اور اچانک آپا جسکو دیکھ کر وہ جرات میں غرق
 ہو جانا ضروری ہے اور ہر ایک کے دیکھنے والے کے سہر و غلب کی آزمائش ہے کہ کون یہاں غور کو کاٹا میں۔ ہ
 کامیاب ہوتا ہے۔



رہے دل ہی میں تیرا چہرہ بکھر کے پاؤں پہ

غرض بے شک بہت ناوک قلن کی آزمائش ہے

بہت = بھلا۔ بہت ناوک قلن = نظر کے تیر چہرے دلی میں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تیرا دیکھ کر صرف دل میں بے شک ہو کر رہ جاتے تو بھی اچھا ہے اور اگر دل دیکھ کر دلوں کو چیر کر پار
 ہو جاوے تو بھی بہتر ہے غرض دونوں صورتوں میں لطف ہی لطف ہے مطلب تو یہ ہے کہ تیرا عذاب کا تیرا عذاب مگر سے آزمائش
 اُنکے دکھانے کی ہے اور اے لئے کوئی صورت پر جان کن نہیں ہے۔



نہیں بلکہ تیرا دھار کے بندے میں کیڑائی

دھارائی میں شیخ ویر میں کی آزمائش ہے

نہیں = تیر۔ دھار = سب۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ تیرا دھار کی پانچ پانچ دھار ہے ان میں بلکہ نہیں دھار ہے مائل چھ سب دھار سے دھار ہی ہے
 یہاں تو ان شیخ ویر میں میں دیکھتا ہے کہ کون مالک کا گنج مسوں میں دھار اور دھار دھار ہے۔



چارہ اے دل دھار! ہے مائل سے کیا حاصل؟

مگر بھر تاب دھار کی آزمائش ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اے دل دھار! بھلا چارہ دھار ہونے سے کیا حاصل ہے مگر بھر یہ سوچ کر خود خاموش ہو جاتے ہیں
 کہ دل کو دھار ہی سے دھار کا سنی حاصل ہے اگر یہ دیکھ بھی کیا تو بھر اس صبر کی دھار لمبے لمبے کی بجلی ہے کہ دھار

ہے۔ یہ عاشق کوئی طرح گوارا نہیں۔



رگ دپے میں جب آئے نہ ہر قسم کیے کیا ہو
ابھی تو غلی کام و دامن کی آزمائش ہے

رگ دپے = رگ پنہے۔ زہر خم = زہر عشق۔ گلی = گڑاؤ۔ کڑاؤ = کڑاؤ۔ کام = مطلق۔ دامن = نہ۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ جب خم جیت رگ پنوں میں اثر اٹھا ہو جاوے اور پینہ ہر چہ کے جسم میں سرایت کر جائے دیکھا
جب ہے کہ آدمی کسی انہام سے دور ہو جاتا ہے ابھی تو اپنے اپنے عشق ہے ابھی تو صرف نہ کا زائید ہی گڑاؤ میں محسوس کر رہا
ہے۔ اور کام دامن کی ہی آزمائش ہو رہی ہے، جو برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہے آگے کو بچھنے ہوتا ہے کیا۔



دو آدمی کے سرے گروہ کیا اور یکساں تاب
لے تھوں میرا اب پرہا گھن کی آزمائش ہے

چرہ گھن = پہا آسمان سر او پہا آفریب کارکتہ برادر مہاری۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اسے تاب و چہ میرے گراؤ کیلئے مجھے اس میں دراصل نہیں مجھے اپنے جذبہ عشق پہناؤ
جس لئے میرا دھڑکی ہے کہ ہر روز آجیگے اور ابھی کوئی روک نہیں سکتا۔ اٹھا اور میرے جذبہ عشق کے مقابلے میں کوئی
حیثیت نہیں رکھتا۔ دیکھتا ہے کہ یہ قلب ہمہ پہاؤ کس حد تک حرام ہوتا ہے۔ آزمائش انکے فیض مہاری کی ہے۔ ہم اپنی
کھا اپنے جذبہ عشق سے مطمئن ہیں۔

غزل (۱۵۶)

زبکو عشق لکھا، جنوں سلامت ہے مٹا لکھ مرزا کی سلامت ہے
نہ جانوں، کیونکہ نے دارِ طبعین بزمہدی تجھے کہ آئینہ بھی دولتِ سلامت ہے
بہ بیچِ تاب ہیں بے لک مالیت مت قور لکھ مرزا سرورِ سلامت ہے
وہ مقابل و دلوے عشق ہے نیاہ جنوں ساتھ اصل عمل قیامت ہے



نیک مشق لکھا، جنوں سلامت ہے

مکھ دھات مڑا، سلی سلامت ہے

زیبک = ہر جہد۔ مشق لکھا = طرح طرح سے محسن کی لڑائی کرنا۔ کشادہ دست = کھولنا ہاتھ۔

سلی = اس کی لکڑی، سلی کی تعمیر بنا۔

تشریح:- شعر ہمارے سلی اس کی جوت نہ دیکھیں ہے بلکہ سلی کی تعمیر نہ ہر ہے مطلب (رہا) ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے محسن کی بار بار لڑائی کرنا چاہیں کہ لکھانی ہے۔ جس طرح ہر بار ہلک بھپکا نامت اور شرمندگی کی علامت ہے گو یا شرمندگی کا سیلاب آ گیا ہے اور آکر مٹا کر قطعی منظر کر دی نہیں سکا۔ یہ فعل بھی بھی محبوب کا اچھا سفر درگاہ ہے مگر کوئی محسن اور خوبی کی علامت نہیں ہے بلکہ عیب ہے۔



نہ جانوں، کیونکہ نے مارا طعن بدھدی

تجے کر آئینہ بھی دراز سلامت ہے

دراز = ہلاکت کا موقع وہ جگہ جہاں راستہ کم ہو جائے، بخیر، گرداب۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ مارا طعن بدھدی کس طرح مٹ سکا ہے۔ حیرانہ کہ کے وقار نہ کرنا بدھدی یا مہدی طعنی ہی تو ہے جس پر تجھے عمامت ہوئی ہی چاہے مارا سوجھ ہوئی چاہے کہ تو آئینہ کے زویرا ٹھہر نہیں سکا اور گویا آئینہ تیرے لئے شرمندگی کا بخند ہی کیا ہے۔



ہے بچہ دھابہ ہوس بھگ عایت ست توڑ

تو، تو سر دھو سلامت ہے

بچہ دھابہ = بے گئی کی حالت۔ ہوس = جھکی بھوک۔ سبک عایت = غیریت کا تشکیل۔

بجز = کڑوی، بے طاقتی، بے جوری۔ سر دھو = دھوا کر کھرا۔ سلامت = ٹھیک۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ بچہ دھابہ ہوس میں ایسا بے کورست ہو جا کر تیری غیرت عایت کا سلسلہ بڑھلا آ رہا ہے ٹوٹ جائے یہاں شرمندگی اور لگاؤ کا جھکا لینا سلاستی کے دھاکے کے سرے کو بچ کر لینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود پر پاؤ پا لیتے اور خود کو کھڑے پا لیتے ہی ہیں جان و مال کی سلاستی ہے۔



وفا محافل و دلوے عشق ہے بنیاد

جنوں سائنہ و فصل نکل قیامت ہے

وفا محافل = وفا کا محافل، وفا کا دشمن۔ جنوں سائنہ = مٹاؤں جنوں۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ جو شخص وفا کا مخالف رہے پائے ہوئے ہو مطلب وفا شعری عام کو بھی نہ ہو تو ایسے شخص کا عشق کا دعویٰ بے سنی ہے کیونکہ وفا شعری تو عشق کا جزو اعظم ہے۔ وفا غیر عشق نہیں تصنع ہے اور عشق کا جوہر مظاہر ہے۔ خود سائنہ جنوں فصل نکل کا انتکار نہیں کرتا اور کرتا ہے تو قیامت کا فریب ہے۔ یعنی زبردست اور یکتین قسم کا دھوکہ ہے۔

غزل (۱۵۷)

لاخراگتا ہوں کہ کرتو بزم میں جاوے مجھے میرا لذتہ دیکھ کر کوئی قتاوے مجھے
کیا تجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آہائے دم داس تک کوئی کسی جیلے سے پہچاوے مجھے
منہ نہ دکلاوے نہ دکلاوے یہ اہواز شباب کھول کر پردہ زرا آنکھیں ہی دکلاوے مجھے
یاں تک میری گرفتاری سے دوغول ہے کشی زلف کر بن جاؤں تو شانہ میں الجھاوے مجھے



لاخراگتا ہوں کہ کرتو بزم میں جاوے مجھے

میرا لذتہ دیکھ کر کوئی قتاوے مجھے

لاخرا = گزرا، چلا، لڑا۔ بزم = محفل۔ جاوے = جگہ دے۔ میرا لذتہ = میری ذمہ داری۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں تو اسد پر لاخرا گزرا ہوں کہ وہ بزم دوم کے بارے میں ہے تو مجھے اپنی محفل میں آنے کی اجازت تو دے میں تو بیٹھا ہوں کسی کو کوئی بھی نہیں دلاؤ اور جاوے میری لذتہ داری ہے اگر کسی نے مجھے پکڑ لیا یا پھانسا تو جو سزا تو چاہے گا۔ مجھے کوئی غور نہ ہوگا۔ لیکن سہالہ کا نظارہ ہے نہایت سلیس زبان میں میری ترقی میرا کامیاب اور اعتبار کیا ہے۔



کیا تجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آہائے دم

داس تک کوئی کسی جیلے سے پہچاوے مجھے

تشریح:- کہتے ہیں کہ یہ کوئی محنت کی بات نہیں ہے کہ میری حالت زار دیکھ کر انگوٹھ جاوے اور میرا کام بنواوے۔

بات تو وہاں تک پہنچی ہے کاش کوئی کس نہالے سے دیکھتا ہوں پیچھے سے ہمارے میں ہاتھوں پاؤں اور کچھ کہا ہوتا ہے۔
 نفسی سیر کا اعزاز اور سادگی ہے۔



منہ دکھا دے منہ دکھایا جائے عذاب
 کھول کر پردہ ذرا آنکھیں مل دکھا دے مجھے
 یا اعزاز عذاب = لحظہ کے اعزاز میں۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اگر تو مجھے نہ نہیں دیکھتا ناچا جاتا اور مجھ سے سخت نفرت ہے تو ہر غضبناک جو رنج پردہ ڈال کر
 دیکھوا دے میں تیری آنکھوں ہی کو دیکھ کر آئینہ دے لے کوئی فیصلہ کر دے۔



ہاں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
 زلف گرین ہاں تو شان میں الجھا دے مجھے
 شان = شکار

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرا محبوب میری اسیری سے بہت خوش ہے اور اس درجہ خوش ہے کہ اگر میں زلف سیاہوں تو مجھے
 اپنے شانے میں الجھا سکے کہ وہ ہر وقت شان ہاتھوں میں لے میرے بل ٹالے کی سی کرتا رہے۔

غزل (۱۵۸)

بارگاہِ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
 ایک کھیل ہے اور گک سلیمان، مرے نزدیک ایک بات ہے اجاز سمجھا مرے آگے
 لہو تاہ، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جزو دم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے مرے ہوتے کہتا ہے جہیں خاک پہ دریا، مرے آگے
 مت بوجھ، کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے تو دیکھ کر کیا رنگ ہے میرا مرے آگے
 کج کہتے خود بخود آراہوں نہ کیوں ہوں؟ بیٹھا ہے نہایت آئینہ میرا مرے آگے

ہر دیکھے، انداز گل اعلیٰ مختار دکھ دے کوئی پتہ سہا مرے آگے
 غزلت کا گلاب گزرتے ہے میں رنگ سے گزرا کیوں کر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے
 انجان کئے دے ہے، جو کچھ ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے، جیسا مرے آگے
 عاشق ہوں پہ مستحق فریبی ہے مرا کام بھوں کو نرا کہتی ہے جیسا مرے آگے
 خوش ہوتے ہیں پرواہ میں یوں ہر انہیں جانتے آئی شب بھر میں کی تھا مرے آگے
 ہے سوجھن اک قلم طوں کاں! یہی ہر آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
 کو ہجر کو جنت نہیں آنکھوں میں قوم ہے رہنے دو ابھی سافر دینا مرے آگے

ہم بیٹہ دم شرب دم راز ہے ہمارا
 غالب کو نرا کیوں کھو، بھلا، مرے آگے



بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

ہمارے شب و روز تاشا، مرے آگے

بازیچہ = بھولی سی بازی۔ اطفال = جمع طفل کی (بچے)

تشریح :- پہلی قول میں چند اشعار کو چھوڑ کر حضرت غالب بحیثیت ناصحہ و قوم انسان یا بحیثیت مومن و مسلم اشرف
 الملوکات اور خلیفۃ اللہ فی الارض اپنی حققت کا مظاہرہ کر رہے ہیں جسکو کسی قیمت پر مبالغہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ زعم
 حقیقت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میرے سامنے بچوں کا ایک چھوٹا سا کھیل ہے اور جو کچھا کھیں اور وہ ہے وہ گویا
 ایک کھیل کاش ہے جو بچوں کے لئے اور بچوں کے لئے بھلے ہی تفریح کا سامان ہو مگر تجدید و اور آشنائی انسانوں کے لئے
 بچوں کھیل کاش مقصد حیات سے غافل کر دینے والا کر لہ کن ہے کیونکہ ابھی نگاہ میں ہماری زندگی کا جتنی آرام ہے جسکے
 حصول میں یہ بھلاؤ نہ پانے مہرام ہے۔



ایک کھیل ہے اور ایک سلیمان، امرے نزدیک

ایک آیت ہے اہواز میں مرے آگے

اور یہ سلیمان۔ حضرت سلیمان کی درباری شان و شوکت اور اس کی حکومت کی سولت و شوکت۔

انکار سمجھا۔ سیدہ یحییٰ کے نکاحات۔

تشریح:- یہاں حضرت غالب سیدہ سلیمان کی اس شان و شوکت کے حلقہ میں ہیں کہ اگر واقعی میں اللہ پاک کا فراموشگار ہوں تو یہ میرے لئے ایک تکمل ہے اور حضرت یحییٰ کے نکاحات میرے نزدیک ایک لازمی بات ہے۔ کیونکہ ہائی تعلیمی فوڈر ہوتا ہے کہ وہ اور ہوتا ہے ہم اس کی زبان میں جاتے ہیں اس کا ہاتھ نکالتے ہیں۔ اور جب یہاں ہوتا ہے تو انسان کے سامنے ان نکاحات کی کیا ہیئت رہ جاتی ہے۔



بھ ۲۴ نہیں صورت عالم مجھے منحور

بھ ۲۵ ہم نہیں ہستی اشد مرے آگے

تشریح:- کہتے ہیں کہ حیثیت جو کہ اس دنیا کو میں ضرور ہاں رکھتا ہوں کہ ایک بچ ضرور ہے مگر اس دنیا میں کتنی چیزیں ہیں میرے نزدیک نام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھیں کیونکہ یہ سب نکا ہونے وال ہیں اور مجھے نکا ہونے والوں سے کوئی نکا نہیں میری نکاحات ضروری ہوں اس کی ذرا دل غمتوں پر ہے اور میرا مقصد حیات قرب الہی حاصل کرنا ہے۔



بھ ۲۶ ہے نہاں گرد میں حرا مرے ہوتے

بھ ۲۷ گھٹتا ہے جیسا خاک پہ دیا مرے آگے

تشریح:- واضح یہ ہے کہ اس صورت انسان نے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا ہے اس نے دیکھ کر دیکھا ہے اور اس سے کچھ ناپایدہ شاعر لکھا ہے۔ انسانی تک وہ حقیقی تجسس و غور میں اٹھتا ہے۔

شعر ہذا میں حضرت الہی اس کارگزاری کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو میری دسترس سے باہر ہو میں نے دنیا میں کے بدش حال دئے ہیں آگے میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں یہ سب میرے آگے بائیں فرما رہے۔ ہر چیز میری نظر ہے۔



بھ ۲۸ چہ کہ کیا مال ہے میرا دے بچے

بھ ۲۹ دیکھ کہ کیا رنگ ہے میرا مرے آگے

تشریح :- مجھ سے مت پا چو کہ سرے میں میرا کیا حال رہتا ہے اگر مجھے یہ سلطنت اور کار ہے تو تو خود کو دیکھ کر بے
 آبرو سے مارا جاتا ہے میرا کیا حال بن جاتا ہے۔ شعر پر عاشق و مستحق کے اندرونی جذبات کا منظرے قبول سے
 میری خود آواز جان کا شاعر ہے۔



جی کہتے ہو خود میں دھواؤں میں نہ کیوں ہوں؟

بجنا ہے نہج آئینہ سہا سرے آئے

خود میں = خود کو کہہ دیکھ کر اترانے والا۔ خود آرا = خود کو سنوانے والا۔ نہج آئینہ سہا = محبوب میں تریں۔

تشریح :- (رات میں کرلیک ہے اگر کوئی مجھے سزاوارا مگر وہ خود پسند کہتا ہے کیونکہ میرے سامنے میرا محبوب بیٹھا ہوا
 ہے اور مجھے اس پر پہلی قدرت حاصل ہے اس لئے میں جتنا خود پر باز کروں کم ہے۔



میر دیکھئے، انداز گل افغانی گفتار

دکھ دے کوئی چات صہیا سرے آئے

انداز = خود طرح۔ گل افغانی = گل باری۔ گفتار = گفتگو۔ چات = سافر۔ صہیا = شراب

تشریح :- حضرت اپنے شوق بیٹی کی تریف میں رطب انسان ہیں کہ میرے سامنے کوئی شراب باب کا سافر لا کر دکھ
 دے میری گفتگو سننے کی جس کیسے کیسے اور وہ باب مضامین میں کرتا ہوں۔



فلت کا گاہ گز دے ہے میں دھک سے گزرا

کیوں کر کہوں لو نام نہ فن کا سرے آئے

تشریح :- دھک کی ایجاد ہو گئی کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے سامنے کوئی اور تیرا تذکرہ بھی کرے تیرا نام کسی دھکری
 زبان پر بھی آوے اور یہ بھی نہیں کہ سکا کہ میرے سامنے کا نام نہ لے کہ اس جگہ میں فلت کا گمان ہوتا ہے۔



ایساں مجھے دکھے ہے جو کہتے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کعبا مرے آگے

تشریح:- واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں باری تعالیٰ نے جس قدر اور اور اسدوں کے لئے دافتر فراہم کی ہے اور ان کے درمیان انسان کو چھوڑ کر اس کا احقان لایا جا رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ شعر پڑا میں اسی دنیا میں ہی بخشش کا سطر فرما رہے ہیں کہ میں محبوب بخشش میں جھکا ہوں کہ کعبہ
میرے پیچھے ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچے ہے اور میرے آگے کعبا ہے جو آج دنیا میں کامرکز بنکر رکھا ہے اپنی طرف کھینچ رہا
ہے۔ دونوں طاقتیں برابر اور طاقت کی حامل ہیں احقان میری طاقت کا ہے کہ میں کس طرف جاتا ہوں۔



ماشوق ہوں پہ مستحق فرجی ہے مرا کام
بھنوں کو نما کہتی ہے کعبا مرے آگے

تشریح:- شعر پڑا میں حضرت عائشہؓ خوشی اور شہادت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ بھی بزرگوں کا دستور رہا ہے کہ مجلسوں
میں کھڑوں کے سامنے اپنے گزشتہ کارنامے مثلاً میرے اعزاز میں بیان کرتے ہیں چنانچہ پڑھتے ہیں کہ میں بھی محبوب آفت
کے پرکاشے ہیں کہ عاشق ہیں تو محبوب اعزاز کے کہ ہمارا کام مستحقوں کو اپنے نام میں رہا نہ ہو اور مطلب براری کے بعد
تہات جالا کی سے ان سے دامن چھڑا لینا چاہتے ہیں اور انہیں کمال کی حد تک مہارت رکھتے ہیں کہ کھلی کامی اگر تم سے
واسطہ پر جائے تو وہ اپنے نئے عاشق بھنوں کو جس سے اسے بے پناہ محبت تھی نہا کہنے لگا اور ہمارے قریب میں آ جاوے۔

اس شعر کو ہمیں عطا حضرت عائشہؓ کی ذات خاص سے ہی نسبت دیجئے لفظی ہوگی جبکہ یہ پورے طبع کے
نوجوانوں کی بگڑی ہوئی روش کی عکاسی ہے۔



خوش ہوتے ہیں پر واصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی فب ہزاروں کی کعبا مرے آگے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اصل تو احقر غرب فصل ہے کہ لوگ اس کی مراد کرتے ہیں اس کی امید ہی سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔
یہ مجھے کیا ہو گا کہ میں اب واصل کے قریب آیا تو اس سے بچنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اب آرزو فرات کی کر رہا ہوں کیا
فراق کی لڑتے واصل کی لڑتے پر حاوی ہے؟ آخر یہ فراق کی آرزو مجھے کیوں پیہ ہوئی۔ یہی ایک نکتہ ہے جو اس میں چھپا ہوا
ہے حقیقت یہی ہے کہ اصل کے بعد تو کا ادب عاشق ہی ختم ہو جاتا ہے لڑتے فراق ہی میں ہے۔



ہے سوجڑن اک قلم غوں کاں لاجی ہو

آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

سوجڑن = ٹھانے والا ہوا۔ قلم = ایک چھوٹا مسد۔ کاں = کیا ابھی ہو۔

تشریح :- بلاشبہ حضرت غالب غزل کے شاعر ہیں لیکن آشوب زبان سے متاثر ہوئے انہیں نہیں ہے اور نہ دیکھتے تھے۔ شعر لڑا میں ۱۸۵۷ء کا غزلی شعر حضرت کے سامنے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ غزلی احول کاں میں اٹھائی ہو جتا کہ اب تک میری آنکھ کچھ بھی نہیں ہے اس سے زیادہ آگے نہ بڑھے اور ابھی تک کا غزلی طوقان ایک چھوٹے مسد لکھوم کی مانند ہے کھل کر بے کنار نہ ہو جائے شاعر بہت گھبرائی ہوئی کیفیت میں اپنے دل سے غائب ہو کر کہہ رہا ہے کہ دیکھئے لکھدی بہتر جاتا ہے اور کیا کیا کچھ میرے سامنے آئے والا ہے۔ خدا خیر کرے۔



کہ باتوں کو جتنی نہیں آنکھوں میں تو دم ہے

رہنے وہ ابھی ساغر دہتا مرے آگے

تشریح :- شعر لڑا اہمیت ماوا اور سلیس ہے تخریب طلب نہیں ہے۔ لیکن ابھی شاعر نے ایک جذبہ غامض کا مظاہرہ کیا ہے اپنی پاکیزہ بیہوشی کا قفسہ کھینچنے میں کمال کر رہا ہے اس کے باوجود کہ وہ روشنی کے سبب بے حسی کا یہ عالم ہے کہ خود کا تسلیم ہے کہ باتوں میں جتنی کی طاعت نہیں رہی مگر آنکھوں میں ابھی دم باقی ہے یہی بات کہہ کر میرے دل وہاں سے ساغر کو میرے پاس سے مت اٹھاؤ۔ میں جب تک زندہ ہوں یا کب میرے سامنے نہ ہے۔



ہم چوڑا ہم شرب وہم ملا ہے میرا

غالب کو نہرا کیوں کہہ لقا، مرے آگے

ہم چوڑا = ایک ہی پیشہ دیکھنے والے۔ ہم شرب = ایک ہی طرح پینے والے کے شائق۔

ہزارہ = ایک دوسرے کے ملاز سے واقف۔

تشریح :- شاعر کے حیرت انگیز ملاحظہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابھی میرے دوست کو میرے سامنے ہی نہرا کہنے کی جرات کر رہے ہو غالب تو میرا ہم چوڑا ہم شرب اور میرا ہے۔ میں اس کے خلاف کہیں نہیں لوں گا۔



غزل (۱۵۹)

مرض باز خوشی دغاں، ہمارے خندہ ہے دلوے جمعیت احباب، ہمارے خندہ ہے
 ہے ہم میں، فوجِ حجِ مہرتِ انجامِ گل یک جہاں زانو تاخُل در قفاے خندہ ہے
 کعبۃ السردگی کو میٹیش ہے تابیِ حرام دہندہ دغاں در دل اشقر دن ہمارے خندہ ہے
 سوزِشِ باطن کے ہیں احباب سگر دہندہ یاں
 دل عجب کہیے دلِ آبِ آستائے خندہ ہے



مرض باز خوشی دغاں، ہمارے خندہ ہے

دلوے جمعیت احباب، ہمارے خندہ ہے

دغاں = دانت۔ خندہ = کہتا ہوا حراج۔ جمعیت = گروہ، بنیاد۔ احباب = دوست۔
 تشریح:- مرض باز خوشی دغاں سے مراد خطراتِ بے پرواہی سے ہے کہ کوئی اس طرح بے ساختہ مذاق اڑاتا ہے
 ہمیں شرمندہ کرتا ہے۔ اس دور میں احباب کا اکٹھا کرنا ہی خواہ وہ کسی سطح سے ہو یا مذاق اڑاتا ہے۔



ہے ہم میں، فوجِ حجِ مہرتِ انجامِ گل

یک جہاں زانو تاخُل در قفاے خندہ ہے

ہم = یحییٰ نبویہ۔ مہرت = نصیحت بکرا نامادہ۔ زانو = دان، انگلیوں سے کوہلے تک کاخندہ۔

تاخُل = تنجک، ادا پڑ۔ خندہ = کہتا ہوا۔ در = میں۔ قفا = پیچھے سر کا پچھلاخندہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دنیا کا حقان گاہ ہے یہاں ہر قدم سچا ٹھکانا ہے۔ یہاں فوجِ حج بھی کھلتے سے پہلے پہل
 کے انجام پر غور کرنے میں گواہ و معروض ہے کہ کھٹوں یا زکھٹوں تک ایک بالہ اس گھر میں سر پہ زانو ہے اور آگے بڑھنے کے لئے
 ایک تھپک در تاخُل میں ہے اور اپنے ماضی کی ناکامی و مٹاؤ کی پھر آئیں۔



کھلب اندر کی کریمیں ہے تالی حرام

درد نہاں در دل افشردن طے شدہ ہے

کھلب = تکلیف۔ اندر کی = خندے سر ہما، راجی۔ دھلاں = دانت۔ دردول = دل میں
افشردن = دہاؤ، کھمبہ۔ طے = نپاؤ۔ خندہ = کھلے ہوا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ راجی کی تکلیف میں جتنی کھلب اٹھاتا جائز نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ناکائی کے بعد ہاتھ پر
ہاتھ رکھ کر دھنا حرام ہے یہاں خندہ بھی خیم کی ہے یعنی کوشش مسلسل جاری رہنی چاہئے ورنہ کھینچے ہوئے دانت دل
میں نمی کو دے دے وہاں اور تیری ناکائی و اندر کی ہر انداز میں دھانے کے لئے کھلکھلانے کے لئے جاری رہے ہیں۔



سوزش باطن کے ہیں احباب سحر درد ہاں

دل بھلا کر یہ دلب آشتاے خندہ ہے

سوزش = بطن۔ باطن = پوشیدہ۔ احباب = معاصیہ کی۔ سحر = انکاری۔ محیط = گھیرے ہوئے۔
کریم = دہا۔ لب = اونچ۔ آشتا = ہانا بچھا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اندھ یہ ہے ہمارے دوست احباب ہمارے دل میں نہیں ہوئی بھلیں کالیفیں نہیں کرتے بلکہ
اللہ کرتے ہیں اور یہ اللہ جود اللہ ہے ورنہ یہ لوگ اللہ سے ہٹنے اور روئے سے ٹکرانی واقف ہیں کہ ہمارا دل کرتا کریم
ہے مگر لب پر نمی خندہ ہے۔

غزل (۱۶۰)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کیے تمہیں کہوں کہ جو تم ہیں کہوں تو کیا کیے؟
نہ کہہ طعن سے محرم کہہ ہم سحر ہیں" مجھے تو تو ہے کہ جو کہہ کہو بجا کیے
وہ بیشتر کسی ہر دل میں جب آتے ہوں
نہیں ذریعہ رات بیدار چکاں وہ دلم طغ ہے جس کو کہہ دل کٹا کیے
جو مدی ہے اس کے نہ مدی ہے جو تا سزا کیے اس کو نہ تا سزا کیے
کہیں حقیقت جاننا ہی مرض کھینے کہیں معیبت تا سزا کیے وہاں کہتے

کبھی حالات رہا کس میں کبھی کبھی حالات میں کرنا ہا کبھی
 رہے نہ جان، تو قال کو غل بھاڑے کبھی زبان، تو خبر کو مرچا کبھی
 نہیں ہار کو افس، نہ ہو ہار تو ہے رانی رانی و سستی ادا کبھی
 نہیں ہار کو فرست، نہ ہو ہار تو ہے طراوت میں و خوبی ہوا کبھی
 سینہ جب کہ کھلے پہ آگاہ غالب!
 خدا سے کیا قسم و جور تا خدا کبھی



کہوں جو حال تو کہتے ہو مذا کبھی
 تمہیں کہہ، کہ جو تم میں کہہ، تو کیا کہیے؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ زمانے کا دستور ہے کہ جب کوئی نا اہل ساک کی نرے آدمی سے کچھ سوال کرتا ہے تو
 سوال سے پہلے بطور تمہید عرضی حال کرتا ہے کہ حضور میں غریب کمرور آدمی ہوں، بچے ہیں اور ماں باپ اندھے
 ہیں، کوئی روزگار نہیں تو اس داستان کو سننے سے اس کا کڑیہ کرتے ہوئے جواب میں مسائل سے کہتا ہے مطلب
 جان کر اللہ تعالیٰ مت سننا۔ کہتے ہیں کہ اگر کرم ای قسم کا رویہ اختیار کرو تو حق تعالیٰ تاؤ کہ ہم کیا کریں۔ اپنی اس
 عمارت کو کیسے برداشت کریں اور کس سے اسکا کھ کریں۔



نہ کہہ ملن سے ہر قسم، کہ ہم شکر ہیں
 مجھے تو ہو ہے، کہ جو کچھ کہہ جا کبھی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہارے رویہ پر تمہاری طرح ملتہ ذنی پر آؤ آؤں تو مجھے ظالم مت کہنا۔ جبری تو
 برداشت کی عادت ہے تمہاری ہرگز وہی کسلی برداشت کرتا ہوں۔ تم ہرگز برداشت نہیں کرو گے بہتر یہی ہے کہ کرم بھی اپنے
 رویہ میں تبدیلی لانے کی کوشش کرو تا کہ جنت کے لئے راہ ہموار ہو۔



وہ بختر کسی پر دل میں جب آؤ جاوے
 وہ باز کو ہر کسوں نہ آٹھا کہیے؟

نیشتہ۔ شتر۔ بجز۔ آشنا۔ جان پہچانا۔

تشریح:- دل میں کسی چیز کا اثر نہایت دور پہنچنے کی علامت ہے مگر بجز دل میں اترتا ہے تو وہ دشمنی کی علامت ہے لیکن بجز اگر نگاہ کا ہوتو زہے نصیب ہر طرف پیار و طرفہ داری ہے اور جب پیار ہو گیا تو آشنائی میں کیا کی رہ گئی۔



گلیں ذمید، راحت جملہ پیکان

وہ دلم خف ہے، جس کو کہ دل مٹا کہے

راحت = آرام، سکون۔ جراحت = تکلیف، دلم کی ملن۔ پیکان = تیر کی نوک۔ خف = تھوڑا۔
دلگٹھا = دل کو کھولنے والا۔

تشریح:- تیر کا پیکان اگر کہیں جسم میں کسی جگہ سے ہو جاوے تو وہ اور اس کی تکلیف کسی طرح باعث راحت و آرام نہیں ہو سکتی البتہ نگاہ کی کو اثر ضرور دل کا ظہور کرتی ہے اور اس میں ایک لذت خاص ہے جو جان سے باہر ہے۔



جو مڑی ہے اس کے نہ مڑی ہے

جو تا مڑا کہے اس کو نہ مڑا کہے

مڑی = مڑی کر بخود الامکان کرنے والا۔ تا مڑا = مائل، مائل۔

تشریح:- فرماتے ہیں جو شخص مڑوے انعامی خود کو تا مڑی اور مائل کہے لم اُسکو تا مڑی اور نہ است کہ وہ شخص قابلِ ستائش ہے اور اپنی طرف سے لیکن جو خود مڑی کرے اس کے میں اور مائل ہوں لم نہ ضرورت کو لیکن اس پر محدود رہی: ست کر اسکو مستحق ست کہا جائے گا کہ مڑی ہے اور مائل مائل ثابت ہوتا تو تھیں شکایت کا بھی کوئی موقع نہ ہوتا کہ نہ وہ پہلے خود کو مائل مائل نہ کہ چکا ہے۔



کہیں حقیقت، چاکھی ریش گئے

کہیں معیبت، تاسازی دیا کہے

حقیقت = اصلیت۔ چاکھی = مداح کو تکلیف پہنچانے والی۔ تاسازی = تاسوافت۔

تشریح:- واقعہ ہے کہ انسان بھلے ہی اشرف المخلوقات کی لیکن کہیں غلط سمجھ دلا جا رہی ہے کہیں شکایت کرتا ہے کہ

مرض جان لیا اور کیا ہے کہیں کہتا ہے کہ وہ اساز نہیں کر رہی اپنی بھوری نادر پریشانی کو خود بیان کرتا ہے اور چاہے عام بات ہے۔ جو انکی شان کے خلاف ہے۔

ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ عاشق محبوب کے غم میں ٹھٹھا چلا جاتا ہے اور جانا فرسوت سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور یہ وہ کیفیت ہے کہ مرض عشق اپنے کسی نڈر سان حال کو نگہ تاجا تاجا سے رسوائی سمجھتا ہے مگر کہیں ہی حقیقت حال سے ہمدرد اور نگہ رکو نگہ تاجا بھی نہ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اس مقام پر آ گیا ہوں جہاں کوئی دوسرا سازگار نہیں ایک عجب مصیبت کا سامنا ہے۔



بہی نکالت دینا کراں نہیں کیجے

بہی نکالت میر کرنے پا کیے

دینا کراں نہیں = دینا جھول میں جم کر نہ جائے۔ میر کرنے پا = دوسرا جواہر ہانے والا ہے۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ یہی انسان بھی غم کی لذت اور مستقل اس کے ٹھنڈا کی نکالت کرتا ہے اور بھی میر کے ساتھ پھوڑ دینے کی حکایت بیان کرتا ہے کہ یہ میری کے عالم میں میں یہ اور یہ کر کر رہا۔ فرض یہ حضرت انسان کی مختلف انواع تخلیقات کا بیان کرتا انسان کی یہ ممکن طعرت اور انکی عکس طری کو ظاہر کرتا ہے۔



رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے

کے زبان تو خنجر کو مہر جا کیے

خوں بہا = خون کی قیمت۔ خنجر = بھری تلواری۔ مہر جا = شاہان

تشریح :- فرماتے ہیں کہ آج ہم اس اور سے گزردے ہیں کہ وہ عالم ہمارم کو قتل کر دے تو اٹھ اسی کا ہے خون کی قیمت دینا ہوتا ہے کیونکہ ہم اس کا باندہ زندگی سے خود بخود تھے آتے ہمیں قتل کر کے ہم پر احسان کیا ہے۔ اور اگر اس عالم صرف زبان بند کی ایک سحر دے تو اسکو دلاور حسین سے لانا چاہئے کہ حضور نے بہت چھاپا کیا اگر آپ ایمان کرتے تو لوگ بناوٹ پر اتر آتے اور پھر نظام صہبائہ انشاوار ہو جاتا۔ اس خوشامد از شکر میں مالیت کا پہلو پائید ہے۔



نہیں تار کو اکتھ، نہ ہو تار تو ہے

روانی، روش و مستی، انا کہیے

تجلیہ = نقش منہ، مشوق = روانی = فی الحال، مذہب، پہلی مدوح، پہلی مدح = روش = بلکہ، بلکہ کماست، طریقہ
تشریح :- کہتے ہیں کہ اگر مشوق کو ہم سے محبت نہیں ہے نہ ہو میں اس سے کوئی غرض نہیں، ہم تو آپس اپنی جگہ بہت
غوش ہیں کہ مشوق تو ہے مطلب نہ ہونے سے تو سہتر ہے۔ یا اور، دینی، مستی کا اور ادا، تار کا راستہ تو کھلا ہوا ہے۔



نہیں بہار کو فرست، نہ ہو بہار تو ہے

طراوت، بہن و خوبی، ہوا کہیے

طراوت = تازگی۔ خوبی ہوا، ہوا کی تری، مستی۔

تشریح :- یہاں حضرت نے فرست کے معنی خواہ کے لئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بھلے ہی بہار کو کھراؤن ہو میر دست
سرم بہار تو ہے غی اور طراوت، بہن اور ہوا کی مستی والا تہ تو ہے غی میں اس سے مخلص ہونا چاہئے اگر ہم بہار چلے جائے
کاظم کر کے لطف اندوزی کا موقع نمودار ہیں تو سماعت ہوگی۔



سفینہ جب کہ کنارے پہ آگاہ، غائب

خدا سے کیا قسم و نذر، تا خدا کہیے

سفینہ = جزائرشہ۔ قسم = علم۔ نذر = جود۔ علم۔ بخدا = مزارع۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اب جبکہ طر حیات بہانیت تمام لئے ہو گیا اور کشتی حیات کنارے سے آگئی تو اپنے خدا سے
ان کا خدا اس کی راہ پتیاں کیا پتیاں کریں کہ انھوں نے کس کس طرح ہمیں پہچان کیا اور خدا سے تعلق کرتے رہے۔

غزل (۱۶۱)

ہاں مریم ہوا کرے کوئی میرے ذمہ کی دلا کرے کوئی

شرع و آئینہ ہوا سہی ایسے قائل کا کیا کرے کوئی

ہاں، جسے کڑی کمان کاہر دل میں ایسے کے ہا کرے کوئی

بات پر ہاں زبان نکلتی ہے وہ کہیں اور نہا کرے کوئی
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا بکھا بکھ نہ بچے، خدا کرے کوئی
 نہ سنو، گر تو کہے کوئی نہ کہوں، گر تو کہے کوئی
 روک لو، گر تلو چلے کوئی بھٹک نہ، گر تلو کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند، کس کی حاجت روا کرے کوئی
 کیا کیا غصہ نے سکھ دیا، اب کسے رخصا کرے کوئی

جب تو حج ہی اٹھ گئی غالباً

کیوں کبھی کا بھلا کرے کوئی؟



ابن مریم ہوا کرے کوئی

بھرے ڈاکہ کی دوا کرے کوئی

ابن مریم = حضرت مریم کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور چھ عذراں رکھتے تھے ایک مجروحہ، بچہ عذراں کے یہ تھا کہ،
 لقمہ ہاڑا اللہ لکھ کر اسے کھڑا کر دیتے تھے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ کوئی ہو گئے مریم کے بیٹے یحییٰ جو مریم کو زہرا اور پیاراں کو اچھا کرتے تھے کوئی
 ہمارے ڈاکہ کا علاج کرے تو ہم جانیں واقف ہے کہ جس مرض کے حضرت مریم میں اس کا علاج کسی کے پاس ہے ہی
 نہیں اور مرض عشق ہے۔



شرع و آئین پر مدار کسی

ایسے قائل کا کیا کرے کوئی

شرع و آئین = شرع قانون شریعت اسلامی، آئین قانون حکومت۔ مدار = انحصار۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ہماری دینی کا انحصار قانون شریعت پر کسی اور قانون حکومت، راجع الوقت و رازاں اپنی جگہ
 جاری و ساری کی اور ہم اس کے پابند کسی لیکن ان قوانین میں ہمارے قائل کے لئے تو کوئی سزا نہیں دینی گئی ہم اس کا کیا
 کریں اور کس سے ادا ہوا ہیں کس سے طر یا کریں ہمارے قائل نے پھر سے کس آگے سے ادا ہے چکا کوئی کہو ہے نہ ثبوت

ایسے قائل کو کوئی کیا کرے۔ انکے لئے قرآن ہی کوئی پھلہ کر سکتا ہے۔



ہال، جسے کڑی کمان کا تیر

دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

تشریح:- ہمارے محبوب کی تو پال بھی عجیب ہے جسے غنی اور غلامت سے سمجھا سوا تیر ہو کر مجھری سے اور سے اور شمع
زوں میں نکل جاتا ہے پس تو انکی پال ہی حاشا کر گئی دیکھنا اس کا تو ذکر ہی کیا ہے حال یہ ہے کہ اس جگہ پر ہند کو کم کی
طرح اپنی طرف متوجہ کریں ہم انکے دل میں کس طرح جکھڑا کریں اور انہیں کھاری بات کب سے گوارا کرتا ہے۔



بات پر داں زبان سختی ہے

وہ کہیں اور نہ بنا کرے کوئی

تشریح:- کہتے ہیں کہ انکے حضور تو بات کرنا بھی دشوار ہے وہاں تو بات بات پر تنقید اور کھو چٹنی ہوتی ہے گویا
زبان سختی ہے کسی کو یہ لے کا سوچ تک نہیں دیتے بس تیرے والا انتظار ہے اور وہ یہ لے رہیں۔ یہ حالت تو ہمارے
لئے مایوس کن ہے۔



کب رہا ہوں جنوں میں کیا کیا بکھا

بکھ نہ بکھے، خدا کرے کوئی

تشریح:- کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ نظر سے ہے کہ کیا لگی بہر حال میں اس عالم میں جو بکھ کے چٹا چارہ ہوں قائل
تو جنہیں خدا کرے کوئی میری بات نہ بکھے۔



نوٹ:- غزل بذا کا چند اساتواں یا خصوصاً تجز یا شعر نہایت سادہ ہیں مگر یہاں طلب نہیں ہیں خواہ شعر لکھتے تشریح طلب ہے۔



کیا کیا شعر نے سکھائے

اب کسے رہنا کرے کوئی

حضرت۔ ایک بزرگ شخصیت کا نام جو ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔ انھوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ ان کے پاس روادہاں ہیں حضرت موسیٰ کو چند کتابیات کا شاہدہ کر لیا جس پر وہ حیران رہ گئے۔

سکندر۔ سکندر ڈھتر میں ایک عظیم فاتح بادشاہ تھا اور اس نے مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک حتیٰ کہ مکان فوجات کیسے قرآن کریم شاہد ہے۔

تشریح:- ہاں ستر روایت ہے کہ جناب حضرت نے سکندر کا انکی درخواست پر چشمہ میں اس کا راستہ بتایا تھا اور وہاں پہنچا اور ان لوگوں کو دیکھا جو چشمہ میں سے میراب ہوئے تھے خندہ تھے خندہ سکندر انکو دیکھ کر گھر لیا اور اس زعمی کو پہنچا کیا چشمہ سے پانی نہیں پیا؟ چشمہ سے وہاں ہی ہوا گرم ہو جانے کے باعث مشکل میں پھنس گیا اس واقعہ پر جناب حضرت نے انکی کوئی رہنمائی نہیں فرمائی اور سکندر مشکل اپنے مستقر پر لوہا تنگی نکلتا یہاں حضرت نے غالب فرما دیے ہیں کہ حضرت نے سکندر سے کیا کیا کر اسکو بھٹکا چھوڑ دیا اور رہنمائی نہیں کی ان سے زیادہ اور کوئی شخص کیا معتبر ہو سکتا ہے اب کس پر ہمارا کیا حوالہ۔ دانشم۔

ایک یہ بھی خیال ہے کہ جناب حضرت کو سواہ واسیل دیکھا تھی (جو راستہ اے مٹا ہے) انکی تعلیم فرماتا چاہے تھی نہ کیا کیا کاپیے چشمہ کا راستہ بتایا جو زندگی اور ہے لیکن موت سے بتر ہے۔ ان سے زیادہ اور کون معتبر ہو سکتا ہے اب ہم کس پر ہمارا کریں۔



بہ تو قی ای اللہ کی غالب!

کیوں کسی کا بھلا کرے کوئی؟

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب جبکہ ان سے کسی طرح کے استفادہ کی امید ہی منقطع ہو گئی تو اب میں انکی شکایت لوگوں سے کرتا ہوں حاصل کچھ نہیں۔ اگر شکوہ شکایت سے کچھ کام بنتا ہوتا تو میں یہ طریقہ بھی اختیار کرتا اب جب کہ سب کامیابی کی راہیں مسدود ہو گئیں تو ظاہر کے اور چارہ بھی کیا ہے۔

غزل (۱۶۲)

بھی نگاہیں اس کے کی میں کرتا ہوں ہے مجھ سے جہاں میں کر کے اپنی یاد شرماتا ہے مجھ سے
خدا! ہنر دل کی عمر تا عمر اتنی ہے کہ بٹا کھینچا ہوں اور کھینچا ہائے ہے مجھ سے
وہ بدخو، اور میری داستانِ عشق کو لانی مہارتِ محض، کامد بھی گھرا ہائے ہے مجھ سے

اور وہ ہنگامی ہے، اور یہ باتوں کی ہے نہ ہی بچا جاتے ہیں اس سے بڑا جاتے ہے مجھ سے
 ٹھیکے دے مجھے اسے تا اسیدی! کیا قیامت ہے کہ وہ اپنی خیالی پار بھرنا جاتے ہے، مجھ سے
 مختلف ہر طرف، ظناری میں ہی سہی لیکن وہ دیکھا جاتے کب یہ فلم دیکھا جاتے ہے مجھ سے
 ہوتے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں ڈگی نہ بھاگا جاتے ہے مجھ سے نہ غمرا جاتے ہے مجھ سے
 قیامت ہے، کہ ہووے مادی کا ہم سفر، غائب!

وہ کھڑا، جو خدا کو بھی نہ سنا جاتے ہے مجھ سے



بھی لنگی بھی اس کے لی میں آ جاتے ہے مجھ سے
 جہان میں کر کے اپنی یاد فرما جاتے ہے مجھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ازل تو وہ ہم ہر صبا ہوتا ہی نہیں اور اگر کہیں امارے ساتھ لنگی کرنے کا خیال بھی اس کے دل
 میں آتا ہے تو نہیں کر پاتا کیونکہ اس قدر علم اچھا ہے کہ کتنا خیال کر کے فرما جاتا ہے اور یہ عمارت امارے ساتھ لنگی
 کرنے میں حزام ہو جاتی ہے اور ہم غمزدہ جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مضمون آخری استاد کا عقد ہے ورنہ شعر نہایت سادہ اور سلیس ہے تاہم ایک حقیقت پوشیدہ
 کا اظہار ہے جس طرف عام شعرا کی نگاہ نہیں جاتی۔ اس کے علاوہ جذبات نگاری جو ایک مشکل فن ہے حضرت کے لئے
 اسی قدر آسان ہے۔



خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر اتنی ہے
 کہ جتنا کھینچا ہوں اور کھینچا جاتے ہے مجھ سے

تشریح:- ہوتا تو یہ جانے تھا کہ جذبہ دل کی تاثیر سے وہ کچھ چلے آئے مگر یہاں معاملہ ہی اتنا ہے کہ میں جھڑا نہیں
 اپنی طرف کھینچا جاتا ہوں وہ مجھ سے زور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہوس اور شہوت پرستی میں کیا معاملہ پیش آتا ہے برخلاف اس کے عشق حقیقی میں خیرا کے
 برعکس ہوا کرتا ہے۔



وہ بدخو، اور میری داستانِ عشق کو لائی

عبارت مختصر، کامدہ کی گھرا جائے ہے مجھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرا محبوب غفلت پسند اور بد مزاج واقع ہوا ہے وہ میری داستانِ عشق جو بہت طویل ہے نہ کہ پند نہیں کرتا کامدہ کی داستان کی گھولائی ہے۔ جب آجاتا ہے اور دورانِ تحریر مختصر کرتا رہتا ہے کہ حضرت جلدی کیجئے اور اختصار سے کام لیجئے مجھے اور بھی بہت کام میں جواب کی لانا ہے اور میں جو کہ کوکھنا چاہتا ہوں اسے لکھنے کے وقت درکار ہے اور تاخیر تحریر سے کہہ حاصل نہیں، میں اس سے مطمئن نہیں۔



اور وہ بدگمانی ہے، اور یہ ناتوانی ہے

نہ چوچھا جائے جاس سے نہ لادھا جائے ہے مجھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ وہ برائے عبادت شریف تو لائے ہیں مگر یہاں کیفیت یہ ہے کہ وہ اس بدگمانی کے خوف سے کہ لوگ کہا کیا گمان کر چکے میرے ہر یافت حال کی ہمت نہیں کرتے اور میرا پناہی حال ہے کہ گزرواری اور لاغری کے سبب غورانی حالت میں نہیں کہہ سکتا مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں ہے ایک عجیب عالم ہے۔



منہ سے نکلا سنا امید کی اکیا قیامت ہے

کہ داناں ظیال وار چھوٹا جائے ہے، مجھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسی کا عالم ہے کہ اب میں ناامید ہو کر کہیں انکو نہ چھوڑوں اگر ایسا ہو گیا تو میرے عشق پر تو قیامت نوٹ چڑیگی مطلب یہ ہے کہ عشق ہی مرد ہو جائیگا اسے ناامیدی یا سدرجہ پا داتی مت کر کہ اسکا دامن ہی میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے مجھے تو ہر حال میں اس سے قطع ہائے رکھتا ہے۔



تکلف بر طرف، ظہار کی میں ہی کسی لین

وہ دیکھا جائے کہ یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ تکلف بر طرف یعنی یہ ہوا سکا رد کھاوے کے طور پر ہی کسی کی تک مجھے یہ گوارا نہیں کرتے

میرے ملاوہی کوئی اور دیکھے اس لئے یہ جادو سحر و قس و خرد ہی نہیں مجھے مادی اور مادی کل ہی ہے مگر خوب ہے۔



ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے میرا عشق میں دخی

نہرا گاہائے ہے کھ سے نہ خراہائے ہے کھ سے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ عشق دخی کی جگہ میں سب سے پہلے پاؤں ہی عاشق کے دخی ہوتے ہیں کیونکہ عشق و عباد
میں کرتے پار کے پتھر اور آوارگی عاشق کے پاؤں کو دخی کر دیتی ہے۔ اور میں اس کیفیت سے دوچار ہوں کہ اب بھاگنے کی
حالت میں ہوں نہ شور و حرکات کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔



قیامت ہے کہ ہر دے مادی کا ہم سطر، عجب!

وہ کافر، جو خدا کو بھی نہ سوتا جائے ہے کھ سے

دخی = رقیب بھائی۔ کافر = انکاری۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے عجب نصیب ہو گیا قیامت ٹوٹ چکی کہ میرا محبوب میرے رقیب کا ساتھی اور دوست
بن گیا اور میرا مخالف و عکس ہو گیا جس سے مجھے استغراب و حیرت تھی اور یہ کہ میں اسکے حق میں بدزما بھی نہیں کر سکتا اسکے پاؤں
کا آستے خستہ رہی اور تکلیف پہنچائی ہے مگر میں بھڑکی اسکو وہ اکو سو پنے کے لئے تیار نہیں۔ یعنی اسکے مرنے کی ڈھائی
نہیں کر سکتا کہ یا خداوند کریم اسکو اٹھا لے۔

غزل (۱۶۳)

دے سے میرا عشق میں ہے پاک ہو مجھے	دھوئے مجھے ہم ایسے کہ میں پاک ہو مجھے
میرا بھائے ہے ہوئے، آگاہی سے کٹی	تھے یہ ہی وہ حساب سواں پاک ہو مجھے
دھوئے دھو کر ہوئے، آوارگی سے تم	بارے طہیجوں کے تو ہاؤں پاک ہو مجھے
بکھا ہے کون جان، لیلیٰ کو بے اثر؟	ہمے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو مجھے
پاؤں سے کیا دھوا دھم اہل عشق کا	آپ اپنی آگ کے شمس و خاشاک ہو مجھے
کرتے مجھے تھے اس سے، فدا کی کامی	کی ایک ہی نگاہ کہ میں خاک ہو مجھے

اس رنگ سے اعلیٰ کل اس نے اسد کی عشق
 دلی بھی جس کو دیکھ کے غم پاک ہو گئے



دل نے سے لہ عشق میں ہے پاک ہو گئے
 دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ عشق یار میں ہم اسقدر دے کر دل سے ہر طرح کا خوف غصہ سار سوائی کا خوف
 ہمارے دل سے نکل گیا گویا اشوک کی بارش میں اسنے نہاے دھوئے کہ قطعی پاک و صاف ہو گئے۔ اسقدر خوشگروئے
 کی وجہ محبوب کا بیش بہش کے لئے تہہ اہو جانا ہی ہو سکتا ہے یقیناً حضرت نے اپنی محبوبہ دلی کے مرنے کے بعد
 حائر ہو کر کہا ہو حالانکہ ایک پوری غزل اس ذیل میں دے دے کی ردیف کہہ چکے ہیں مگر محبوب کا غم ایسا نہیں ہوتا
 کہ وہ ایک غزل کو کرسلی کر دے یہ وہ غم ہے جو بار بار جگتا حیات باقی رہتا ہے۔ ایک منہوم یہ بھی ہے جو سامنے
 ہے کہ ہم اعتراض گناہ کر کے اسقدر دے کر سارے گناہ واصل گئے اور ہم بالکل پاک و صاف ہو گئے۔ خادم کا آپ
 اس ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

دائے نقیب کہ دھوئے کو مری فرد گناہ
 اسکل رحمت بھی میری آنکھ سے پانی کا لائے



صرف بہالے سے ہوئے، آلاست سے مٹلی
 تھے یہی وہ حساب سبوں پاک ہو گئے

صرف = شراب۔ مئے = شراب۔ بہاء = قیمت۔ آلاست = بیکشی = مراہی نگاہ و فیرو۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ شراب کی خریداری میں سب جام و مراہی و فیرو و آج دے اُنکے علاوہ بھی جو کچھ تھو وہاں شوق
 کی نذر ہو گیا اور کچھ باقی نہیں رہا۔ دوسرے نقیب کا مکر کہ مین جانا جنکا اس سے پہلے شعر میں مذکور ہے۔ یہ وہی گناہ تھے
 جنکا حساب چکانا تھا سو چکار بآب ہم روزہ مشربا ایک حقیقی کے رد و بد بالکل پاک و صاف اور بے خوف کھڑے ہو گئے۔

نوٹ:- شعر لہذا میں تہذیب نقلی صیب کی حد تک موجود ہے اور وہ یہ کہ شاعر کا یہ کہنا کہ "تھے یہی وہ حساب" دوسرے
 حساب کا تذکرہ شعر لہذا میں نہیں ہے۔ اگر اس سے پہلے شعر کو نہ پڑھا جائے اور تو کیا ہی شعر کو پڑھئے تو ایک حساب تو آلاست

نکلی کا ہے دھرا کیا ہے دھرم میں نہیں ہے نہی اسکی طرف اشارہ چاہئے اس کو تھوڑی عقل کہا جاتا ہے۔ حاکم بدین۔



دوسرے دور کو ہوئے، آدمی سے تم

بارے طبعوں کے تو ہلاک ہو گئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ گزیم اپنی آدمی کے باعث زمانے میں بدنام ہو گئے لیکن طبع کے اعتبار سے ہاں وہ بدنام ہوا ہلاک ہو گئے والہ یہ ہے کہ آدمی تجربات اٹھانے کے بعد آئندہ کے لئے ہوشیار ہو جاتا ہے۔



کہتا ہے کون تان، بلبل کو بے اثر؟

ہدے میں گل کے لاکھ بجر ہاک ہو گئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ بلبل کی لڑاؤ بجاڑ ہوتی ہے اور گل ہراسا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب وہ گل کی شکل میں ہدے میں قحط ہی بلبلوں کی صورت میں گلے گلے تھا اور یہ اساکرے گلے گلے بجر اسکی لڑاؤ کے باعث ہی تھا (ایک مفروضہ) گل بلبل کا ذکر بلور اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ لڑاؤ کسی کی بھی ہوا کر دل سے ہتہ بجاڑ نہیں ہو سکتی۔



پوچھتے ہے کیا وجہ و سبب اہل شوق کا

آپ اپنی آگ کے ٹس و غاشاک ہو گئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم اہل شوق کے ہونے نہ ہونے کی کیا بات پوچھتا ہے ہم عقل پار کی عقل میں جو ہر وقت ہمارے سینے میں رہتی رہتی ہے آپ ہی اسکا بیدار من بجاتے ہیں اور بالآخر جان جاننا لڑی کے سبز و گرد بنے ہیں۔



کرتے تھے اس سے، تھائل کا ہم گدا

کی ایک ہی لاکھ کر بس خاک ہو گئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم اپنے محبوب سے یہ شکایت کرتے تھے کہ تو آخر ہم سے کیوں غفلت برتا ہے جبکہ ہم ہر وقت تجری یاد میں گھلتے رہتے ہیں اور تیرے دیدار کے شوق میں آوارہ گرد پھرتے ہیں یہ سب کچھ سن کر آئے ہم پر اس

ایک گاؤں کی جی کہ ہم تپ نہ آئے اور مل کر خاکستر ہو گئے۔

شہر بڑا میں سیدہ سہی اور انکو ملو کی چھج پو شیدہ ہے جو بکھا اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ نے اور انکی قوم نے شوق دیدار انہی میں اس سے درخواست کی کہ بلازب اونہی (اے رب جلوہ دکھا) فرمایا طہرائی (تو نہیں دیکھ سکتا) انکے حریف اسرار پر باری تعالیٰ نے جلوہ کیا اور میں ایک ہی کاہر اپ نگاہ زالی کی موسیٰ بہوش ہو گئے اور طور پر مگر خاکستر ہو گیا۔



اس رنگ سے اٹھائی کل کس نے اسد کی خوش

خوش بھی جس کو دیکھ کے غم ناک ہو گئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کل کو چہ محبوب میں مصائب و آلام کی خدمت سے جب اسے اسد ہماری موت واقع ہو گئی تو محبوب نے خوش کہا اس اعزاز سے وہیں سے اٹھا کر پھنکوا یا کہ ہمارے دشمن بھی ہماری اس حالت کو دیکھ کر حشر ہوئے بغیر نہ رو سکے اور غم سے اٹھ کر ہار ہو گئے۔

غزل (۱۶۳)

جب تک دہن زخم نہ پینا کرے کوئی	مشکل کہ تھہ سے راہِ سخن داکرے کوئی
عالم غبارِ وحشت بھنوں ہے سرسبز	کب تک خیال طرۂ لیلہ کرے کوئی
امروں کی نہیں طرب اٹکائے الفتات	ہاں! دردِ دل کے دل میں مگر چاکرے کوئی
رونے سے اسے عینِ طاعت نہ کر مجھے	آخر کبھی تو عقدہ دل دا کرے کوئی
چاکر بکھرے جب رو پر سس نہ دا ہوئی	کیا قاصد کہ جیب کو دوسوائی کرے کوئی
لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خانہ شاہِ گل	چاند باہیلی صبرا کرے کوئی
ناکامی کا ہے برقی نگارہ سوز	تو وہ نہیں کہ تھہ کو قاشا کرے کوئی
ہر سنگِ وحشت ہے صدف گوہرِ نکست	قصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
سر نہ ہوئی نہ وعدہ میرِ آزا سے مر	فرصت کہاں کہ تیری حشا کرے کوئی
ہے وحشت طہیبتِ انہار پاسِ خیر	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پینا کرے کوئی

ہے کاری جنوں کہ ہے سر پہے کا مثل جب اچھوٹ جائیں، تو پھر کیا کرے کوئی
 من فروغ صبح غن نور ہے اند
 پہلے دل گمانو پیدا کرے کوئی



جب تک وہاں دم نہ پیدا کرے کوئی
 مشکل، کہ تجھ سے راہ غن واکرے کوئی

وہاں = نور۔ راہ غن = مہنگی کا راستہ۔ وا = ٹھکانا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مثل محبوب میں جب تک دل میں دلم پیدا نہ ہو جائے اور اس کا نور نہ نکل جائے اور یہی دلم نور
 اپنے نکلنے سے مستحق سے دعا کا مطالبہ نہ کرے اس وقت تک محبوب سے مہنگی کا راستہ نہیں نکلتا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک عاشق سراپا مثل نہ بن جائے محبوب سے وصل کی امید مٹ ہے اس راہ میں خود کو فنا
 کر دینے کے بعد ہی اس حال پر پہنچ سکتا ہے۔

خود کو اچھا کرتے نہ ہے مگر میری جتنی کی رنگ و بو نہ ہے
 ہو میں ایسا حال پیدا کر تا کہ تجھ سے کہ خبر نہ ہو نہ ہے



عالم غبار و حجب بھوں ہے برابر
 کب تک خیال طرہ لایا کرے کوئی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ تمام وہ کمال عالم غبار و حجب (ذاتی) ایک عاشق صادق کے واسطے محبوب حقیقی (باری
 تعالیٰ) کی تلاش و جستجو کے لئے ایک وحشت ناک سہرا ہے اور اس تمام وحشت ناک سہرا کو گھس دینا بخیر و بکر ہی
 ممکن ہے ورنہ کس کے بس کی بات نہیں کہ لایا کا کات یعنی مستحق حقیقی کو پا سکے۔ اور یہ کام ہر انسانی مشکل ہے کہ یہ
 کردار انسان تپ کے تک وود کر سکتا ہے۔



افروگی میں طرب اٹکائے اوقات
 ہاں اوروں کے دل میں مگر جا کرے کوئی

انفرادی = مایہ نر بہاء۔ طرب = خوشی۔ انشا = شروعات، مضمون، مطلب، افکار۔ التفات = دہشت
تشریح :- فرماتے ہیں کہ عشق کی راہ میں مایہ نر اور سستی کوئی سنی نہیں رکھتی اس حالت میں محبوب کی توجہ کی
شرادات بھی ممکن نہیں ہے البتہ عاشق سراپا درد بھر محبوب کے دل میں جگہ بنالے تو بات بنتی ہے۔ اس بات کو بھر
مراد آبادی نے یوں فرمایا ہے۔

کام آخر جذبہ ہے اختیار آئی کیا

دل بکھ اسی صورت سے تڑپا انگو پیار آئی کیا



مرو نے سے اے عیلم ا حامت نہ کر مجھے

آخر بھی تو، عقد، دل دا کرے کوئی

عیلم = سچی۔ حامت = نردیش، حرمت۔ عقدہ = گرو۔ وا = کھنڈا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اے سچی مجھے کہ یہ دہادی پر حامت و حرمت مت کر کہو کا دل تک درد کے بعد نامرادی کو
کچھ برداشت کروں تو کبھی تو اسکو میری طرف توجہ دے دیتا تھا اور میرے دل کی گرہ کھنڈائی کرتی تھی۔



چاک بکھر سے جب دم پر پش نہ دابھلی

کیا ناکہ کر بیب کو دسوا کرے کوئی

تشریح :- فرماتے ہیں کہ جب بکھروں کے ذمہ جہاں کی محبت میں ہم نے پیدا کر کے اُنکا بھی اس پر کوئی دشمنی ہوا تو
بھی نہ ہوا کہ وہ پریشانی حال ہی فرمائیے مطلب یہ ہے کہ مزاج پر ہی کا پہلا درد اور وہی نہیں کھل پاتا تو مزید آگے بڑھنے
سے کیا حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب بیب دگر باں چاک کر کے خود کو سوا کریں، بیکار ہے۔



لچ بکھر سے ہے رگو ہر خار، شاخ گل

تیر باہیلی صرا کرے کوئی

لچ = کھڑ۔ خار = کانہ۔ شاخ گل = پھول کی ٹہنی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ ٹہنیے پار میں ہم نے وہ تک درد کی کہ اس دہادی عشق کے ہر خدائی نوک پہاڑے بکھر کا یک کھوا

دیکھ کر ہادی پر خند کرال ڈار جانا اور اس صراخ کا بچے طوں سے سچا اور گویا اپنی کاحق ادا کر دیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور
کوئی کب تک پیکار جہاں ٹھس کر رہے۔

تیسرہ:- شعر ہذا پہلا مضمون نہایت بڑا ہے کیونکہ حق میں مصائب و آکام سے بڑی ہی ایک عاشق صادق کے لئے
ہمیت شرم ہے ناکم بہن۔



نہاوی نگاہ ہے برقی نگار۔ سوز

تو وہ نہیں، کہ تجھ کو تھکا کرے کوئی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے جلوے کی نگاہ انسانی کیا تاب دے سکتی ہے حیرت انگیز تو نگار، عالم کو بجلی بن کر
باز نہ رہتی ہے۔ تو وہ نہیں ہے کہ کوئی حیران نگارہ کر سکے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا تھا (یار رب اونی) جواب
یلا (لغو اسی) تو نہیں دیکھ سکتا



ہر سنگ دشت ہے صدف گو ہر نکست

نقصاں نہیں جوں سے جو سوا کرے کوئی

سنگ دشت = اُخت، حجر۔ صدف = سبب۔ گوہر = موتی۔ سوا = خرید و فروخت۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس عالم ناموس کا اُخت و حجر یعنی ہر شے کم تر سے کم تر بھی صدف داری تھائی کے پھٹنے پر
نکھرے ہوئے موتی ہیں۔ ہمارے جیون نفس کے بدلے ان اشیاء کا سوا کر لیں تو نقصاں میں نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ اگر ہم ان اشیاء کی صنعت کریں تو صانع کو پائیں اور اس کے عشق میں دباؤ آگئی اختیار کر لیں تو کوئی نقصاں نہیں ہے، بلکہ
فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اُخت و حجر اشیاء کی راہ میں دباؤ لے کر ہمارے جیون کے ذریعہ سر پر لگیں تو بے نصیب
یہ حجر نہیں ہیرے موتی ہیں اور یہ سوا سہر حال نقصاں کا سوا نہیں ہے۔



مر نہ ہوئی نہ دعا میر آنا سے مر

خیرت کہاں، کہ میری دعا کرے کوئی

مر نہ = مہر آیا ہوا۔ میر آنا = میر کا آنا مانے والا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہماری مختصری عمر تیرے اس درد کا سہرا آزماتے ہیں۔ وہ ہر آدمی کی مطلب یہ ہے کہ میرا درد ادا کیا
کہ قیامت کو دیا کر ادا کیا ہمارے صبر کی آزمائش ہے اور ہم اس امتحان میں ہارے نہیں اترو ہے یہ تھوڑی سی عمر میری
معاوی کے خاطر میں مختصر ہو کر رہ گئی اور اتنی فرصت نہ پائی کہ ہم تجھے پائے اور ہاتھ فرما کے انگوٹھی میں پہنچ گئے۔



ہے احبہ طبعیت ایجاد پاس خیر

یہ درد وہ نہیں، کہ نہ پیدا کرے کوئی

وحشت = دلہاگی۔ ایجاد = تحقیق۔ پاس خیر = ناامیدی پیدا کرنے والی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہماری طبعیت کی وحشت جلد بازی اور عقل کی ناامیدی کو جنم دیتی ہے اور سوائے انہی کے ہر انسان
اس بیماری کا شکار ہے اور یہ درد ناامیدی ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں جو اس درد کو خود نہ پیدا کرے۔



ہے کاری جنوں کو ہے سر پہنچے کا فصل

جب ہاتھ نوٹ جائیں، تو ہار کیا کرے کوئی

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہماری دلہاگی کو بجز دوسرے پہنچے کے اور کوئی کام نہیں ہے جب تک ہمارے ہاتھ پاؤں کام کر
رہے ہیں اس کام میں یعنی خیر سے بھٹکس میں دلہانت اور سرگرداں ہیں اور جب ہاتھ ہی نوٹ جائیں تو سر پہنچے آپ ہی بند
ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری طاقت اور کم عمری ہی اس کا دھمکیم میں ہمارا ساتھ نہ دے تو ہم کیا کریں۔



میں فروغ طبع سخن اور ہے اسد

پہلے دل گمان نہ پیدا کرے کوئی

فروغ = افزائی، وسعت۔ طبع = روشنی سے مراد ہے۔ سخن = بات۔ گمان = اندیشہ۔ درد۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے اسد بات میں (شعر) میں سخن و نوبی کی روشنی پیدا کرنا بہت ڈار کی بات ہے اس کے لئے
دل درد نہ پیدا کرنا پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں کام پیش کرنے کے لئے دل درد نہ کاہنہ ڈار ضروری ہے اور یہ
ہمیں کاوشوں کے بعد پیدا ہوتا ہے جو فی حائل نہیں ہو جاتا۔



غزل (۱۶۵)

ہاں ہاں غفلتی = ہوا ہے مجھے مایہ شام گل اہلی نظر آتا ہے مجھے
 جو ہر جگہ = سر چشہ دیکر معلوم ہوں میں وہ سبز کہ زہراب آگاتا ہے مجھے
 مدعا مجھ کو شائے شکیبہ دل ہے آئینہ عائد میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
 جو سراپے یک عالم و عالم سب خاک آہیں بیڑ قری نظر آتا ہے مجھے

دعائی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
 دیکھو اب سر مجھے پہ کن اٹھاتا ہے مجھے



ہاں ہاں غفلتی = ہوا ہے مجھے
 مایہ شام گل اہلی نظر آتا ہے مجھے

غفلتی = دیوانہ خوشی پاگل۔ اہلی = سانپ۔

تشریح:- اپنے کسی ساتھی کی تجوی سے حشر ہو کر حضرت فرماتے ہیں کہ ایک ہاں اٹھے کیا تھوگ کیا ہے کہ اس سے
 تمنا تھی، اٹھاتا جاتا ہے اور کسی کو اپنے ہاں میرا نے سے روکتا ہے صرف اسلئے کہ سکو بکھڑے کھانا چڑھا اور ڈالتا ہے
 کہ میرے ہاں میں سانپ بہت زیادہ ہیں اور مجھے تو انہیں گھونٹنے پھرنے سے ڈر لگتا ہے اسقدر سانپ ہیں کہ شام گل کا
 مایہ بھی سانپ ہی نظر آتا ہے۔



جو ہر جگہ = سر چشہ دیکر معلوم
 ہوں میں وہ سبز کہ زہراب آگاتا ہے مجھے

جو ہر جگہ = کھوار کی دودھ، جھڑی۔ سر چشہ = خزانے کا سر اٹا۔ دیکر = دہرا۔ زہراب = جھراب۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے دشمن کی کھوار کی جھڑی میں ایک جو ہر خامی دیکھائی دیتا ہے جو میرے مدعا میں ہے
 میں اس خزانے سے جہاں کہیں پسند ہے پوری طرح واقف ہوں کہ دشمن میرا سر قلم کر کے سربِ شہادت دلا سکتا ہے
 اور شہادت ایک ایسا سرجہ ہے کہ انسان کو طیحات الہی چھٹا ہے جسکو خود باری تعالیٰ قرآن کریم میں اس طرح فرماتا

ہے کہ جہاد کی راہ میں شہید ہونے میں ایسی نبرد مت کوہ و زلزلہ ہیں اور ہم ان کو رقی پہنچاتے ہیں مگر تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ تم دشمن کی تلوار کو زہر آب اور جزا آب کہے ہو مگر وہ بالفاظ دیگر میرے لئے آب حیات ہے جو جزا روح کی پابندگی میں سعادوں و دردگار ہے۔



مذہب جو تماشائے غلبتِ دل ہے

آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

مذہب = محو = مشغول و مصروف۔ غلبت = فزونی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب مجھے اپنے آئینہ خانے میں اسٹلے بیکار ہے کہ مجھے حیرت زدہ کر دے اور خود میری حیرت زدگی اور پریشان حالی کا تقاضا دیکھے۔ شعر پندہ استارے کی زبان میں کہا گیا ہے۔ مطلب اصل یہ ہے کہ لانے والا مجھے اس آئینہ خانے (دنیا) میں اسٹلے لایا ہے کہ میں انہی منائی کے کلمات دیکھ کر چکا چودہ ہو جیو تپا اور حیرت زدہ ہو جاؤں اور انکی طرف دھڑکتے ہیں کہ تیر ہوں اور اس کا فرما رہا ہوں کہ وہی کہہ رہی حقیقت یہ ہے کہ اس آئینہ خانے کی تخلیق کرنا مجھے یہاں لانے کا مقصد ہی اپنی ذات کی فحاش کرنا ہے۔



نالہ سراپائے یک عالم و عالم کتب خاک

آہیں بیڑ قری نظر آتا ہے مجھے

نالہ = لڑاؤ۔ سراپائے = فرات۔ عالم = جان کار۔ عالم = فزنیہ۔ کتب خاک = ایک ٹھکن خاک۔ قری = ایک فائنٹ کی برابر خوبصورت پرند۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ایک عالم کی اپنے مالک حقیقی کے حضور گریہ و زاری ہی اس دنیا میں ایک عظیم سرمایہ ہے اور جسے یہ مقام حاصل کر لیا اُسکے نزدیک یہ دنیا اور اس کا لواحقین ٹھکن خاک سے زیادہ حقیقت نہیں دیکھتا۔ اس کا مقام بہشت میں استعداد ہے استعداد بلند ہے کہ میں تو اس مقام بلند سے بچنے کی طرف آسمان کو دیکھتا ہوں تو وہ بھی فائنٹ کے لڑے کی برابر نظر آتا ہے۔



زنجی میں تو وہ محفل ہے اٹھا دیتے تھے

دیکھو اب سر مجھے یا کون اٹھاتا ہے مجھے

تشریح:- شعرِ ہدایت حضرت غالبؔ اپنے محبوبِ ہادی سے خطاب میں فرماتے ہیں کہ زندگی میں تو کم ایسے ہی محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے اب سر مجھے کون اٹھاتا ہے یا کون اٹھاتا ہے ایک دھواں دھڑ ہے جو محفل سے سر ہار ہے۔

غزل (۱۶۶)

ہزاروں خواہشیں لگیں، کہ ہر خواہش چم لکھے	بہت لکھے مرے ارمان، لیکن ہر بھی کم لکھے
اوسے کیل ہر حال، کید ہے گا اس کی گولن چم	وہ غول، جو چشمِ تر سے، سر بھر میں دم دم لکھے
لکھنا جلد سے آدم کا ٹیٹے آئے ہیں، لیکن	بہت ہے آئندہ کر تے کوپے سے ہم لکھے
بھرم کل جائے، حکامِ تیرے قاصد کی رسداری کا	اگر اس طرزِ آنے نہ چم، دلم کا چم دلم لکھے
مگر کھسوائے کوئی اس کو کھانا تو ہم سے کھسوائے	ہوئی مچ، اور گھر سے کان پر دھوکہ کر ہم لکھے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے ہار و آسای	بھر آیا وہ زبان، جو جہاں میں جامِ جم لکھے
ہوئی جن سے توجہ، منگی کی دھار پانے کی	وہ ہم سے بھڑک دیا، نوسہ جھج جھج لکھے
موت میں نہیں ہے فرق، جینے اور مرنے کا	اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرپ دم لکھے

کہاں سے خانہ کا اندازہ، غالبؔ اور کہاں دانا

پر اٹکا ہاتھ ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم لکھے



ہزاروں خواہشیں لگیں، کہ ہر خواہش چم لکھے

بہت لکھے مرے ارمان، لیکن ہر بھی کم لکھے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اس زمانے رنگ و بو میں ہم ایسا دل لکھتے تھے جو جس حصار کا حکام تھا اور ہزاروں خواہشات اپنے اندر رکھتا تھا اور ہمیں خواہشات کی طلب میں سرگرداں رہا اور ہر خواہش عظیم، حسین کہ جسکے حصول میں دم لکھے کو چار ہو۔
 چونکہ بہت ارمان پرے بھی ہوئے مگر طبعیت یہ نہیں ہوئی اور بہت ارمان لکھنے سے وہ گئے۔ ایک جگہ یوں فرمایا ہے۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بیلے داد

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اس سے اعزاء ہوتا ہے کہ شاعر اپنے اندر سچی خواہشات رکھتا ہے جنگا ہوا ہوتا اس عالم میں ناجائز ہے۔
حضرت نے انسانی طبیعت کی گنج ترجمانی کی ہے اور شعر پر لٹاؤ سے عبادتِ حسین کا مستحق ہے۔



اے کہیں میرا قاتل کیا رہے گناہوں کی گولن پر

وہ غولن جو چشمِ تر سے عمر بھر میں دم بدم لگے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میرے قاتل کو مارنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اس قاتل کی افسردہ کاری اس کی گولن پر عائد ہے
نہیں ہوتی۔ اُسے تو مجھے گلا بھر سے قتل نہیں کیا جو قاتل کا ثبوت ہو اور عدالت جرم قرار دے دے مجھے تو سچا ظفر، ناز و اجالہ اور
تکامل کی تکرار سے قتل کیا ہے اور اس قاتل کا پاپا اعزازِ نہایت درجہ پر مشہور ہے کہ میں عمر بھر غولن رو دیا اور بالآخر جہانِ دیہی میں
صورت میں قاتل کو مارنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔



لکھنا قتلہ سے آدم کا بیٹے آئے ہیں، لیکن

بہت بے ایمان ہو کر تے کو ہے سے ہم لگے

قتلہ = بخت بہشت۔ آدم = وہ پہلا انسان جو تمام انسانوں کا باپ اور صورتِ امی ہے۔

تشریح:- سید آدم کی تخلیق اور اللہ کی کائنات سے لکھنا ایک عجیب ہے جسکی قرآن کریم قصہ بتی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہوا بلند
آزائشِ بخت میں رہ کر کیا اور حکم دیا کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا درخت سے نرا اور حضرت ہوا سے تھی دیکھو اور
استعداد درخت کہا گیا ہے کیونکہ درخت سے چل لیا جاتا ہے اور وہ ایک پھلدار درخت ہے۔ لیکن حضرت آدم اس حکم سے
خلاف عمل کر بیٹھے اس لغزش کے بعد ان کو عداوت سے عذاب میں پریشان کیا گیا۔

حضرت غالب اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہم حضرت آدم کا بخت سے عداوت کے ساتھ لکھ
بیٹے آ رہے تھے مگر جس عداوت سے تجری کھل سے نکالے گئے ہیں وہ اس عداوت سے کھنڈا ہوا ہے۔



بھرم کھل جائے، ظالم تیرے قامت کی درازی کا

اگر اس طرز پر بچہ و لم کا بچہ و لم لکھے

بھرم = ساکھ پندار۔ قامت = قد۔ درازی = لمبائی۔

کمزور = بچوں کا آخری سراہہ بچوں کے اوپر کمزور کرتے ہیں، امتیازی نظمان۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ اسے ظالم تیرے محسن قامت اور اس کی درازی کا سب بھرم کھل کر رہ جائیگا اگر تیرے سامنے میری دستار کے طرز سے امتیاز کے بچہ و لم سیدھے لکھے جائیں تو میری درازی قد و قامت بچہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے محسن پر میرے عشق کو فوقیت حاصل ہے۔ مگر حضرت کا یہ دعویٰ بے ثبوت ہے۔ فضائل اشرار کو ہر جہاں کی طرف ہے کہ اگر تیرے محسن جلال پر تعسلی بحث کیا دے تو حیران ساز محسن و جمال جس پر تجھے تازہ ہے اس کا بھرم کھل جاوے کیونکہ حیرا جمال ہماری نگاہ انتخاب کا معیار ہے۔



مگر گھسائے کوئی اس کو خدا تو ہم سے گھسائے

ہوئی صبح اور مگر سے کان پر رکھ کر قلم لکھے

تشریح:۔ شعر بڑی زبان تاروی ہے کہ خدا بچہ حملائے سے کہا گیا ہے مگر اشرار بچہ کسی معصرا استاد کی طرف طرز ہے کہ نو رکھنا اور اور قلم کا مالک سمجھتے ہیں اور بطور دانش کے کان میں قلم کا کریم ہی مگر سے لکھ جاتے ہیں کہ بے کوئی جھکاؤ کی اصلاح کرادے یا کوئی اہم نکتہ کسی کو گھسائے ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہیں ہے، وہ اس طرح کے ادب سے اعزاز میں اپنے فن کی بنا پیش کرتا ہے۔



ہوئی اس داور میں منسوب مجھ سے ہمارا آشنائی

بھر آج اور زمانہ جو جہاں میں جاہم جم لکھے

باد آشنائی = شراب پیو۔ جاہم جم = جاہم جشیہ جس میں دوزانے بھر کے حالات دیکھ لیا کرتا تھا اور اظہار علم۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ ذاتی شراب نوشی میرے حاضر میں میرے نام سے منسوب ہے۔ کس زمانے میں جشیہ شاد ایران

سے منسوب تھی اس معاملے میں میں نے وہی مقام حاصل کیا ہے جو جوشید نے بادشاہی میں بادشاہ ہو کر حاصل کیا تھا میں نے شراب نوشی سے انہیں ختم کی بادشاہی حاصل کی ہے۔ ایسا لگتا ہے وہی جوشید والا اور بھروسہ آیا ہے۔



ہوئی جن سے قلعہ، خشکی کی داد پانے کی

دو ہم سے بھی زیادہ حسد، قلعہ جتم لکے

مصلحتی = نوٹ۔ داد = ہوردی، حسد = قلعہ جتم = علم کی تلواریں۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہمیں جن حضرات سے یہ امید تھی کہ وہ ہماری مصلحتی کی ہماری حاجت، زاری کی سرانجام کریں گے ہوردی فرمائیے تمہاری کرکے دو ہم سے بھی زیادہ حالات کا فکرا اور بد حال لکے۔



محبت میں نہیں ہے فرق، جینے اور مرنے کا

اُسی کو کہہ کر جینے ہیں جس کا فریب دم لکے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبت میں مرنا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہم جس نہایت کا فریب جان دیتے ہیں اُسی کو کہہ کر جان میں جان آتی ہے شعرا اپنی جگہ نہایت سادہ ہے مگر ترکیب بھرتی ہے۔



کہاں سے خانہ کا دروازہ، غائب اور کہاں داخل

پر اٹکا ہاتھ ہیں، گل دو جاتا تھا کہ ہم لکے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے غائب کہاں بندے کا دروازہ اور کہاں داخل اور صبح کا مقام کوئی نسبت ہی نہیں مگر دیکھنے میں یہ آیا کہ گل ہم بندے سے بے گل کر ہمارے تھا اور وہ داخل ہو رہا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ مرنے پر دیکھنے میں آیا ہے کہ بھانے والا طوطا اپنے اندر وہ محبوب رکھتا ہے جسکی اور اس کو نصحت کرتا ہے۔ اس دنیا میں بڑے چھپ چھپ ستم ڈے ہیں اور ہم اپنے ہتھکڑیوں سے بدنام زمانہ ہیں۔



غزل (۱۶۷)

کھوم تارا حیرت، عاجز مرئی یک انکس ہے خوشی، ریختہ صد نیساں سے ٹپس بدعیاں ہے
 شگفتہ بر طرف ہے جاں ستاں ترکلیف بدخوایاں نکاو ہے قلاب باز، جلی تجر مریاں ہے
 ہوئی یہ کڑوے غم سے تک، کلیجہ شادی کہ رنج عید مجھ کو بد تر از چاک گریباں ہے
 دل و دین نقد لا، ساقی سے کرسوا کیا چاہے کہ اس بازار میں، سا فرستاد دست گرداں ہے

فیم آغوش پا میں پردوش دیتا ہے عاشق کو
 چراغ روشن اپنا، قلم سر سر کا مر جاں ہے



کھوم تارا حیرت، عاجز مرئی یک انکس ہے
 خوشی، ریختہ صد نیساں سے ٹپس بدعیاں ہے

نجوم تارہ = پہلے فریاد انکس۔ عاجز = مجبور، کمزور۔ ریختہ صد نیساں = قبرستان کے شے، گھاس،
 ہوس کے ہنسو کے جنگل کے شے۔ ٹپس بدعیاں = حیرت زدہ (مماور ہے)۔ انکس = فریادی۔
 تشریح:- کہتے ہیں کہ ایک لڑائی کی لڑیاد و زاری کا بیگہ سار یک مجبور کی حیران کن عرض تھا ہے اور خاموشی قبرستان کی
 حیرت زدہ اور بدلی ہے جبکہ انکس میں ہزاروں شے خود ہنگام کرنے کے لئے موجود ہیں۔



شگفتہ بر طرف ہے جاں ستاں ترکلیف بدخوایاں
 نکاو ہے قلاب باز، جلی تجر مریاں ہے
 جاں ستاں تر = انتہائی جاندار۔ نکاو ہے قلاب باز = محبوب کی بے حجاب نظر۔
 تجر = تجر = تجر = مریاں = بہت بے بسی۔

تشریح:- لڑاتے ہیں کہ میں بد کلیف اور بے جھک یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی بھی نہت کار کی زبان نظر رعناں ہو سکتا
 ہے لے تجر و اس جان لہو کہتی ہے۔ ہر چند کہ اس نکاو میں بہت کھف بھی ہے۔



ہوئی یہ کھڑت لم سے کھ۔ کھوٹ شادی
کہ کچھ عید مجھ کو بدتر از چاک گرہاں ہے

کلف = ضائع، ناقص، بیکار۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ کھڑت رونقِ عالم کے باعث میری خوشی کی کیفیت نرد ہو گئی اور عید کی خوشیاں میرے لئے
دیوانگی سے بھی بدتر ہو کر رہ گئیں ہیں کہ لوگ عید کی خوشی میں بہترین سے بہترین لباس زیب تن کرتے ہیں اور میں پرانے
لباس کا بھی گرہاں چاک گرد ہوں اور اسکو عید کی خوشی پر ترجیح دے ہوں اسلئے کہ کشمیر یا راکامارا ہوں۔



دل و دین نقد، ساقی سے گرسوا کیا جا ہے
کس ہزار میں سا فرستادہ دست گداس ہے

حتاج = سراپہ۔ دست گداس = ایک کاغذ (اس ہاتھ سے اس ہاتھ لے) دست بدست۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر تو اس بازارِ عشق میں شرابِ عشق کا ساقی سے سوا کرنا چاہے تو دل و جان اور دین و لہو و لب
دونوں بطور قیمت خریدا دینے ہو گئے اور یہ سوا نقد ہے اس ہاتھ سے اس ہاتھ لے۔



لم آغوشِ بلا میں ہر دوش دتا ہے عاشق کو
جہانِ روشن اپنا قلم سرسرا کرہاں ہے

آشوب = اذیت، کرب۔ قلم = مصروف کے درمیان ایک چھوٹا مسند۔ سرسرا = آنسوئی۔
مرجان = مسند میں سرخ و تھری چٹان۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ عاشق کو قلم ہی انتہائی کرب اور تنگی کے عالم میں دے دیتا ہے اور اسلئے عاشق کو یہاں چھوٹا ہے
اور جہانِ روشن قلم و آگاہ کی آنسوؤں کے طوقان میں روشن ہے اور اس طرح روشن ہے جس طرح مسند میں مرجان کی
چٹان روشن دکھائی دے چھوٹا سا دروازہ دیکھ لیتا ہے۔



غزل (۱۶۸)

جس جاہم شانہ کنش زلیب یار ہے نافہ دماغ آہو دھیت تار ہے
 کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا آئینہ فرشی مشش عبت انتظار ہے
 ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق گلام یہ ہے، وسعت صحرا، بیکار ہے
 دل مڈی وریہ بنا مذا طلیہ نظارہ کا مقدر بحر رو بیکار ہے
 ہجر کے ہے جہنم آئینہ رنگ گل پر آب اے صدیبا! دھیت دماغ بہار ہے
 چٹا آہوی ہے وعدہ دل دار کی مجھے وہ آئے جانے آئے پہ پاں انتظار ہے
 ہے پردہ سونے دادی بھوں گزند کر ہر ذرہ کے قلاب میں دل مقرر ہے
 اے صدیبا! یک سبب طس بہر آشتیاں طوقاں آمد آمد فصل بہار ہے
 دل مت گھوا، خبر نہ سنا، میری سہی اے ہے دماغ! آئینہ تمثال دار ہے

ظلت کفیل مر ہندہ خامن نکلا
 اے مرگ! نا کہاں تجھے کیا انتظار ہے



جس جاہم شانہ کنش زلیب یار ہے
 نافہ دماغ آہو دھیت تار ہے

”قیم = مسیح کی خطی ہوا۔ شانہ کنش = گھٹا کر۔ نافہ = ننگ۔ آہو = ہرن۔ دھیت تار = سراپا بگن۔
 قشر ح:۔ فرماتے ہیں کہ قیم مسیح چھل ہمارے محبوب کی زلف میں گھٹھا کر رہی ہے وہاں ۱۵۰۰۰ ہرن کی طرح ہنسی
 ناف میں ننگ ہوا ہے اور وہاں اگلی خشتوں سے ہر وقت مست و مقرر رہتا ہے قیم مسیح بھی اسی طرح زلیب یار کی خوشبو سے
 مست و مقرر ہے۔“



کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
 آئینہ فرشی مشش عبت انتظار ہے

سراغ = پتہ، کنج، تلاش۔ شش بہت = چوست، آوی، بچے، نائیں، آگے، پیچھے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یاد دلاؤ کہ ہم جس ماحول کی آمد ہے کسکل طور پر مائی کی خبر ہے کس طرح دور رس کی آمد ہے کہ تمام ماحول (شش بہت) ختم انتظار بنا ہوا ہے اور آئینہ کی مانند نظر آ رہا ہے۔



ہے ذرہ ذرہ نکلے جا سے طہار شوق

گردام ہے بہا، وسعت صحرا بیکار ہے

دام = ہال۔ وسعت = پیمائی، پھیلاؤ۔ صحرا = جنگل، بیابان۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر شوق حوالہ دیکھو کہ یہ عالم ہے کہ انسان کے جسم نامی کا ذرہ ذرہ اپنی جگہ تلاش و جستجو میں غبار بکرا اٹھ گیا ہے یعنی ہر شے کچھ بن گیا ہے اور شوق کا یہ حال اس قدر شاندار اور مضحکم ہے تو اب صحرا کی وسعتوں کو تو خیر کہ لینا کو شکل جس کا سامانی جتنی ہے۔



دل مڈی دودھ بنا مذہا طے

ظاہر کا مقدمہ ہر رو بیکار ہے

مڈی = مڈی کر لے دیا۔ دودھ = آئینہ۔ جس پر مڈی کیا گیا۔ رو بیکار = بند کے سامنے آ

مقدمہ = نزاع، جھڑا۔

تشریح:- جبر و حضرت دل کو مڈی اسلئے کہہ ہے جس کو دل کا آئینہ نے ہاست کا مجرم بنایا ہے کیونکہ قانونِ تقدیر ہے کہ آئینہ کچھ ہے اور دل کا اثر ہوتا ہے اس لئے آئینہ کو مذہا طے قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ آج میرا آئینہ بھار مائی کا سالار (مقدمہ) پیش ہے دیکھئے مڈی دل کو نکست ہوتی ہے کہ آئینہ مذہا طے کو۔



ہجر کے ہے خیم آئینہ برگ گل پر آب

اے غریب! وقتِ دواغ بہار ہے

برگ گل = پھول کی پتی۔ آب = پانی۔ غریب = بیکار۔ دواغ = رخصت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے نخلی خرداد ہو کہ بہار کی دھنسی کا وقت آ گیا کیونکہ شمع پہلوں کے آئینہ پر پانی چڑھ کر اُسکو دھندلا کر رہی ہے جو طامست اسات کی ہے کہ موسم بہار کا کاروبار بند ہو رہا ہے اور موسم خزاں کی آمد ہے اور اسے نخلی اب بیش و مستی کا دور ختم ہو گیا اور خیزوں کا زمانہ قریب آگیا ہے اب مشکلات کے مقابلے کے لئے تیار ہو جا۔
وہ اصل شعر چاند انسانی زندگی کے لئے کہا گیا ہے گل و نخل، بہار و خزاں جہانی اور بزمِ حباب کے لئے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں۔



گلِ آجڑی ہے دھندلا دلِ دار کی مجھے
وہ آنے والا آنے پہ جاں انتظار ہے

گل = جد۔ دلدار = محبوب۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ مجھے محبوب کے دھندلے دل کی آجڑی ہے مجھے ہر حال آنکھ دھندے کا احترام کرنا ہے اسلئے انتظار کروں گا اور ہرگز انتظار ہو گا اب یہ اسکا کام ہے وہ آنے والا آنے میں اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرے گا۔



بے پردہ سونے والی بھون کر نہ کر
ہر لڑکے کے قلاب میں دلِ دھندلا ہے

تشریح:- شعر لڑکا آج بڑے طبع پر محیط ہے ہوسکا ہے حضرت قلاب کے دور میں بھی سناٹے کی یہی حالت ہو اور اس سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا ہو۔ حضرت اپنے محبوب کو قلاب کا مشورہ دے رہے ہیں کہ شہر کے ہر گلی کو بے کاغذ و قند و ذرا ماضی حراں ہے پھر شہر بگڑا ملک کی بھون بھون بھون ہے اس والی سے بے پردہ بہار کاغذ و قند و ذرا ماضی سے خالی نہیں ہے۔



اے غلاب ایک کب خُش ہر آشیان
طوقانِ آدمِ آدمِ فصلِ بہار ہے
غلابیت = نخل۔ ایک کب خُش = ایک مٹی جیسے۔ آشیان = گھونر

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے نخلی موسم بہار آدمی اور طوقان بن کر آنے والا ہے ابھی سے ایک ننھی جگہ کو نیلے کے واسطے تیار کر لے تاکہ اس میں بیڑا رکھیں سب اپنے محبوب کی یاد میں افسردہ سرائی کر گئے ہیں یاد دہان ہو کہ وقت یہ کام کرے

اور سارا وقت شیائیں ساری میں گزر جائے اور موسم بہار نصیب نہ ہو جاوے۔



دل مت مٹوا، تجربہ سہی، میری سہی

اے بے دماغ! آئینہ تھمال دار ہے

خبر = اطلاع۔ سیر = تفریح۔ بے دماغ = بدمعاش۔ نا بکھ۔ آئینہ = نرہوڑا ہوا ہے۔
تھمال = شیبہ میل۔ دار = گھر، چٹائی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ دل بوجی کرافات اور رعنائیوں میں مٹوا دینے کی چیز نہیں ہے یہ تو یاد دہانی اور اس کی فراہم داری میں مشغول و مصروف رکھنے کی چیز ہے۔ ہماری اس بات کو تو صحیحہ مت سمجھاؤ، نگہاری کا نگہار نہ کر بطور احوال اولیاء اور بزرگوں کے قربات کے سنا لے اے بے عقل! یہ آئینہ زیاں استخوان گاہ ہے تفریح کا نہیں یہ چٹائیں کے تختے کی مانند کرب اپنے چٹائی کا گھر ہے۔



فطرت کلیل مر داند خاصین فطرت

اے مرگ! کہاں! تجھے کیا انتظار ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے سادہ میری ساری مر فطرت دلا پر اسی اور محض حضرت میں گزرتگی اب میں اس زندگی ہے اس کا کیا ہوں اے مرگ! کہاں تو کہاں ہے آئیں نہیں جاتی مجھے کس کا انتظار ہے۔ میں تو اگر اور بھی کچھ دوزخ رہا تو زندگی ہی میں جتنا رہا وہ میری اصلاح کی کوئی توقع نہیں ہے تو آجھا دونا پنا کام کر۔

غزل (۱۶۹)

مذت ہوئی ہے، یاد کو جہاں کے ہوئے جو شہ قدر سے بزم چھاغاں کے ہوئے
کہا ہوں حق پر بگر لبت لبت کو مر مر ہوا ہے دولت مڑگاں کے ہوئے
بہر دفع احتیاط سے نہ کہے گا ہے دم برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کے ہوئے
بہر گرم ڈالہائے شراب ہے غص مذت ہوئی ہے میر چھاغاں کے ہوئے
بہر پریش بر لب لباب دل کو چاہے عشق سلامیہ صد ہزار ملک داں کے ہوئے

بحرِ بردا ہے خندِ شرکاء، یہ خونِ دل سازِ ماضی طرازیِ دماں کے ہوئے
 بامِ دگر ہوئے ہیں دلِ دیدہ بحرِ رقیب - نظارہ و خیال کا سماں گئے ہوئے
 دلِ بحرِ طوافِ کسے طامت کو جانے ہے چدار کا صنم کدہِ دیہاں کے ہوئے
 بحرِ شوق کر رہا ہے غریبِ کی طلب مرضیِ صانعِ عقل و دل وہاں کے ہوئے
 دوڑے ہے بحرِ ہر ایک عقلِ دالار پر خیال صد گھٹاں گاہ کا سماں کے ہوئے
 بحرِ چاہتا میں جہنمِ دلعاد کھولنا ہاں خندِ دلِ فریبی عینوں کے ہوئے
 مانگے ہے بحرِ کسی کو لبِ بام پر ہوئی زنجیرِ سیاہِ فرخ پہ پریشاں کے ہوئے
 چاہے ہے بحرِ کسی کو مقابلِ میں، آرزو سرمہ سے تیز دھنڑِ حُرکوں کے ہوئے
 اک نورِ بہارِ باز کو تا کے ہے بحرِ گاہ چہرہِ فرداغ سے سے گھٹاں کے ہوئے
 بحرِ مٹی میں ہے کہ وہ کسی کے چہرے رہیں سرِ زبرِ بارِ عشقِ دہاں کے ہوئے
 جی اچھوٹا ہے بحرِ دیِ فرصت کے راتِ دن بیٹھے رہیں تصورِ جاں کے ہوئے

غائب! ہمیں نہ پہچن کر بحرِ جوشِ اشک سے

بیٹھے ہیں ہم جہنمِ طوقاں کے ہوئے



مذات ہوئی ہے، پار کو کہاں کے ہوئے

جوشِ قدح سے بزمِ جماعاں کے ہوئے

تجربہ نہ، غزلِ بدِ اصغرِ غالب کی پوری حیاتِ دماغ پر محیط ہے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ایک سرمہ ہو گیا محبوب کو سہانہ بنائے ہوئے اور گردشِ عے و سافرے عقل کو جماعاں کے
 ہوئے بحرِ دل پہناتا ہے کہ کسی ہی ایک عقلِ جاں بنائے اور محبوب کی محبت اور شرابِ کباب کا لطف اٹھایا جائے۔



کہتا میں صبحِ بحرِ جگر لخت لخت آ

سرمہ ہوا ہے راتِ حُرکوں کے ہوئے

لخت لخت = ٹکڑے ٹکڑے حُرکوں = ٹپک۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ جگر کسی بہت کالر کے ٹھم و خم سے پار و پار دو چکا ہے لی چاہتا ہے کہ ایک ہار بھر ان جگر پاروں کو اکٹھا کر دے اور لخت دے جگر اور خون دل سے جگہوں کی دولت کر دے مطلب یہ ہے کہ بھر دل چاہتا ہے لی یاد میں لی بھر کے دوں۔ حضرت اپنے ماضی کو یاد کر کے پریشان ہیں۔



بھر شیخ احتیاط سے لکھے گا ہے م

برسوں ہوئے ہیں جاگ گریاں کے ہوئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اپنی وضع قطع اور پیر کا لٹاؤ پاس کر کے ضبط فہم سے دم گھٹنے گا ہے بے اختیار گریاں چھا ڈالنے کوئی چاہتا ہے۔ برسوں گذر گئے اس کیفیت سے لذت یاب ہوئے۔



بھر گرم تالہائے شرور ہر ہے قس

مدت ہوئی ہے ہر چھاواں کے ہوئے

تالہائے شرور ہار = آگ برسانے والے تالے۔ گھس = سانس دم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ماضی کو یاد کر کے دل بھر آتا ہے اور سانس سے چکا ہواں گل رہی ہیں ایک سرور کے بعد یہ کیفیت تالہ زاری کی عبادت بھر پیدا ہوئی ہے آج بھر انگلیاں سے جگہوں پر چھاواں کا سحر چاہے ہم کلف حاصل کر رہے ہیں۔



بھر پریش ہر حاجت دل کو چلا ہے عشق

ساہاں صد ہزار تک داں کے ہوئے

پریش = عبادت، ہر حاجت = طلب، تکلیف = صد ہزار = ایک لاکھ۔ تنکداں = تنک کا برتن

تشریح:- لڑاتے ہیں کہ عشق بھر ہمارے دل کی عبادت کے لئے جگہ آ گیا ہے گویا ہر جذبہ عشق ہو کر آیا ہے اور اس شان کے ساتھ کہ اپنے ہر راہ کو گویا تنکداں آغاے دل کے دشمن کی عزت ہی کے لئے آیا ہے اور تمام دلم کسل اٹھے ہیں اور اس دعا کی حالت میں آگئے ہیں اور یہ طرکہ تنکداں اس لئے لایا ہے کہ میں محبوب کو تنک چکا تھا اور یہ عشق کی توجہ ہے۔



بحر بحر رہا ہے خاندہ شرکاء، پہ غولیاں دل

سازہ چمن طرازی دہاں کے ہوئے

خارہ = غم۔ مژگان = پلک۔ ساز = سامان۔ چمن طرازی = چمنستان۔

تکسرج :- کہتے ہیں کہ بحر و گان کا غم غولیاں دل میں ادب کر کرے دامن پر گل کاری کرنے کے لئے پورے اجتماع سے اٹھا ہے۔



بام و کر ہوئے ہیں دل و دیدہ بحر رقیب

ظاہر و خیال کا سماں کے ہوئے

بام و کر = ایب دوسرے کے۔ رقیب = مخالف دشمن۔

تکسرج :- کہتے ہیں کہ بحر دل اور آنگوا یک دوسرے کے مخالف ہو کر کھڑے ہو گئے ہیں کیونکہ آنگوی نے قبول کو چاہتا تھا اور بحر اب بحر ہی خیالات کا غم ہے وہی ظاہر و دیدہ ہے۔



زل بحر طواف کوئے طاست کو جانے ہے

چدار کا منم کدہ دہاں کے ہوئے

طواف = گردش، پھر گا۔ کوئے طاست = کوچہ محبوب جہاں پہنچا رہا ہوتا ہے۔ چدار = ساکھ و شمع۔ منم کدہ = بھگد۔

تکسرج :- کہتے ہیں اب بحر طواف کوچہ نہاں کے لئے دل ہے لیکن ہے اور اپنی ساکھ اور شمع کا بھی کوئی لٹا نہیں ہے۔ ایک جہرہ منم کدہ ہے خود ساختہ ہے اسکو بیان کر کے چاہا ہے عشق میں آگئی کوئی حیثیت نہیں پہلے ہی لوگ کہہ ہی لیں منم کریں نہ مانہ ہے بڑی کرے لکھے کوئی پرانا نہیں۔



بحر شوق کر رہا ہے طریار کی طلب

مرض حیا اصل دل دہاں کے ہوئے

مرض = مگر کا سامان۔ حیا = دولت مہر ایب۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہمارا شوق ہمارے غریب کی طلب میں اپنے گھر کا بدلہ سامان ہوش و حواس، عقل و خرد اور دل و جان بیکر نکال دے دیکھئے غریب کہاں بچتا ہے۔



دوڑے ہے پھر ہر ایک نکل دلا دے پر خیال

مرد گستاخ گدا کا سامان کئے ہوئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ پھر ہمارا خیال دل و دماغ و گریبی کے لئے موسم بہار کا تھناتی ہے اور کھینچے ہی گستاخوں کو اپنے جلو میں بیکر بطور سامان خیاقت گدا و دلاں دلاں ہے۔



پھر چاہتا ہوں تائے دلا دے رکھو

جاں نذر دل فریبی خواں کئے ہوئے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کا بہت نامور جوہری جیپ میں ہے میں پھر اسکو کوکر دیکھنا چاہتا ہوں کہ کوکر محبوب نے جن خطابات سے نوازا ہے وہ اسقدر دل فریب اور دل کش ہیں کہ ان پر دل و جان قربان ہونے کے لئے بے چین ہیں ہمارے گدا قبول کہ کیا ہوں مگر گریبی نہیں ہوگی۔



جاتے ہے پھر کسی کو لب نام پر ہوں

دلچ سپاہ زنا پہ پریشان کئے ہوئے

تشریح:- شعر قدانہات مراد ہے تشریح طلب نہیں ہے۔

تجربہ:- مراد اسرت مہائی مرحوم کی منزل (دو حیرت کوٹھے بیٹھے پاؤں آبیاد ہے) غائب کے اس شعر کا ہے۔



چاہے ہے پھر کسی کو حلال میں آرزو

میرے سے جزو دشتِ مژگان کئے ہوئے

دشت = مہجر۔ مژگان = پلک۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دل کی حوا ہے کہ پھر کسی کو اپنے دو پروردگیوں اور اس شان اور کلیت میں دیکھوں

کہ کمرے سے آنکی چکنوں کے ٹھنڈے کے لئے ہوں مطلب یہ ہے کہ چارے کی چپ اور سولہ چھارے سے آراستہ
ہیاستہ۔



اک نوہار تازہ کرتا ہے ہر گز

چرا نوہار سے سے گستاخ کے ہونے

نوہار تازہ = نوہار حین۔ چہرہ = رخ۔ فردیہ = کیڑا بونٹ۔ چہرہ = چہرہ۔

تشریح:۔ پہلا خط دیکھ رہی کراچی میں انبال کے محراب ہے وہی گزشتہ دور کی کے رہیں دور کی یاد تازہ کر رہا ہے ہیں اور
طاہل کر رہا ہے ہیں کہ ہماری نظر پر کسی نوہار حین کو تاک رہی ہے اور ہم اس وقت اسی شراب کے خط میں سستی کے عالم
میں ہیں اور ہمارے شراب کی شہ کی گستاخ کا سحر چل کر رہا ہے۔



ہماری میں ہے کہ درپہ کی کے چہرے ہیں

سر زبہ ہر وقت درپہ کے ہونے

زیر بار = راجہ سے ٹھکانا ہوا۔ رشتہ درپہ = چوکیدار کی خوشامد۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ دل ہر طاہل دیکھتا ہے کہ گزشتہ دور کی طرح محبوب کے آستانے پر سر جھکانے نہایت عاجزی
سے درپہ کی خوشامد میں گھر رہی کہ وہ کسی طرح محبوب سے ملاقات کر دے۔



کی اس وقت ہے ہر وہی فرمت کے رات دن

بٹے رہیں تصور جاہل کے ہونے

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ دل ہر وہی فرمت کے رات دن کی حالت میں ہے کہ سوائے محبوب کے کوئی اور کام نہ ہو اور
صرف اسی کا خیال ہر وقت لئے ہوئے رہی دیکھتا ہے بے نیاز ہے غفلت ہوئے پیچھے ہیں۔



عالم آہیں نہ پھیل کہ ہر جہش انگ سے

بٹے ہیں ہم جہش طوفان کے ہونے

دنگ = آنسو۔ حنیہ = محکمہ دار۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اسے غالب ہمیں مت بھیڑ کر ہم نہ پاسے بیزار ہیں اور آنسوؤں کا ایک سیلاب لئے بیٹھے ہیں اگر نکھرے تو غلوں پر پا کر پیچے۔

غزل (۱۷۰)

نوبہ اس ہے، بے دلو دوست جاں کے لئے
ری نہ طرزِ حتم کوئی آہاں کے لئے
جا سے گر مڑا یاد بھٹے خوں ہے
رکھوں بکھا پئی بھی مڑکانا غلوں فغاں کے لئے
دو دندہ ہم ہیں، کہ ہیں نڈوشاںِ غلوں، اے شعرا
نہ تم، کہ چور چنے میر جا وداں کے لئے
رہا جا میں بھی میں جٹائے آکبہ دنگ
بلاتے جاں ہے ادا میری اک جہاں کے لئے
نگ نہ ڈور دکھا اس سے مجھے، کہ میں ہی نہیں
دادا دتی قاتل کے اجھاں کے لئے
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغا امیر
کرے قفس میں فراہم طس آشیان کے لئے
گھا بگھ کے دو پپ حامری جو شامت آئے
آٹھا اور آٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لئے
بہ قدم شوق نہیں، طرف نکٹائے غزل
بکھ اور پاپے دست مرے جاں کے لئے
دیا ہے غلوں کو بھی تا اسے نگر نہ گئے
ہا ہے میں تجمل حسین جاں کے لئے
زباں پہ بار خدا یا! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے غلوں نے بوسے مری زباں کے لئے
صبر دولت و دین اور معین ملت و ملک
ہا ہے چمٹا بریں جس کے آستاں کے لئے
داند مہد میں اس کے ہے جو آرائش
ہیں گے اور ستارے اب آستاں کے لئے
دوق کام ہوا اور دوا باقی ہے
سینہ چاہتے اس بڑ نکراں کے لئے

اٹائے حامی سے غالب ہوا ہے کٹھ سرا

مٹائے نام ہے پاراں کٹھ ناں کے لئے



نوٹ = غزل ہذا قصیدہ کی اہل اختیار کر گئی ہے اگر اس میں اشعار چھوڑ نہ ہو کر چھوڑ دیتے تو قصیدہ کہہ سکتے تھے ۴۴

لجلا منہ بہ لب بھی قصیدہ ہے۔

نویہ امن ہے بے دلو دوست جان کے لئے

دہی نہ طرزِ حتم کوئی آسان کے لئے



نویہ = خوشخبری۔ بیداو = علم۔ طرز = اہنگ۔ حتم = علم۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کے علم و حتم ادا کی جان کے لئے امن و راحت کی خوشخبری ہیں کیونکہ علم محبوب کی طرف سے جیسا ملے جیسے دہن و مزین ہیں اور ہم نے اس کے ساتھ علم اٹھائے ہیں کہ اب آسان کے پاس کوئی حتم کو کیا رہا ہی نہیں جو کہو کہ سنا تھا وہ سب بذرِ بید محبوب ہم اٹھا چکے۔



وہ سے گر حزن پار کئے غلوں ہے

رکھوں بکھائی بھی مڑگان غلوں نکلاں کے لئے

مڑہ = پک۔ رکھنے = پاس۔ غلوں نکلاں = غلوں بکھرنے والی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میری بلا سے اگر محبوب کی آنکھ میرے غلوں کی پاس ہے میں سارا غلوں اسی کو کیجے چادوں بکھ اپنی آنکھوں کے لئے مگر روک رکھوں مجھے مگر اگر ایک وقت رونے کے لئے ابھی ضرورت نہ رہی۔ بہت شوق وادوں کی کا ابھی ضرورت ہے۔



دو لکھ دو ہم ہیں، کہ ہیں روشناس غلوں ماے فخر

وہ تم، کہ چور بنے مگر جا دوں کے لئے

روشناس = پچانا۔ غلوں = گروہ۔ فخر = ایک برکتیہ۔ جا دوں = نکلی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے جناب فخر۔ آپ اگر میرے دوں ملے تو وہ اس کام کی کہ آپ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کھوجے مگر میں چور کی طرح لکھ دو ہم ہیں نہ کہ دویدر ہے ہیں اور جانے بچانے جاتے ہیں اور حسبِ مقدور لوگوں کے کام بھی آتے ہیں۔



ہاں میں بھی میں جلائے آفتاب رنگ

جلائے جاں ہے فدا تیری اک جہاں کے لئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ تیری امانت کا ایک زمانے کے لئے جلائے ہے اور اس ہے مگر میں اس بلا میں اٹھا ہوا ہوں
ہوئے ایک اور آفت میں بھی جھکا ہوں اور اور رنگ ہے جس میں میں تنہا جھکا ہوں کوئی دوسرا میرے محبوب سے
میں کیوں جھکا ہوں۔ کچھ پر تو عشق کی اور ہری مار چڑھی ہے میرے عشق سے کسی کا کیا طالب۔



فلک نہ زور رکھا اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں

دراز دہی کا قتل کے احساں کے لئے

فلک = آسمان۔ دراز دہی = دیپالی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے فلک یا افکار مجھے میرے محبوب سے زور مت دے کہ کیا میں ہی اس مبارکت کے احساں کے لئے
رو گیا ہوں کہ مبارکت کا رنج اٹھاؤں اور ہلاک ہو جاؤں۔



مثال ہے مری کوشش کی ہے کہ مرغا اسیر

کرے نفس میں فراہم جس آشیایں کے لئے

مرغا اسیر = گردنہ بند۔ نفس = بھروسہ۔ فراہم = اکٹھا۔ جس = آشیایں = گونا گونا۔

تشریح:- کہتے ہیں مجھ سے بس عاشق کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کوئی گردنہ بند بھروسے میں رہ کر آشیایں جلائے گی
سو پہلو وہاں مجھے اکٹھا کرنا چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ گردنہ بندیت اصل کے خلاف فیصلہ لیا کرتا ہے اور جس شخص میں سے
ایک ہوں۔ میری کوشش بھی مرغا اسیر کی طرح ہی ناممکن ہے کہ سخت مجبوروں کے درمیان امت کی تہہ کر رہا ہوں۔



کہا کہہ کے دو پہل قہقاری جو شامت آئے

اٹھا اور اٹھ کے قوم میں نے پاسہاں کے لئے

کہا = بھکاری۔ شامت = سزا۔ پاسہاں = سفیری۔ چوکیا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ محبوب کے درویش پر جا کر اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ وہ آمد رفت کرے تو دیکھ

ہو جائیگے اور موقع ملے گا تو یہ کھٹکھٹکی ہو جائیگی مگر جب وہ کافی انگار کے بعد بھی سامنے نہ آیا تو ہم نے منظوری سے اس کے
سنتری کی خوشامد کی اور اس کے پاس پکڑے کہ وہ ملاقات کر دے پس اس کا کہنا تھا کہ وہ برس چاروں سواری ذیولنی پہری انہماں
دی ہماری ذرگت ہادی۔ وہ تو اب تک اس لئے خاموش کھڑا تھا کہ مجھے میری باری کھڑا تھا کہ یہ کھنکھڑا جابجا کر اسکو
یہ معلوم ہوتا کہ یہ فقیر نہیں ہماری مالکن کے ہاتھ میں ہے تو اتنی دیر کہاں گئی۔



یہ قدر شوق نہیں، طرف نکلتے غزل

بکھو اور چاہے دست مرے پاس کے لئے

طرف = برقی ضمیر۔ نکلتے غزل = غزل کا میدان، جگہ ہے۔ دست = پیلاہ، پہنائی۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ صبح غزل کا میدان بہت تنگ ہے جو میرے ذوق اور میرے انگار خیال کے لئے سخت
ناکافی ہے۔ مجھے کوئی دیگر صبح غزل تلاش کرنا چاہئے جو وسیع تر ہو اور میرے مطالب میں مرے خیالات کو اپنے اندر سمیٹ
سکے۔ بادشاہ امر کی محضوں آنرلی کی بھی کلیتہ ہے۔



دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے

ہا ہے میں مجمل حسین جس کے لئے

تشریح :- جواب مجمل حسین خاں کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ میں دراصل داعی مجمل حسین کے لئے ہے اور ساری دنیا
کو جو مجمل میں ضمیر ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ مجمل حسین خاں کے پیش کو کسی کی نظر نہ لگے۔ ہا ہے وہ لوگ انہیں پہچانی
نظر میں نہ آوے اور یہ نگاہ کا قیغہ نکال رہا ہے۔



زباں پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا؟

کہ میرے نکلنے سے مری زباں کے لئے

باد و ہوا لیا = خدا کے واسطے سے۔ نکل = فوت ہو گیا۔

تشریح :- شعر بہت مشہور و معروف ہے اور زبان زد عام ہے اکثر لوگ عجب رسول پاک کے موقع پر چڑھا
کرتے ہیں کاش انہیں کیلئے کہا گیا ہوتا۔ مگر یہ تو ایک دنیا دار میں پرستہ لواب کی خوشامد میں انعام و کرام کی امید میں کہا

کیا ہے خدا جانے مکمل کیا نہیں۔ شعر بہر حال ہے نظم ہے کمال اور جند سے دکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پانچویں یہ میری زبان پر کلام آگیا کہ میری قوت گوہائی نے میری زبان کے لیے لے۔



نصیر دولت و دیں اور مصیبت ملت و ملک

ہا ہے چربا بریں جس کے آستان کے لیے

نصیر = پناہ والا، قانع۔ مصیبت = دردناک۔ چربا بریں = نیکو آستان۔ آستان = چوک۔

تشریح:- نواب قمل حسین خاں کی قریب میں رہتے ہیں۔ ان کی انتہا کردی ہے کہتے ہیں کہ بہ نیکو دہلا آستان نواب قمل حسین خاں کے آستان کے لیے ہا ہے کیونکہ نواب اس قدر بلند مرتبہ عظیم القدر ہیں کہ وہ لب و لہجہ دین اور دولت دنیا کو حاصل ہیں اور وہ ملک و قوم کے ہر وقت معاون و مددگار رہتے ہیں۔



زبان نہ میں اس کے ہے جو آرائش

میں کے اور سارے لب آستان کے لیے

تشریح:- کہتے ہیں کہ زبان آئے اور میں میں آرام سے ہر کردہ ہے۔ ساری کائنات اورے نواب قمل حسین خاں کے ہر کردہ ہے کمال اور آرائش میں جو صرف ہے آستان کی زینت کیلئے اور سارے ہاتھ پاؤں کا ہر حصہ اورے نواب کے صرف میں آئے۔



دردن کلم ہوا اور درد ہائی ہے

سینہ جانے اس بڑ بکراں کے لیے

درد = قریب۔ سینہ = کشنی، بھڑور۔ بڑے کراں = سمندر بے کنار۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ دردن پر ہوا کیا حیرت کتنی کی گھاٹیں نکلیں اور نواب موصوف کی درد ہائی روٹی واقعہ ہے کہ ان کی قریب کے لیے اس بڑ بکراں کے لیے تو ایک بہت بڑے جہاز کی ضرورت ہے تب تکیں پوری ہر کائنات آباد ہو سکتا ہے۔



اوائے خاص سے غالب ہوا ہے نکھر سزا

صلائے عام ہے یادانی نکھو دہاں کے لئے

نکھر سزا = نکلت جان کر۔ صلائے عام = اعلان عام۔ نکھو دہاں = پارکیوں کو جانے دینا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ آج غالب کی محبوبہ اعلیٰ سے اسرارِ پائی پڑا ہے نکھو دہاں کے لئے اعلان عام ہے کہ
مجھیں اور دھوکہ دہن سے نوازی یا بھرا یا کام قش کریں۔

غزل (۱۷۱)

خیم پہ گل لال خالی زارہ ہے داغ دل ہے وہ، نظر گاہ حیا ہے
دل طوں شدہ سخی نکش حسرت دیدار آئینہ پہ وسعہ بہت بدست جتا ہے
شطہ سے نہ ہوتی، ہوس شطہ لے جری ہی کس قدر اسروگی دل پہ جا ہے!
تھمال میں تیری، ہے وہ خوشی کہ بعد دلی آئینہ پہ انداز گل، آفرین لکھا ہے
قری سب خاکسار و بلبل قلبس رنگ اسے ہاں نکھن جگر سوختہ کیا ہے؟
خونے تری اسروہ کیا، دلچسپ دل کو مستحق وہے حسننگی طرفہ جا ہے
بجھری دھوائے گزشتہ کی وسعہ پہ سبک آمدہ جان دقا ہے
معلوم ہوا حال شہیدانِ کوشہ سخی بستم آئینہ تصویر کہا ہے
اسے پرے غوشید جہاں تاب اور بھی سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی لے دار یادہا! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

پیچ کی طلق سے ہے دل نہ ہو غالب

کوئی نہیں میرا، تو مری جان! خدا ہے



خیم پہ گل لال خالی زارہ ہے

داغ دل ہے وہ، نظر گاہ حیا ہے

خشم = دوس۔ عجل لالہ = لالے کا پھل۔ خال ذوالہ = ادا سے خالی۔ نظر کا = نظر کی جگہ۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ لالے کے پھل پر خشم ضرور کرتی ہے مگر وہ لالہ لالہ سے خالی ہے کیونکہ وہ جن میں بھی جگہ کرتی ہے صرف لالے کے نارنگ کی آئینوں کے لئے ہی نہیں کرتی میرے محبوب کی نگاہ گرم ہو گیا اور پھلا لالہ اس سے لبر ہر ہے خاص طور سے میرے دل کے لئے ہے اور وہ میرے دل کے عالم نارنگ کیلئے راحت بخش ہے۔



دل خوں شدہا مثل عکسِ صرست دیدار

آئینہ = سبب بہ سبب بدست رہا ہے

خون شدہ = خوں ہوا۔ عکس = کھینچ جان۔ صرست = آزد۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ چادر کی نقاشی میرا دل خوں ہو گیا گویا آئینہ دل اسی کھینچا جاتی میں محبوب کے حوا آورہ چٹخیں ہاتھوں میں کر تا ہر ہوا ہو گیا۔



شطہ سے نہ ہوتی، ہوسِ شطہ نے جو کی

ہی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

شطہ = چٹاری، لٹا کر۔ ہوسِ دل = خواہشِ وصل۔ افسردگی = ہر رگِ سردی سے طعنا ہوا ہوتا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ آگ کا لٹا کر وہ کام نہ کرتا جوں کی ہوس یعنی خواہشِ وصل نے کیا کہ دل اس غم کی آگ میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ مگر نگہ دارا میرا دل کی اس کیفیت پر لعنت کرتا رہا۔



مصال میں حیرتی، ہے وہ خوشی کہ بعدِ ذوق

آئینہ = اعجاز کی، آغوشِ مٹھا ہے

مصال = تصویر، صورت، دیگر۔ ٹپو = پلا، لٹا ہوا۔ آغوشِ مٹھا = آغوشِ کھولے۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ حیرتی تصویر میں بھی وہ خوشی ہے کہ آئینہ آٹھائے پردے مجھے اپنے کے لئے اپنی آغوش کھولے ہوئے ہے۔



قری سب خاکستر و اہل قفس رنگ

اے جانِ نکاح جگر سوختہ کیا ہے؟

قمری = فائدہ صبا ایک ہند۔ کھف = پھٹی فراہمگی ہے۔ خاکستر = راکھ۔ قفس = جگر۔

نالہ = فریاد۔ سوختہ = جلا ہوا۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ اے میری فریاد و زاری تو نے میرے جگر کو جلا کر رکھا کہ یا ہے میری صوا و خبرے میں بے تکلیف اور فائدہ ہی ہو سکتی ہے۔ میری فریاد و زاری بھی فائدہ اور تکلیف سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں میری جگر سوزی کے بھان ہیں۔



تو نے قری اسرہ کیا، وحشتِ دل کو

مشتوقی دے ہوصلگی طرفِ بلا ہے

تو = عادت۔ اسرہ = بھروسہ کی۔ وحشت = جہنم۔ بے ہوصلگی = کم ہمتی۔ طرف = جانب۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب میری بے نیازی کی عادت نے میرے دل کی وحشت کو بھی باہر سے متھل کر دیا ہے میری کم ہمتی بھی ایک گریب نصیحت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ حوصلہ رکھتا تو مجھ سے آکر مل سکتا تھا اور میرے جہنم کو باہر کی نہ ہوتی۔



بھیدری و دواغے گرفتاریِ اُلفت

دستِ چہ سبک آرد جانِ وفا ہے

دست = ہاتھ۔ چہ = کیونکہ۔ سبک آرد = ختم کر کے لے جاتا ہوا۔ جانِ وفا = بہادری۔

تشریح :- فرماتے ہیں کہ بہت کرنے والوں کے لئے جو عشق کے دی ہیں ان کے لئے بھیدری کوئی سنی نہیں رکھی، تو ہر پابندی کو ترک کر کے عشق کی جھلک کرتے ہیں۔ یہ جانِ وفا تو ہے ہی اس قدر بے چین مگر چہ ہاتھ کی ختم کر کے چھوڑ گیا ہو۔



معلوم ہوا حالِ شہیدانِ کوشش

مٹی جہم آئینہ تصویرِ کما ہے

شہیدانِ گذشتہ = گذرے ہوئے شہید۔ قحطِ حتم = قحط کی تلوار۔ تصویرِ نما = صورت کی مانند نگاہ۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ قحط کی تلوار آئینہ کی مانند ہے جس میں تصویر صاف نظر آتی ہے اور ہمیں گذرے ہوئے زمانے کے تمام غم و حتم اس آئینہ میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ظلم کی کچھ نہیں ہے جسے تاریخ بتا رہا ہے۔ فرعون و شداد و مرد و چھوٹے ظالموں کی تاریخ روزِ روشن کی طرح آج تک ہمارے سامنے ہے جو ان کے ظلم کا افکار ہونے لگا جلتا اپنی دالیاں وہ سب شہیدانِ گذشتہ ہیں ان کے خون کی بجھک حق کی گواہی یہاں ثارِ حق اس حتم کے آئینہ میں نظر آ رہی ہے۔



اے پر تو خورشید جہاں تاب اور بھی

سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

پر تو = عکس سایہ۔ خورشید جہاں تاب = جہاں کو روشن کرنے والا سورج۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اے جہاں کو روشن کرنے والے سورج اپنا پر تو اپنا عکس اور امدادی طرف بھی کر ہم سایہ کی طرح کمالِ دیر پا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے معبودِ حقیقی اے زمانے کو روشنی کر ہم بختے والے اپنے سرورِ کرم کا تھوڑا سا عکس ہم مصیبت زدوں پر بھی ڈال دے تاکہ ہمارے مقدر کی تاریکی دور ہو کر ہم پر عجب نواہت آ پڑا ہے جس سے حیرے کرم کے بغیر نہات ممکن نہیں ہے۔



نا کردہ گناہوں کی بھی نصرت کی ملے داد

یاد رہا اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

نا کردہ = جو نہیں کئے۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اے نبیِ عالمین اگر تو ان کرے ہوئے گناہوں کی ہمیں سزا دے رہا ہے تو وہ گناہ جو کرنے سے روکے گئے جنکی نصرت ہمارے دل میں باقی ہے انکا کیا انعام ہمیں دیتا ہے کیونکہ انصاف کا تقاضو یہی ہے کہ اگر تو نا کردہ گناہوں پر ہمیں کوئی انعام نہیں دیتا چنانچہ تو کم از کم کردہ گناہوں کی معافی تو ہر ہی چاہیے چاہئے اچھوتے مضمون اور بار بار اعجازِ بیان ہے جو کردہ گناہوں کی معافی کے لئے ہمیں دیکھ رہا ہے۔



بیگانگی ظن سے ہے دل نہ ہو غائب
کوئی نہیں حیرہ تو مری جان! خدا ہے

بیگانگی = معانیت۔ بیدل = ایس۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اسے غائب تو عشق کی ناکامی اور معانیت سے ایس مت ہوا کہ کوئی حیرے عشق کو نہیں سراہتا تو
دوسرا ہے۔ اسے مری جان کہ کوئی حیر نہیں ہے تو خدا تو حیر کی معانیت کیلئے موجود ہے۔ مثال مشہور ہے کہ چٹا کوئی نہیں
ہوتا۔ اس کا خدا ہوتا ہے۔

غزل (۱۷۲)

مجھے تو شب کہیں کانٹے تو سانپ کھلا دے کوئی تباہ کر دہ زلیخا تم بہ تم کیا ہے
کھا کرے کوئی انعام خالق مولود کسے خبر کہ وہاں جنیش ظلم کیا ہے
نہ مشر و شکر کا قائل نہ کیش و ملت کا خدا کے واسطے ایسے کی بھر قسم کیا ہے

وہ دار وہ گراں پایہ شرط ہے ہم

دگت نمبر سلیس و جام جم کیا ہے



مجھے تو شب کہیں کانٹے تو سانپ کھلا دے

کوئی تباہ کر دہ زلیخا تم بہ تم کیا ہے

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اگر ہم زلیخا محبوب کو انکی پیاس کی نسبت سے مارت کہیں تو وہ خود کٹ جاتی ہے ظلم نہیں رہتی
مطلب یہ ہے کہ مجھ میں بدل جاتی ہے اور اگر کہیں کہ ہمیں کٹ دے تو پھر کانٹے مانے کو سانپ کھتا ہے اسلئے یہ بھی
مناسب نہیں انکی صورت میں ہمیں کوئی مشورہ دے کہ غم نہ اے کیا تاہم میں اس زلیخا تم بہ تم کو کیا کہہ کر چا رہی۔



کھا کرے کوئی انعام خالق مولود

کسے خبر کہ وہاں جنیش ظلم کیا ہے

احکام = جن حکم کی۔ طالع = قسمت۔ مولود = پیدائش۔ جنش = حرکت۔

تشریح = فرماتے ہیں کہ گھنے والے برہمن لوگ بچے کی ختم کھڑی کھیتے ہیں اس بچے کی قسمت میں آنے والے بقور
میں کیا ہوتا ہے یہ سب احیاء بات ہے ہم اس پر یقین نہیں رکھتے کسی کو فریون کرنا تک وفاق نے اسکی نظریہ میں کیا کھیا
ہے اور اسکی جنش ظہور کیا گھنے ہارن ہے۔ طیب کا ظہور گھٹا اور کسی کو نہیں۔



دھڑ دھڑ کا نائل د کیش د ملت کا

خدا کے واسطے ایسے کی بھر قسم کیا ہے

دھڑ دھڑ = ہنگامہ قیامت۔ کیش = مذہب۔ ملت = نظریہ

تشریح = فرماتے ہیں کہ جو قیامت (روزِ حساب) کی کا نائل نہ ہو اور مذہب و ملت سے واقف نہ ہو خدا کی قسم اسکی کوئی
قسم یا عہد معجز نہیں ہے۔



داد داد دید گراں مایہ شرط ہے ہم

دگتہ مور سلیمان د جام جم کیا ہے

داد = مدد دینا۔ دید = دیکھنا۔ گراں مایہ = بیش قیمت۔ مور سلیمان = حضرت سلیمان کی طمسی انگلی۔
جام جمید = جمید نامی شاہ ایران کا ساغر طمسی۔

تشریح = فرماتے ہیں کہ اے دوست مالک حقیقی کی دین اور اسکے دکھانے پر یقین رکھو وہ جو چاہے دید سے دکھائے اور
یہ یقین ہی بیش قیمت سرمایہ ہے اور یہ ایک شرط لازمی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حضرت سلیمان کی انگلی ہو یا شاہ جمید کا طمسی
ساغر کوئی حیرت نہیں رکھتے۔

غزل (۱۷۳)

مہر حقی یہ گل تھلی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے مہر کی
اک طرف کھلی گلن میں کروڑوں ہاؤ ہیں چلی ہے آگے حیرے شہیدوں پہ نور کی
دامت نہ تم ہی نہ کسی کو بلا سکو کیا بات ہے تہاری شرب مہر کی

لاتا ہے مجھ سے حشر میں چل کر یوں اٹھا گویا ابھی سنی تھیں آوازِ صبر کی
 آند بہار کی ہے جو لہلہا ہے نلکہ سج اڑتی سی اک خبر ہے زہنی طور کی
 گویا نہیں پہاں کے ٹکالے ہوئے تو ہیں کعبہ سے ان جوں کو بھی نسبت ہے دور کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سماجِ اب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں گویا طور کی
 مری سہی حکام میں لیکن نہ اس قدر کی جس سے ہات اس نے شکایت ضرور کی

ناب کر اس سطر میں مجھے ساتھ لے سٹیں

ج کا ثوبِ غر کہیں کا حضور کی



مخور تھی یہ شکل تھکی کو دور کی

قسمت کھلی تے قدر رخ سے غبور کی

تشریح: حضرت محبوب سے خطاب ہو کر انکی تعریف میں فرماتے ہیں کہ باری خدائی کو اپنے نور کی بجلی دکھانے کے لئے حیرتِ عقلِ صورت پسند آئی کہ اسے اپنی باری منائیں سے حیرتِ عینِ ترین صورت دکھائی اور صاحبِ قدر و قامت کو تخلیق کیا اور سجادۂ اقدس کے غور کی قسمت کھلی گئی کیونکہ مجھ سے بہتر اور کوئی صورتِ غبور کی ہوئی نہیں سکتی تھی۔ شعرِ ہذا کا مطلب تھا محبوب ہی کی تعریف پر صادق نہیں آتا بلکہ باری قومِ انسان پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ کاش یہ شعر غزل کا نہ ہو کہ نعتِ پاک کا ہوتا تو بلاشبہ اور بلا سہاوہ عظیم قلمرو افشاں کیا نہیں ہے۔



اک خوشگیاں کفن میں کروڑوں ہاؤ ہیں

چلتی ہے آنکھ حیرتِ شہیدوں پہ حور کی

خوشگیاں = خونِ پائندہ کفن = مردے کا لباس۔ شہید = گناہِ صومنا جہاد کی راہ میں لگے ہو۔ حور = بیخ حور کی۔ تشریح: فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں لگے ہوئے ہیں انکے خونِ آلودہ کفن میں کتنے ہاؤ نگار پر شہید ہیں کہ حور اپنی بہشتی چہرہ لگا دے گی ہیں کہ انہیں انکی خدمت گزار میں لگیں اور انہیں جیسے جو صورتیں اور نچے فلم یہ تھا کہ لائیں انکو بیشِ وسعت سے بدل دیں۔



واعظ نہ تم نہ کسی کو چا سکو

کہا ہانت ہے تھاری شراب طہور کی

واعظ = نصیحت کرنے والا۔ شراب طہور = پاک شراب جو بیٹھیں کاغذ ہے۔

تشریح = کہتے ہیں کہ اسے ہمیں شراب نوشی سے نصیحت کرنے والے تم ہمیں کس شراب طہور کا لالچ دیتے ہو کہ یہاں شراب نوشی ترک کر دو تو وہاں جہیں بہترین شراب طہور ملے گی۔ کیا اسی شراب سے تھاری ضیافت ہوگی جسکو بطور رموز بھی تم خود پیا سکو نہ کسی کو چا سکو۔ معاذ اللہ



آہ بہار کی ہے جو بلبل ہے نذرِ ج

آزادی سی اک خبر ہے رہائی طہور کی

نذرِ ج = خوشی کا گیت گانے والا۔ طہور = صحت پیر کی برآمد۔

تشریح = کہتے ہیں شاید بہار آنے والی ہے جو جہن میں متادل نذرِ سرا ہیں کچھ برعدوں ہی کے روز یہ سے بہار کی آمد کا فکروں نے اور نہ ہمیں تو کچھ آثار بہار کی آمد کے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ کیا ایسا لگتا ہے کہ شام پر باغی کا سخت غلبہ ہے۔



لوتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا

گویا ابھی سنی نہیں آوازِ صور کی

حشر = روزِ حساب۔ صور = ایک آواز کی آواز استقرح ہوگی کہ جسکو مکر مر دے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔

تشریح = کہتے ہیں کہ کسی میدانِ حشر میں صور کی آواز نہ کھڑا تھ کھڑا اٹھا تو میرا قاتل سرِ نعل کر رہا ہے کہ کیوں اٹھا گیا اسے صور کی آواز نہیں سنی اسے تاراں آج تک ماضی کا دن ہے جبکہ علم و حرم اور سالات کا حساب ہوتا ہے کیا تو ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ سزاوارِ جزا کا دن ہے اور شہ آج تمہو سے علم کا بدلہ لو لگا اور اپنے آئین کا خون بیا حاصل کر لگا۔



گوداں نہیں چہاں کے نکالے ہوئے تو ہیں

کعبہ سے ان جنوں کو بھی نسبت ہے دہر کی

تشریح = کہتے ہیں کہ یہ بت آج وہاں نہیں ہیں مگر وہاں کے نکالے ہوئے تو ہیں ہی واقف یہ ہے کہ حضورؐ نے غنیمت

کے بعد کہہ گوجس کی نہایت سے پاک کیا اور اس سے بچایا۔ اس سے پہلے برسوں تک یہ کہہ میں رہے تھے اور اس کی
پر جاہلی رہی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ وہی کی کسی مگر جس کو کہہ سے نصرت ضرور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ
خاتم این تران کا ضرور ہے۔ سلاطین



کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ نہ ہم بھی میر کریں کوہ طور کی

تشریح:- ایک صحیح ہے کہ کواہ پر سیدنا موسیٰؑ کے سرور پر ہستی تعالیٰ نے اپنے وجود کی انگیں ایک سادہ کی شکل میں
دیکھا کہ موسیٰؑ پہنچے ہوئے کوہ طور پر گیا اسی سادہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت فرما رہے ہیں کہ کیا ضروری ہے کہ کچھ
ایک سا جواب ملے کیوں نہ ہم بھی کوہ طور کی میر کریں لیکن ہے نہیں کسی اور انگی کی سماعت خوب ہو جائے اور انگی شکل وہ نہ ہو
جو جواب موسیٰؑ کو پہنچے کوہ طور سے چار کی شکل لیکن ہے کامل ہر شے ہو کی تکہ ہاں کی ضروری نہیں کہ کچھ ایک سا جواب ملے۔



میری کسی کلام میں لیکن نہ اس قدر

کی جس سے بات اس نے شکایت ضروری

تشریح:- کہتے ہیں کہ سراج میں گری تو ہر حال کچھ نہ کچھ ہونی ہی چاہئے مگر کچھ مستند چینی آگے کسی معصوم یا قریب
میں ہے کہ جس سے بھی انھوں نے معشوق کی آگ کی تلاش و تشریح کی شکایت ضروری کوئی ایک آوی بھی ایسا نہیں جھٹلے آگ کی
تلاش کا ہی کی شکایت نہ کی ہو۔



غائب کہ اس سفر میں مجھے ساتھ لے ملے

ج کا ثواب خد کہیں کا حضور کی

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے غائب اس طرح میں آپ مجھے بھی لے اپنے امراء لے چکے ہیں اپنے ج کا ثواب بخیر
خداوند میں کرے گا۔

بذل علی کا اعتبار فرما رہے ہیں ج کا ثواب کسی دوسرے کو دینے کے بعد ان کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا
اس سے آگے ذات پر کوئی فرق نہیں چاہا کیونکہ خدا ج کرنا ہے ہی نہیں مقصود صرف یہ تو رہا ہے کہ ہو چکا۔

غزل (۱۷۳)

فم کھانے میں بورا، دل ناکام بہت ہے یہ رنج، کہ کم ہے ہے گھٹام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے دہر ہے یوں کہ مجھے ذوقِ جام بہت ہے
 نے حیرکاں میں ہے، نہ مینا دیکھیں ہے گوش میں قفس کے، مجھے آرام بہت ہے
 کیا دہ کو بانوں کہ نہ ہو کرچہ رپائی پاراشی عمل کی طبع خام بہت ہے
 ہیں اہل خود کس روشِ خاص پہ ہزارں؟ پانچویں رسم دورِ عام بہت ہے
 زخمِ ہی پہ پھوڑا، مجھے کیا طوفِ حرم سے آلودہ ہے سنا، جلدِ احرام بہت ہے
 ہے قہرِ گلاب بھی نہ بنے بات، کہ آن کو انکار نہیں اور مجھے، احرام بہت ہے
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے پٹا نہیں اسے مرگ رہنے دے مجھے ہاں، کہ ابھی کام بہت ہے
 ہوگا کوئی ایسا بھی، کہ غارت، کو نہ جانے؟

شاعر: د. لکھنا ہے، پ. بنام بہت ہے



فم کھانے میں بورا، دل ناکام بہت ہے
 یہ رنج، کہ کم ہے ہے گھٹام بہت ہے

مئے = شراب۔ گھٹام = ٹکڑی

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہر اول فم کو برداشت کرنے کے معاملے میں بہت کمزور واقع ہوا ہے۔ اسے تو یہی فم بہت ہے
 کاپٹی اول پسند ہے، نہیں بہت ٹھوڑی ہی باقی رہ گئی ہے۔ یہ فم ہو گئی تو کیا ہوگا کہاں سے آگئی ہو؟ پاس نہیں فرض مل گئی،
 نہیں ابھی سے کوئی نیکو نکالوں ہی اتنا بڑا فم ہے کہ کھانے جا رہا ہے۔



کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے دہر
 ہے یوں کہ مجھے ذوقِ جام بہت ہے

درد = ٹھٹھ۔ تھہہام = جو سافر کے بچے بڑھ جاتی ہے۔

تھترج:۔ حضرت کشراب کی اس درد لکب ہے کہ کوئی موصوف نہیں مگر معصوم کا لے چاہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ساقی سے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ اگر شراب خالص میرے پاس نہیں ہے یا نہیں دیتا۔
چاہتا تو دے مجھے بھگت عیادہ سے میرے لئے وہی بہت کافی ہے۔



نے حیرتوں میں ہے نہ سناؤ نہیں ہے

گوشہ میں قفس کے، مجھے آرام بہت ہے

سجاد = تھاری۔ کلیں = گھات میں پہنچا ہوا (مکان میں)۔ گوشہ = کونہ۔ قفس = خانہ۔

تھترج:۔ کہتے ہیں کہ مجھے زندگی بہت پسند ہے مجھے اس میں بڑا آرام و سکون ہے کیونکہ اس میں سجاد کوئی کھٹکا نہیں نہ کوئی مجھے مارنے کے لئے حیرتوں کے لئے کھڑا ہے اور نہ ہی سجاد گھات لگانے بیٹھا ہے۔ طور و روش سے بھی بے غری ہے یہ کام مالک کا ہے کہ وہی آرام کرتا رہے غرض میں قفس میں پہری طرح مطمئن اور سکون سے ہوں۔ ٹھٹھ کی زندگی پاکہ لائف بھر ہے۔



کیا زہد کو باتوں کو نہ ہو کرچہ روایتی

پاداشی عمل کی طبع خام بہت ہے

زہد = پارسائی۔ روایت = معارفی۔ پاداش = سزا و بدلہ۔ طبع خام = کمزور ہوں۔

تھترج:۔ کہتے ہیں کہ میں کیوں پارسائی کا قائل ہو جاؤں اگرچہ وہ طریق اور بھولی بھی نہ ہو مجھے تو اپنے اعمال ہی کی سزا کی خواہش ہی میری پارسائی کا ثبوت ہے اور نہ بہت کافی ہے۔ بھٹے ہی یہ خواہش کمزور ہو دل سے نہ ہو۔



ہیں اہل غرور کس روشی خاص پہ نازاں؟

پانچگی دم درد عام بہت ہے

اہل غرور = دانشمند۔ روشی = طریقہ و بیان۔ نازاں = متکبر و مغرور۔ پانچگی = پانچویں۔

تھترج:۔ فرماتے ہیں کہ یہ دانشمند لوگ اپنی کوئی روش خاص یا عملی سانچہ پر مسرور ہیں ہم بھٹے سے ناسر

ہیں۔ ہمیں تو عوام الناس کے ساتھ نہیں سلوک سے ملنا بہت پسند ہے انہیں سے وابستہ رہنا مطلوب ہے۔ واللہ۔
ہے کہ اگر کسی کے پاس احتیاق اچھا نہیں ہے بکلی ہی وہ عابد و زاہد ہے تو یہ زندگی نہ عوام کو پسند ہے نہ ہی اللہ
جبارک تعالیٰ کو۔



دھرم ہی پہ پھوڑا مجھے کیا طوفِ حرم سے

آلودہ نہ ہے، چلے اہرام بہت ہے

دھرم = چشمہ آبِ حجاز حضرت اسماعیلؑ۔ طوفِ حرم = طوافِ کعبہ۔ آلودہ بنے = شراب سے تہتر۔
چلے اہرام = حجاجوں کا لباس۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے ساتھیوں مجھے تو اس چشمہ دھرم پر ہی پھوڑا دیا کہ کہا دھرم پاک صاف ہو جاؤں۔ طوافِ
کعبہ کے لائق میں کہاں ہوں میرا تو چلے اہرام شراب میں شرابور ہے مطلب تمام عمر شراب نوشی قفل رہا ہے اور نہ ہی
طوافِ کعبہ میرے بس کی بات ہے کہ میں شرک کے عالم میں ہوں۔



ہے قہرِ کباب بھی نہ جتنے بات کہ ان کو

انکار نہیں اور مجھے اہرام بہت ہے

قہر = غضب، عذاب۔ اہرام = احتیاط، برداشت، رکاوٹ۔

تشریح:- قہرِ خداؤں کے بغیر کا منظر ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ چار ہے اور اسکو کوئی غور نہیں ہے مگر بڑے غضب کی بات
ہے کہ میں اپنی جگہ مضبوط و مستحکم ہوں خود کو روکنے پر قادر ہوں کہ اس کے جذبات کا بھی کوئی خیال نہیں اور سوچ کو ہاتھ سے
ٹکالے دے رہا ہوں۔ اور اس لئے سوچ کو ہاتھ سے جانے دے رہا ہوں کہ محبوبِ حبشہ کے لئے میرا ہو جائے اور مجھے
محض ہوس کا نہ کچھ پیٹنے کا اب بھی بات نہ بنی تو پھر کوئی توقع نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے میرا قادر ہو جائیگا۔



خوں ہو کے ہجرِ آنکھ سے چٹا نہیں اسے مرگ

رہنے دے مجھے یاں، کہ ابھی کام بہت ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے تلک الموت ابھی مجھے نہیں رہنے دے گا کی تو مجھے پانچویں میں اٹھ باری کرنی ہے خوں کے

آئندہ ہیں ہر پارے پہانے ہیں اپنے کے کرتوں پر سوائے ماتحتا ہائی ہے ابھی تو بہت کام ہائی ہے ابھی اور کچھ بلیج
عمل دے تاکہ پاک صاف ہو کر مالک جنت کی حضور بنیں۔



ہو گا کوئی ایسا بھی، کہ غائب کو نہ جانے؟

شاعر تو وہ لکھا ہے، پہ جہانم بہت ہے

شعر پڑھنا ہے مجلس اور صاف ہے محتاج تشریح نہیں ہے۔

غزل (۱۷۵)

لعل بخارہ قافل دم نکل آئے جان جانے، تو بلا سے پہ کہیں دل آئے
آن کو کیا غم، کہ کشمی پہ مری کیا ٹھوری دوست جو ساتھ مرے تاب سائل آئے
وہ نہیں ہم، کہ چلے جائیں حرم کو اسے شہزا ساتھ حجاب کے اکڑ کی منزل آئے
آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اٹھتے ہیں ”مر، وہ بزم دن بھگتے محفل آئے“
دیہ و غم ہارے مدت سے ”وہ آج عجب دہا دل کے گلوے بھی کئی خون کے شال آئے
سامنا حور و ندی سے نہ کیا ہے نہ کریں نکس حیرا ہی مگر حیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غائب!

آج ہم حضرت نوب سے بھی بل آئے



لعل بخارہ قافل دم نکل آئے

جان جانے، تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

دَم = خون، جان، سانس، وقت۔ مکمل = خیر ہوا۔

تشریح:- بھلائی وہ ہمیں گل کر دے ہمیں جان کے جانے کا کوئی حال نہیں ہے ہمارے دل کی حسرت ہری ہو جائیگی
کیونکہ یہ قافل ہمارا مقصد ہے اور وہ چری طرح ہو جائیگا۔ جان تو جانے والی تھی ہے اس کے جانیکا کوئی رنج و حال نہیں۔

دل گر چلا کیا اور تاکام رہا سر اور کیا تو میرا حیات علم کا چراغ۔



اُن کو کیا علم، کہ کشتی پہ مری کیا ٹہری

دوست جو ساتھ مرے طالبِ سائل آئے

تشریح:- کہتے ہیں کہ سائل یہ کھڑے رہ جانے والوں کو کیا معلوم کہ میری کشتی پر کیا گزری تھی کن کن مراحل سے گزرا اور کتنے کرباب میں پہنچا پہ لوگ تو آرام طلب مصائب و آلام سے ڈرنے والے ہیں انکا سیرا ساتھ تو صرف سائل تک تھا یہ نہیں وہ آرام کے ساتھی تھے مصیبت اور برے وقت کے ساتھی نہیں تھے۔



وہ نہیں ہم، کہ چلے جائیں حرم کو اسے شہ

ساتھ قہاج کے اکثر کی منزل آئے

تشریح:- ”وہ نہیں ہم“ کہ چلے جائیں ”میں سرکھنی کا اعدا پایا جاتا ہے جو انکی عادت ہے ورنہ کہتے ہیں کہ اسے شہ ہم اس قافل کہاں ہیں کہ گنج حیات اللہ کو چلے جائیں ہماری زندگی تو آلودہ عصاں ہے۔ ایسا تو کلی بار ہوا کہ قہاج حضرات کے ساتھ انکو رخصت کرنے کیلئے کئی کئی منزل آئے مگر خود گنج کو ہانگلی تو فیضی نصیب نہیں ہوئی۔ جگر مراد آبادی فرماتے ہیں۔

فیضانِ محبت عام تو ہے مگر نانا محبت عام نہیں

اللہ اگر تو فیضِ ندوے انسان کے بس کا کام نہیں



آئیں جس بزم میں وہ لوگ بکرا اٹھتے ہیں

”نہ، وہ بزمِ زن بچکے محفل آئے“

پہم = بدگلی۔ زن = بارہا بار۔ بچکے = جھل جھل، بدگلی، بدگلی۔

تشریح:- کوہا لوگ انکی آمد کے مشتاق و منتظر تھے انکے آتے ہی عوام شور مچا دیتے ہیں کہ لوہ بچکا انکار تو تشریف لے آئے اب کسی اور کی بات نہ دہائی نہیں نہیں کہ دیکھا اور نہ ناچا محفل کا تیار ہا، مردم قیام انکی ذات سے بدلے ہے۔



دیہ غوں پر ہے مدت سے، ولے آج نکلا

دل کے ٹکڑے بھی کی غوں کے مثل آئے

تقریباً کہتے ہیں کہ اسے ساتھی ہماری آنکھوں پر ایک حد سے غوں دہائی کر دی ہے اور آج تو اس میں اتنی حدت
دی کہ دل کے ٹکڑے سوسوں کے ساتھ آئے لیکن ہنوز ہماری نگاہ سنا ہے کوئی امید نہیں اتنی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔



ساتھ حور و پری سے نہ کیا ہے نہ کریں

عکس حیرا ہی مگر، حیرے مقابل آئے

تقریباً کہتے ہیں کہ ہم نے حور پری سے حیرے مقابل بھی کیا ہی نہیں اور نہ کریں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ان کا تھوڑے سے کوئی مقابلہ
ہی نہیں قابل کیا جاتا ہے اس حیرے کے جو حیرے مقابل ہو سکا جائے گا اور ہم حیرے جلانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔



اب ہے دلی کی طرف کوچ طار غائب

آج ہم حضرت لوب سے بھی بل آئے

شعر لہذا لہا بہت درجہ صاف اور سلیس ہے۔ غائب ہا پر سے دلی راہیں پر یہ نزل بھی گئی۔



غزل (۱۷۶)

حب وصال میں، سونے گیا ہے بن کلیہ
لہاج بادشہ میں سے کیوں نہ مانگوں آج
ہوا ہے جو کھنکھانے لگیں ہنر
ہوا ہے دست نرسین و نرسین کلیہ
فروغ نسیم سے روشن ہے خواب گاہ تمام
جو رنج خواب ہے ہر دلی تو ہے پران کلیہ
مرا ملے کہو کیا خاک، ساتھ سونے کا
رکے جو جگ میں وہ شرف ہم حق کلیہ
اگر چہ تھا یہ ارادہ، مگر خدا کا حکم
انہی مکانہ نزاکت سے ٹھکدن کلیہ
ہوا ہے کات کے چادر کو تا کہاں غائب
اگر چہ دانوئے دل پر رکے دھن کلیہ

جذب قیو دو اس واسطے پاک ہوا کہ ضرب قیو پہ دیکھا تھا کہ کبھی بھیج
یہ بات امر کا ہے بگاڑ صبح ہونے تک دیکھو نہ شیخ پہ اسے اہل الجمن بھیج
اگر چہ بیگ دیا تم نے اور سے لکھیں اٹھائے کیونکہ یہ دیکھو ہستہ قن بھیج
فلس آ گیا جو ہیں اڑھل میرے کمال کو ہوئی ہے اس کی مری فیل ہے کھن بھیج
حب فراق میں یہ حال ہے اذیت کا کہ ساق فز ہے اور ساق کا ہے من بھیج
روا دیکھو نہ دیکھو، تھا جو لفظ "کھن" کا کام" اب اس کو کہتے ہیں اہل کھن، "کھن بھیج

ہم اور تم فلک جو جس کو کہتے ہیں
فقیر غائب مسکین کا ہے کھن بھیج



حب وصال میں، مونس کیا ہے ہی بھیج
ہوا ہے سوجب آرام جاں قن بھیج

مونس = غمزدار دوست و آدم۔ سوجب = باعث وجہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ملن کی بات میں کبھی غمزدار دوست ہی کیا ہے اور ہمارے جسم و روح کو آرام پہنچا رہا ہے۔



فراق بادشہ جس سے کیوں نہ میں ناگوں!
کہ میں کیا ہے غم بعد پر چمن بھیج

فراق = فکس، حفاظت کی عدم داری کا جو کمزور اور راحت سے وصول کیا جاتا ہے۔ غم = دکھ، بعد = پڑاؤ۔
پر چمن = بستانوں سے بھر ہوا۔

تشریح:- خصوصیت کے ساتھ بادشاہ چمن سے فراق وصول کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ملک چمن علی اشیاء کے
استعمال میں مشہور ہے اس ملک کا تمام اس مذاب میں مبتلا تھا جب شہنشاہیت کا دور ختم ہوا اور کیونستہ اقتدار میں آئے
تو انہوں نے اس پر پابندی عاید کی اور اس لئے کہ سوجب سمجھا جانے لگا اور ملک ترقی کی طرف کا حزن ہو گیا اس کا تذکرہ
علامہ تہاں نے اپنے شعر میں کیا ہے۔

مگر خواب بھی سمجھنے کے ☆ ہمارے فطرتی لئے

شاعر کو اس بات پر ہے کہ انا بھی اس خوشی سے کہ وہ حضرت غالب کا سہارا بن گیا ہے خوشی سے بھول کر شراب کے پڑاؤ میں پھنس گئے تھے کی بات ہو گیا جو کل تک پر فتنہ تھا اگلے حضرت شاد دہلوی سے فرمایا کہ چاہتے ہیں کہ میرا کیا کلمہ نیکوہ سے کہیں ڈیوڑھی پہناؤ اور بڑا ہے۔



ہا ہے جوتہ گل ہائے پائیں بہتر

ہوا ہے دہن نرسین د نرسین تکی

تشریح:- کہتے ہیں کہ آج وصل کی شب میں ہمارا بہتر جلی کے پھولوں کا ایک جوتہ (کیاری) بنا ہوا ہے۔ اور تکی تو ان پھولوں کا گدستہ بنا ہوا ہے۔



فروغ نرسین سے راتیں ہے خواب گاہ تمام

جو رعب خواب ہے پردیں تو ہی پلن تکی

فروغ = بچھاؤ۔ خواب گاہ = آرام گاہ۔ رعب خواب = بھلا سا بھلا راحت۔ پردیں = شرعاً اجازت گئے۔ پلن = شرعاً۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ نرسین زیا کی فراوانی سے تمام نکلے سروں پر نور بنا ہوا ہے اگر خواب راحت کا سامان ضروری ہے تو یہی شرعاً کی بجگاہ تکی کو جسم شرعاً بنائے ہوئے ہے۔



خزا بنے کیو کیا خاک ساتھ نونے کا

رنگے جو چھ میں وہ خربہ سم تن تکی

خربہ = بچل۔ سم تن = پانسی جیسے جسم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ساتھ سونے کا محبوب کے کیا خاک لطف ہے کہ اس نے دو سیاہی میں بکھیر دیا کہ بھلا کیا ہو سکے اس طرح ساتھ سونے سے تو بھر ہے کہ آگ آگ بہتر ہی کیوں نہ ہو گیا ہے۔



اگر چہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا حکم

اٹھا سناہ نذاکت سے نگہبانِ عجب

تشریح:- شعر لہذا اوپر کے شعر سے منسلک ہے کہتے ہیں کہ اسکا ارادہ درمیان میں ٹکیے لائے گا تھا مگر کمزوری اور
نواکجہ نوائی کے باعث نہ اٹھا سکا اور خدا کا شکر ہے یہاں پھانسی ہوا کہ وہ ٹکیے کو نہ اٹھا سکا اور ٹکیے درمیان میں جاگن نہ ہوا
ورنہ وہ سال بار سے محروم ہو جاتے۔



ہوا ہے کاٹ کے چادر کو تا کہاں غائب

اگر چہ زانوئے قل پر رکھے دہنِ عجب

۱۰ زانو = دان (کھینچنے سے کو لیے تک کاٹنے)۔ قل = راجہ قل و بلیق کا عاشق۔ دہن = راجہ قل کی مہتر۔

تشریح:- قل دہن کی یہ بھیچ بندہ خانی داستان ہے اس کے واقعات لیلۃ الجحون اور شیریں فریاد کی طرح درودادب میں روشن
اور مشکور نہیں ہیں۔ ہندی ادب بھی اس واقعہ کی گنج اور نکلے گا ہی نہیں رہتا۔ مہتر نہیں یہاں شاعر نے اس واقعہ کے کس
پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شعر ہر واقعہ عقلی کا مظہر ہے۔ یہاں شعر کے الفاظ سے یہ نہیں چہ چلا کہ چادر کو کون کاٹ
کہا گیا غائب ہو گیا اور دہن نے قل کی دان پر ٹکیے کیوں دکھا۔ عجب اگر دان پر دکھا کسی خاص اعداد کی طرف بھی اشارہ نہیں
کرتا اس لیے شعر کو مجید و اہم تسلیم کرنا چاہیے۔



بھرب بھرب وہ اس واسطے ہلاک ہوا

کہ ضرب بھرب چہ رکھتا تھا کو بھی عجب

بھرب = بھرت۔ بھرب = بھرتا یا بھرت۔ ہلاک ہوا = مر گیا۔ کہن = فریاد کا لقب (عاشق شیریں)

تشریح:- کہتے ہیں کہ فریاد بھرتے کی بھرت کھا کر واسطے مر گیا کہ وہ بھرتے پر یقین رکھتا تھا کہ اس کے مارنے سے جس
مر جاؤ گا۔ اگر وہ بھرتے پر یقین نہ رکھتا اور اسکو شیریں سے عشق صادق ہوتا تو اسکو یہ خبر سن کر ہی کہ شیریں مر گئی مر جانا
چاہئے تھا کیونکہ خبر بہت جلد کاہنسی اور بھرتا زاد کر مرنا تو خود کشی ہوئی عشق کے اثر سے نہیں۔ وہ تو اپنے بھرتے پر باز اس
تھا کہ اسکی پر ٹکیے کے ہوئے تھا۔



یہ رات نمر کا ہے بنگار سجا ہونے تک

دیکھو نہ طبع پر اسے اہل الجمن نکلیے

تشریح:- کہتے ہیں کہ پروگرام تو پوری رات کا ہے اسے الجمن والو تو ایک طبع پر مبرور مت کرو کہ یہ سچ تک ساتھ نہا
نکلی کوئی دیکھنا نظام بھی روشنی کیلئے کرو۔



اگر چہ بیگ دیا تم نے دور سے لیکن

اٹھائے کیونکہ یہ دیکھو وقت تن بھی

دیکھو = غور۔ وقت تن = تھکا تھم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ نے میری طلب پر بھی میری طرف ڈور سے بیگ تو دیا جواب میری ادھر سے باہر ہے۔ میں
کمزور ناتواں اب کیسے اسکو اٹھاؤں۔ یہاں شاعر کا مقصد محبوب کو فریب سے اپنے قریب لانا ہے۔



فصل آ گیا جو ہیں اوجھل میرے قافل کو

ہوئی ہے اس کی مری فصل بے کفن بھی

فصل = بیوی۔ کفن = بچہ۔ از = سے۔ مرگ = موت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میرے قافل کو مجھے قتل کرنے کے بعد فصل آ گیا اور وہ اس قلم کو خود برداشت نہ کر سکا پ دلوں کی
فصل بے کفن پڑی ہیں۔ یہاں بھی لحاظ منہم بے حق ہو گیا ہے۔ جو کلامیہ ہے۔



سب فراق میں یہ حال ہے اذیت کا

کہ ساق فراق ہے اور ساق کا ہے کن بھی

تشریح:- کہتے ہیں کہ جدائی کی رات میں تکلیف اذیت کا یہ حال ہے فراق گویا ساق ہے کہ اس پر جھنڈ بھی نہیں سکتا۔
مطلب یہ ہے کہ تنہائی چیلنے بھی نہیں دے رہی اور یہ بھی اس ساق کا بعد دکھائی دے رہا ہے مطلب یہ ہے کہ نگار کی کا یہ
حالم ہے کہ ستر استراحت بھی لڑائی میں ایک خوفناک چیز ہو کر رہ گیا ہے۔



روا رکھو نہ رکھو، تھا جو لفظ ”نکلیے کام“

اب اس کو کہتے ہیں طلیٰ خن۔ ”نکلیے کام“

روا = جائز۔ نکلیے کام = بلا ضرورت دوران گفتگو کی خاص لفظ کا استعمال کرنا جیسے اکثر لوگوں کا نکلیے کام ہوتا ہے۔
بکھے صاحب یا (نہیں تھے) طلیٰ خن = زبان دان۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اب آپ کو چار بکھیں بات کہیں کر وہ جو لفظ (نکلیے کام) تھا اب سکوزبان دس لوگ (خن) نکلیے کہتے ہیں۔ نکلیے نکلیے کی بات کیونکہ یہ غزل ہی کسی کی فرمائش پر کہی گئی ہے کہ زبان دانی کی ہی دلیل ہے اور نکلیے کام تو اکثر جہاں کی عادت ہوتا ہے کہ جب بات کہہ کر نہیں جاتی اور کام جاری رکھتا ہوتا ہے اور دوران گفتگو رکھتا ہے اور آگیا چتا ہے جو گفتگو کا سبب ہے اس کی صورت میں اور میان درمیان میں نکلیے کام بلا ضرورت شامل کیا جاتا ہے۔



م اور تم نکلے ہو جس کو کہتے ہیں

نقیر غالب مسکین کا ہے کہیں نکلیے

نکلے ہو = بڑھا آسان۔ مسکین = غریب کمزور بے زبان۔ مسکین = بُرا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم اور آپ کو بڑھا آسان کہتے ہیں یہ غالب مسکین کا کہا تھا نکلیے ہے کیونکہ حضرت غالب اپنے کام میں ہر پہلے کا دوا آسان کو کھاتے رہے ہیں کہ آسان نے یہ علم بڑھا دیا آسان نے یہ بات تو ذرا اس لحاظ سے نکالا اس کو اپنا نکلیے کہتا درست ہے۔

غزل (۱۷۷)

آئینہ کہیں نہ ڈوں، کہ تاشا کہیں ہے ایسا کہاں سے لاؤں، کہ تھما کہیں ہے
حسرت نے لا رکھا، تری بزم خیال میں گدے گدے سوچا کہیں ہے
پھر کا ہے کس نے گوشتِ محبت میں اے خدا انسانِ انتظار تھا کہیں ہے
سر، اہم دردِ فریبی سے، ڈالے وہ ایک عجب خاک، کہ صرا کہیں ہے
ہے چشمِ تر میں حسرت دیدار سے نہاں شوقِ بجاں کہیں ہے
دیکھ رہے تھکے کھائے ہیں کہ صبح بہار چو بجا کہیں ہے

عالمِ نرا نہ مان، جو واسطہ نرا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ سب لیتا کہیں ہے؟



آئینہ کہوں نہ دوں، کہ لٹا کہیں ہے
ایسا کہاں سے دوں، کہ تھما کہیں ہے

تشریح:- کہتے ہیں کہ حیراجانی کہاں سے حاشا کر کے دوں میرے ہاتھ میں آئینہ ہی کیوں نہ دیداں کہ تجھے حیراجانی
نظر آجاء، سائے کے طور پر مجھے کوئی حیراجانی نظر نہیں آ رہا۔



مرث نے لا رکھا، تری بزمِ خیال میں
گھسٹا گھسٹا سوچا کہیں ہے

سوچا = ایک دانہ کا نام جو مطلق کے دل میں عشق کی جلیں سے پودا ہو جاتا ہے۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ تری کا ہونے کے گھسٹے نے جو بار بار میرے دل پر چڑھ کر ایک دانہ سیاہ دل پر بنا دیا ہے جسکی
سوزش مجھے مرثت ہے لیکن نہ کبھی ہے اور تجھے حاصل کرنے کی مرثت مجھے مرثت ہے نہ کبھی ہے۔



بھڑکا ہے کس نے کوشِ بہت میں اے خدا
افسوں انتظار، تمنا کہیں ہے

کوش = کان۔ افسوں = جاں۔ تمنا = آرزو۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اے خداوند کریم بہت کے کان میں انتظار یا رکھا جاں کس نے بھڑکا ہے کہ میں مرثت محبوب
کے انتظار میں ہوں صرف رہتا ہوں بچہ ہانگل دیا ہے کہ مجھے کسی نے جاں کر دیا ہو۔



مر پے گھوم دو فری سے لائے
وہ ایک شہبہ خاک، کہ صرا کہیں ہے

تھوم = بیگز ماڈرم۔ نمک = منی۔ صحر = ہنک۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب جبکہ اپنے اصلی گھر جن سے اس خاکاں میں بھیک دیا گیا اور فری (بے وطن) کی نصیب میں کرنا کر دی گیا ہے تو اب امت مت ادا اور خود کو جلائے استحقاق بھاسا قدرت اور شفقت اٹھا کر صحر کو (دنیا) کو ایک منی خاک بھارا اس کو سر پڑا دلے مطلب یہ ہے کہ وہ پانہ دار سی پیام کرتا رہے کی مکتوب اٹھی ہے اور حیرا مقصد حیات بھی کیونکہ جب ان سخت مراحل سے گزرنے کے بعد اپنے اصلی گھر جن سے گواہیں ہوتا ہے۔



ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے نہیں

شرابی ہماں گھنڈو دیا کہیں سے

چشم تر = دیدنا گھبار۔ حسرت دیدار = دیکھنے کی تڑپ۔ نہیں = پریشدہ۔ ہماں = کام۔ گھنڈو = گھنچا

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہماری انگلیاں آگ میں دیدار کی آرزو پریشدہ ہے جو شوق کی کام گھنچا رہی ہے اور وہ کام دریا کی مانند ہے جو ہماری انگلیوں سے جاری ہے۔



دور کار ہے خلقتیں گھائے پیش کو

صبح بہار، ڈوڑھتا کہیں سے

دور کار = ضرورت۔ خلقتیں = کھانا۔ ڈوڑھتا = دلی۔ دلی = دلی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ پیش وراثت کے پھول کھانے کے لئے شراب کی بوس کے نند سے دلی کا لانا ہٹانے کی ضرورت ہے۔ مطلب شراب سے اس کا سر دیکھنا ہماراں کا لطف دیتا ہے۔



عاقب آئرانہ مان جو واسطہ نوا کے

وہا بھی کوئی ہے کہ سب لہجا کہیں سے؟

تشریح:- کہتے ہیں اے عاقب واسطہ کے نوا بھلا کہنے کا نراست مان اس کا تو کام نصبت کرنا ہے ہی نہیں تو یہ سوچنا چاہئے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے سب اچھا کہتے ہوں بلکہ نہ کچھ برائی برآئی میں موجود ہے۔ اگر تم میں بھی کوئی نرالی ہے تو اس میں نرا ماننے کی کیا بات ہے۔



غزل (۱۷۸)

دیکھنے میں ہیں کرچہ، پر ہیں یہ دونوں ہمارے ایک	وضع میں گو ہوئی دوسر، تجھ ہے ذوالفقار ایک
ہم سخن اور ہم زباں حضرت قاسم دہلویاں	ایک چٹس کا جا بھین، درد کا یادگار ایک
تجہ سخن کے واسطے، ایک عیار آگئی	شعر کے فن کے واسطے، مانجے اعتبار ایک
ایک وفا و مہر میں، تازگی بساط دہر	لفظ و کرم کے باپ میں، نہایت روزگار ایک
مگر کدہ عیش کو، ایک ہے رنگ، ایک بو	رہنما کے قماش کو، یاد ہے ایک، تار ایک
مسلحہ، کمال میں، ایک امیر نامور	عزت قبل و قال میں، خسرو نامدار ایک
گھٹن اتفاق میں، ایک بہار بے خزاں	سے کدہ وفاق میں، بادۂ بے خداد ایک
دعاۃ شوق شعر کو، ایک چمراۓ انجمن	کشتۂ ذوق شعر کو، شمع بر خزار ایک
دلوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر وفا	ایک فحش چار چار عاشق بہشت و چار ایک
جان وفا پرست کو، ایک مہم جو بہار	فرق شیرازہ مست کو، پر عمرگ بار ایک

ایلا ہے کہ کے یہ نال، شائبہ ریا سے دور

عمر کے دل و زباں کو عجب خاکسار ایک



دیکھنے میں ہیں کرچہ، پر ہیں یہ دونوں ہمارے ایک

وضع میں گو ہوئی دوسر، تجھ ہے ذوالفقار ایک

وضع = ساخت، بناوٹ۔ دوسر = دو کھارے، دو دھار۔ تجھ = تھوڑا۔ ذوالفقار = دو دھاری تھوڑا۔

نوٹ :- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی غزل کی شخصیت کو نکلتا ہوا کرکھی گئی ہے جو حضرت کا معاصر اور حریف مقابل ہے میرا خیال ہے کہ وہ انصاریت حضرت میرا ہم ذوق کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس دور میں غالب کے مقابلہ میں ہیں اور غالبانہ چٹک بھی شعر انہی کے باپ میں رہتی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت غالب بھی ہیں اور ذوق صاحب نسی فرزند سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے آپس میں چٹک رہتی ہے اس خیال کی گئی کے لئے اور بھائی چارہ قائم رکھنے کیلئے خمیدگی اور تندر کا

مطابریا کیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگرچہ دیکھنے میں وہ نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں یہ دونوں یا ایک ہیں اور ایک جان و قالب کے صدق میں جس طرح حادث بنے اعتبار سے اور صوری تکرار اور عارضہ اور کثرت ہے مگر تکرار ایک ہی ہے۔



ہم سخن اور ہم زباں حضرت قائم و طپاں

ایک مجلس کا چائیں۔ درد کا یادگار ایک

ہم سخن = ہم زباں، شریک گفتگو، ہم زبان = ہم سخن۔ قائم = صاحبزادے، سداوت۔ طپاں = گرم۔
مجلس = جلن۔ چائیں = تائب۔ یادگار = نعتی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات کے دلوں کو ہونے ایک عالم ایک سال یا کچھ اس سے زیادہ دن زندہ رہے دوسرے پیدا ہوتے ہی افک جیادے ہو گئے شاعر انہیں کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ایک دگی مجلس بن گیا دوسرا اور بہر حال حضور کو دونوں ہی سے برابری محبت تھی۔ اضافہ



بہر سخن کے واسطے ایک عیار آگئی

شعر کے فن کے واسطے، مایہ اعتبار ایک

نقد سخن = کمری بات۔ آگئی = معلومات۔ عیار = کوئی۔ مایہ = عزت۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ہم دونوں (دو فن و قالب) ایک ہیں ہم سخن ہیں ہم میں ایک کمری اور عمدہ بات کہتا ہے تو دوسرا فن کی کوئی ہے اور مکمل معلومات رکھتا ہے اور کاغذی اعتبار طر کا عزت ہے۔



گلکندہ عاشق کو ایک ہے رنگ، ایک بر

درخت کے قاش کو، پودا ہے ایک، ہر ایک

گلکندہ = بھلوں کا گھر، نر و زخم سخن۔ رنگت = مراد و زبان۔ قاش = طرح، رنگ۔ پودا = تار = تار۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ قاش، گھنٹس اور مضمون آخری کے میدان میں ایک رنگ کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسرا ہے۔
دونوں اپنی جگہ کاغذی حاشی ہیں اور خصوصاً زبان و بیان اور ادب اور ادب میں ہم ہیں۔ بالکل ہانے ہانے کی طرح کہ دونوں

گی کپڑے کی عادت میں برادری کی اہمیت ہے۔



ملک، کمال میں، ایک امیر نامور

عمرے قیل و قال میں، خسرو نامدار ایک

ملکت = ملک۔ نامور = نامی کراوی۔ عمرے قیل و قال = عیب جوئی، تنقید، تنقیص خسرو = ہارشاہ۔
نامدار = مشہور و معروف۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ ایک کمال فہم کے میدان میں سرمداری اور سر بلندی رکھتا ہے تو دوسرا تنقید و تنقیص اور قہر و بازی میں طاق ہے اور اس فہم میں ہارشاہ ہے۔



گلشن اتفاق میں، ایک بہار بے غم

سے کدہ وفاق میں، بارہ بے غم ایک

اتفاق = نامکام۔ اتفاق = ملت۔ بارہ = شراب۔ بے غم = بے غم۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ یہ ایک اتفاق ہے کہ ہم دونوں میں ایک بہار بے غم کی مانند ہے کہ انکی بہار غم و ناخوشی ہے اور اسے ناخوشی ہے دوسرا اس دنیا کے لڑا ہے میں ایک بے غم شراب کی طرح ہے کہ بڑا غم و غم کی مشیت رکھتا ہے۔



دونوں کے دل حق آتش، دونوں رسول پر فدا

ایک خوب چار پر عاشق بہشت و چار ایک

حق آتش = حقیقت سے واقف۔ محبت = دوست۔ چار بار = نرادیہ کو بکتر و دھڑا دھڑا ملتی۔
بہشت و چار = بارہ نرادیہ کو بکتر و دھڑا دھڑا ملتی۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ ہم دونوں حقیقت سے واقف اور دانش مند ہیں فرق آتش ہے کہ ایک عسکران یعنی حضرات کو بکتر و دھڑا دھڑا ملتی کا فائل ہے تو دوسرا حضرات امیر انصاری کا نام ہے وہ چار بار کا عاشق ہے۔



جان وفا پرست کہ ایک فہیم تو بہار

فرق ستیزہ مست کہ جو نگرار ہار ایک

وفا پرست = جان نثار۔ فہیم = خوشبو۔ فرق = سر۔ ستیزہ = جنگ۔ اہم = ہادل۔ نگرار = اور۔
تشریح:- کہتے ہیں کہ جو شخص وفا پرستی کی جان ہے اور شعر و ادب میں دلچسپی رکھتا ہے اور انعام داری سے فیصلہ کرتا ہے
اسکے لئے ہم دونوں میں ایک نئی بہار کی خوشبو کی مانند ہے اور دوسرا اسکے لئے وہ ہے جو جنگ کو پسند کرتا ہے اور اور
برسانے والا ہادل ہے۔



ایسا ہے کہ کے یہ نزل، شاہد رہا سے دور

کر کے دل و زبان کو غالب خاکسار ایک

شاہد = برائے نام۔ رہا = نکاری۔ خاکسار = عکبر، سچکین، مریب۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ آج غالب سچکین دل، زبان کو ایک کر کے بالکل نکاری سے پاک و صاف نزل نکھرا دیا ہے۔
کہ نزل اقتدار ہے جو شرف

غزل (۱۷۹)

آپ نے منشی اختر کہا ہے تو کسی یہ بھی یا حضرت لقب اگلا ہے تو کسی
رجح طاقت سے سزا ہو، تو نہ بچاؤں کیوں سر ذہن میں ٹوٹی حلیم و رضا ہے تو کسی
ہے قیمت، کہ ہامید کزد جائے گی سر نہ ملے داد، مگر روز جزا ہے تو کسی
دوست کر کوئی نہیں ہے، جو کرے چادر کری نہ سکے، ایک صفا ہے وہا ہے تو کسی
غیر سے، دیکھیے کیا خوب بھائی اس نے نہ کسی ام سے پر اس نہت میں وفا ہے تو کسی
نقل کرتا ہوں اسے بندۂ اعلیٰ میں نہیں کہو نہ کہو روز اول تم نے کھسا ہے تو کسی
بھی آ جائے گی، کیوں کرتے ہو جلدی غالب!

شہرہ تجوی صمبھ تھا ہے تو کسی



آپ نے تسبیح الہیٰ کیا ہے تو کسی

یہ بھی یا حضرت زہراؑ اگلا ہے تو کسی

تسبیح الہیٰ = حضرت زہراؑ نے جب اونٹنوں اور گاوؤں سے پریشان ہوئے اور اذیت سے گزر گئی تو انکی زبان سے تکلیف میں یہ لفظ نکل گیا جسکے معنی ہیں کہ میں حق اذیت میں مبتلا ہو گیا ہوں جسکو حضرت غالبؑ شکیست سے تعبیر فرما رہے ہیں حالانکہ خود باری تعالیٰ نے انکو مبارکال کہا ہے۔

کہتے ہیں کہ اسے حضرت زہراؑ نے آپنا تسبیح الہیٰ کیا بھی ایک طرح کی شکیست ہی ہے اور یہ مہر کے معانی ہے

معاذ اللہ۔



ربیع طاق سے سرا ہو تو نہ بیجاں کیوں سر

دہن میں ٹوبی حلیم درضا ہے تو کسی

حلیم درضا = حکم الہی پر راضی رہتا۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اگر ربیع طاق سے باہر ہوتی ہیں تو تکلیف سے اچھو پاؤں نہ ماروں ویسے میں قضاء الہی پر ہمہ حال رضاء ہوں۔



ہے قیمت کہ بامید گزر جائے گی مر

نہ طے دار، مگر روز جزا ہے تو کسی

قیمت = دھن کا مال۔ دار = مردہ جسمین۔ روز جزا = قیامت کا دن۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ یہاں بھئی کی وار بھئی نہ طے بھی بہت قیمت ہے کہ اسی امید پر کہ عشر میں تو بہر مال انصاف ہوتا ہے یہ عمرت ہی چانگی، میں وہاں تو انصاف کا قاض ہے کہ ضرر و داد حاصل کروں گا اور ساتھ ہوئی زیادتی کا چلا بھی۔



ہدایت کر کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ مری

نہ کسی، ایک تھکے رہا ہے تو کسی

چارہ ترکی = علاج معالجہ۔ قحطائے دوا = دوا کی آرزو۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ اگر میرا کوئی غمخوار نہیں ہے تو نہ ہوا علاج عظیم القوت کرنے والا کوئی نہیں ہے تو نہ ہو مجھے ہر مال کا کی آرزو ہے کہ کوئی میرا علاج کرے۔



غیر سے، دیکھئے کیا خوب بھائی اس نے

نہ سکی ہم سے پر اس نیت میں دوا ہے تو کسی

تشریح :- کہتے ہیں کہ ہمارے محبوب نے مجھے ہی ہم سے دوا نہیں کی ہو اور ہمارے قریب سے تو ہر مال خوب بھائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا دوا کا جذبہ ضرور ہے۔ اسی لیے خیال کیا دوا دار نہیں ملتا ہے۔



نقل کرتا ہوں اسے بنے اعمال میں نہیں

کہ نہ کہ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو کسی

بنے اعمال = کتبہ تقدیر۔ روزِ ازل = پہلا کائنات کا دن۔

تشریح :- کہتے ہیں کہ میں تو اپنے اعمال نامے کی نقل کر رہا ہوں جو تو نے میرے حلقے میں روزِ ازل لکھ دیا ہے اپنی طرف سے کوئی نہیں کر رہا۔ مطلب یہ ہے کہ میں غم نہیں ہوں تو تو پہلے ہی لکھ چکا ہے کہ مجھے یہ کہہ کرنا ہے میں تو انکی مطابقت کر رہا ہوں۔



کبھی آجائے گی، کیوں کرتے ہو جلدی غائب!

شہر، جزیرہ، قصبہ، قضا ہے تو کسی

تشریح :- کہتے ہیں کہ اے غائب موت کیلئے انتظار جلدی کیوں کر رہے ہو آئی ہے اور اگر رہی۔ موت کی کھڑکی جزیرہ تو مشہور ہے کہ وہ کسی کو نہیں بخشتی تمہیں کیسے چھوڑے گی۔



غزل (۱۸۰)

اپنا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں؟ ہے حیا مانع اختیار کہوں یا نہ کہوں
 نہیں کرنے کا میں تقریر، ادب سے باہر میں بھی ہوں دھتک اسرار، کہوں یا نہ کہوں؟
 شکوہ، کھو است، یا بکلی شکایت کھو اپنی ہستی سے ہوں ہے زار کہوں یا نہ کہوں؟
 اپنے دل ہی سے میں احوال گرفتاری دل چپ نہ پاؤں کوئی غم طرار کہوں یا نہ کہوں؟
 دل کے ہاتھوں سے، کر ہے دشمن جانی اپنا ہوں اک آفت میں گرفتار، کہوں یا نہ کہوں
 میں تو دیوانہ ہوں، اور ایک جہاں ہے شمار گوش میں دردیں دیوار، کہوں یا نہ کہوں؟

آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے، تو آندا
 صب حال اپنے میں اختیار کہوں یا نہ کہوں؟



نوٹ = پہلی نزل نہایت مدہ کل ہے اور کسی تخریج کی گئی نہیں چھتا شعرا بہت وضاحت طلب ہے۔

میں تو دیوانہ ہوں، اور ایک جہاں ہے شمار

گوش میں دردیں دیوار، کہوں یا نہ کہوں؟

شمار = مغلطو۔ گوش = کان۔ درد = میں۔ پس دیوار = دیوار کے نیچے۔

تخریج :- کہتے ہیں کہ میں تو محبوب کی اہلیت میں دیوانہ ہوں نہ جانے کیا کیا کچھ کیے چلا جا رہا ہوں اور ساری دنیا
 چل خوری پراتری ہوئی ہے اختیار ہے کہ دیوار کے نیچے بھی کان لگے جس بات جتنی اس تک پہنچ جائیگی۔ ایسی صورت
 میں کہوں یا نہ کہوں۔ ایک پکار ہے۔

غزل (۱۸۱)

میں ہوں مشتاق جفا، مجھ پہ جفا اور کسی تم ہو بھلا سے طوائف، اس سے سوا اور کسی
 میر کی مرگ کا تم کس لئے، اسے میر سے ماوا ہیں ہوں پیش بہت، وہ نہ ہوا، اور کسی

تم ہو نہت، پھر تمہیں چھوڑ دے گی کیوں ہے؟ تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور کسی
 شخص میں عداوت سے بچو کہ نہیں ہونے کے بھی آپ کا شیوہ واعجاز ادا اور کسی
 تیرے کوچے کا مانگیں دل حشر میرا کہہ اک اور کسی، قبلہ لیا اور کسی
 کوئی دنیا میں مگر بارغ نہیں ہے، واعظا تعلق بھی ہار ہے، غیر آب و ہوا اور کسی
 کیوں نہ لڑوں میں دوزخ کو بلا لیں یا سب! میرے واسطے تھوڑی سی عفا اور کسی
 مجھ کو وہ دیکھ کر جسے کھاکے نہ پائی مانگوں زہر یکہ اور کسی آب و ہوا اور کسی

مجھ سے، غالباً یہ طائی نے غزل کھسائی

ایک ہے راز مگر رنج فزا اور کسی



میں ہوں مشتاق جہا، مجھ پہ جہا اور کسی

تم ہو بیجا اسے خوش، اس سے سوا اور کسی

مشتاق = خواہش مند۔ جہا = نظم۔ بیجا = نظم۔ سوا = زیار۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں نظم و زیادتی کا خواہش مند ہوں اسے میرے محبوب اور مختا نظم کر سکا ہے کہ اور میں بھی تو
 نظم سے خوش ہے پھر کیا بات مانع ہے اور بکھلا دے گی۔



ضمیم کرنے کا میں تقریر، ادب سے باہر

میں بھی ہوں واقعہ اسرار کیوں یا نہ کیوں؟

غیر = رقیب، دشمن۔ نرگ = موت۔ غیرت = چاند کوثر مانے والا۔ ہو کر پیشہ = ہو سکا، شہوت پرست۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے میرے حسین ترین چاند کوثر مانے والے محبوب دشمن کی موت کا نظم کیوں کرتا ہے اس دنیا
 میں ہوں کاروں کی کی نہیں ہے وہ دگر عرض کیا تو کیا دنیا ختم ہو گئی دشمن رہا تو نہ سوا اور شہوت پرست ہزاروں ہیں کسی سے
 بھی رابطہ قائم کر لے۔ سوا سے مراد اس کا نظم کر کے میں کیوں رنج پہنچا رہا ہے۔



تم ہو نہ، مگر تمہیں پدارتھائی کیوں ہے؟

تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور کسی

ہست = منہ، سٹن۔ چدار = ماکہ۔ خداوند = آکا مالک۔ خدا = اللہ عزوجل۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے میرے محبوب تم تو خود ایک حسین صورت منہ ہو تمہیں خدا جیسا حکم کیوں ہے تم تو ہمارے آکا ہو مالک ہو آکا اور مالک ہی کہلاؤ، مکی بہت کافی ہے خدا اور ہے اسے خدا ہے۔



حسن میں نور سے ۲۰ کرنیں ہونے کے بھی

آپ کا شیوہ و اعزاز ادا اور کسی

نور = حق حورائی۔ شیوہ = طریق۔ اعزاز = احک۔ ادا = کوز۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے میرے محبوب تمہارے اعزاز و اعلا طور طریقے بھی جیب کسی گرم خدا ہی جتنی سے حسن میں کسی طرح ۲۰ کرنیں تکتے یہ "ناسوت" کا ضمون ہے اس میں محبوب کو چاہنا مقصود ہوتا ہے مطلب برادری کیلئے۔



تیرے کوچ کا ہے بائیں دل منظر میرا

کعبہ اک اور کسی، قبلہ نما اور کسی

بائیں = مائن۔ منظر = پہاڑ۔ کعبہ = بیت اللہ۔ قبلہ نما = قبلہ کو بتا دیا۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ اسے تیرے محبوب میرا دل تو تیرے کوچے پر فضا ہے میرا ہے جنہاں دل تو ہر وقت اس کی میرا خواہاں رہتا ہے۔ قبلہ کعبہ ایک دروازہ ہے اس کی ہیبت الہی ہے۔



کوئی دنیا میں مگر ہمارا نہیں ہے، دعا

تقلد بھی ہمارا ہے، خیر آپ دہو اور کسی

دعا = نصیحت کرنا۔ تقلد = بحث، ہمارا بہشت، بائیں۔

تشریح:- بلور طرح کہتے ہیں کہ دعا اس دنیا میں نہ کوئی ہمارا ہے ہی نہیں جو ہمیں اس ہمارا کا لٹ دیتا رہتا ہے کیونکہ دشت کا لٹ دیتا ہے اور جنت عربی میں ہمارا کو کہتے ہیں اور غلطی ایک ہمارا ہی ہے یہ اور بات ہے کہ اس کی

آپ دہوا اور ہے۔ مطلب: اعلیٰ کے درجہ تک پہنچنے سے جنت کی اہمیت گمنا ہے۔ سوا ذرا کہ، کوئی خاص چیز نہیں اس کی جگہ پر۔
(باقات) تو اس درجہ میں بھی بہت ہیں۔



کیوں نہ فرمویں میں دوزخ کو بولیں یا رب!

میر کے واسطے قہر وادی ہی نفا اور سہی

فرمویں = جنت بہشت۔ دوزخ = دکنیاں (کاگر۔ یا رب = اے خدا۔

تشریح:۔ یا رب! اعلیٰ میں کیوں نہ جنت میں دوزخ کو بھی ملا لیں تاکہ ایک پتھر کا اور اضافہ ہو جائے۔ کیونکہ جنت میں اسی شے کی ہوگی سو پوری ہو جائیگی کیونکہ جنت میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوتی چاہئے۔



مجھ کو وہ کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں

زہر کہہ اور سہی آپ جہاں اور سہی

زہر = قاتل شے۔ اب جہاں زندگی ختم، آپ حیات۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ مجھے تو کوئی ایسی چیز دو جسکو کھا کر فوراً موت واقع ہو جائے اور پانی مانگنے کی بھی سہولت نہ ملے۔
کھلی زہر کوئی اور چیز ہے اور آپ حیات نکھار شے ہے۔ مگر مجھے اس سے غرض نہیں میں تو موت چاہتا ہوں۔ مجھے آپ حیات نہیں چاہئے کھلی یا ہم اور اچھی چیز ہے۔



مجھ سے، غالباً یہ ملائی نے غزل کھوائی

ایک بے دار مگر رنج قنواں اور سہی

بہلاؤ گر = غالب۔ رنج قنواں = رنج و حالے والا۔

تشریح:۔ کہتے ہیں کہ اس اعجاز کے کڑی رنج و غصہ میں کیا کہتا ہوں یہ ملائی صاحب کے سرو پر میں نے کھڑی اور یہ کھتے ہوئے کہ پہلو جہاں اور رنج و حالے والے ہمارے وہ ہے ہیں ایک ملائی صاحب بھی سہی۔ انا مقصد ہمارے رنج میں اضافہ کا ہے کہ پہلو اضافہ ہی سہی ہم ان کی بھی خواہش پوری کر دیے۔



غزل (۱۸۲)

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں دشتِ فم میں آہوئے صیادِ دیدہ ہوں
 ہوں دردِ منہ جہر ہو یا اختیار ہو کہ پلنے کشیدہ ہو ایک چکیدہ ہوں
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہو ادھن ازبکے غلی فم جہراں چشیدہ ہوں
 لے جو سے علاقہ نہ سافر سے رابطہ میں معرضِ مثال میں دستِ بیدہ ہوں
 ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے اٹھ کو داغ نہ دانہ فکادہ ہوں نہ دام چیدہ ہوں
 جو چاہے نہیں وہ مری قدر و منزلت میں یوسفِ قیمتِ اولِ خریدہ ہوں
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ ہوں میں کلامِ غر و لے تاشیدہ ہوں
 جلی درغ کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل پر ماسیوں کے فرقہ میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سنگِ گزیدہ دارے جس طرح آہد

ڈٹا ہوں آئینے سے کہ مرمِ گزیدہ ہوں



مکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں

میں دشتِ فم میں آہوئے صیادِ دیدہ ہوں

آرمیدہ = ہانگے والا۔ دشت = جنگل۔ آہو = ہرن۔ صیاد = شکاری۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ میں فمِ واکام سے فرار اختیار کروں مگر میری کیفیت اس وقت اس فمِ واکام کے جنگل میں اس ہرن کی سی ہے جسے شکاری کو پکایا ہو کہ ہاں آئے تعجب میں ہے تاہم مقابلے کی کرات کرتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جس کو اپنی جان کا خطرہ ہو گا وہ کس قدر پریشانی میں مبتلا ہو گا۔ اس کے باوجود فم سے فرار ناممکن ہے جو میں بھول کر بھی نہیں کر سکتا۔



ہوں درد مند جبر ہو یا اختیار ہو

کہ نالہ کشیدہ کہ لعنب چکدہ ہوں

جبر = وہ کام جس پر مجبور ہوں چلے۔ اختیار = وہ فعل جس پر ہمیں اختیار ہو خواہ فعل ایک۔

گہ = کبھی۔ نالہ = فریاد۔ کشیدہ = کھنکھاہٹ۔ لعنب چکدہ = ہنسا ہوا آواز۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں خدا سے کسی طرح غالی نہیں ہوں سوائے خواہ جبر کا ہو یا اختیار کا میری کیفیت کبھی فریاد کنندہ کی ہے کبھی گریہ و زاری میں جتنا لعنب و زاری کی ہے اس میں فریاد کا میرا اختیار ہے اور گریہ ایک فطری عمل ہے کہ آنسو بے اختیار نکلتا ہے اور پتھر ہے میری مجبوری ہے اگر دونوں صورت میں میری مدد و معافی ثابت ہے۔



پاس لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہو اداس

از بسکہ تلخی حیم بھرے چشمیدہ ہوں

شیریں = شاد۔ اداس = کد۔ از بسکہ = اتنا یہ کہ۔ تلخی = کڑواہٹ۔ بھراں = بھری۔ چشمیدہ =

چشمیدہ = پتھے ہوئے۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب میں دنیا کے عالم میں ہوں اور موت کی تلخی سے پریشان ہوں اس وقت بھی میرا نہ ملنا کرنے والا کوئی نہیں اور کہیں نہ ہوگا کہ میں تو بھر اس لعنب ہوں میرے کون تو قریب آجکا پتہ تلخی کے ہوگی کہ جو میرا نہ ملنا کرے مطلب میرے کد میں شربتِ خدا ہے۔



نے جو سے طاق نہ سار سے رابط

میں معرضِ مثال میں دست بردہ ہوں

نے = نہیں۔ جو = تھو۔ طاق = قفل۔ سار = جام۔ رابط = قفل۔

معرضِ مثال = قلیق کے معاملے میں۔ دست بردہ = کٹا ہوا ہاتھ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ مجھے نہ تھو سے کوئی قفل ہے اور نہ سے سار سے کوئی قفل ہے اس وقت میری مثال تو اس شخص سے دی جا سکتی ہے جسکے ہاتھ کاٹ دئے گئے ہوں یا اگتا ہے کہ سخت مجبوری کے عالم میں شکر کا کیا ہے۔



ہوں خاکسار ہر نہ کسی سے ہے کچھ کو لاک

نہ دلاؤ قلوب ہوں نہ دام چیدہ ہوں

خاکسار = غلبہ۔ لاک = خلق۔ قلوب = گراں قدر۔ دام چیدہ = قیمتی۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں خاک ضرور ہوں مگر کچھ کسی شے سے دشمنی یا عداوت نہیں ہے میں کوئی گناہ یا عیب کی طرح حقیر بھی نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی قیمتی چیز ہوں ایک واسطہ درجہ کا انسان ہوں۔



ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ

ہوں میں گلامِ قر و لے تاشہدہ ہوں

نقز = بہرین۔ ولے = اور لیکن۔ تاشہدہ = نہ شاہدہ۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں محمد و نور علیہ السلام رہتا ہوں مگر کچھ کسی نے تنے کسی طرح تنے کی رحمت نہیں کی اسی لئے دادِ عظیم سے بھی انہیں نوازا جا چکا ہے وہ کسی کے دل میں ہماری جگہ بھی نہیں ہے۔



جو چاہنے نہیں وہ مری قدر و منزلت

میں ہست قیمتِ ازل خریدہ ہوں

قدر و منزلت = عزت کا مقام۔

یوسف = حضرت یوسفؑ اللہ کے رسول اور بے نہایت حسین و جمیل انسان تھے انکو انکے سوتیلے بھائیوں نے حسد سے ایک آئینے کو انہیں میں پھینک دیا تھا اور باپ حضرت یعقوبؑ کو آکر غم آنکھوں پڑے جو کسی بکری وغیرہ کے غم میں آلودہ تھے دکھا دئے اور کہا کہ یوسفؑ کو جیلر نے لے گیا تھا حضرت یعقوبؑ اسی سے پھر رہا اور غم و مصرت ہوئے کی وجہ سے بہت محبت کرتے تھے اسلئے انکی یاد میں ہمیشہ دئے رہے یہاں تک کہ انکا دھما ہو گئے اور سر جانے والے قافلے کے لوگوں نے انکو انہیں سے نکال لیا اور سر ہر جا اور ہر مقام کے فروخت کر دیا چونکہ حسین بہت زیادہ تھے اسلئے انکو ایک دوسرے خریدار نے (مصر مصر کی جنگ) ازل بخانے خرید لیا۔ پہلے کسی معمولی آدمی نے کم قیمت پر خریدا تھا۔

تشریح:- شعراء میں حضرت اسی صحیح کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ میں یوسفؑ ضرور ہوں کہ کھانا اچھے کھاتے کے اپنی جگہ حسین ہوں لیکن عروج خرید اچھا کم قیمت یوسف ہوں۔ میں جسکا حقدار ہوں وہ قدر و منزلت مجھے حاصل نہیں ہے۔



اہل درج کے طبقہ میں ہر چند ہوں دلیل

پر ماحول کے فرقہ میں میں برگزیہ ہوں

اہل درج = راہنہ = ماحول = گنہگار کے۔ فرقہ = طبقہ۔ برگزیہ = باعزت۔

تشریح:- نیکو کار لوگوں میں کئے حق دلیل و خواہ سمجھا جاتا ہوں مگر گنہگار کے درمیان میں بد رنگ قرآن ہوں وہاں میری قیمت ہے لوگ مقام دیتے ہیں۔



پانی سے سنگ گزیہ دارے جس طرح آند

وہاں آئینے سے کہ مردم گزیہ ہوں

سنگ گزیہ = گئے کا کا کا ہوا۔ مردم گزیہ = آدمی کا کا کا ہوا (خدا ہوا)

تشریح:- فرماتے ہیں کہ آند جس طرح گئے کا کا کا ہوا پانی سے آند سے جس طرح آئینہ سے آند ہوں کیونکہ آدمی کا خدا ہوا ہوں آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر راز ہوں کہ جس میں دکھائی دیتا ہے آدمی ہے اور میں آدمی سے ہوا کرتا ہوں۔

غزل (۱۸۳)

بکس شمع مزاراں میں جو آجاتا ہوں شمع ساں میں چہ دامن صبا جاتا ہوں

ہوے ہے ہمارے وہ دشت کوہر ہر غم جس گزر گاہ میں، میں آبلہ پا جاتا ہوں

سرگراں مجھ سے سبک وہ کے نہ رہنے سے رہو

کہ چہ یک جہش لب مظل صبا جاتا ہوں



بکس شمع مزاراں میں جو آجاتا ہوں

شمع ساں میں چہ دامن صبا جاتا ہوں

بکس شمع مزاراں = محل مزاراں میں جس میں بارہ شمعیں جلا کر آقا ذکر کرتے ہیں۔ شمع ساں = شمع کی مانند

دھامان = دامن کے پیچے۔ صبا = پردائی سبک ہوا۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ میں مزاراں میں جس کی محل میں شمع کی مانند بہت احتیاط سے جس طرح شمع کو دامن کے پیچے چھپا کر رکھیں پردائی ہوا اسکو بھانڈے مطلب یہ ہے کہ خود کو بھپاتا ہوا کہ کوئی پیچھے نہ لے کہ یہ نہ بارہ خواہ اس پاک

مکمل میں کیوں چلا آیا اسے بزم سے باہر کر۔ مگر میں چونکہ جب اہل بیت ہوں چاہتا ضرور ہوں کہ جسے علی غور کو نما پا کر دوں۔
کیونکہ اس بزم میں اپنی نافرمانی ضرور کی نہیں اخلاصی بیت شرط ہے۔



ہو اسے ہے چارہ رو رشتہ گوہر ہر گام

جس گزر گاہ میں۔ میں آبلہ پا جاتا ہوں

چارہ = نیک راستہ۔ رو = راستہ عام۔ رشتہ = دھاک۔ گوہر = موتی۔ گام = قدم۔

گزر گاہ = راستہ۔ آبلہ پا = پاؤں کے چھالے لئے ہوئے۔

تشریح:- کہتے ہیں کہ میں آبلہ پا جس راستے سے گذرتا ہوں اپنے پاؤں کے چھالوں سے ہر قدم پر مسلسل خون پانی
گناہ ہوسلک گوہر سے تمام راستہ کو آراستہ کرتا ہوا جا رہا ہوں۔



سرگزاں مجھ سے سبک رو کے نہ رہنے سے رہو

کہ یہ یک جنش لب مثل صدا جاتا ہوں

سرگزاں = بھاری سر۔ سبک رو = ہلکی رفتار۔ یک جنش لب = ایک ہوا اشارہ۔ مثل = مانند۔

صدا = آواز۔

تشریح:- فرماتے ہیں کہ اب تم لوگ بزم میں میرے نہ رہنے سے سر بھاری کر دیکار ہے میں تو ان سب رفتار لوگوں
میں سے ہوں جو زراعی جنش لب بھی اپنے خلاف پاتا ہوں تو مکمل سے ہوا کی مانند تک پاتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے سر بزم اپنے خلاف ذرا سی بات بھی گوارا نہیں ہے۔



بسم تعالیٰ اظہارِ تشکر

شکر گزار ہوں رب العالمین کا جو مالک و خالق ہے اس کائنات کا جس نے مجھے اردو ادب کی اس ادنیٰ خدمت کا موقع دیا، حوصلہ عطا فرمایا اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اسکے بعد معترف ہوں ان حضرات کا جنہوں نے اپنے حسن سلوک اور تجلّی صانع و عاؤں سے میری معاونت کی جن میں سب سے پہلے اور اس سلسلے میں قابلِ احترام شخصیت چودھری مولچند راجی چیرمین انڈسٹریز یو۔ پی۔ کی ہے جنہوں نے قاضی جمال ناصر صاحب اور محمد ظفر صاحب قریشی وکیل سرگرم کارکنان سماج وادی پارٹی جنہوں کے توجہ دلانے پر امکانی حد تک میری مدد فرمائی۔ اور کتاب ہذا کے اجراء تک انکی تنگ دود میں پیش پیش رہے۔ اسکے علاوہ ایک لمبی فہرست ان حضرات کی ہے جنہوں نے اپنی پڑچلوں و عاؤں اور مسلسل تقاضوں سے میرے خون کو گرمائے رکھا۔ اور میں بالآخر مشکلات کے اس سمندر کو عبور کر گیا۔ اگر ان حضرات کے اسمائے گرامی کا اظہار نہ کروں تو احسان فراموشی ہوگی

جن میں عالی جناب مولوی عبدالجلیل صاحب مگینہ جناب ڈاکٹر محمد امجد فاروقی صاحب، جناب اخلاص الدینی صاحب، جام صدیقی جناب حکیم نسیم الرحمن صاحب، جناب شاہد حسین صاحب صدیقی، جناب قیام الدین صاحب قیام، جناب سید احمد صاحب اثر اللہ بی، جناب ظفر احمد صاحب ظفر، جناب مظاہر حسین صاحب مظاہر، جناب محمد ریاض صاحب، جناب کلیل احمد خان صاحب کلیل بجنوری، جناب شفیق بجنوری، جناب امیر احمد صاحب امیر بجنوری، مولانا ناصر یعقوب احمد صاحب یعقوب بدایونی، جناب محمد یاسین صاحب

کاتب بجنور، جناب قاضی ریاست حسین صاحب فکر، مرحوم جناب قاضی کرچوری
 صاحب، جناب نصرت منزاوری صاحب، جناب جاوید سید ہاروی صاحب، جناب شاکر
 کرچوری صاحب، جناب جمال کرچوری صاحب، جناب اشرف کرچوری صاحب، جناب
 کللی رحمانی صاحب، جناب عزیز نجیب آبادی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب، نشاط، جناب
 حاجی محمد ذکی صاحب، جناب شعیب الحسن صاحب شہید فہوری، جناب احمد علی صاحب شاد قاسمی
 ، جناب سعید احمد صاحب سعید ملکی، جناب حاجی بنیاد علی صاحب عاجز، جناب اختر صاحب
 نجیب آبادی، جناب شاد کرچوری صاحب، جناب ڈاکٹر جنید احمد صاحب جنید، جناب حکیم اطہر
 حسین صاحب کرچوری، جناب اسرار ربانی صاحب، جناب شمیم جمیلی صاحب، جناب طاہر
 حسین منصور، جناب صاحب، جناب صوفی ظلیل احمد صاحب، جناب راقم حسین صاحب، جناب
 حفیظ خاں صاحب، جناب ڈاکٹر قاضی وقار احمد صاحب، جناب کامریڈ ایوب احمد
 صاحب، جناب سینہ محمود احمد صاحب (مودی)، ایڈوکیٹ جناب مسٹر عبدالسیح صاحب
 ایڈوکیٹ جناب فرید الدین صاحب ایڈوکیٹ، جناب ثار احمد صاحب ثار ایڈوکیٹ، جناب
 کامران صاحب ایڈوکیٹ، جناب اکرم سیفی صاحب، جناب ڈاکٹر خورشید احمد صاحب، جناب
 محمد جاوید صاحب، جناب حسین چاند پوری صاحب، جناب صغیر بخش صاحب قادری، جناب
 سید اجلال احمد صاحب، جناب نواب احمد صاحب، جناب سید مشہور احمد صاحب، جناب حاجی
 محمد انور صاحب، جناب حاجی محمد اشرف صاحب، جناب حاجی محمد سلیمان صاحب، جناب حاجی
 مختار احمد صاحب، جناب حاجی قاری محمد جعفر صاحب، جناب حاجی قاری ریاض الدین
 صاحب، اللہ پاک ان سبھی حضرات کی جایزہ تمناؤں کو پورا فرمائے اور مزید انعام و اکرام سے

مینا بجنوری

نوازش۔ آمین۔ آمین۔

